

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین اناؤں کی سرگزشتِ حیات

# سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

حصہ دوم و سوم  
سیر مہاجرین  
اول دوم کامل



لَا يَسْتَوِي مَنْتُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلْ أَوْلِيكَ أَكْثَرُ دَرَجَةً  
 مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوا وَكَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحَسَنِي  
 جِن لُوكُوں نِي فَتْحِ مَكَّةَ سِي پِلِي خَرِجْ كِيَا اُوْر لَائِي كِي وُو دَرَجِي مِي اُن لُوكُوں سِي بَرِي هِي جِنْحُون  
 نِي فَتْحِ مَكَّةَ كِي بَعْدِ خَرِجْ كِيَا اُوْر لَائِي اُوْر اَللَّهُ نِي بَهْلَائِي كَا وِعْدِي سَب سِي رَكْهَائِي۔

## سِيرُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ

### مہاجرین (حصہ اول)

جلد دوم حصہ دوم و سوم 2

سیر مہاجرین اول دوم کامل

ان جلیل القدر مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مفصل سوانح زندگی جو فتح مکہ سے پہلے  
 اسلام لائے اور گھریار اور وطن کی قربانی دے کر ہجرت کی سعادت حاصل کی

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

سابق رفیق دار المصنفین

ناشر

042 - 7223506 فون فضل الہی مارکیٹ چوک اُردو بازار لاہور اسلامی مکتبہ

## کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ اکابر بنی ہاشم و قریش اور ان حضرات صحابہ کے حالات 'سوانح' اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی و دینی مجاہدات اور کارنامے ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے... شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں قریش کی تاریخ اور قبائل مہاجرین کی تفصیل ہے۔

بلسلہ	.....	سیر الصحابہ (جلد دوم)
نام کتاب	.....	مہاجرین (حصہ اول - دوم) کامل دو حصے
طالع	.....	ممتاز احمد
ناشر	.....	اسلامی کتب خانہ
مطبع	.....	لعل شارپٹرز

## ملنے کے پتے

↔	مکتبہ رحمانیہ	غزنی سٹریٹ، اقراء سنٹر، اردو بازار لاہور
↔	ممتاز اکیڈمی	فضل الہی مارکیٹ، اردو بازار لاہور
↔	مکتبہ العلم	۱۸ اردو بازار لاہور
↔	خزینہ علم و ادب	الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

## فخرف

نامی قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دور کیا جائے۔ شکریہ!  
(ادارہ)

# فہرست موضوعات

## سیر مہاجرین: جلد دوم: حصہ اول

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
23	ایام عبس و ذبیان	9	دیباچہ
23	ایام ربیعہ و مضر	10	مقدمہ
24	ایام بنو عامر		اسلام سے پہلے مہاجرینؓ
24	دیگر ایام مشہور	10	کے خانوادے
25	دو رسوم	11	دو راؤل
25	قریش		۵ - ۳
26	قبائل قریش اور ان کے مشاہیر	16	دو رسوم
27	ایام قریش		۱۵ - ۵
27	یوم فجاراؤل	16	قبائل عدنان
27	یوم فجارثانی	19	عدنان کی حکومتیں
29	واقعہ فیل	20	عدنان کی تجارت
30	ایک جنگ	20	آل عدنان کا مذہب
30	یوم ذات نکیف	22	ایام عدنان
31	خانہ کعبہ کی مرمت		آل عدنان کی لڑائیاں دوسری
31	قریش کی سیاسی خود مختاری	22	نسل والوں کے ساتھ
32	قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع	23	عدنانیوں کی خانہ جنگی
33	قریش کا تمدن	23	ایام بکر و تغلب

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
56	میں ناکامی	34	نظام عسکری
57	مہاجرین حبش کی واپسی	34	عدالتی نظام
58	دوسری ہجرت	34	نظام مذہبی
58	حبشہ کی دوسری ہجرت	35	ندوہ
	حضرت ابو طالب اور حضرت	36	مشورہ
61	خدیبہ بنہنیخ کا انتقال	36	حلف فضول
61	قریش کی ایذا رسانی	37	قریش کا مذہب
61	تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر	42	لوازم تمدن
	مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کا	42	تجارت
62	گھر اور تبلیغ اسلام	45	علوم و فنون
63	تبلیغ کا اثر قبائل پر	46	رفاہ عام کے کام
69	قبیلہ دوس کی خواہش	47	اسلام کا ظہور
69	اہل مدینہ کا قبول اسلام		پہلی ہجرت یا مہاجرین کی پہلی
70	انصار کی پہلی بیعت	53	جماعت ۳۱ - ۳۵
70	انصار کی دوسری بیعت	53	حبشہ کی پہلی ہجرت
	ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک قائم		حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج
73	رہا اور اس کے اسباب	54	کی کوشش
74	مہاجرین کے فضائل و مناقب	55	نجاشی کا جواب
	۶۱ - ۷۳	55	حضرت جعفر کی تقریر
74	کلام اللہ اور مہاجرین		نجاشی کا آیات قرآنی سے متاثر
80	احادیث نبوی (ﷺ)	56	ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف
86	مہاجرین منافق نہ تھے		وفد مشرکین کی ایک چال اور اس

## اسمائے مہاجرین (بہ ترتیب کتاب)

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
369	حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ	87	حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ
375	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	110	حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ
	حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	126	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
385	اللہ عنہ	142	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
	حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ	169	حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
392	اللہ عنہ	185	حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ
396	حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ	192	سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ
	حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ	201	حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ
403	صدیق رضی اللہ عنہما	211	حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
407	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	220	حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ
413	حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ	227	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
415	حضرت عقبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	239	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
420	حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	278	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
424	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	314	حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
429	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	345	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما
434	حضرت عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ		حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما
437	حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ	360	بن العاص رضی اللہ عنہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
455	حضرت محرز بن نھلمہ رضی اللہ عنہ	441	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ
458	حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ	446	حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ
460	حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	449	حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ
462	حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	445	حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ

## اسمائے مہاجرین (بہ ترتیب حروف تہجی)

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	س		الف
	حضرت سالم رضی اللہ عنہ: مولیٰ ابی	437	حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ:
441	حذیفہ رضی اللہ عنہ:	424	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ:
142	حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:	392	حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ:
185	حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ:	169	حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ:
	ش	314	حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:
452	حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ:		ب
458	حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ:	211	حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ:
449	حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ:		ج
	ص	220	حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ:
369	حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ:		ح
	ط	407	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ:
110	حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ:	192	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ:
	ع		ز
462	حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ:	87	حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ:
420	حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ:	227	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ:



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
446	حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ	201	حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ
415	حضرت عتبہ بن غزوٰان رضی اللہ عنہ		حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر
385	حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	403	صدیق بنی اللہ
434	حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	126	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
345	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	429	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
460	حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	413	حضرت عبداللہ بن سمیل رضی اللہ عنہ
	م	239	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
455	حضرت محرز بن نھلمہ رضی اللہ عنہ		حضرت عبداللہ بن عمرو بن
375	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	360	العاص رضی اللہ عنہ
396	حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ	278	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ جلد ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں ہے جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے چونکہ اسلام میں ان بزرگوں کی حیثیت بہت بڑی ہے اس لیے ان کو سب سے اول جگہ دی گئی اور ان میں بھی چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جن کے حالات میں ایک مستقل جلد چھپ چکی ہے، عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ بزرگوں اس جلد میں مذکور ہیں اور ان کو تمام مہاجرین رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے

یہ جلد بھی ہمارے رفیق عزیز مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی کی تالیف ہے، مقدمہ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے فضل و کمال و اخلاق کا حصہ ان کے ہم نام اور ہم مدرسہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین نے لکھا ہے آئندہ حصہ تمام و کمال ان ہی کا ہوگا۔

کتاب میں دو فہرستیں لگائی گئی ہیں، ایک میں کتاب کی ترتیب کے مطابق ناموں کی فہرست ہے اور دوسری میں حروف تہجی کے اعتبار سے نام لکھے گئے ہیں تاکہ تلاش و مراجعت میں لوگوں کو آسانی ہو۔

سید سلیمان ندوی، ناظم دارالمصنفین

۲۳ اکتوبر ۱۹۲۸ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مُقَدِّمَةٌ

### اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے

مورخین اسلام اور علمائے انساب نے عرب کی تین قسمیں قرار دی ہیں: باندہ، عاربہ اور مستعربہ، بعض صرف دو پر اکتفا کرتے ہیں: عاربہ اور مستعربہ۔

عرب باندہ عرب کے وہ قبائل ہیں جن کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخوں میں ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، البتہ عرب کے اشعار میں جا بجا ان کا ذکر آ جاتا ہے یا الہامی کتابوں میں کہیں کہیں حالات مل جاتے ہیں، یہ قبائل عاد، ثمود، طسم جدیس وغیرہ ہیں، عرب عاربہ وہ قحطانی قبائل ہیں جو یمن اور اس کے قریب و جوار میں آباد ہوئے، ان میں سے حمیر، کہلان، بنی عمرو وغیرہ مشہور ہیں، ان کے حالات کثرت سے ملتے ہیں اور ان کی عظیم الشان یادگاریں ابھی تک سر زمین عرب میں موجود ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے اور یہی ہمارا موضوع بحث ہے کہ اسی سے سلسلہ اسماعیلی کی ابتدا ہوئی، جس میں مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے اسمعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی ہاجرہ کو "وادئ غیبر ذی زرع" میں بسایا، تو وہاں اس وقت جرہمی قبائل آباد تھے، ان میں حضرت اسمعیل علیہ السلام نے شادی کی اور ان سے جو نسل چلی، وہ "عرب مستعربہ" کے نام سے موسوم ہوئی، حضرت اسمعیل علیہ السلام کے گیارہ اولادیں ہوئیں، جن میں ایک کا نام قیدار تھا، قیدار کی نسل میں سب سے مشہور عدنان نژاد ہے، قریش کے تمام قبائل اور مہاجرین کے اکثر قبیلوں کا سلسلہ نسب عدنان ہی تک آ کر منتهی ہو جاتا ہے، اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دوروں پر منقسم ہو جاتا ہے، ایک حضرت

اسمعیل علیہ السلام سے عدنان تک، دوسرا عدنان سے فہر تک اور تیسرا فہر سے آخر تک مہاجرین کے حالات میں۔ اگرچہ پہلے اور دوسرے دوروں کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے اور صرف قریش کے حالات کا لکھ دینا کافی ہے، مگر اس خیال سے کہ اس سلسلہ کی تمام کڑیاں سامنے آجائیں، پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسی قدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔

### دور اول:

حضرت اسمعیل علیہ السلام کی گیارہ اولادوں میں ثابت اور قیدار نے نہایت جاہ و جلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا، مورخین اس بارہ میں مختلف الرائے ہیں کہ عدنان آل ثابت سے تھا یا آل قیدار سے۔ بعض عدنان کو ثابت کی اولاد بتاتے ہیں اور بعض قیدار کی، مگر اکثریت اسی طرف ہے کہ عدنان کا سلسلہ نسب قیدار سے ملتا ہے، چنانچہ مورخ ابوالفداء نے اس اختلاف کو لکھ کر اس قول کو ترجیح دی ہے: قیدار اپنے تمام بھائیوں میں زیادہ ممتاز اور نام آور تھا، اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے، البہامی صحائف میں قیدار کا نام ایک صاحب سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک جری و بہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں کہ قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ (یسعیاہ باب ۳۱ آیت ۱۷)۔

اس عظمت و شجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیاں کی بستیاں آباد تھیں، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں:

”قیدار کی آباد بستیاں اپنی آواز بلند کریں گی۔“ (یسعیاہ باب ۳۳ آیت ۱۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویوں کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے بلکہ ان کی بستیاں منظم اور ان کی معاشرت اجتماعی تھی، اجتماعی زندگی کے یہ ایک انجام اور

ناظم کی سخت ضرورت ہے، جو لوگوں کو منتظم اور منضبط رکھ سکے، ورنہ اجتماعی زندگی نہیں پیدا ہو سکتی، چنانچہ آل اسمعیل میں بھی اگرچہ باقاعدہ حکومت نہ تھی، تاہم وہ ایک سردار کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے اور بنو اسمعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ بنو جرہم ہمیشہ آل اسمعیل کے اطاعت گزار رہے۔ آل قیدار کی زندگی اگرچہ بدویانہ تھی اور ان کا تمدن سادہ تھا، تاہم بالکل بدوی نہ تھے، بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان میں پائے جاتے تھے اور تنبا بھڑ بکریوں کی کھال اور دودھ پر ان کی زندگی کا دار و مدار نہ تھا، اس سے ترقی کر کے وہ تجارت بھی کرتے تھے، چنانچہ حزقیال نبی فرماتے ہیں:

”عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ میں تیرے علاقہ مند تھے، وہ بڑے اور مینڈھے اور بکری لے کے تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے۔“

(حزقیال باب ۲۷ آ ۲۱)

اسماعیلی قبائل نے تجارت کو اس قدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیاء لے کر ملکوں ملکوں پھرتے تھے، چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا تھا، اسماعیلی تھے اور بغرض تجارت مصر جا رہا تھا، چنانچہ توراہ میں ہے کہ:

”جب حضرت یوسف علیہ السلام نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مروانوں پر لادے ہوئے ہیں کہ انھیں مصر کو لے جائے۔“ (پیدائش باب ۳۷ آ ۲۵)

اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ تمدن تھا، چنانچہ ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے ساتھ ان میں تمدن بھی آچلا تھا، توراہ میں ایک موقع پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے:

”جیدعون نے انھیں کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم میں

سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے، کہ ان کے کرن پھول  
سونے کے تھے اس لئے کہ وہ اسماعیلی تھے۔ (تفسیر باب ۱۸ آ ۲۳)

ان مذکورہ بالا شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اسماعیلی قبائل بدادت کے ابتدائی دور  
میں نہ تھے بلکہ اس سے نکل کر تمدن شاہراہ اختیار کر لی تھی یعنی ان میں دنیاوی شان و  
شوکت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی، معاشرت بھی اجتماعی اور منظم تھی، ان کی  
عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں۔

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفوں کی شہادتیں ہیں، ہماری تاریخوں میں بھی کثرت سے  
ان کے حالات ملتے ہیں اور ان سے بھی ان کی عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے، بنو اسمعیل رضی اللہ عنہم  
کی ابتدائی تاریخ خانہ کعبہ سے وابستہ ہے، اس لئے ہم بھی خانہ کعبہ کی روشنی میں ان کے  
حالات تلاش کرتے ہیں، خانہ کعبہ کی تولیت آل اسمعیل رضی اللہ عنہم میں بڑی عزت کی چیز تھی،  
کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا، تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے،  
دوسرے لفظوں میں کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی، حضرت اسمعیل کے بعد  
اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا، مگر حضرت اسمعیل کی نسل سے یہ سلسلہ دوہی پشتوں  
کے بعد منقطع ہو گیا، کیونکہ جب حضرت اسمعیل کی اولاد میں نفوس کی کثرت ہوئی اور ارض  
حرم میں اتنی گنجائش باقی نہ رہی، کہ وہ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے، تو وہ لوگ حرم  
سے نکل کر اس کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی  
کے لئے رہ گئے، مگر یہ سب صغیر السن تھے اور اس صغیر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض  
نہیں ادا کر سکتے تھے، حضرت اسماعیل کے سرالی قبیلہ جربہم میں یہ عہدہ منتقل ہو گیا اور  
مضامض جربہم اس پر فائز ہوا، چنانچہ حارث جربہم کہتا ہے:

وكسا ولاه البيت من بعد نابت نطوف بذاك للبيت والامر ظاهر

بنو جربہم میں اس اعزاز کو دیکھ کر سمیدع بن ہور عمالتھی کو رشک ہوا اور مضامض

جرہمی سے آمادہ جنگ ہو گیا، مگر شکست کھائی اور جرہم میں کئی پشتوں تک یہ منصب قائم رہا، مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں ظلم و ستم اور فسق و فجور کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور سب سے زیادہ نفرت انگیز اور قابل مذمت حرکت یہ کی کہ حرمت کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا اور حجاج پر زیادتیاں کرنے لگے، حرم کا چڑھا دیا کھا جاتے، لوگوں کو طرح طرح سے ستاتے، غرض کہ ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، آل اسمعیل ان کی ناروا حرکتوں کو دیکھتے تھے، مگر اول تو عزیز داری کے پاس سے کچھ نہیں بولتے تھے، دوسرے حرم میں کشت و خون کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے اخراج میں خونریزی کا ہونا یقینی تھا، آخر کار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھ کر بنو بکر اور عیساں نے سختی سے اس کا تدارک کیا، یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آئی اور ایک خونریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کی طرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لئے ان کی نجاستوں سے پاک کر دیا، یہ شکست خوردہ تو تھے ہی، انہوں نے چلتے چلتے حجر اسود کو اٹھا کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہ زمزم میں پھینک کر کنوئیں کو پاٹ دیا۔

اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آل اسمعیل میں لوٹ آئی اور چند پشتوں کے بعد عدنان تک پہنچی، ابھی عدنان کا دور تھا کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا، جس سے عربوں کی قوتیں ٹوٹ گئیں، سارا عرب ویران ہو گیا اور تمام ملک میں خاک آڑنے لگی، عدنان اسی حملہ میں مارا گیا، مگر اس کے لڑکے کے معد کو ارمیا نبی نے بچالیا، جس سے آئندہ نسل پھیلی۔<sup>۲</sup>

دور دوم:

پہلے دور میں حضرت اسمعیل رضی اللہ عنہ سے لے کر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں، دوسرے دور میں عدنان سے فہر تک کسی قدر تفصیل ہوگی، کیوں کہ مہاجرین کا

۱ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۶۳، ۶۵

۲ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۳۹، ۲۹۹

سلسلہ نسب اسی تک فتمی ہوتا ہے عدنان کا سلسلہ نسب باتفاق نساہین حضرت اسمعیل تک پہنچتا ہے، لیکن درمیانی پشتوں کی بعدداد اور ان کے ناموں میں اختلاف ہے، اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے کہ وہ عبرانی سے عربی میں منتقل ہوئے ہیں اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان میں جاتے ہیں تو لامحالہ کچھ لب و لہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہیں رہتی، اس لئے یہ اختلاف قابل توجہ نہیں ہے البتہ درمیانی کڑیوں کی تعداد کا اختلاف ضرور قابل لحاظ ہے، بعض عدنان سے حضرت اسمعیل تک صرف آٹھ دس پشتیں بتاتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے اور یہی آخری قول صحیح ہے، کیونکہ اگر صرف نو دس پشتیں مانی جائیں تو عدنان اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کے درمیان زمانہ بہت کم رہ جاتا ہے، جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے، چنانچہ علامہ سہلی روض الانف میں لکھتے ہیں کہ ”عادۃً محال ہے کہ عدنان اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کے درمیان چار یا سات پشتیں یا دس یا بیس پشتیں ہوں، کیونکہ ان دونوں کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے۔“

یہ تو قیاس عقلی ہے، اس کے علاوہ بہت سے علماء عرب میں ایسے تھے جن کو چالیسوں پشتیں برزباں یا دھیس، چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ”مجھ سے بعض عرب نسابوں نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے علمائے عرب کو جانتے ہیں جن کو معد بن عدنان سے حضرت اسمعیل علیہ السلام تک پشتیں نام بنام حفظ تھیں اور وہ اس پر اشعار عرب سے استدلال کرتے تھے اور ان نسابوں نے علماء کے محفوظ ناموں کو اہل کتاب کے بتائے ہوئے ناموں سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی، البتہ لہجہ و زبان کے تغیر سے ناموں میں اختلاف ہو گیا تھا۔“

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا یقینی تھا، اس لئے انھوں نے صرف مشہور لوگوں کے نام یاد رکھے

۱ روض الانف صفحہ ۸ جلد ۸ مطبوعہ مصر

۲ طبری صفحہ ۱۱۸



اور پورا سلسلہ محفوظ نہیں رکھا، لیکن بہر حال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ عدنان اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کے درمیان چالیس پشتیں تھیں۔  
قبائل عدنان:

عدنان کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ اس کا استقصاء اس دیباچہ میں مشکل ہے اور ہمارے موضوع سخن کے لئے زیادہ کارآمد بھی نہیں اس لئے ہم ان کے مشہور قبائل اور ان میں سے بھی خاص کو ان ہی کا تذکرہ کریں گے جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہوگا، اس سے قبائل عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے گا اور آئندہ جہاں قبائل یا اشخاص کے نام آئیں گے وہاں اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

عدنان کے دو لڑکے تھے، ایک اور معد، مگر آئندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی۔ اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے، جن کو تاریخ عرب میں بہت اہمیت حاصل ہوئی، انمار، ایاذ، ربیعہ، قضاعہ اور مضر، ان میں سے انمار اور ایاذ بہت کم پھیلے، البتہ ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے کثرت تعداد دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی۔

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادیں ہوئیں، جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور نہایت دنیاوی اعزاز حاصل کیا اور حکومتیں قائم کیں، ان کے مشہور قبائل و بطون یہ ہیں، بنو جدیلہ، نہب، بن افصہ (خاندان حضرت صہیب رضی اللہ عنہ)، بنو وائل، بکر بن وائل، بنو عجل، بنو عبد قیس، بنو تغلب وغیرہ، پھر ان سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہیں۔  
قضاعہ کو عام مورخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہیں، مگر از روئے تحقیق وہ عدنانی ہیں، بنو قضاعہ نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان و شوکت حاصل کی، حانی بن قضاعہ کے تین لڑکے تھے، عمرو، عمران اور اسلم، ان ہی تینوں سے تمام بطون و شعوب پھیلے۔

بنو عمرو کے مشہور بطون عبدان بن علی (حضرت کعب بن عجرہ خدیج بن سلامہ سہل بن رافع ابو بردہؓ کا خاندان) بہرا (حضرت مقداد بن اسودؓ کا خاندان) بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم جہینہ اور نہد ہیں۔

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو سلیم بنو صحعم بنو جرم بنو اسد بنو تمر بنو کلب وغیرہ ہیں پھر ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سینکڑوں بطون نکلے۔

مضر بن نزام بطون وقبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاہ اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے مضر کے دو لڑکے تھے ایاس اور قیس عیلان ان ہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا۔

بطون خندف بن ایاس بن مضر:

ایاس کے تین لڑکے تھے مدرکہ طانجہ قمعہ یہ تینوں قبیلہ قضاہ کی ایک عورت خندف قضاہ کے بطن سے تھے اس لیے یہ اسی کی طرف منسوب ہوئے اور ان کے تمام بطون خندف کہلائے۔

قمعہ کے مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو انصہ ہیں بنو خزاعہ سے بنو مطلق بنو کعب (حضرت عمران بن حصینؓ کا خاندان) بنو عدی (ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کا خاندان) بنو جہنیہ وغیرہ نکلے ہیں۔ بنو انصہ سے بنو مالک اور بنو اسلم (حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا خاندان) پیدا ہوئے یہ قبائل مرظہران اور اس کے قرب وجوار میں آباد ہوئے۔

طانجہ کے مشہور بطون وقبائل ضبہ رباب تمیم اور مزنیہ (بجیر و کعب مداح رسول اکرم ومعقل ابن یسارؓ کا خاندان) ہیں چھوٹے بطون میں صوف اور محارب وغیرہ کا شمار ہے پھر تمیم کی شاخیں بنو حارث بنو اسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابی اور حظلہ بن ربیع کا تب نبویؓ کا خاندان) بنو مالک اور بنو سعد وغیرہ ہیں یہ سب عراق اور نجد میں آباد تھے۔

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل قارہ اسد اور کنانہ ہیں پھر بنو اسد سے بنو غنم (ام المؤمنین حضرت زینبؓ اور عکاشہ بن محسنؓ کا خاندان) بنو ثعلبہ وغیرہ نکلے یہ بھی

اضلاع نجد میں آباد تھے، کنانہ سے بنو عبد مناة، بنو مالک اور بنو نضر تھے، بنو عبد مناة سے بنو بکر، بنو مرہ، بنو حارث اور بنو عامر تھے، بنو بکر سے بنو لیث (ابو داؤد اور قیس بن شداد رضی اللہ عنہما کا خاندان)، بنو سعد (عبدہ بن سعد کا خاندان)، بنو جزیع وغیرہ پیدا ہوئے۔

بطون قیس عیلمان:

بنو خندف کی طرح بنو قیس سے بھی بطون و شعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا، قیس عیلمان کے تین لڑکے تھے، عمرو، کعب اور حفصہ، ان تینوں سے الگ سلسلے چلے۔

بنو عمرو کے بطون بنو فہم، بنو عدوان وغیرہ ہیں، ان دونوں کی اولادیں طائف اور نجد میں بستی تھیں۔

بنو سعد کے مشہور قبائل غنی، بابلہ، غطفان، مرہ، پھر غطفان سے بنو عجم، بنو ذبیان، بنو اشجع، (خاندان حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ)، پھر بنو عجم سے بنو حارث (خاندان حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ) اور ذبیان سے بنو ثعلبہ، بنو مرہ (خاندان حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ)۔

بنو حفصہ بن قیس کے دور بڑے بطن بنو سلیم اور بنو ہوازن مستقل صد ہا بطون کا منبع تھے، بنو مازن (خاندان عتبہ بن غزوآن رضی اللہ عنہ)، بھی بنو حفصہ کا ایک بطن تھا، مگر اس کی مستقل بستی نہ تھی بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت میں تھا۔

بنو سلیم کے بطون بنو ذکوان، بنو عجم (خاندان حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ)، بنو ثعلبہ، بنو بھر (خاندان حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ)، بنو زعبہ، بنو عوف، بنو سلیم، ان میں سے کچھ نجد کے بالائی حصہ میں آباد تھے، کچھ خیبر کے اطراف میں۔ اس کے علاوہ افریقہ میں ان کی بڑی تعداد تھی۔

بنو ہوازن کے مشہور قبائل بنو معاویہ، بنو منبہ، بنو سعد (آنحضرت ﷺ کا رضاعی تعلق اس خاندان سے تھا)، پھر بنو منبہ سے بنو ثقیف، بنو جہم، بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب کے سب طائف میں آباد تھے اور بنو معاویہ سے بنو نضر، بنو حشم، بنو سلول، بنو مرہ، بنو عامر وغیرہ تھے، ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر صد ہا بطون نکلے۔

قبائل کی تقسیم میں بعض خانوادوں کی کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے اور بعض میں صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخوں کو منسوب کر دیا گیا ہے اور شاخ در شاخ کی تفصیل نہیں کی گئی ہے اور نہ درمیانی واسطوں کا ذکر کیا گیا ہے۔  
عدنان کی حکومتیں:

بنی عدنان نجد، حجاز اور تہامہ میں آباد تھے اور ابتداً سب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے جہاں شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے، وہیں خیمہ زن ہو جاتے۔ اونٹ اور بکریوں کے گلے ان کا ذریعہ معاش تھے، ایک عرصہ تک اسی حالت میں رہے مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اس کی اولاد میں اس قدر کثرت ہوئی کہ قدیم اقامت گاہیں ان کے لئے کافی نہ ہو سکیں، چنانچہ عدنان کی پانچویں شاخیں اپنے اپنے مستقر سے نکل کر تمام اطراف میں پھیل گئیں، ان میں سے ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا، متعدد بڑی بڑی حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں، جو صدیوں تک بڑی شان و شوکت سے چلتی رہیں، چنانچہ بنو قضاعہ کی حکومتیں حجاز سے لے کر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی تھیں اور اور ان کے حکمران قبائل میں تنوخ اور سلیم نے بڑا جاہ و جلال حاصل کیا اور دونوں یکے بعد دیگرے شام کے تختِ حکومت پر بیٹھے۔ شام کی سلطنت کے علاوہ تبوک اور دومۃ الجندل میں بھی ان کی ریاستیں تھیں۔ بنو قضاعہ کی طرح اگرچہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی، تاہم ان کی سیادت اور ان کا اقتدار تمام قبائل میں مسلم تھا، چنانچہ یہ اظہار سیادت اور تفوق کے لئے اپنا ایک شعار مخصوص کر لیتے تھے، جو تمام قبائل کے لئے واجب التسلیم ہوتا تھا اور کوئی قبیلہ اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، حتیٰ کہ اس کی ادنیٰ مخالفت ہی اعلانِ جنگ تصور کی جاتی تھی۔ آل مضر میں بکر و تغلب کی ریاستیں حجاز میں تھیں اور بنو عامر کی حکومت عراق میں تھی۔ ان کے علاوہ نجد میں کندہ نے بڑی شاندار حکومت

۱ ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۳۹ ۲ ایضاً ۳ ایضاً

۴ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۸۳ ۵ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۰

قائم کی، اگرچہ علمائے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہیں، مگر قیاسات و قرائن کی رو سے نسابوہ عدنانی ہیں، اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مشہور شاعر امراء القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی زبان میں شاعری کرتا تھا اور اس کے کلام میں حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی، اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا، چنانچہ اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے۔

حمیر معد حیوانائلا وجرہم قد علموا شمانلا  
دوسرے موقع پر اپنی مدح میں کہتا ہے:

وأنا الذی عرفتم معد فضلہ

اس کے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار میں ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسب کا دعویٰ نہیں کیا۔  
عدنان کی تجارت:

اگرچہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، تاہم عام عربوں کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا، مقامی خرید و فروخت کے علاوہ ملکوں ملکوں پھر کر بھی بیوپار کرتے تھے، چنانچہ بخت نصر کے مشہور حملہ کے وقت جس میں عدنان کام آیا، عدنانی کاروان تجارت اس کے حدود سلطنت میں موجود تھے اور بخت نصر نے پہلے ان ہی کو گرفتار کرایا تھا۔

آل عدنان کا مذہب:

دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دین حنیف پیش کیا تھا، جو شرک و بدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا اور خانہ کعبہ کی بنیاد توحید خالص پر رکھی تھی، تاکہ آستانوں پر جھکنے والی گردنیں صرف ایک خدائے قدوس کے تہتہ توحید پر ناصیہ سائی کریں۔

۱۔ ارض القرآن، جلد ۲ صفحہ ۱۰۸

۲۔ ابن خلدون، جلد ۲ صفحہ ۲۳۷

﴿ وَإِذَا بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ  
لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعَ السُّجُودِ ، وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ  
رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴾ (حج : ٤)

”اور جب ہم نے خانہ کعبہ کے مقام میں ابراہیم کو ٹھکانا دیا تو کہا کہ میرا شریک نہ ٹھہرانا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں نماز میں کھڑے ہونے والوں رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک و صاف کرنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے وہ تیرے پاس پیادہ اور سفر سے دہلی ہو جانے والی سواریوں پر دور دراز راستہ سے آئیں۔“

مگر چند ہی پشتوں کے بعد دین ابراہیم کے شفاف آئینہ میں شرک و بدعات کا زنگ لگ گیا اور اس نسل میں عمرو بن لُحی ایک شخص پیدا ہوا جس نے مکہ میں بت پرستی رائج کی اور خانہ کعبہ میں متعدد بت لاکر نصب کئے چونکہ خانہ کعبہ تمام عربوں کا مذہبی مرکز تھا اور تمام اکناف عرب کے لوگ یہاں موسم حج میں جمع ہوتے تھے اور عمرو بن لُحی نے بت بھی اسی قلبِ توحید میں نصب کیے تھے اس لئے بہت جلد آلِ عدنان نے بت پرستی قبول کر لی اور چند ہی دنوں میں یہ وبا تمام عرب میں پھیل گئی اس کی تفصیل آئندہ قریش کے حالات میں آئے گی بت پرستی کے علاوہ عدنانیوں میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جا بجا موجود تھا چنانچہ قضاہ اور ربیعہ میں نصرانیت کا اثر غالب تھا بنی کنانہ میں یہودیت کے اثرات موجود تھے تمیم میں مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی تمیم اور کنانہ دونوں میں کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے کچھ لوگ عقلی پروازی کی آخری حد الحاد تک پرواز کر چکے تھے ان ہی کے متعلق قرآن میں آیا ہے:

﴿ وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا أَحْيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ﴾ (جاثیہ ۲۴)

”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے اور ہم

مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ ہی مارتا ہے۔

اگرچہ تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آل عدنان میں پایا جاتا تھا، مگر خال خال اور نہ ان کا عام مذہب بگڑا ہوا دین ابراہیمی تھا۔

ایام عدنان:

آل عدنان میں صد ہا خونریز جنگیں ہوئیں اور ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں پر صدیوں تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اگر اسلام نے آکر ان میں اخوت اور مساوات کی بنیاد نہ رکھی ہوتی، تو عجب نہیں کہ یہ قوم صفحہ ہستی سے تابود ہوتی، یہ لڑائیاں ایام عرب کے نام سے مشہور ہیں اور دو قسم کی ہیں، ایک وہ لڑائیاں ہیں جو آل عدنان اور دوسری نسل سے ہوئیں اور دوسری خود عدنان کی خانہ جنگیاں ہیں۔

آل عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ:

عدنانیوں میں خانہ جنگیوں کے علاوہ کے علاوہ دوسری متعدد جنگیں بھی ہوئیں جن میں یوم بیضاء، یوم خزار، یوم صفحہ یا یوم مشقر، یوم کلاب ثانی، یوم ذی قار، زیادہ مشہور ہیں۔ یوم بیضاء بنو مذجیحینی اور بنو معد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی جس میں یمن والوں نے بہت سخت ہزیمت اٹھائی تھی، جنگ خزار بھی بنو معد عدنانی اور یمنیوں کے درمیان ہوئی، اس میں بھی عدنانی غالب رہے، جنگ صفحہ یا مشقر فارس اور تمیم عدنانی میں ہوئی، اس میں اہل فارس نے تمیم کے بہت آدمی دھوکے سے قتل کر ڈالے، جنگ کلاب ثانی بنو مذحج اور تمیم کے درمیان ہوئی، اس میں تمیم غالب رہے، یوم ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی، اس میں عجمیوں نے بہت بری طرح شکست کھائی، اس جنگ کے متعلق عربوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ هذا اول يوم انتصرت العرب على العجم یعنی پہلا دن تھا، جس میں عرب عجم پر غالب ہوئے۔<sup>۱</sup>

۱۔ یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۹۳

۲۔ ابن اثیر ایام عرب

عدنان کی خانہ جنگیاں:

عدنانی قبائل میں بے شمار خانہ جنگیاں ہوئیں جن کا استقصا مشکل اور بے سود بھی ہے اس لئے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیوں کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔  
ایام بکر و تغلب:

ایام عرب میں بکر و تغلب کی لڑائیاں بہت شہرت رکھتی ہیں اس کی ابتدا ایک معمولی واقعہ ہے اور چالیس سال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہا یہ لڑائیاں حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہیں اس میں پانچ لڑائیاں بہت زیادہ شہرت رکھتی ہیں یوم عنیزہ، یوم واردات، یوم حنو، یوم قصیبات، یوم قضہ پہلی میں طرفین برابر رہے دوسری میں تغلب پر بنو بکر غالب رہے تیسری میں بکر تغلب پر فتیاب ہوئے چوتھی میں بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی اس کے علاوہ جنگ نقع جنگ فصیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔  
یوم عس و ذبیان:

عس و ذبیان کی لڑائیاں داحس و غیراء کے نام سے مشہور ہیں داحس اور غیراء دو گھوڑے تھے ان ہی کا مقابلہ بنائے فساد ہوا اور اس سلسلہ میں متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں یوم عراعر، یوم بہا، یوم یوار، یوم جراز، یوم غرق وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔  
ایام ربیعہ و مضر:

بنو تمیم مضری اور بنو بکر ربیعہ میں بہت لڑائیاں ہوئیں مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں یوم نباج، یوم دہشل، یوم ذی طلوح، یوم جدود، یوم آباذ، یوم غبیط، یوم شقیقہ ان لڑائیوں میں بنو بکر بنو تمیم پر غالب رہے یوم فلج، یوم وقیط، یوم زوریرین، یوم نعب قشادہ، یوم مہانض، یوم شیطین ان میں بنو بکر نے شکست کھائی اور بنو تمیم فتح یاب ہوئے ان لڑائیوں کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں، یوم ذی قار، یوم ساہوق، یوم اہباد، یوم القیعہ وغیرہ ہوئیں۔

۱ ابن اثیر صفحہ ۳۸۳ تا ۳۹۷

۲ تفصیل کے لیے دیکھو ابن اثیر صفحہ ۳۲۰ تا ۳۳۳

۳ ایام عرب ابن اثیر جلد اول



ایام بنو عامر:

بنو عامر قیس عیلمان کی شاخ ہوازن کا بہت مشہور قبیلہ تھا اور قبائل عرب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں، جن میں مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم شعب، جبلہ، یوم ذی نجب، یوم نسا، یوم جفا، یوم مروہ، یوم رقم، یوم شعب، جبلہ اور ذی نجب، بنو عامر اور بنو تمیم میں ہوئی، پہلی میں عامر غالب رہے، دوسری میں تمیم، یوم نسا اور جفا کا معرکہ بھی ان ہی دونوں میں ہوا، اس میں بنو عامر اگرچہ ثابت قدم رہے تاہم ان کا بہت نقصان ہوا، یوم مروہ معمولی جھڑپ تھی، جنگ رقم بنو عامر اور غطفان میں ہوئی اور غطفان غالب رہے۔ ۳

دیگر ایام مشہورہ:

یوم ابانغ منذر بن ماء السماء تغلیسی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی۔ ۴ یوم کلاب اول ایام عرب میں بہت مشہور ہے، یہ باہم حارث کنندی کی اولاد میں ہوئی، جس میں معد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے، یوم رحمان، اس جنگ میں بنو تمیم، بنو عامر، بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے۔ ۵ یوم اداریۃ الاول بنو منذر بن امراء القیس اور بنو بکر بن وائل میں ہوئی۔ ۶

- ۱ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۳۵
- ۲ ایضاً صفحہ ۳۶۳
- ۳ ایضاً صفحہ ۳۸۲
- ۴ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۹۸
- ۵ ایضاً صفحہ ۳۰۶
- ۶ ایضاً صفحہ ۳۰۹
- ۷ ایضاً صفحہ ۳۰۸

## قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فرد قریش سے شروع ہوتی ہے، کیونکہ ان کی بڑی تعداد اسی کی نسل سے تھی، اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے، ”قریش“ فہر کے مورث اعلیٰ نضر کا خطاب تھا، مگر چونکہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا، اس لئے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہو گیا اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے، بنو نضر تجارت پیشہ تھے اور ”تقرش“ تجارت کے معنوں میں آتا ہے، اس لئے بنو نضر کا نام قریش پڑ گیا، اس کے علاوہ قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے، لہذا قوت و غلبہ کے اظہار کے لئے اپنے کو قریش کہنے لگے۔  
قبائل قریش اور ان کے مشاہیر:

قریش کے عام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قبائل کی تقسیم سمجھ لینے چاہئے قریش ایک خاندان کا نام نہیں، بلکہ چھوٹے چھوٹے دس خانوادوں پر مشتمل ہے، جو سب کے سب فہر کی نسل سے نکلے، فہر کے تین لڑکے تھے، محارب، حارث، غالب، محارب اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی، تاہم بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ناموران اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ ضحاک بن قیس، ضرار بن خطاب، کرز بن جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ بنو محارب تھے۔  
عشرہ مبشرہ میں ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، ان کے علاوہ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ، فاتح افریقہ بانی شہر قیروان اور عبدالملک بن قطن، والی اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے۔

اہلہ غالب کی اولاد بہت پھیلی پھولی، قریش کے دسوں خانوادے اس کی نسل سے تھے، بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو نوفل، بنو عبد الدار، بنو اسد، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو جحش، بنو سہم۔

۱ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۲۳، وروض الانف جلد ۱ صفحہ ۷۰

۲ قبائل قریش کی تقسیم ابن خلدون جلد ۲، از صفحہ ۳۲۳ تا ۳۳۰ سے ماخوذ ہے۔

## مشاہیر قریش:

بنو امیہ: خاندان سلاطین بنو امیہ دمشق و اندلس ابوسفیان، امیر معاویہ، حضرت عثمان، ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔

بنو عدی: خاندان حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ، جو عشرہ مبشرہ سے ایک تھے۔

بنو تیم: خاندان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، عمر بن عبد اللہ بن جدعان وغیرہم۔

بنی عبد دار: حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔

بنی اسد: زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، ورقہ بن نوفل، ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد وغیرہ۔

بنو مخزوم: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، عیاش بن ابی ربیعہ، ابو جہل، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

بنو تیح: صفوان بن امیہ، ابومخزومہ مؤذن نبی ﷺ، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔  
بنو سہم: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، فاتح مصر۔

بنو ہاشم: خاندان رسالت، عباس رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ، مطلب، حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

قریش کے ان چند مشہور خانوادوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے جن کو ان ہی کی شاخ سمجھنا چاہئے۔

بنو زہرہ: خاندان امیہ، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

بنو عبد العزی: خاندان ابوالعاص رضی اللہ عنہ، داماد رسول اکرم ﷺ۔

بنو جب: خاندان عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ، والی عراق۔

بنو امیہ اصغر: قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے، قریش

الظواہر اور قریش البطاح، قریش ظواہر، قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے جو عام بدویوں کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔

قریش البطاح وہ کہلاتے تھے جو مکہ میں آباد تھے اور متمدن زندگی بسر کرتے

تھے، تفصیل یہ ہے۔

بطارح	ظواہر
بنو محارب	بنو قصی بن کلاب
بنو تمیم الادرم	بنو کعب بن لوی
بنو خزیمہ بن لوی	
بنو سعد	
بنو حارث	

## ایام قریش

عام عربوں کی طرح قریش بھی سخت جنگجو تھے، بات بات پر کموار بن نکل نکل آتی تھیں، ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا، ان کی مشہور لڑائیوں میں سے بعض یہ ہیں۔

یوم فجار اول:

یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک کنانی بنو نضر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرض دار تھا، مگر تنگدستی کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکتا تھا، نضری قرض خواہ ایک بندر کو بازار عکاظ میں لے کر آیا اور کنانی کو ذلیل کرنے کے خیال سے کہا کہ اس بندر کو کنانی قرض دار کی رقم سے مساوی قیمت پر کون خریدتا ہے، اتفاق سے ایک کنانی ادھر سے گزر رہا تھا، اس نے سن لیا اور غصہ میں بندر پر ایسی کموار لگائی کہ وہیں ٹھنڈا ہو کر رہ گیا، نضری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی، طرفین کے آدمی جمع ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی اور آپس میں صلح ہو گئی، یہ واقعہ متعدد صورتوں سے بیان کیا جاتا ہے، مگر نتیجہ سب کا صلح ہے۔ (ابن اثیر ج ۱ ص ۳۳۹)

حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے جو عام فیل کے میں سال بعد ہوئی اس کا واقعہ یہ ہے کہ براض قبیلہ کنانہ کا ایک شخص تھا اس کے قبیلہ والوں نے اس کو نکال دیا یہ اپنے قبیلہ سے نکل کر نعمان بن منذر کے یہاں آیا نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ میں بغرض فروخت بھیجا کرتا تھا عکاظ کے میلہ کا زمانہ آیا تو براض نعمان کے یہاں موجود تھا اتفاق سے عروہ رحال بھی وہیں موجود تھا یہ شخص سلاطین اور امراء کے درباروں میں بہت آیا جایا کرتا تھا نعمان نے کہا: میں کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہوں تم میں سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے عروہ اور براض دونوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا اور اس مسابقت میں سخت کلامی کی نوبت آگئی مگر چونکہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا اس لئے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی جب عروہ مال لے کر نکلا تو براض بھی بدلہ لینے کے لئے اس کے پیچھے ہوتا ہوا اور موقعہ پا کر اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا جب عروہ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو قبیلہ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے مگر براض نے ان کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ میں نے عروہ کو قتل کیا ہے بنوقیس اس کا بدلہ ضرور لیں گے اس لئے پہلے سے تیار رہنا چاہئے امیہ کو یہ پیام عکاظ میں ملا اس نے تمام روسائے قریش کو خبر دی اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردار بنوقیس کے پاس ایک وفد مصالحت بھیجا ابھی طرفین میں صلح کی گفت و شنید ہو ہی رہی تھی کہ قریش کے کچھ لوگوں کو یہ غلط خبر ملی کہ قریش اور بنوقیس میں جنگ ہوا چاہتی ہے۔ قریش یہ سن کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا اس لئے ایک جمعیت لے کر قریش کا تعاقب کیا مکہ کے قریب مقابلہ ہوا قریش کے پاؤں اکھڑنے ہی کو تھے کہ بڑھ کر حرم میں داخل ہو گئے اور بنوقیس واپس ہو گئے مگر یہ کہتے ہوئے گئے کہ آئندہ سال عکاظ میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ چنانچہ سال بھر میں دونوں نے پھر تیاری کی اور حسب وعدہ عکاظ میں سخت مقابلہ ہوا ابتداً قریش پسا ہور ہے

تھے، لیکن ان کے عزم و ثبات نے جنگ کا رخ بدل دیا اور بنو قیس نے سخت ہزیمت اٹھائی آخر میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ طرفین کے مقتولین شمار کئے جائیں، جن کے زیادہ ہوں، بقدر زیادتی دوسرا اس کی دیت ادا کرے، اس جنگ میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے اور آپ کا سن مبارک بیس سال کا تھا۔!

### واقعہ فیل:

صحابہ فیل کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے چالیس سال قبل ہوا، اس موقع پر بھی بڑی ہولناک جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ اشرم نے یمن میں ایک عظیم الشان کینہہ تیار کرایا اور نجاشی اور قیصر روم کو لکھا کہ میں نے ایک بے مثل کینہہ تعمیر کرایا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ کے حجاج کو اس طرف پھیر لوں، عربوں نے سنا تو بہت برا فروختہ ہوئے اور اسی حالت غضب میں ایک کنانی نے کینہہ میں نجاست ڈال دی، ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی تو اس کے بدلہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے چلا، مکہ کے پاس پہنچ کر لوٹ مار شروع کر دی قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ چند قریش ابرہہ کی نڈی دل فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس لئے خاموش ہو رہے، مکہ کے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے، اس لئے ابرہہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہیں، اگر تم اس میں کسی قسم کا تعرض نہ کرو، تو خواہ مخواہ ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہیں، عبدالمطلب خود گئے اور جا کر کہا کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تمہارا مقابلہ کر سکیں، خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے۔ اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا، تو خود ہی بچالے گا، چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب واپس آئے اور قریش کو محفوظ مقامات میں بھیج دیا اور خود مع چند قریش کے خانہ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائیں مانگیں اور

چلے گئے، جب ابرہہ نے حملہ کیا، تو خدا نے اپنے گھر کو اس کے شر سے بچالیا اور اس کی فوج پر آفت آئی، سپاہیوں میں چیچک کی بیماری پھیلی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کا جھنڈ بھیجا۔

### ایک جنگ:

قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاہ میں تویت حرم کے بارہ میں دو لڑائیاں ہوئیں، تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ میں آیا، تو حرم کے متولی بنو صوفہ تھے، قصی چند کنانی اور قضاہی اشخاص کے ساتھ عقبہ گیا اور بنو صوفہ سے کہا کہ تویت حرم کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں، مگر انھوں نے انکار کر دیا، جس پر طرفین میں جنگ ہوئی اور بنو صوفہ نے شکست کھائی، بنو خزاعہ نے جب یہ دیکھا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ قصی عنقریب صوفہ کی طرح ان کے اختیارات بھی سلب کر کے ان کو حرم سے الگ کر دے گا، اس لئے بنو بکر کو لے کر قصی سے علیحدہ ہو گئے اور چاہا کہ لڑ کر قصی کو الگ کر دیں، قریش کے معاون قضاہ اور کنانہ تھے، غرض کہ دونوں میں سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزاروں آدمی کام آئے، جب دونوں خوب لڑ کر تھک گئے، تو معمر بن عوف کنانی کو حکم بنایا اس نے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کا جائے اور وہ اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے اور بنو بکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے، اس پر طرفین راضی ہو گئے۔

### یوم ذات نکلیف:

چونکہ قصی بنو بکر کو خانہ کعبہ کی تویت سے بے دخل کر کے خود متولی ہو گیا تھا، اس لئے قبیلہ بنو بکر میں قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی، مگر کوئی موقع نہ ملا آخر کار عبدالمطلب کے زمانہ میں دفعۃً یہ آگ بھڑک گئی، چنانچہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو حرم سے نکال دیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں،

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۳۵۲۳۰

۲۔ طبری ص ۱۰۹۷۲۱۰۹۶

ادھر قریش بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، عبدالمطلب نے بنو ہون، بنو حارث اور بنو مطلق کو جمع کر لیا اور ذات نکلیف میں دونوں کا مقابلہ ہوا، بنو بکر بری طرح مغلوب ہوئے اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔

خانہ کعبہ کی مرمت:

خانہ کعبہ کی مرمت کے موقع پر بھی ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی اس کا واقعہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت امتدادِ زمانہ سے بہت کمزور ہو گئی تھی، دیواریں پست تھیں۔ چھت گر گئی تھی۔ اس لئے قریش نے اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور اس قدر اہتمام کیا تھا کہ ناجائز مال سے ایک حصہ بھی نہیں لگایا، جب دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں کہ حجرِ اسود نصب کیا جائے تو قبائل قریش میں سخت اختلاف ہوا کہ اس کا شرف کس کو حاصل ہو، یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ بنو عبددار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا، چار دن اس کشمکش میں گزرے، آخر میں یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص پہلے مسجد میں داخل ہو وہ حکم مانا جائے، حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت ﷺ داخل ہوئے، سب نے باتفاق آپ کو حکم مان لیا، ابھی تک آنحضرت ﷺ اس سے بے خبر تھے، آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے رفعِ شرکی بہترین صورت یہ نکالی کہ ایک چادر پھیلا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک شخص چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے، غرض کہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنہ تنظیم رک گیا۔

## قریش کی سیاسی خود مختاری

مکہ چونکہ حجاز میں تھا، اس لئے وہ عرب کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا تھا، اور اہمیت کی وجہ سے قدرۃً آس پاس کے حکمرانوں کی نظریں اس



طرف اٹھتی تھیں چنانچہ عجمی سلطنتوں میں روم اور ایران نے اور عربوں میں حمیری اور حبشی حکومتوں نے بارہا حجاز کو لینا چاہا، مگر ہمیشہ ناکام رہیں یہاں تک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ مکہ "مبکک" سے مشتق ہے جس کے معنی میں نخوت اور غرور توڑنا اور سرکشوں کی گردن جھکانا چونکہ مکہ کی تسخیر میں بڑے بڑے جبارہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں اس لئے اس کو مکہ کہنے لگے۔ بہر حال مکہ اغیار کی دست برد سے ہمیشہ بچتا رہا حتیٰ کہ وہاں خود عربوں کی حکومت بھی نہ قائم ہو سکی اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت قائم نہ تھا بلکہ عام غیر متمدن اقوام کی طرح ایک سردار کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے تھے خاص مکہ میں جہاں بہت کچھ تمدن موجود تھا کوئی نظام اجتماعی نہ تھا البتہ ان کا ایک مشترک مرکز خانہ کعبہ تھا جس کے گرد قبائل جمع ہو سکتے تھے چنانچہ آئندہ چل کر ان کو منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی اس کا دار و مدار اسی خانہ کعبہ پر تھا قبائل کے آزاد پسند طبائع اگرچہ کسی کے تابع فرمان ہونا عار سمجھتے تھے تاہم متولی کعبہ کا وقار ان کی نگاہوں میں بحیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا۔

### قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع:

وحشت اور تمدن کی یہی طبعی عمر ہوتی ہے جس کو ختم کر کے تمدن تباہ ہوتا ہے اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے چنانچہ قریش کی بدادت کا دور ختم ہوا اور تمدن کی بنیاد پڑی اگرچہ شہر مکہ کے قریش ضرور کچھ متمدن تھے لیکن عام طور پر ان میں بدویت ہی کا دور تھا لیکن فہر کی پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ کی پشت میں قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا جس نے قریش کی کایا پلٹ دی قصی ابھی بچہ ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں شادی کر لی قصی کی بھی نو دنیا وہیں ہوئی جوان ہوا تو غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارا نہ کیا ماں کی زبانی اپنی خاندانی وجاہت و عظمت کا حال معلوم

کر کے فوراً مکہ کا رخ کیا، دو دھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اسی وقت حرم کی ولایت حلیل بن جشہ خزاعی کے ہاتھ میں تھی، قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کر لی، جب حلیل مر گیا، تو قصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے بنو خزاعہ کو ولایت حرم کا کیا حق ہے، چنانچہ اس نے قریش و کنانہ کو آمادہ کر کے بنو خزاعہ کو لڑ کر حرم سے نکال دیا، چونکہ قصی سے زیادہ خدمت حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ معزز عہدہ اس کے سپرد ہوا، اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہیں، کوئی پہاڑوں پر بسا ہے، کوئی خانہ بدوش ہے، نہ ان میں کوئی نظام ہے اور نہ اصول، جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے سب کو پہاڑوں اور صحراؤں سے اکٹھا کر کے ایک جگہ آباد کیا، اسی لئے اس کو مجمع بھی کہتے ہیں، اب اس اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی، جو اس کو منظم صورت میں قائم رکھ سکے، اس لئے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی، جو باہمی مشورہ سے چلتی تھی، اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا اور یہ پہلا دن تھا، جب کہ قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ قصی پہلا شخص ہے، جس کی اطاعت تمام قبائل قریش نے قبول کی اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا۔

## قریش کا تمدن

حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام یہ تھا کہ فوجی اور عدالتی نظام کو علیحدہ علیحدہ منظم صورت میں قائم کیا جائے، چنانچہ فوجی عدالتی اور مذہبی نظام علیحدہ علیحدہ قائم کئے گئے اور جمہوریت کے اصول کو ہر شعبہ حکومت میں ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ تمام شعبوں میں ہر قبیلہ کے اشخاص لیے گئے، ان میں بعض بعض عہدے بہت قدیم تھے، لیکن قصی نے تمام صیغوں کو ترقی دے کر بہت سے نئے عہدے بھی اضافہ کئے، ان صیغوں اور عہدوں کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

## نظام عسکری:

قریش نے چار فوجی عہدے قائم کئے تھے "عقاب" قبہ اعنہ سفارہ

نام قبیلہ	توضیح	نام عہدہ
بنو امیہ	نشان قومی کی علمداری	عقاب
بنو مخزوم	فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال	قبہ
بنو مخزوم	فوج کی سپہ سالاری	اعنہ
بنو عدی	قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت کرتا	سفارت

## عدالتی نظام:

اس کے دو شعبے تھے حکومت و اشناق

نام قبیلہ	توضیح	نام عہدہ
بنو ہبم	مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ	حکومت
بنو تیم	جرمانہ خون بہا اور مالی تاوان کی نگرانی	اشناق

## نظام مذہبی:

قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے جہاں حج کے موقعہ پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا اس پر بڑی بڑی جائیدادیں وقف تھیں لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں جمع ہوتا تھا اس بنا پر اس کے لئے نہایت وسیع انتظام کی ضرورت تھی چنانچہ قریش نے اس کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر کیا تھا اور اس سے زیادہ کھل ان کا کوئی انتظام نہ تھا اس لئے چھ عہدے تھے سقایہ عمارہ رقادہ سدانہ ایسار اموال منجرہ۔ سقایہ اور رقادہ حجاج کے متعلق تھے اور باقی خاص خانہ کعبہ کے متعلق۔

سقایہ: یعنی حج کے موسم میں لاکھوں انسانوں کو پانی پلانا یہ اہم ذمہ داری بنو ہاشم کے پر تھی۔

رقادہ: یعنی حجاج کے خورد و نوش کا انتظام نادار حجاج کی مالی امداد اور ان کے کھانے

پینے کی خبر گیری، اس کا رخ کی بنیاد قصی نے ڈالی تھی، ایک دن اس نے تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادرانِ قریش حجاج بیت اللہ معلوم نہیں کتنی مصیبتیں اٹھا کر بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے محض زیارتِ بیت اللہ کی خاطر آتے ہیں اور خدا کے مہمان ہوتے ہیں اور تم اپنے آپ کو "جار اللہ" خدا کے پڑوسی کہتے ہو، کیا تمہارا اس قدر بھی فرض نہیں کہ تم ان کی خاطر مدارات کرو، مظلوموں کو کھانا کھلاؤ، ناداروں کی مالی امداد کرو اور ہر طرح ان کی آسائش کا سامان بہم پہنچاؤ۔ اس تقریر کا قریش پر بہت اثر ہوا اور ہر شخص نے ایک سالانہ رقم مقرر کر دی جو حجاج پر صرف ہوتی تھی۔ اس کا انتظام بنو نوفل کے سپرد تھا۔

عمارہ: چونکہ قریش کی ساری عظمت خانہ کعبہ سے تھی، اس لئے ان کو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال میں خاص اہتمام تھا اور اس کے لئے علیحدہ علیحدہ عمارہ قائم کیا تھا، جس کے منتظم بنو ہاشم تھے۔ سدانہ: خانہ کعبہ کی کلید برداری یا دربانی، چونکہ خانہ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا اور اس میں بیش قیمت سامان بھی رہتا تھا، اس لئے عموماً بند رہا کرتا تھا، صرف ضرورت کے اوقات میں کھولا جاتا تھا، اس دربانی کا شرف بنو عبدالدار کو حاصل تھا۔

ایسار: خانہ کعبہ میں کچھ تیر رکھے ہوئے تھے، جن سے ضرورت کے وقت استعارہ کیا جاتا تھا، اس استعارہ کی خدمت بنو حجاج کے سپرد تھی۔

اموالِ مجبرہ: حجاج وزائرین کعبہ جوں پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے اور جائیدادیں وقف کرتے تھے، اس لئے اوقاف و محاصل کے انتظام کے لئے مخصوص ایک عہدہ قائم تھا، جس کو اموالِ مجبرہ کہتے تھے، اس کی نگرانی بنو ہاشم کے متعلق تھی۔

مدوہ:

دارالندوہ ایک عمارت تھی، جس کو قصی نے خانہ کعبہ کے بالمقابل تعمیر کیا تھا، اس

میں اہم کاموں کے وقت قریش جمع ہو کر مشورہ وغیرہ کرتے تھے، بلکہ بہت سی تقریبات بھی یہیں انجام پذیر ہوتی تھیں۔  
مشورہ:

اگرچہ قریش کا ہر کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتا تھا، تاہم بنو اسد کا قبیلہ مشورہ کے لئے مخصوص تھا بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام نہیں انجام پاتا تھا۔  
حلف فضول:

عام نظام عدالت کے علاوہ قریش نے انسداد مظالم کے لئے ایک خاص انجمن قائم کر رکھی تھی، جس کا محرک ایک واقعہ تھا، وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ مال بغرض فروخت لایا، جس کو عاص ابن وائل نے خرید لیا، مگر اس کی قیمت نہیں ادا کی، وہ بیچارہ قبائل قریش میں فریاد لے کر گیا، مگر عاص ابن وائل کی وجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی، ایک صبح کو جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے، تو اس تاجر نے چند دردناک اشعار پڑھ کر اپنی بے کسی ظاہر کی، زبیر بن عبدالمطلب پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس نے بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو تیم بن مرہ کو عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع کیا اور سبھوں نے حلف لے کر عہد کیا کہ جب تک بحر صوفہ میں پانی رواں رہے گا اور جب تک حراء اور شیبہ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے، اس وقت تک ہم سب مظلوم کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھیں گے، جب تک ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے لیں۔

اس حلف کی بنیاد ایسے پاکیزہ مقاصد کے لئے رکھی گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے

فرمایا کہ

شہدت فی دار عبداللہ بن جدعان حلفا لو دعیت بہ فی الاسلام لاجب۔  
”یعنی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں، میں ایسے حلف میں شریک ہوا کہ اگر اس

۱ حراء اور شیبہ پہاڑ کے نام ہیں۔

۲ روض الانف جلد اس ۹۱

کی شرکت کی دعوت مجھ کو زمانہ اسلام میں بھی دی جائے تو قبول کر لوں۔“

### قریش کا مذہب:

قریش کا مذہب اگرچہ مذہب ابراہیمی تھا، لیکن اصنام پرستی ان میں اس قدر چھا گئی تھی کہ دین ضیف کے تمام خط و خال بالکل دھندلے ہو کر رہ گئے تھے اور ان کا پہچانا مشکل تھا، مکہ کی پاک اور مقدس سرزمین میں بت پرستی کا سب سے پہلا بانی عمرو بن لُحی ہے۔ یہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام گیا، وہاں ایک شہر میں لوگوں کو بت پوجتے دیکھا، تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو، انھوں نے کہا یہ ہمارے معبود ہیں، ہم ان کی پرستش کرتے ہیں، اس کے صلہ میں یہ پانی برساتے ہیں اور ہر قسم کی امداد کرتے ہیں، عمرو بن لُحی نے کہا، لاؤ ہم کو بھی دو، ہم اپنے یہاں لے جا کر ان کی پرستش کریں گے، لوگوں نے بہل نامی بت اس کو دے دیا، جس کو لا کر اس نے مکہ میں نصب کیا، اور لوگوں کو اس کی پرستش کی ترغیب دینا شروع کر دی۔ اس بڑے بت کے علاوہ عمرو بن لُحی نے چند چھوٹے چھوٹے بت بھی خانہ کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور مناتہ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید پر لب ساحل نصب کیا تھا، غرض کہ یہ وہ عمرو بن لُحی نے عام عرب میں پھیلائی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: ”بحر قصبہ فی النار“ یعنی اس کی آنتیں آگ میں گھسی جاتی ہیں، قریش بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے اور ان کا بھی عام مذہب یہی بت پرستی تھا، وہ متعدد بتوں کی پوجا کرتے تھے، جن میں بعض تو قریش کے مخصوص بت تھے اور بعض قریش اور دیگر قبائل میں مشترک تھے، چنانچہ اساف و ناکلہ چاہ زمزم کے پاس نصب تھے اور قریش کے مخصوص بت تھے اور وہ ان کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، ان دونوں بتوں کے متعلق قریش کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ قبیلہ بنو جرہم کے مرد و عورت تھے، لیکن بعض گناہوں کے باعث پتھر کے ہو گئے۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام، جلد ۱ ص ۴۷ مطبوعہ مصر ۲۔ معجم البدان جلد ۸ ص ۱۶۷

۳۔ روض الانف جلد ۱ ص ۶۱، مطبوعہ مصر ۴۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۹ مطبوعہ مصر

لات: بنو ثقیف کا بت تھا، مگر قریش اور کنانہ بھی اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس کی تاریخ یہ ہے کہ لات مکہ میں ایک پتھر تھا، جس پر حجاج کے لئے ستو گوندھا جاتا تھا اور اسی نام کا ایک شخص بھی بنی ثقیف میں تھا، وہ مر گیا، تو لوگوں نے کہا کہ وہ مرا نہیں، بلکہ اپنے ہم نام پتھر میں گھس گیا ہے، اس وہم سے اس کی پرستش بھی شروع ہو گئی۔

عزى: بنو غطفان کا بت تھا، مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے اور تمہارا اسی کے نام پر نام رکھتے تھے، چنانچہ عبدالعزی قریش کا مشہور نام ہے، یہ بت بنی غطفان کے باغ میں نصب تھا، قریش برابر وہاں تحائف لے جاتے تھے اور قربانیاں کرتے تھے۔

مناة: بنو خزاعہ اور ہذیل کا بت تھا، مگر قریش لات اور عزى کی طرح پرستش کرتے تھے، چنانچہ طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے وَاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ فإِنَّهُنَّ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ وَإِنْ شَفَاعَتُهُنَّ لَتُرْجَىٰ ان تینوں بتوں کو قریش خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ قیامت کے دن یہ ان کی سفارش کریں گے۔ اس اعتقاد کی تردید قرآن پاک میں ان الفاظ میں آئی ہے:

﴿ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ الْأَكْثَرُ وَلَهُ الْأَنْفَىٰ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَإِبَاءُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾

”کیا تم نے لات اور عزى اور تیسرے بت مناة پر نظر کی، کیا تمہارے لیے بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں ہیں، اگر ایسا ہے تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہے، یہ تو نام ہی نام ہیں، جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں کے رکھ لیا ہے، خدا نے ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہیں اتاری۔“

ہبل: قریش کا یہ بت خانہ کعبہ کے عین وسط میں نصب تھا اور قریش کے تمام

بچوں میں سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا۔ یہ بت سنگ سرخ کا انسانی مجسمہ تھا اس پر انسانی قربانیاں بھی چڑھائی جاتی تھیں چنانچہ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ وہ جس وقت اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھیں گے تو ایک کو ہبل پر نذر چڑھائیں گے یا لڑائیوں میں ہبل کی بے پکارتی تھے جنگ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کو پسپائی ہوئی اور دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ خدا نخواستہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے تو ابوسفیان نے خوشی و مسرت میں اس کی بے کافرہ لگایا خانہ کعبہ کے بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی جن میں حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی مورتمیں بھی شامل تھیں۔ ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے شادی اور غمی وغیرہ کے موقع پر قریش استخارہ کیا کرتے تھے اگر راست آتا تو وہ کام کرتے ورنہ نہ کرتے۔

بدعات حج:

اگرچہ قریش مذہب ابراہیمی کے پیرو تھے مگر امتداد زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر و تبدیل ہو گیا تھا کہ مذہب کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی چونکہ حضرت ابراہیم بیت اللہ کے بانی تھے اس لئے حج ان کی تعلیمات میں راس العبادات تھا قریش بلکہ پورا عرب اس فریضہ کو ادا کرتا تھا مگر اس کے ارکان اور طریقہ ادا میں طرح طرح کی بدعات رائج کر دی تھیں شہر حرام یعنی رجب ذیقعدہ ذی الحجہ اور محرم کو ضرورت کے وقت بدل دیتے تھے یعنی محرم نام بدل کر صفر رکھ دیتے اور اس میں تمام وہ باتیں جائز سمجھتے جو غیر شہر حرام میں جائز ہیں حج کے مہینے میں عمرہ کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ خاموش حج کرتے یعنی دوران حج میں منہ نہ بولتے ایک شخص دوسرے شخص کو گام لگا کر گھسیٹتا ہوا طواف کراتا۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱

۲۔ بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۃ احد

۳۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۱۸

۴۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۳

۵۔ بخاری جلد ۱ باب بنیان الکعبہ باب ایام جاہلیت ص ۵۴۱

۶۔ بخاری جلد ۱ کتاب التناکح ص ۲۲



قریش اپنے کو عام حجاج سے ممتاز رکھنے کے لئے بجائے عرفات کے مزدلفہ میں ٹھہرتے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ثُمَّ أَيْدُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ (سورہ بقرہ)

آفتاب نکلنے کے بعد افاضہ کرتے تھے۔ حجاج بغیر متولی کی اجازت اور اس کی ابتدا کے رمی جمار نہیں کر سکتے تھے رمی جمار کے بعد بغیر متولی کے واپس ہوئے لوٹ نہیں سکتے تھے۔ طواف کے وقت وَاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ وَ مَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ فانہن الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لرحمی پڑھتے تھے۔ تلبیہ میں خدا کے نام کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی داخل کر لیتے تھے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے مَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ یعنی ان کے اکثر لوگ خدا پر ایمان بھی لاتے ہیں تو اس میں دوسروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

قریش میں تنہا اصنام پرستی یا بدعات حج ہی نہیں رائج تھیں بلکہ تمام وہ اخلاق ذمبیہ جن میں سارا عرب مبتلا تھا، مثلاً شراب خواری، قمار بازی، دختر کشی عیاشی، ادہام پرستی وغیرہ وغیرہ ان سے قریش بھی مستثنیٰ نہ تھے بلکہ علی الاعلان نہایت فخر و مباہات سے یہ کام کرتے تھے، سوتیلی ماں لڑکے کو بطور وراثت ملتی تھی غرض کہ اس قبیل کی صد ہا نفویتیں ان میں رائج تھیں، تاہم ان برائیوں کے ساتھ ساتھ ان میں بہت سی خوبیاں تھی، مظلوموں کی دادری ان کا خاص شعار تھا، حلف الفضول کا ذکر اوپر آچکا ہے جس سے قریش کے اس شریفانہ جذبہ کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا، مہمان نوازی تو ان کی ضرب الشمل تھی، موسم حج میں ہزاروں حجاج کی ضیافت کرتے تھے، ناداروں کے ساتھ نقدی سلوک بھی کرتے تھے اور اس سعادت میں قریش کا ہر فرد برابر کا حصہ لیتا تھا۔ حجاج کے پاس کپڑا نہ ہوتا تو

- |                            |                            |
|----------------------------|----------------------------|
| ۱ بخاری جلد ۱ ص ۳۲۶        | ۲ ایضاً ص ۲۲۸              |
| ۳ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۷ | ۴ معجم البلدان جلد ۶ ص ۱۶۶ |
| ۵ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۷ | ۶ روض الانف                |

دیتے۔ یہ خاطر تواضع کچھ حجاج کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ مہمانوں کے لئے بھی قریش کا دسترخوان اسی طرح وسیع تھا ایضاً عہد میں خواہ کتنا ہی شدید جانی و مالی نقصان کیوں نہ ہو مگر عہد سے نہ پھرتے تھے۔

مورخ یعقوبی نے قریش کی اجمالی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے تھے شہر حرام کی عظمت کرتے تھے خواہش، مظالم اور قطع رحم کو برابر سمجھتے تھے جرائم کا تذکرہ کرتے تھے حرم کے احترام کا اس سے اندازہ ہوگا کہ قصی جو قریش کا سب سے بڑا محسن تھا اور قریش پر اس کا اثر بھی کافی تھا جب اس نے صفائی کے خیال سے حرم کے درختوں کو کاٹنا چاہا تو تمام قریش نے انکار کر دیا۔

کفر و شرک کی اس عام تیرگی میں کہیں کہیں خدا پرستی کا نور بھی تو لگن تھا چنانچہ قریش میں خدا پرستوں کی خاصی تعداد موجود تھی مثلاً زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں موحد تھے دین حنیف کی پیاس میں موسوی اور عیسوی چشموں کی طرف لپکے مگر کہیں پیاس نہ بجھی آخر میں خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر خدا کو شاہد بنایا کہ خدایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیم ﷺ پر ہوں وہ اس نعمت تو حید کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے بلکہ قریش میں اپنے عقائد کی اشاعت بھی کرتے تھے بت کی قربانیوں پر قریش کو علامت کرتے تھے دختر کشی کی ممانعت کرتے حتیٰ کہ لڑکیوں کو لے کر خود پرورش کرتے تھے اس کے علاوہ قریش کے اور متعدد اشخاص بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے چنانچہ ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید کے ساتھ ایک مرتبہ بت خانہ میں گئے تو ان کو خیال ہوا کہ یہ بھی کیا حماقت ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہیں جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی کو فائدہ نقصان پہنچا سکتا ہے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں فطرتاً سلیہ رکھتے تھے مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

## لوازم تمدن

تجارت:

قریش کا پیشہ تجارت تھا، زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے حتیٰ کہ ابو جہل مرتے وقت بھی زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے قتل کے عار کو نہ برداشت کر سکا۔ قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا، ان کے تجارتی قافل ملکوں ملکوں پھر کر بیوپار کرتے تھے، عموماً ان کے کاروان تجارت سال میں دو مرتبہ جاتے تھے، سورہ قریش میں اس کی طرف اشارہ ہے:

﴿لَا يَلْبِسُ قَرْيَشٍ فِيهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ  
الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾ (قریش)

”تعب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر (تجارت) سے کس قدر الفت ہے، ان کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچانے کے لئے کھانا کھلانا اور خوف سے امن بخشا۔“

قریش کی تجارت کو قصی نے بہت با اصول اور منظم کر دیا تھا، نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہ روم سے اجازت نام حاصل کئے، تاکہ قریش آسانی اور امن سے ان کی حدود حکومت میں اپنا تجارتی کاروبار پھیلا سکیں، اس زمانہ میں اگرچہ راستہ پر امن نہ تھے، رہزنی اور لوٹ مار عام تھی، تاہم قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا اور وہ بے خوف و خطر گھوم پھر کر اپنا بیوپار کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے ”حیر اللہ“ خدا کے پڑوسی کہلاتے تھے اور خانہ کعبہ کی عظمت تمام عرب کرتے تھے، اس نسبت سے وہ لوگ قریش کا بھی بہت احترام کرتے تھے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے تھے، قریش میں اس درجہ تجارت کا چرچا تھا کہ اس میں مرد عورت، بڑھے جوان بچے سب اپنا سرمایہ لگاتے تھے، چنانچہ حضرت خدیجہ بنت ابیہوگی کے زمانہ میں بڑے پیمانہ

تجارت کرتی تھیں بروایت ابن سعد تھا حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت کل قریش کے ممالک تجارت کے برابر ہوتا تھا خود آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر سرے تشریف لے گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس بھی تجارت فرماتے تھے اور آپ کی تجارت کے واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں چنانچہ سائب نامی ایک شخص کی دور آپ کی تجارت مشترک تھی اور بعد اسلام انہوں نے آپ کی خوش معاملگی کی شہادت بھی دی ہے آپ یمن کے بازار جرش میں دو بار تشریف لے گئے بحرین میں بھی آپ کا باقاعدہ تجارت ہے ابوطالب بھی تاجر تھے اکابر قریش میں ابوسہل اور ابوسفیان وغیرہ تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بھی شغل تجارت تھا۔ مدینہ میں مقام خ پر آپ کا ایک پارچہ بانی کا کارخانہ تھا۔ کبھی کبھی خود مال لے کر باہر تشریف لے جاتے تھے چنانچہ اسلام کے بعد بصری مال تجارت لے کر جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے۔ ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا اور بذات خود تجارت کے سلسلہ میں بہت آیا جایا کرتے تھے چنانچہ خود کہتے ہیں کہ بہت سے ارشادات نبوی ﷺ میں تجارت کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ سن سکا۔ حضرت عثمانؓ عرب کے بہت بڑے تاجر تھے اسی بنا پر ان کو غنی کہا جاتا ہے۔ بنو قیصاع کے بازاروں میں آپ کا کھجوروں کا کاروبار تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ربیعہ بن حارث کی شرکت میں تجارت کرتے تھے حضرت علیؓ نے بھی از خود تجارت کی ہے۔ ابان بن سعید قرشی

۱	سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۰۰	۲	ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۷
۲	ارض القرآن ص ۱۳۸ جلد ۱	۳	ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰
۳	ابن ماجہ باب المراج	۴	مسند ابن فضال جلد ۱ ص ۶۲
۴	ایضاً جلد ۳ ص ۳۲۷	۵	بخاری جلد ۱ ص ۲۷۷
۵	مسند احمد بن حنبل	۶	اصابہ جلد ۲ ص ۱۹
۶	بخاری جلد ۱ ص ۲۸۰		

بھی تاجر تھے اور شام وغیرہ جا کر تجارت کرتے تھے یا آنحضرت ﷺ نے شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا جب قاصد خط لے کر پہنچا تو اس وقت قریش کے تاجروہاں موجود تھے چنانچہ قیصر نے آنحضرت ﷺ کے متعلق سوالات کئے یہ غرض کہ تمام قریش تجارت پیشہ تھے چنانچہ ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہیں کانت قریش قومًا تجاراً۔ چنانچہ قریش نے جب مسلمانوں کو حج سے روکا تو انہوں نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے عرب عموماً ان چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔

① کھانے کا سالہ اور خوشبودار جڑیں۔

② سونا لوہا جو اہرات۔

③ خام کھالیں بنا ہوا چمڑا زین پوش اور بھیڑ بکری وغیرہ۔

توراة میں جا بجا ان چیزوں کا ذکر آیا ہے قریش بھی غالباً ان کی تجارت کرتے ہوں گے بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے قریش کے مہاجرین کے خلاف جو وفد نجاشی کے پاس تحفہ لے کر بھیجا وہ تحفہ بھی یہی چیز تھا۔ طہری نے لکھا ہے:

ومعہ نضۃ کثیرة وہی عظم تجارتہم۔<sup>۵</sup>

عرب کی دس تجارتی منڈیاں تھیں ان میں قریش زیادہ تر بازار ذوالحجاز اور عکاظ میں شریک ہوتے تھے یہ زمانہ اسلام میں لوگوں نے اس غرض سے حج کی شرکت کو برا جانا جس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے

۲ بخاری جلد ۱ ص ۴

۱ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶

۳ مسند ابن فضال مسند اہل بیت

۲ سیرۃ ابن ہشام ص ۱۰۰

۴ یعقوبی جلد ۱ ص ۳۱۴

۵ طبری ص ۱۳۷۴

۶ کتاب البیوع باب ما جاء فی قول للہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوۃ فانثروا فی الارض۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ (بقرہ: ۲۵)  
 ”تمہارے لئے اس میں کوئی حرج نہیں (کہ زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔“

زمانہ اسلام میں تجارت اور زیادہ چمکی چنانچہ مہاجرین کا زیادہ وقت بازاروں میں کاروبار تجارت میں گزرتا تھا، اور زمانہ جہالت کی منڈیوں میں بھی وہی چہل باقی رہی اور زمانہ اسلام میں تقریباً سو سو برس تک یہ بازار گرم رہے سب سے پہلے ۱۲۹ھ میں بازار عکاظ خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا۔  
علوم و فنون:

یوں تو شاعری اور زبان آوری کا مذاق تمام عرب میں تھا، تاہم بعض مخصوص قبائل ایسے تھے جن کی زبان معتبر اور قابل اسناد سمجھی جاتی تھی، از آنجملہ قبیلہ مضر کی زبان زیادہ معتبر تھی، ان میں بھی قریش زیادہ فصیح اللسان مانے جاتے تھے ان کی فصاحت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم جو فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ہے، قریش کی زبان میں اترا۔ خود آنحضرت ﷺ نے قریش کے فصیح اللسان ہونے کا ذکر فرمایا ہے کہ:

”میں تم سب میں فصیح تر ہوں، اس لئے کہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔“

قریش میں بڑے بڑے باکمال شعراء پیدا ہوئے، بلکہ خاص بنو ہاشم میں متعدد شعراء تھے، خلفائے اربعہ کو بھی شاعری کا ذوق تھا، چنانچہ ابن رشیق نے کتاب العمده میں ان کے اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ قریش میں ذوق شاعری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بھی کچھ نہ

۱	بخاری جلد ۱ ص ۲۷۴	۲	فتح الباری جلد ۳ ص ۴۷۳
۳	بخاری جلد ۱ ص ۳۹۷	۴	طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۷۱
۵	کتاب العمده ص ۱۳، ۱۴	۶	فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷، ۴۷۸

کچھ رواج تھا، اگرچہ ان میں تعلیم عام نہ تھی تاہم ظہور اسلام کے وقت پڑھے لکھے اشخاص کی خاصی تعداد موجود تھی، چنانچہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عثمان، ابو عبیدہ، طلحہ، یزید بن ابی سفیان، ابو حذیفہ بن عتبہ، حاطب بن عمرو، ابوسلمہ بن عبدالاسد، ابان ابن سعید، خالد بن سعید، عبداللہ بن سعد، ابوسفیان بن حرب، امیر معاویہ، ذوالجوشن وغیرہم اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے، یہ تعلیم صرف مردوں تک محدود نہ تھی، بلکہ مشہور عورتوں میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا صرف پڑھ سکتی تھیں لکہ نہیں سکتی تھیں، ان کے علاوہ قریش کی غیر معروف عورتیں مثلاً ام کلثوم بنت عقبہ، کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھیں۔ عائشہ بنت سعد نے تعلیم حاصل کی تھی۔!

رفاہ عام کے کام:

قریش کی مذہبی سیادت کے علاوہ ان کے دوسرے اعمال بھی عام حجازیوں سے ان کو ممتاز کرتے تھے، جس سے ان کے معاصر قبائل میں ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی تھی، چنانچہ اہل مکہ اور اس کے قریب و جوار کے قبائل کی آسائش کے خیال سے قریش کے خاندان نے متعدد کنوئیں مختلف مقامات پر کھدوائے تھے، اہل مکہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ اس بے آب و گیاہ زمین میں ان کے لئے آب شیریں مہیا کیا جائے، ان کے کنوؤں اور ان کے مالکوں کے نام کی تفصیل یہ ہے۔<sup>۱</sup>

شہر کے اندرونی کنوئیں

نام شخص	نام کنواں	جگہ
عبد شمس	//	مکہ کے بالائی حصہ میں
ہاشم بن عبد مناف	بدر	ابوطالب کی گھاٹی پر
مطعم بن عدی	سجلہ	

۱ بخاری جلد ۲ ص ۹۰۹

۲ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۹

جگہ	نام کنواں	نام شخص
	سقیہ ام احراء بلہ عمر	بنو اسد ابن عبد العزی بنو عبد دار بنو حنح بنو سہم

مکہ کے بیرونی کنوئیں

جگہ	نام کنواں	نام شخص
	احرم خمر خم	مرہ بن کعب بنی کلاب بن مرہ

اسلام کا ظہور:

قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھنائیں چھائی ہوئی تھیں کہ دفعۃً افق مکہ پر برقی چمکی چمکی نور حق کا اجالا تمام عرب میں پھیل گیا، ابھی آفتاب رسالت کی کرنیں پھوٹی ہی تھیں کہ خیرہ چشموں کی آنکھیں تاپ نظارہ نہ لاسکیں اور ہر چہار جانب سے ظلم و تعدی کے بال امنڈنے لگے کہ نور حق کی روشنی کو تاریکی میں چھپا دیں، یعنی آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی کی تھی کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے مگر سبیل صداقت برابر پھیلتا گیا یہاں تک کہ ریگستان عرب کو رشک گلزار بنا دیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب دعوتِ اسلام شروع کی تو ابتداءً مشرکین نے آپ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی مگر رفتہ رفتہ جب دعوت کا حلقہ وسیع ہونے لگا اور لوگ برابر دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی اور اس کے استیصال کی تمام امکافی کوششیں شروع کر دیں وہ اشاعتِ اسلام سے زیادہ بیچ و تاب اپنے مذہب اور اپنے معبودوں کی خدمت پر کھاتے تھے پہلے تو آنحضرت ﷺ کو خود سمجھاتے بجاتے رہے مگر جب آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی تو مجبوراً



ان لوگوں کو ابوطالب کی طرف رجوع کرنا پڑا کہ وہ آپ کے کفیل تھے چنانچہ عمائد قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے ہمارے سمجھدار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے اور ہمارے آباء اجداد کو گمراہ بتاتا ہے اس لئے یا تو تم اس کو روکو ورنہ ہمارے حوالہ کر دو اس وقت ابوطالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ کو رفع دفع کر دیا مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت ﷺ پر نہ پڑا اور آپ کے سابق طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اس مرتبہ ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو بہت سمجھایا کہ بیٹا! چچا پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالو اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہیں کر سکتے اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی اس سے آپ بہت متاثر ہوئے مگر اس بے بسی کے عالم میں بھی آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر ماہتاب رکھ دیں کہ میں اس فریضہ کو چھوڑ دوں تو بھی نہیں چھوڑ سکتا تا آنکہ اس میں میں ہلاک ہو جاؤں یا کامیاب ہوں اس جواب سے ابوطالب بہت متاثر ہوئے اور کہا بیٹا جاؤ جو جی میں آئے کرو میں تم کو کسی حالت میں نہیں چھوڑوں گا۔ جب قریش کو ابوطالب کے اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی تو تیسری مرتبہ پھر آئے مگر اس مرتبہ انہوں نے صاف جواب دے دیا جب وہ لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو آنحضرت ﷺ کو جاہ و ثروت کا لالچ دلانا شروع کیا کہ شاید اس سے وہ باز آ جائیں چنانچہ ابو الولید نے رؤسائے قریش کے مشورہ سے متعدد دنیاوی دلفریبیاں آپ کے سامنے پیش کیں کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کر دیں کہ تم ہم سے زیادہ دولت مند بن جاؤ اور اگر سرداری کی خواہش ہے تو تم کو اپنا سردار بنا لیں اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے

تو بادشاہ بنانے پر بھی تیار ہیں۔

جب تمام تر غیبات ابوالولید دے چکا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میری

بھی کچھ سنو!

یہ کہہ کر آپ نے سورہ حم سجدہ کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، عقبہ نہایت خاموشی اور تاثر سے سنتا رہا، جب سن چکا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے۔

عقبہ جب یہاں سے اپنے ساتھیوں میں گیا تو وہ لوگ اس کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ تو وہ عقبہ نہیں معلوم ہوتے، جو یہاں سے بھیجے گئے تھے، سبھوں نے ماجرا پوچھا، انہوں نے کہا: میں نے عجیب و غریب کلام سنا ہے، خدا کی قسم اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا، واللہ نہ وہ جادو ہے، نہ وہ شعر ہے، اور نہ وہ کہانت ہے، میری رائے ہے کہ تم اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، عجب نہیں کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو، بالفرض اگر وہ کامیاب ہو گیا، تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے، اور اگر وہ ناکام رہا، تو عربوں کی کامیابی بھی تمہاری کامیابی ہے، عقبہ کے یہ خیالات سن کر لوگوں نے کہا کہ تم اس کی زبان سے مسحور ہو گئے ہو، عقبہ نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو۔ مگر یہ میری رائے ہے، آئندہ تم لوگ جو چاہو کرو۔!

غرض جب ترغیب و ترہیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی اور آنحضرت ﷺ کسی طرح اپنے فریضہ سے دست کش نہ ہوئے، بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑھتی گئی، اور قبائل قریش میں مسلمانوں کا روز افزوں اضافہ ہوتا گیا، اکابر قریش میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، مشرف باسلام ہو چکے، تو مشرکین کا جنون اور تیز ہو گیا، اور شان نبوت میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع کر دیں، کوئی آپ پر خاک ڈالتا، کوئی آپ کے دروازہ پر غلاظت پھینک دیتا، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا، اور اس زور سے دبا یا کہ آنکھیں نکل پڑیں، بعض مرتبہ سنگ دل اس

طرح سے گلا گھونٹنے کہ دم گھٹتے گھٹتے رہ جاتا، ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے اتفاقاً آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے، سبھوں نے دوڑ کر گھیر لیا، اور پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں ہی ہوں۔ اس پر ایک شخص نے مجمع سے نکل کر آپ کی چادر سے آپ کا گلا بڑی زور سے گھونٹا شروع کیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود تھے، یہ درد ناک منظر نہ دیکھ سکے، اور رو کر فرمانے لگے کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے۔!

آنحضرت ﷺ کا خاندان قریش میں بہت معزز تھا، اس لئے ان مخالفتوں کے باوجود آپ کے بہت سے حامی موجود تھے، آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے اکابر قریش جو مشرف باسلام ہو چکے تھے، ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ سنا سکتے تھے، اس لئے سارا غصہ ان غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا، جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا اور کفار میں جو کچھ بھی تھا، بھوک پیاس، مار پیٹ، ہر طرح سے ان غریب و خستہ حال مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے، ان کی درندگی کی داستان صرف مار پیٹ پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ مار پیٹ کے علاوہ نئے نئے انداز ستم ایجاد کرتے تھے۔

امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ مکہ کی زمین توڑے کی طرح تپتی ہوئی گرم ریت پر لٹاتا، اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کر سکیں، اور کہتا کہ محمد ﷺ سے توبہ کر کے لات و عزی کی پرستش کا اقرار کرو، ورنہ یوں ہی سسک سسک کر مر جاؤ گے، مگر اس وقت بھی اس شیدائے رسالت کی زبان سے اعداد کی صدا بلند ہوتی۔!

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی بے یار و مددگار تھے، اس لئے قریش کا دست ستم

۱ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۳۔ بخاری باب بنیان الکعبہ باب مبعث النبی میں یہی واقعہ تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

۲ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۷۰ و اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶۔

ان پر بھی دراز ہوتا اور ان کو دوپہر کے وقت انگاروں پر لٹاتے، پانی میں غوطہ دیتے، مگر زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی، ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگاروں پر لٹا رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا:

يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَيَّ عَمَّا زَكَمًا كُنْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ.

اجھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے۔<sup>۱</sup>

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بھی مشرکین کے ظلم و ستم کے شکار تھے، وہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے کہ مشرکین انگارے دکھاتے اور مجھ کو پیٹھ کے بل لٹاتے، اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھ کر جنبش نہ کرنے دیتا، اور اس عذاب میں اس وقت تک مبتلا رہتا، جب تک کہ خود میرے زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی۔<sup>۲</sup>

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی ان ہی بے کس لوگوں میں تھے، جن کو سزا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو مشرکین نے کہا کہ تو ہمارے یہاں افلاس و فقر کی حالت میں آیا تھا، یہاں رہ کر دولت مند ہوا، اب چاہتا ہے کہ جان مال لے کر نکل جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، انہوں نے فرمایا: اگر میں سب مال و متاع تم کو دے دوں تو مجھے جانے دو گے انہوں نے کہا ہاں، انہوں نے سارا مال حوالہ کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا: ربح صہیب ربح صہیب نفع مند رہے، صہیب نفع مند رہے۔<sup>۳</sup>

یہ تو مردوں کی مثالیں تھیں، ان اشقیاء کے دستِ ستم سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں۔

حضرت سمیہ بنتیہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ سابقات اسلام میں تھیں،

ان کو ابو جہل بہت ستاتا تھا، حتیٰ کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔<sup>۴</sup>

حضرت زینرہ بنتیہ دائرہ اسلام میں ابتدا ہی میں داخل ہوئیں، ابو جہل ان کو

۱ طبقات ابن سعد جزو ثالث قسم اول ص ۱۷۷، ۱۷۸

۲ ایضاً ص ۱۱۷ ج ایضاً ص ۱۱۲ ج اصا۔ ص ۸ ص ۱۱۸

بہت اذیتیں دیتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے۔ ان ہی میں سے ایک خاتون بیدہ بنی سنیہ تھیں، منجملہ دیگر ضعفائے اسلام کے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی خرید کر آ زاد کر دیا تھا۔

یہ تمام مہاجرین ضعفائے اسلام میں تھے جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا، اس لئے ان پر جو ستم ڈھاتے کم تھے جب کہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحب حیثیت لوگ نہ بچ سکے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں خاصی عمر کے تھے اور اپنے قبیلہ میں معزز تھے، تاہم کسی مشرک نے آنحضرت ﷺ کی حمایت پر ان کی ڈاڑھی نوچ لی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص رسی سے باندھے اور کہتے کہ اب بھی اس نے دین کو نہ چھوڑو گے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبل از اسلام اپنی بہن فاطمہ بنی سنیہ اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو اسلام پر اس قدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ یہ مذکورہ بالا چند واقعات مثال کے طور پر لکھ دیئے گئے، ورنہ ان کی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے۔



۱۔ اصابہ جلد ۸ ص ۹۱

۲۔ ایضاً ص ۱۷۹

۳۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۳

۴۔ طبقات جزو اول قسم ثالث ص ۱۳۸

## پہلی ہجرت

یا

## مہاجرین کی پہلی جماعت

حبشہ کی پہلی ہجرت:

مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے، نہ کفار کے خوف سے کہیں چل پھر سکتے تھے اور نہ عبادت کر سکتے تھے، اس لئے ان کو ایسی جائے پناہ کی تلاش تھی، جہاں وہ کچھ اطمینان و سکون حاصل کر سکیں، اس لیے آنحضرت ﷺ نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے، وہ تم کو آرام سے رکھے گا، اس قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے، حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئی، اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہ خدا میں غریب الوطن ہوا، یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھی، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ رئیس قافلہ تھے۔

عورتیں	مرد
حضرت رقیہ بنتی نبیؐ	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
حضرت سہلہ بنت سہیل بنتی نبیؐ	حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ
	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
حضرت ام سلمہ بنتی نبیؐ	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
	حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
حضرت لیلیٰ بنت ابی شمرہ بنتی نبیؐ	حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

عورتیں	مرد
	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ حضرت سمیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ

اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے یہاں تک کہ حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہو گئی اور بہت آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے مگر قریش مسلمانوں کا آرام و آسائش کب گوارا کر سکتے تھے۔  
حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی کوشش:

اس لیے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا و تحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانوں کو وہاں سے نکال دے اس وفد کے ارکان میں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے یہ دونوں حبش پہنچے اور نجاشی کے دربار میں حاضری کے قبل پہلے درباری بطریقوں سے ملے اور فردا فردا ہر ایک کو تحفہ دے کر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لوٹنوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے مذہب سے مختلف ہے اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت میں پناہ گزین ہوئے ہیں ہم ان کو پکڑنے آئے ہیں اس لئے آپ لوگوں کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور میں عرض گزار ہوں تو برائے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائیں اور ان کو مشورہ دیں کہ ہمارے مفرورین ہمارے حوالہ کر دیئے جائیں اس کے بعد نجاشی کی خدمت میں باریاب ہو کر ہدایا پیش کیے اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے جو ہمارے اور آپ دونوں کے مذہب سے مختلف ہے اس لیے ہم عرض گزار ہیں کہ اس کو ہمارے حوالہ کر دینے کا حکم صادر فرمایا جائے بطارقہ کو پہلے ہی ہموار کر لیا تھا اور اس لیے انہوں نے پر زور طریقہ سے تائید کی کہ بے شک یہ لوگ ان لڑکوں کی نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہیں اس لئے ان کے حوالہ کر دینا ہی مناسب ہے۔

## نجاشی کا جواب:

نجاشی یہ درخواست سن کر بہت برہم ہوا اور کہا کہ جب تک میں ان لوگوں کو بلا کر خود تحقیقات نہ کر لوں گا اس وقت تک میں اپنے مہمان اور پناہ گزینوں کو ہرگز حوالہ نہیں کر سکتا! البتہ اگر وہ تمہارے بیان کے مطابق ہیں تو مجھے حوالہ کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہیں لے جا سکتے اور وہ جب تک ہماری پناہ میں رہیں گے آزادی سے رہ سکیں گے۔

## نجاشی کا مسلمانوں کو تحقیق حال کے لیے طلب کرنا:

چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا چونکہ یہ واقعہ ان لوگوں کے لیے بالکل نیا تھا اس لیے بہت گھبرائے اور سوچنے لگے کہ کیا جواب دینا چاہئے مگر آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح صحیح بیان کر دیں گے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔

جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو نجاشی نے پوچھا کہ تمہارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور وہ تمہارا جدید مذہب ہم سب لوگوں کے مذہب سے زالا ہے اس کا جواب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ایک مختصر تقریر میں دیا۔

## حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر:

ایہا الملک! ہم جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے مردار خوار تھے فواحش میں جلاتے قطع رحم کرتے تھے پڑوسیوں کے ساتھ برا برتاؤ رکھتے تھے ہمارا زبردست زبردست کو کھا جاتا تھا ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا جس کے صدق، عفاف، امانت اور نسب کو ہم جانتے ہیں اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں اور اپنے اور اپنے آبا کے اصنام کی پرستش چھوڑ دیں اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرام باتوں اور خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا اور فواحش سے جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عقیقہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور خدائے



واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس میں کسی کو شریک نہ کریں، اور صوم و صلوة اور زکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے اس کو مانا، اور اس پر ایمان لائے، اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا، اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی، کہ ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کر دیں۔  
نجاشی کا آیات قرآنی سے متاثر ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف:

نجاشی نے کہا: ”خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے۔“

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں!

نجاشی نے سننے کی خواہش کی، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہنے بعض کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا، جس کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، نجاشی نے کہا، کہ یہ اور عیسیٰ ﷺ کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔

دو دشمنین کی ایک چال:

اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ (رضی اللہ عنہما) سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ، یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالہ نہیں کیے جاسکتے، جب یہ دونوں اس طرح ناکام ہوئے، تو ایک دوسری تدبیر سوچی، وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ ﷺ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے، عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں، اور مسلمان عبداللہ بتائیں گے، ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی پر برا پڑے گا، غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ ﷺ کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کر سکتے ہیں، یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی، تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰ ﷺ کے متعلق مذکور ہے، وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے۔ خواہ

اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے۔

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور وفد کی ناکامی:

غرض کہ یہ لوگ دربار میں بلائے گئے، نجاشی نے سوال کیا کہ عیسیٰ ﷺ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کی رو سے وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا، اور کہا جو تم کہتے ہو، حضرت عیسیٰ ﷺ اس تنکے سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں تھے، اس پر بطارقہ بہت زیادہ چین بچھین ہوئے، اور قریش کی سفارت ناکام رہی۔

مہاجرین حبش کی واپسی:

ابھی مہاجرین حبش میں کچھ ہی دن رہے تھے کہ ان کو اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر ملی، اس خبر سے فطرتاً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا کہ اب وہاں بھی امن و امان نصیب ہوگا، اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہو گئے، مگر مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، اب یہ لوگ بڑی کشمکش میں پڑے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان میں داخل ہو گئے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ایک دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔



## دوسری ہجرت

### حبشہ کی دوسری ہجرت:

مہاجرین مکہ میں قیام پذیر تو ہو گئے، مگر مشرکین مکہ ان کو کب چین لینے دیتے، بالخصوص اس وجہ سے اور جلے ہوئے تھے کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ میں دربار حبش سے نکام واپس ہوئی تھی اور مہاجرین وہاں آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے اس لیے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذا رسانی شروع کر دی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ چلا جانا دشوار تھا، کفار نے سخت مزاحمت کی، طرح طرح رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں، تاہم ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتوں کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبش روانہ ہو گیا۔ اکثر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت عثمان بن عفانؓ	۸	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
۲	حضرت ابو حذیفہؓ	۹	حضرت مقداد بن عمروؓ
۳	حضرت عبداللہ بن جحشؓ	۱۰	ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ
۴	حضرت شجاع بن وہبؓ	۱۱	معتب بن عوفؓ
۵	حضرت عقبہ بن غزوانؓ	۱۲	عامر بن ربیعہؓ
۶	حضرت طلیب بن عمیرؓ	۱۳	حنیس بن حذافہؓ
۷	عبدالرحمن بن عوفؓ	۱۴	عثمان بن مظعونؓ

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱۵	حضرت عبداللہ بن مظعونؓ	۳۷	حضرت ابو فکیہہؓ
۱۶	حضرت قدامہ بن مظعونؓ	۳۸	حضرت مطلب بن ازہرہؓ
۱۷	حضرت سائب بن عثمانؓ	۳۹	حضرت عقبہ بن مسعودؓ
۱۸	حضرت ابو بصرہ بن ابی رہمؓ	۴۰	حضرت شرجیل بن حنہؓ
۱۹	حضرت عبداللہ بن مخزومہؓ	۴۱	حضرت حارث بن خالدؓ
۲۰	حضرت حاطب بن عمروؓ	۴۲	حضرت عمرو بن عثمانؓ
۲۱	حضرت عبداللہ بن اسہلؓ	۴۳	حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ
۲۲	حضرت سعد بن خولہؓ	۴۴	حضرت ہاشم بن ابو حذیفہؓ
۲۳	حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ	۴۵	حضرت ہبار بن سفیانؓ
۲۴	حضرت سمیل بن بیضاءؓ	۴۶	حضرت عبداللہ بن سفیانؓ
۲۵	حضرت معمر بن ابی سرحؓ	۴۷	حضرت معمر بن عبداللہؓ
۲۶	حضرت عیاض بن زہیرہؓ	۴۸	حضرت عبداللہ بن حذاقہؓ
۲۷	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ	۴۹	حضرت قیس بن حذاقہؓ
۲۸	حضرت خالد بن سعیدؓ	۵۰	حضرت ہشام بن عاصؓ
۲۹	حضرت معقیب بن ابی فاطمہؓ	۵۱	حضرت ابو قیس بن حارثؓ
۳۰	حضرت خالد بن حزامؓ	۵۲	حضرت سائب بن حارثؓ
۳۱	حضرت اسود بن نوفلؓ	۵۳	حضرت حجاج بن حارثؓ
۳۲	حضرت عمرو بن امیہؓ	۵۴	حضرت تمیم بن حارثؓ
۳۳	حضرت یزید بن زعمہؓ	۵۵	حضرت سعید بن حارثؓ
۳۴	حضرت ابوالرؤم بن عمیرؓ	۵۶	حضرت سعید بن عمروؓ
۳۵	حضرت خراش بن نصرہؓ	۵۷	حضرت محمد بن جزءؓ
۳۶	حضرت جمہ بن قیسؓ	۵۸	حضرت حاطب بن حارثؓ

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۵۹	حضرت خطاب بن حارثؓ	۶۴	حضرت سلیط بن عمروؓ
۶۰	حضرت سفیان بن معمرؓ	۶۵	حضرت سکران بن عمروؓ
۶۱	حضرت خالد بن سفیانؓ	۶۶	حضرت مالک بن زمعہؓ
۶۲	حضرت جنادہ بن سفیانؓ	۶۷	حضرت عمرو بن حارثؓ
۶۳	حضرت نبیہ بن عثمانؓ	۶۸	عثمان بن عبد غنمؓ



نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا	۱۱	حضرت ام کلثوم بنت عمیس رضی اللہ عنہا
۲	حضرت فاطمہ بنت سعدی رضی اللہ عنہا	۱۲	حضرت فاطمہ بنت عمیس رضی اللہ عنہا
۳	حضرت عمیرہ بنت سعدی رضی اللہ عنہا	۱۳	حضرت امینہ بنت خلف رضی اللہ عنہا
۴	حضرت حسنا ام شرحبیل رضی اللہ عنہا	۱۴	حضرت خزیمہ بنت جہم رضی اللہ عنہا
۵	حضرت جمیہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا	۱۵	حضرت ام حرمہ رضی اللہ عنہا
۶	حضرت ام سلمہ بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا	۱۶	حضرت فاطمہ بنت مجلل رضی اللہ عنہا
۷	حضرت ریطہ بنت حارث رضی اللہ عنہا	۱۷	حضرت لکیہ بنت یسار رضی اللہ عنہا
۸	رملہ بنت ابی عوف رضی اللہ عنہا	۱۸	حضرت برکہ بنت یسار رضی اللہ عنہا
۹	لیلیٰ بنت ابی حمزہ رضی اللہ عنہا	۱۹	حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا
۱۰	سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا		

غریب مسلمانوں کو خانمان برباد کرنے کے بعد بھی قریش کی آتش غضب نہ ٹھنڈی ہوئی، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو اور آپ کی حمایت کے جرم میں بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا اور ایک معاہدہ مرتب کیا، جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دیئے گئے، اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے۔

اور تین سال تک قید و بند میں گزارے، بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بے کسی پر رحم آیا، اور انہوں نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا اور ہاشمیوں کو قید تنہائی سے نجات ملی۔  
حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کا انتقال:

اس معاہدہ کی منسوخ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے حامی اور چہیتے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا، اس سانحہ کے تقریباً سوا مہینہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی داغ مفارقت دیا، اور دواڑھائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت ﷺ کے دونوں محافظ اٹھ گئے۔  
قریش کی ایذا رسانی:

اب قریش کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی، ابوطالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے، اس لیے ان کو دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقع ملا، اور انہوں نے کسی ممکن ایذا رسانی سے دریغ نہ کیا، ان میں اکثر واقعات اوپر گزر چکے ہیں، ایک مرتبہ ایک گستاخ نے مٹی لا کر فرق مبارک پر جھونک دی، آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے، ایک صاحبزادی نے اس حالت میں دیکھا تو زار و قطار روئے لگیں، سر سے مٹی دھوتی جاتی تھیں، اور آنسو بہتے جاتے تھے، سرور عالم ﷺ تشفی دیتے تھے کہ جانِ پدر مت رو، خدا تمہارے باپ کو کفار کی دراز دستوں سے روکنے والا ہے، اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابوطالب کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی تاردا سلوک نہ کر سکے۔

تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر:

ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کے بعد مشرکین مکہ کے جو رستم نے سر زمین حرم آنحضرت ﷺ کے لیے تنگ کر دی، اس لیے آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی معیت

میں طائف کا رخ کیا کہ شاید وہاں کچھ بندگانِ خدا توحید کی صدا پر لبیک کہیں چنانچہ طائف پہنچ کر سردارانِ ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن جواب کیا ملتا ہے؟ کیا خدا نے تم کو بھیجا ہے؟ کیا خدا کو تمہارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہیں ملا؟ خدا کی قسم ہم تم سے بات نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمہارا خیال ہے، تو تم سے گفتگو کرنے میں بڑا خطرہ ہے اور اگر جھوٹے ہو، تو قابلِ التفات نہیں۔ آپ یہ جواب سن کر ایک گونہ مایوس ہو گئے، تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلہ ثقیف کے ایک ایک سربراہ اور وہ شخص سے ملے، لیکن سب نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہمارے یہاں سے نکل جاؤ اور جہاں تمہاری آواز سننے والے ہوں وہاں جاؤ، صرف اس جواب پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کچھ ادباشوں کو لگا دیا، جنہوں نے ذاتِ اقدس ﷺ پر سنگ باری شروع کر دی اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں زخموں سے چور ہو گئے، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو بچاتے تھے اس مدافعت میں وہ بھی زخمی ہوئے۔

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان:

غرض اس طرح آپ وہاں سے مغموم و بنا کام واپس ہوئے راستہ میں زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ مکہ میں ہم کس طرح رہ سکتے ہیں، جب کہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ و ناصر ہے، وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کرے گا، چنانچہ خدا نے آپ کی حفاظت کا سامان کیا اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ میں لے کر عام اعلان کر دیا کہ میں نے محمد کو پناہ دی، اس لیے کوئی آپ کے ستانے کا ارادہ نہ کرے اور آپ ﷺ اطمینان سے ان کے گھر میں رہنے لگے۔

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۳۹، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نام طبقات میں ہے۔

۲۔ ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۳۲۔

۳۔ ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۳۲۔

## مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام:

اسلام اور بانی اسلام (ﷺ) کے خلاف غیظ و غضب کا جو طوفان اٹھا تھا وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا، لیکن آنحضرت ﷺ اہل سے مطلق خوف زدہ اور مایوس نہ ہوئے، بلکہ مطعم بن عدی کے گھر میں بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کر کے بدستور اشاعتِ اسلام فرماتے رہے، اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا جس میں خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو، حج کے موسم میں حجاج کے فرد گاہوں پر بالخصوص عکاظ، جندہ، اور ذوالعکاظ کے بازاروں میں، غرض جہاں کہیں خدا کے کچھ بندے یکجا ہوتے، وہاں آپ ﷺ ان کے کانوں تک اس کا پیغام پہنچا دیتے، پورے دس سال تک آپ ﷺ اسی فرضِ نبوت کو نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ ادا کرتے تھے، جن قبائل میں آپ نے گشت لگا کر پیغامِ خداوندی پہنچایا، ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

بنو عامر، بنو محارب، بنو فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عیس، بنو نضر، بکا، کندہ، کعب، حارث بن کعب، غدرہ، حضارمہ، لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملتا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہے، یعنی جب قریش نے تمہاری دعوت کو مسترد کر دیا تو دوسرے کیوں قبول کریں۔

## تبلیغ کا اثر قبائل پر:

اگرچہ عرب کے تمام قبائل میں اسلام کے خلاف یکساں فضا تھی، تاہم انفرادی طور پر ان میں ایسے نفوسِ صالحہ موجود تھے، جن کی فطرتِ سلیمہ دعوتِ حق سننے پر مستعد تھی، اور ان کے قلبِ سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ کفر و ضلالت کے بیابان میں توحید کی آواز بالکل بے اثر نہ رہی، بلکہ بہترے قبائل میں اس کا خاصا پر تو پڑا، ان قبائل اور ان کے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اس سے انداز ہوگا کہ ہجرت سے قبل مکہ میں اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا۔



اسمائے گرامی	نام قبیلہ
حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؑ حضرت جعفر بن ابوطالبؑ حضرت علی بن ابوطالبؑ	بنو ہاشم
حضرت آنہؑ مولیٰ آنحضرت ﷺ حضرت ابو کبشہؑ مولیٰ آنحضرت ﷺ حضرت زید بن حارثہؑ مولیٰ آنحضرت ﷺ	موالی ہاشم
حضرت عبیدہ بن حارثہؑ حضرت طفیل بن حارثہؑ	بنو مطلب
حضرت ابو مرثد غنویؑ حضرت مرثد بن ابی مرثدہؑ	بنو مطلب کے حلیف
حضرت عثمان بن عفانؑ حضرت خالد بن سعیدہؑ	بنو عبد شمس
حضرت عبداللہ بن جحشؑ حضرت ابو احمد بن جحشؑ حضرت عکاشہ بن محسنؑ حضرت شجاع بن وہبؑ	بنو شمس کے حلیف
حضرت عقبہ بن وہبؑ	بنو شمس کے حلیف
حضرت عقبہ بن غزوانؑ	بنو نوفل کے حلیف
حضرت زبیر بن عوامؑ	بنو اسد بن عبد العزیٰ
حضرت حاطب بن ابی بلتعہؑ	بنو اسد کے حلیف
حضرت مصعب بن عمیرؑ	بنو عبد دار

اسمائے گرامی	نام قبیلہ یا وطن
حضرت طلیب بن عمیرؓ	بنو عبد بن قصی
حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت طلیب بن ازہرؓ حضرت عبداللہ اصغرؓ حضرت عبداللہ بن شہابؓ حضرت عامر بن ابی وقاصؓ مطلب بن ازہرؓ	بنی زہرہ بن کلاب
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت مقداد بن عمرؓ حضرت خباب بن ارتؓ حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ حضرت عتبہ بن مسعودؓ حضرت شریحیل بن حسنہؓ	بنی زہرہ کے حلیف
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ حضرت عامر بن فہیرہ خادم صدیق اکبرؓ حضرت نثار بن خالد رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ	بنو تیم بن مرہ
حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ حضرت شماس بن عثمانؓ	بنو مخزوم بن یثقلہ

اسمائے گرامی	نام قبیلہ یا بطن
حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ حضرت سلمہ بن ہشامؓ حضرت ہاشم بن ابو حدیفہؓ حضرت ہیار بن سفیانؓ حضرت عبداللہ بن سفیانؓ	بنو مخزوم بن یثقبہ .
حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت مصعب بن عمرفؓ	بنو مخزوم کے مختلف
حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت زید بن خطابؓ حضرت سعید بن زیدؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ	بنو عدی
حضرت عمرو بن سراقہؓ حضرت نعیم النحام بن عبداللہؓ حضرت معمر بن عبداللہؓ حضرت عدی بن نھلہؓ حضرت عروہ بن ابی اثاثہؓ	بنو عدی
حضرت مسعود بن سویدؓ حضرت عبداللہ بن سراقہؓ	بنو عدی
حضرت عامر بن ربیعہؓ حضرت عاقل بن ربیعہؓ حضرت خالد بن ربیعہؓ حضرت ایاس بن ربیعہؓ	حلیف بنو عدی

اسمائے گرامی	نام قبیلہ یا بطن
حضرت عامر بن ربیعہؓ حضرت خولی بن ابی خولیؓ حضرت یحییٰ بن صالح غلام عمر بن خطابؓ	
حضرت حنیس بن حذافہؓ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ حضرت ہشام بن عاصؓ حضرت ابو قیس بن حارثؓ حضرت عبداللہ بن حارثؓ حضرت سائب بن حارثؓ حضرت حجاج بن حارثؓ حضرت تمیم بن حارثؓ حضرت سعید بن حارثؓ حضرت سعید بن عمروؓ	بنو کعبہ
حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت عبداللہ بن مظعونؓ حضرت قدامہ بن مظعونؓ حضرت سائب بن عثمانؓ حضرت معمر بن حارثؓ حضرت خطاب بن حارثؓ حضرت سفیان بن معمرؓ حضرت خالد بن سفیانؓ	بنو حجاج بن عمرو

اسمائے گرامی	نام قبیلہ یا بطن
حضرت جنادہ بن سفیانؓ حضرت عبیدہ بن عثمانؓ	
حضرت ابو سبرہ بن ابی رہمؓ حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ حضرت حاطب بن عمروؓ حضرت عبداللہ بن سہیلؓ حضرت عمیر بن عوفؓ حضرت وہب بن سعدؓ حضرت سلیط بن عمروؓ حضرت سکران بن عمروؓ حضرت مالک بن زمعہؓ	بنو عامر بن لوئی
حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ عثمان بن عبد غنم رضی اللہ عنہ	بنو فہر بن مالک
حضرت سعید بن عبد قیسؓ حضرت خالد بن حزامؓ حضرت اسود بن نوفلؓ حضرت عمرو بن امیہؓ حضرت یزید بن زمعہؓ	بنو اسد بن عبد العزیٰ

اسمائے گرامی	نام قبیلہ یا بطن
حضرت ابوالروم بن عمیرؓ حضرت فراس بن نصرؓ حضرت جہم بن قیسؓ	بنو عبد دار بن قصی
حضرت ابو فکیہہؓ	بنو عبد بن قصی کے حلیف
حضرت حمیہ بن جراءؓ	بنی سعد کے حلیف
حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسیؓ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہ	قبیلہ دوس

قبیلہ دوس کی خواہش:

جب کہ مکہ میں چاروں طرف مشرکین کی یورش اور دشمنان اسلام کا زرعہ تھا، اس وقت بھی اطراف مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا، ذات نبوی (ﷺ) کی حمایت اور امداد پر آمادہ تھے، چنانچہ قبیلہ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا، اس کے سردار طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے خواہش کی آنحضرت ﷺ یہاں ہجرت کر آئیں، لیکن آپ نے انکار کر دیا، اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی، لیکن بغیر آپ حکم الہی کے مجبور تھے۔

مدینہ کا خواب:

بالآخر جس چیز کا انتظار تھا، آنحضرت ﷺ کو عام رویا میں اس کا مشاہدہ کر دیا گیا، اور آپ نے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجوروں والی زمین میں ہجرت کر رہے ہیں، اس سے آپ یمامہ یا ہجر سمجھے، لیکن درحقیقت یہ یثرب کی بابرکت زمین تھی۔ ۲

اہل مدینہ کا قبول اسلام:

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ حج کے موسم میں حجاج میں تبلیغ اسلام فرماتے

۱۔ مسلم جلد ۱ اب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر ۲۔ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۳

تھے اس سلسلہ میں آپ ﷺ کو چند خزر جی اشخاص ملے آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا ان کا آئینہ قلب اس کے پہلے ہی عکس میں توحید کے پرتو سے چمک اٹھا البتہ ان کی تعداد اور اولیت میں اختلاف ہے کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف باسلام ہوئے اور وہ کون کون لوگ تھے ان کی تعداد باختلاف روایت ۲، ۶ اور ۸ ہے۔ لیکن ۶ کی روایت مرجح ہے اور اس صورت میں واقعہ کی صورت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو موسم حج میں بنونجار کے کچھ آدمی ملے آپ نے دریافت فرمایا کہ تم یہود کے حلیف ہو انہوں نے اثبات میں جواب دیا آپ نے اسلام پیش کیا اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں اور وہ لوگ مشرف باسلام ہو گئے۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔<sup>۱</sup>

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ
حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ	حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ	حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

### انصار کی پہلی بیعت:

دوسرے سال موسم حج میں خزر جی کے بارہ آدمی آئے اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی یہ بیعت جہاد نہ تھی بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا یعنی شریک چوری زنا قتل اولاد اور بہتان سے احتراز اور امر بالمعروف میں اطاعت۔ یہ لوگ جب بیعت کر کے واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن کے لئے ساتھ کر دیا یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے۔<sup>۲</sup>

### انصار ثلثہ رضی اللہ عنہم کی دوسری بیعت:

تیسری مرتبہ خزر جی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے اور ان سبھوں نے بیعت کی مگر یہ بیعت آسان نہ تھی اس میں جان کی بازی تھی کہ وہ ہزاروں دشمنان اسلام کے درمیان آنحضرت (ﷺ) کی حفاظت اپنے اہل و عیال کی طرح کریں گے۔<sup>۳</sup>

## عام ہجرت:

انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیعت اور اذانِ ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی اور آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں کو مشدہ سنا دیا اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور عامر بن ربیعہؓ نے ابتدا کی، اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اکثروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

محمد بن عبداللہ بن جحشؓ	محمد بن عبداللہ بن جحشؓ	عبداللہ بن جحشؓ
عمر بن خطابؓ	عمر بن خطابؓ	ابواحمد بن جحشؓ
عیاش بن ابی ربیعہؓ	عیاش بن ابی ربیعہؓ	عکاشہ بن محسنؓ
زید بن خطابؓ	زید بن خطابؓ	شجاع بن وہبؓ
عمر و بن سراقہؓ	عمر و بن سراقہؓ	عقبہ بن وہبؓ
عبداللہ بن سراقہؓ	عبداللہ بن سراقہؓ	اربد بن حمیرہؓ
حنیس بن حذافہؓ	حنیس بن حذافہؓ	مقتد بن نباتہؓ
سعید بن زیدؓ	سعید بن زیدؓ	یزید بن رقیشؓ
عمر و بن نفیلؓ	عمر و بن نفیلؓ	سعید بن رقیشؓ
واقد بن عبداللہؓ	واقد بن عبداللہؓ	محرز بن نھلہؓ
خولئی بن ابی خولئیؓ	خولئی بن ابی خولئیؓ	قیس بن جابرؓ
مالک بن ابی خولئیؓ	مالک بن ابی خولئیؓ	عمر و بن محسنؓ
ایاس بن کبیرؓ	ایاس بن کبیرؓ	مالک بن عمروؓ
عامر بن کبیرؓ	عامر بن کبیرؓ	صفوان بن عمروؓ
عاقل بن کبیرؓ	عاقل بن کبیرؓ	ثقیف بن عمروؓ
زید بن حارثہؓ	زید بن حارثہؓ	
کنانہ بن حصینؓ	کنانہ بن حصینؓ	
آنسہؓ	آنسہؓ	
ابو کبشہؓ	ابو کبشہؓ	
عبیدہ بن حارثؓ	عبیدہ بن حارثؓ	
طفیل بن حارثؓ	طفیل بن حارثؓ	
حصین بن حارثؓ	حصین بن حارثؓ	
مسطح بن اثاثہؓ	مسطح بن اثاثہؓ	
سویط بن سعدؓ	سویط بن سعدؓ	
طلیب بن عمیرؓ	طلیب بن عمیرؓ	
خباب مولیٰ عقبہ بن غزو انؓ	خباب مولیٰ عقبہ بن غزو انؓ	
زبیر بن عوامؓ	زبیر بن عوامؓ	
ابو سبرہؓ	ابو سبرہؓ	
مصعب بن عمیرؓ	مصعب بن عمیرؓ	
ابو حذیفہؓ	ابو حذیفہؓ	

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۶۔

۲۔ ناموں کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۴۳ تا ۲۶۳ سے لی گئی ہے۔



<p>سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ عتبہ بن غزوٰن رضی اللہ عنہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ _____</p>	<p>خالد بن کبیر رضی اللہ عنہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ</p>	<p>ربیعہ بن اشم رضی اللہ عنہ زبیر بن عبیدہ رضی اللہ عنہ تمام بن عبیدہ رضی اللہ عنہ سخرہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ</p>
<p>سخرہ بنت تمیم رضی اللہ عنہا حمزہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ام سلمہ رضی اللہ عنہا _____</p>	<p>جدامہ بنت جندل رضی اللہ عنہا ام قیس بنت محسن رضی اللہ عنہا ام حبیب بنت ثمامہ رضی اللہ عنہا آمنہ بنت رقیش رضی اللہ عنہا</p>	<p><b>مستورات</b> زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ام حبیب بنت جحش رضی اللہ عنہا</p>

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک کیوں قائم رہا اور اس کے کیا اسباب تھے؟

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی زندگی بڑی حد تک محفوظ و مطمئن ہو گئی تھی، تاہم ہجرت عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں کیا گیا، اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، اس کے متعدد وجوہ و اسباب تھے، اول یہ کہ ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجہ ظلم میں اسیر تھے، جب جب ان کی گلو خلاصی ہوتی گئی مدینہ آتے گئے، دوسرے یہ کہ ان مسلمانوں کے لئے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر رہتے تھے، اتنا وقت درکار تھا کہ ہجرت کے لیے ضروری انتظامات کر سکیں، تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام میں اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے ان پرستاروں کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکیں جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے، اور یہ اس وقت تک ناممکن تھا، جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے، اور ان کا سب سے بڑا قبلہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آجائے، اس لیے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا جب تک خانہ کعبہ پر توحید کا علم نصب نہ ہو گیا، اور ہجرت عظمیٰ کے بعد سے فتح مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے، چنانچہ غزوہ خیبر کے قبل تک جو فتح مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا، قابل ذکر اشخاص میں سعید بن عامر بن ہذیم، حجاج بن علاط اور عوف بن مالک اشجعی

رضی اللہ عنہم آئے، پھر عین غزوہ خیبر کے موقع پر مہاجرین حبش کا پورا قافلہ مدینہ آ گیا، ان سب کے نام اوپر لکھے جا چکے ہیں، پھر فتح مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانوں کی کافی تعداد آئی، جن میں ذیل کے اشخاص قابل ذکر ہیں، حضرت عمرو بن عاص، خالد بن ولید، مغیرہ بن شعبہ، سلمہ بن اکوع، ابو ہریرہ، دوسی، عبداللہ بن ابی اوفی، ربیعہ بن کعب السلمی، سلیمان بن مردؤالکھامی، اور یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ:

لا ہجرة بعد الفتح الا جهاد و نية.

”فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے۔“

کیونکہ اب اسلام کو کل عرب میں امن و امان حاصل ہو گیا تھا، اور مسلمان کی حفاظت کے لیے کسی خاص دارالامان کی ضرورت نہیں تھی۔



## مہاجرین رضوانِ علیہم صلوات اللہ علیہم کے فضائل و مناقب

کلام اللہ اور مہاجرین:

انسان کے لیے تھوڑے عرصہ تک مصائب برداشت کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے کچھ دنوں کے لیے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتیں بھی برداشت کر سکتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے، مگر جیتے جی ہمیشہ کے لیے خویش و اقارب، اہل و عیال، اور مال و دولت سب چھوڑ کر جلا وطنی کی مصیبت نہیں سہہ سکتا، مہاجرین رضوانِ علیہم صلوات اللہ علیہم کا سب سے بڑا ایثار سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے اپنے وطن، اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و جائیداد سب کو چھوڑ کر بے خانماں ہوئے، یہ وہ جذبہ فدویت ہے جس کی مثال مذاہب عالم کے تاریخی صفحات میں نہیں مل سکتی، جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے تو ان کے جیب و دامن مال و دولت کے زخارف سے خالی تھے، کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا نہ کپڑا تھا، غرض وہ ہر قسم کی مادی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن ان کے دل ایمان خدا اور رسول کی محبت اور ولولہ مذہب کی دولت سے معمور تھے، اور اس نے ان کو تمام محز خرفات دنیوی سے بے نیاز کر دیا تھا۔

خدا نے ان کے یہ تمام صفات قرآن پاک میں خود بیان فرمائے ہیں، چنانچہ سورہ حشر میں مہاجرین کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہیں:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ

اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (الحشر ۱)

” (مال غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد و دولت سے محروم کر دیئے گئے اور خدا کے فضل اور

اس کی رضا سزای کے متلاشی ہیں، اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہ ہیں

راست باز لوگ۔“

ان کے اقوال و افعال یہ تھے:

﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ  
النَّاسَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ لَهْلَمَّتْ صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسْجِدٌ يُذَكَّرُ فِيهَا  
اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ  
فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج ٦٤)

”وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ  
ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوادیتا  
تو کلیسے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجد میں جن میں کثرت سے خدا کا نام  
لیا جاتا ہے گرا دیئے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ ضرور اس کی  
مدد کرے گا بیشک اللہ قوت والا اور غالب ہے یہ لوگ (مہاجرین) اگر ہم ان کو  
حکومت دے کر زمین پر قادر کر دیں تو یہ نمازیں پڑھیں گے زکوٰۃ دیں گے اور  
لوگوں کو اچھے کام کے لیے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے اور  
انجام خدا ہی کے لیے ہے۔“

ان قربانیوں کے صلہ میں دنیا اور آخرت کی سب سے گراں بہا نعمت ان کو  
حاصل تھی یعنی رضائے الہی اور اس کی رحمت۔ درجات اور مراتب کے اعتبار سے بھی وہ  
خدا کے نزدیک سب سے بلند تر تھے۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ  
دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُسْرَهُمُ دِينُهُمْ بِرَحْمَةِ اللَّهِ وَرِضْوَانِ  
وَجَسَبَتْ لَهُمْ فِيهَا نِعْمَةٌ تَقِيْمُهُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِذَا هُمْ (٢٤٤ ع ٢٤٤)

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستے میں  
جہاد کیا یہ لوگ سب سے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں اور یہیں وہ کاسیاب

ہونے والے ہیں ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ہے اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کی راہ میں لٹاتے ہیں۔

ایک دوسری آیت میں نہ صرف مہاجرین کے لیے بلکہ مہاجرین کے نقش قدم چنے والوں کے لیے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (توبہ ع ۱۳)

”اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور وہ لوگ جنہوں نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا خدا ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہیں۔ اور ان کے لیے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔“

ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ رحمت الہی سے ناامید نہیں ہوتے اس لیے مہاجرین ہمیشہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے تھے۔

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (بقرہ ع ۲۷)

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

خدا ان کی اس امید رحمت کو اس طرح پورا کرے گا کہ ان کے تمام گناہوں سے درگزر کرے گا اور ان کی خطائیں ان کے نامہ اعمال سے مٹا دے گا۔

﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا

لَا تَخْفَوْا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا ذَلِيلَتَهُمْ جَنَّبَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ﴿٦﴾

(آل عمران : ع ۲۰)

”پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے اور میرے راستے میں تکلیفیں پہنچائیں گئیں اور لڑے اور مارے گئے ہم ان کی برائیوں کو منادیں گے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔“

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلہ میں ان کو دنیا میں بھی بلند مرتبہ کرے گا اور آخرت میں بھی سرفراز فرمائے گا۔

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ لَآجُرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (نحل ع ۶)

”اور جن مسلمانوں نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی ان کو ہم دنیا میں ضرور اچھی جگہ بٹھائیں گے اور آخرت کا اجر اس سے بہت بڑا ہے کاش وہ لوگ جانتے۔“

مہاجرین نے راہ خدا میں تمام شدا ادا کھائے، جلا وطن ہوئے، ہر طرح کی جسمانی و روحانی تکلیفیں برداشت کیں مگر ابرو پر شکن تک نہ آئی اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا۔ خدا نے ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ دیا۔

﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا قَبِلْتُمْ جَاهِدُوا وَ صَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (نحل ع ۱۴)

”پھر خدا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مصیبت میں جتا ہونے کے بعد گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا اور (ان کی تکلیفوں پر) صبر کیا، بیشک تمہارا خدا (ان امتحانوں کے بعد) بخشنے والا مہربان ہے۔“

ورہ ج میں ایک موقع پر اپنے انعام و اکرام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَاتَلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقْنَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ لِيَذِلَّنَّهُمْ مُذْخَلًا يُرْضَوْنَهُ ﴿ (حج ۸۷)

”جن لوگوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی، پھر شہید ہو گئے یا مر گئے، ان کو خدا ضرور اچھا رزق دے گا، بیشک خدا ہی روزی دینے والوں میں بہتر روزی دینے والا ہے، وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ خوش ہو جائیں گے۔“

تنگدستی و عسرت کے وقت جب کہ تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جاتی ہیں اور احباب کنارہ کش ہو جاتے ہیں، مہاجرین نے آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا، خدا نے اس کے عوض میں ان پر اپنا یہ فضل کیا:

﴿ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْغُسْرَةِ ﴾ (نورہ ۱۷۷)

”اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور ان مہاجرین و انصار پر..... اپنا فضل و کرم کیا، جنہوں نے عسرت کی گھڑیوں میں نبی کا ساتھ دیا۔“

خدا نے صرف اپنے فضل و کرم پر اکتفا نہ کیا، بلکہ صاحبِ مقدور مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی ہدایت فرمائی، اور اس کو موجبِ مغفرت قرار دیا۔

﴿ وَلَا يَأْتِلْ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِيَعْفُوا وَلِيَصْفَحُوا أَلَا تَجِدُونَ أَنَّ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾ (نور ۳)

”تمہارے صاحبِ فضل اور صاحبِ مقدور لوگ قرابت والوں اور محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی (مالی) مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھالیں، بلکہ چاہئے کہ ان کی خطائیں معاف کر دیں، اور ان سے درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تمہاری مغفرت کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے، اس سے مومنین اور منافقین میں امتیاز ہوتا ہے، بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہیں۔

﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا مِنْهُمْ آوِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ (النساء ع ۱۱)

”جب تک یہ لوگ (مناقضین) خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں اس وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔“

مسلمانوں میں صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہیں جنہوں نے راہ خدا میں گھر چھوڑے اور اس کے راستے میں جانی اور مالی جہاد کیا یا جنہوں نے مہاجرین کی امداد کی۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ﴾ (انفال ع ۱۰)

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“

وراثت کے لیے تنہا ایمان کافی نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری ہے ورنہ وارث مورث کی وراثت نہیں پاسکتا۔

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ﴾

(انفال ع ۱۰)

”اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں۔“

ایمان کی پختگی کا دار و مدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴾ (انفال ع ۱۰)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور خدا کے راستے میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ بکے ایمان والے ہیں اور ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔“



قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ ایک موقع پر مہاجرین کی فضیلت اس پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں: ۱۔

(( لو لا الهجرة لكنت امرأ من الانصار ))۔ ۱۔

”اگر ہجرت نہ ہوتی، تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔“

ہجرت حفاظتِ دین کی خاطر کی جاتی تھی؛

(( فقالت لا هجرة اليوم كان المؤمنون يفر احدهم بدینه الى الله ورسوله ))۔ ۲۔

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا، یہ مومنین کے

لیے اس وقت تھی، جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لیے خدا اور اس کے رسول کی

طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے۔“

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے، اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہیں جو اپنے دین و

اعتقاد میں نہایت سخت ہوں؛

(( جاء اعرابي الى النبي صلى الله عليه وسلم فسأله عن الهجرة فقال : ويحك

ان الهجرة شانها شديد ))۔

”ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر ہجرت کے بارہ میں سوال کیا،

آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے، ہجرت بہت ہی سخت ہے۔“

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے؛

(( عن عمر رضي قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول الاعمال بالنية فمن

كانت هجرته الى الدنيا يصيبها او امرأة يتزوجها في هجرته الى ما سحر اليه ومن

كانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله ))۔ ۳۔

۱۔ بخاری باب بیان الکعب باب ہجرت النبی ۲۔ بخاری جلد ۱ ص ۵۵۳

۳۔ بخاری جلد ۱ باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه الى المدينة.

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، پس جس کی نیت ہجرت دنیا کے لیے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی تو یہ ان ہی چیزوں کے لئے ہوگی اور جو ہجرت اللہ اور رسول کے لیے ہوگی، اس کا اللہ و رسول کی خوشنودی میں شمار ہوگا۔“

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت جاہ و دولت کے لیے نہ تھی، بلکہ جس چیز کے لیے تھی اس کو خود حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

(( کنا ہاجرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نبتغی وجہ اللہ نوجب جرننا علی اللہ ))<sup>۱</sup>

”ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خالصہٴ لوجہ اللہ چھوڑتے تھے اس لیے ہم اجر کے مستحق ہو گئے۔“

چونکہ مہاجرین رضی اللہ عنہم اپنے وطن کو خالصہٴ لوجہ اللہ چھوڑتے تھے اس لئے دوبارہ اس زمین میں رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ، ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے اور وہاں آ کر بیمار پڑ گئے۔ حالت نازک ہوئی تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ ہی میں انتقال نہ ہو جائے، آنحضرت ﷺ بھی اس کو ناپسند فرماتے تھے چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہیں:

(( عند سعد بن ابی وقاص قال جاءنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی و انا بمکة و هو یکرہ ان یموت بالارض النبی ہاجر منها ))<sup>۲</sup>

”حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ میری عیادت کو مکہ تشریف لائے اور آپ اس مقام پر موت کو ناپسند فرماتے تھے جہاں سے ہجرت کی گئی ہو۔“

اسی حدیث میں اس موقع پر ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے

آنحضرت ﷺ سے دعائے صحت کی درخواست کی تاکہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہ جائے۔

(( قال مرضت فعادني النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله ادع

الله ان لا يرذني على عقبى ))<sup>۱</sup>

”حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا، آنحضرت ﷺ میری عیادت کو

تشریف لائے۔ میں نے درخواست کی کہ حضور ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں

کہ خدا مجھ کو الٹے پاؤں نہ لوٹائے۔“

اس درخواست پر آپ نے یہ دعا فرمائی:

(( اللهم امض اصحابي هجرتهم ولا يردهم على اعقابهم ))

”خدایا! میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے اور ان کو الٹے پاؤں نہ لوٹا۔“

اکابر اصحابؓ ہجرت کو اپنے لیے سرمایہ فخر سمجھتے تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ

فخر یہ فرماتے تھے کہ: ”هاجرت المهاجرين اوالتين“<sup>۲</sup>

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفات کی طرح تاباں

ہوں گے۔

(( عن ابن عمر رضي الله عنه قال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما

حين طلعت الشمس فقال سيأتي ناس من امتي يوم القيامة نورهم كضوء

الشمس قلنا من اولئك يا رسول الله فقال فقراء المهاجرين تقى بهم

المكارة يموت احلهم و حاجته في صدره يحشرون من اقطار الارض ))<sup>۳</sup>

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ طلوع آفتاب کے وقت

آنحضرت ﷺ کے پاس تھے آپ نے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن میری

امت کے کچھ لوگ ایسے انھیں گے کہ جن کا نور ضیائے شمس کے مماثل ہوگا، ہم

۱ بخاری جلد اول ص ۳۸۱ ۲ بخاری باب ہجرة الحبس ص ۳ ایضاً

۳ کنز العمال جلد ۷ ص ۱۳۳

لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے، فرمایا فقراء مہاجرین جن کے ذریعے سے مصیبتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتیں اور تمنائیں سینوں میں لیے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہیں یہ لوگ مختلف اقطار عالم سے اٹھائے جائیں گے۔

مہاجرین کے لیے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔

(( قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتعلم اول زمرة تدخل الجنة من امتی فقراء المهاجرین یاتون یوم القيمة الی باب الجنة ومستفتحون فتقول لهم خزنة او قدحو سبتم قالوا بای شیء نحاسب وانما كانت اسیافنا علی عواتقنا فی سبیل اللہ حتی متنا علی ذالک فیفتح لهم فیقولون فیہا اربعین عاما قبل ان یدخلها الناس ))<sup>۱</sup> (مسند ابن عمر)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میری امت کے اس زمرہ کے لوگوں کو جانتے ہو جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، وہ فقراء مہاجرین ہوں گے، قیامت کے روز وہ جنت کے دروازہ پر آ کر باب جنت کھلوانا چاہیں گے۔ دربان سوال کریں گے کہ کیا تمہارا حساب ختم ہو چکا ہے وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا، خدا کے راستہ میں ہماری تلواریں ہمارے زینب دوش رہیں اور اسی آن کے ساتھ جان دی اس کے بعد جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور عام لوگوں کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس میں آرام کریں گے۔“

مہاجرین کسی حالت اور کسی وقت میں بھی اسلام کی خدمت سے پہلو تہی نہ کرتے تھے فاقہ پر فاقہ ہوتے، مگر ان کی جانفروشیوں میں فرق نہ آتا، غزوہ خندق کے موقع پر علی الصبح کڑکڑاتے جاڑوں میں خالی پیٹ خندق کھودتے تھے چنانچہ اسی موقع

پرایک دن صبح سویرے آنحضرت ﷺ نکلے تو یہ منظر دیکھا:

(( قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الخندق فاذا المهاجرون والانصار يحفرون في غداة باردة فلم يكن لهم عيب يعملون ذلك فلما رأى باهم من النصب والجوع )).

”رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے تو آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار سردی کی صبح میں خندق کھود رہے ہیں اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہیں کہ اس کام کو کر دے اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر یہ دعا فرمائی۔

اللهم ان العيش عيش الاخرة فاغفر الانصار و المهاجر .

”خدا یا! اصل عیش آخرت کا عیش ہے، مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما۔“

ان فضائل کے علاوہ مہاجرین رضی اللہ عنہم کی ایک نمایاں فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک و صاف تھا، اس لیے منافق وہ لوگ تھے جو در پردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے یا وہ تھے جو مال و دولت کی طمع میں مسلمان ہوئے تھے یا وہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے اور مہاجرین رضی اللہ عنہم کا اسلام ان تینوں چیزوں کی آمیزش سے پاک تھا، اس لیے کہ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت میں تھا، نہ اس کے پاس مال و زر تھا، نہ قوت و حکومت تھی، بلکہ اس زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اور ان کا مال خود خطرہ میں پڑ گیا تھا، اس لیے ان کا اسلام خاصۃً للہ تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ سالہ زندگی میں مسلمان تعداد اور قوت دونوں حیثیتوں سے کفار کے مقابلہ میں ضعیف تھے، اس لیے وہ مسلمانوں کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے، اس لیے ان کی دوستی اور دشمنی دونوں کھلی ہوئی تھیں۔

اس کے برعکس مدینہ میں انصار کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرہ

میں داخل ہوئے اور کچھ لوگوں نے مال و زر کی طمع میں اسلام قبول کیا، اس کے علاوہ جن لوگوں کے اقتدار کو اسلام نے صدمہ پہنچایا تھا، وہ در پردہ تو ان کے مخالف تھے، مگر علی الاعلان اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمانوں میں کافی طاقت آچکی تھی، خود انصاران کی پشت پناہ تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگوں میں تھے، اس لیے مکی سورتوں میں کہیں نفاق و منافقت کا تذکرہ نہیں ہے، اور مدنی سورتوں میں اس کا بکثرت ذکر آتا ہے، نساء، توبہ، انفال، احزاب، حدید اور فتح مدنی سورتیں ہیں اور ان سب میں مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے، سورہ منافقون میں مخصوص طور پر ان کی پردہ دری میں نازل ہوئی ہے، سورہ توبہ میں بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے:

﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رُسُلِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۚ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يُثْبِتُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَنْرَبُّ بِحُكْمِ اللَّهِ آيِرَ عَلَيْهِمْ ذَاتِرَةُ السُّوءِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٤﴾

”دیہاتی بدو کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں، اور یہ اسی لائق ہیں کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے، اس کے احکام کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں پر گردش زمانہ کے منتظر ہیں۔ سو ان ہی پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا جاننے والا ہے۔“

خداوند تعالیٰ نے دوسرے موقع پر مدینہ کی بھی صراحت کر دی ہے:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۚ وَمِنَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَىٰ النِّفَاقِ لَا نَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَعَدْنَاهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يَرُدُّونَ إِلَىٰ عَذَابِ أَلِيمٍ ﴿١٢٤﴾

(توبہ ۱۲۴)

”اور مسلمانو! تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں منافق ہیں اور خود مدینہ والوں میں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، ان کو تم نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے

ہیں۔ عنقریب ہم ان کو دہرا عذاب دیں گے پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“

علامہ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے منہاج السنہ میں مہاجرین کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

”احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مہاجرین رضی اللہ عنہم میں کوئی منافق نہ تھا، بلکہ نفاق انصار رضی اللہ عنہم کے قبیلوں میں ظاہر ہوا، جب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا، اور اس میں اوس و خزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہو گئے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہو گئے اور اس کے قرب و جوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کے لیے اسلام لائے، یہ لوگ منافق تھے جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مُسْرَتِينَ اسی لیے نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے، کئی سورتوں میں نہیں ہے کیونکہ جو لوگ ہجرت کے قبل مکہ میں اسلام لائے تھے، ان میں کوئی منافق نہ تھا اور جن لوگوں نے ہجرت کی ان میں بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے اور اللہ اور اس کا رسول ان کو ان کے اہل و عیال اور ان کے مال و دولت سے زیادہ محبوب تھا۔“

شاہ معین الدین احمد ندوی

۱۰ جولائی ۲۸ھ

دارالمصنفین اعظم گڑھ

## حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

نام 'نسب' خاندان:

زبیر نام ابو عبد اللہ کنیت، حواری رسول اللہ ﷺ لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسدی بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب بن لوی القرشی الاسدی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب قصی بن کلاب پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سرور کائنات کی پھوپھی تھیں، اس لئے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھی حقیقی بھتیجے تھے اور حضرت صدیق جناب ﷺ کے داماد ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت ﷺ کے ساڑھو بھی تھے، اور اس طرح ذات نبوی ﷺ کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی ﷺ سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے۔ بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ابتدائی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ جوان ہو کر ایک عالی حوصلہ بہادر والوالعزم مرد ثابت ہوں، چنانچہ وہ بچپن میں عموماً انہیں مارا پیٹا کرتیں اور سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کا عادی بناتی تھیں۔ ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر نہایت خفا ہوئے کہ کیا تم اس بچے کو اس طرح مارتے مارتے مار ڈالو گی، اور بنو ہاشم سے کہا کہ تم لوگ صفیہ (رضی اللہ عنہا) کو سمجھاتے کیوں نہیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حسب ذیل رجز میں اس خفگی کا جواب دیا۔

۱ ابن سعد اصابتاً ذکرہ زبیر رضی اللہ عنہ



من قال انى ابغضه فقد كذب ☆ انما اضربه لكى يلب  
 ”جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں، اس نے جھوٹ کہا، میں اس کو  
 اس لیے مارتی ہوں کہ عقل مند ہو۔“

ويهزم الحيش ويأتى باسلب ....

”اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے۔“

اس تربیت کا یہ اثر تھا کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے  
 لگے تھے، ایک دفعہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا، انہوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ  
 اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا، لوگ اسے لاد کر شکایۃً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے تو انہوں  
 نے معذرت و غصہ خواہی کے بجائے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیر (رضی اللہ عنہ) کو کیسا  
 پایا، بہادر یا بزدل۔!

اسلام:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ صرف سولہ برس کے تھے کہ نور ایمان نے ان کے خانہ دل کو  
 منور کر دیا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے، لیکن یہ صحیح  
 نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں۔  
 حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اگرچہ کسن تھے، لیکن استقامت اور جان نثاری میں کسی سے  
 پیچھے نہ تھے، قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ  
 کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سن کر جذبہ جان نثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ اسی وقت نگلی کھوار کھینچ  
 کر جمع کو چیرتے ہوئے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا زبیر!  
 یہ کیا ہے؟ عرض کی ”مجھے معلوم ہوا تھا کہ (خدا نخواستہ) حضور گرفتار کر لیے گئے ہیں، سرور  
 کائنات ﷺ نہایت خوش ہوئے، اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی، اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ

۱ اصحابہ جلد ۱۲، ذکرہ زبیر رضی اللہ عنہ

۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۵۹

پہلی کموار تھی جو راہ فدویت و جان نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔<sup>۱</sup>  
ہجرت:

عام بلا کشان اسلام کی طرح حضرت زبیرؓ، مشرکین مکہ کے بچہ ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے ان کے چچا نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم ہو کر اور بھی سختی شروع کی، یہاں تک کہ چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا، اور اس قدر دھونی دیتا، کہ دم گھٹنے لگتا، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے ”کچھ کرواب میں کافر نہیں ہو سکتا“۔<sup>۲</sup>

غرض مظالم و شدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے، تو خود سرور کائنات ﷺ نے مدینہ کا قصد کیا، اس لیے انہوں نے بھی یشرب کی مبارک سر زمین کو وطن بنایا۔  
مواخات:

آنحضرت ﷺ نے مکہ میں حضرت طلحہؓ، کو حضرت زبیرؓ کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا، لیکن جب مدینہ پہنچنے کے بعد انصار و مہاجرین میں تعلقات پیدا کرنے کے لیے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی، تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاریؓ سے رشتہ اخوت قائم کیا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعت عقبہ میں شریک تھے۔  
غزوات:

غزوات میں ممتاز حیثیت سے شریک رہے، سب سے پہلے غزوہ بدر پیش آیا، حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں نہایت جان بازی و دلیری کے ساتھ حصہ لیا، جس طرف نکل جاتے تھے غنیم کی صفیں تہ و بالا کر دیتے تھے، ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت چاہی، حضرت زبیرؓ بڑھ کر اس سے لپٹ گئے اور دونوں قلا بازیاں کھاتے ہوئے نیچے آئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں میں جو سب سے پہلے

زمین پر رکے گا' وہ مقتول ہوگا' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گر کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے داخل جہنم ہوا۔

اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا' جو سر سے پاؤں تک زرہ پہنے ہوئے تھا' صرف دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس زور سے آنکھ میں نیزہ مارا کہ اس پار نکل گیا' اس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نیزہ کو نکالا' پھل میڑھا ہو گیا تھا' آنحضرت ﷺ نے بطور یادگار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اس نیزہ کو لے لیا' اس کے بعد پھر خلفاء میں تبر کا منتقل ہوتا رہا' یہاں تک خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے وارث حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا' اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا۔

وہ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں لڑے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی تلواریں دندانے پڑ گئے تھے' تمام جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا' خصوصاً ایک زخم اس قدر کاری تھا کہ وہاں پر ہمیشہ کے لئے گڑھا پڑ گیا تھا' حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔<sup>۲</sup>

معرکہ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج ملائکہ بھی اس وضع میں آئے ہیں۔<sup>۳</sup>

غرض مسلمانوں کی شجاعت و ثابت قدمی نے میدان مار لیا' حق غالب رہا' اور باطل کو شکست ہوئی۔

غزوة احد:

۳ھ میں معرکہ احد کا واقعہ ہوا' اثنائے جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا' کون اس کا حق ادا کرے گا؟ تمام جان نثاروں نے بیتابی کے ساتھ اپنے

۱ کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۶ ج ۲ بخاری باب غزوة بدر

۲ کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۶

ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ انصاری کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔

جنگ احد میں جب تیر اندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہو گئی اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیان دین کے پاؤں حترزل ہو گئے، یہاں تک کہ شمع نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم پروانہ وار ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اس وقت بھی یہ جان نثار حواری جان نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا۔

غزوة خندق:

۵ھ میں یہودیوں کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرور کائنات ﷺ نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس حصہ پر معمور تھے جہاں عورتیں تھیں۔

بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا، لیکن عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کے لیے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا: ”کون اس قوم کی خبر لائے گا؟“ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ ”میں“ آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا: ”ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں، میرا حواری زبیر ہے۔“

اس نازک وقت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس طرح بے خطر تہا آمد و رفت سے آنحضرت ﷺ ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا فداک ابی و امی یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔

کفار بہت دلوں تک خندق کا محاصرہ کیے رہے، لیکن پھر کچھ تو ارضی و سماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات و استقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

۱ زرقاتی جلد ۲ ص ۳۲ ج ایضاً

۲ مسند جلد ۱ ص ۱۶۳ ج بخاری کتاب المغازی باب غزوة خندق

۳ مسند جلد ۱ ص ۱۳۶ او بخاری کتاب المناقب زبیر رضی اللہ عنہ

## غزوہ خیبر:

غزوہ خندق کے بعد غزوہ بنو نضیر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی، مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یاسر غضبناک ہو کر ”هل من مبارز“ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، وہ اس قدر تومند اور قوی ہو گیا تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! میرا لخت جگر شہید ہوگا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں! زبیر (رضی اللہ عنہ) اس کو مارے گا چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر رو بدل کے بعد وہ واصل جہنم ہوا۔

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی، لیکن آنحضرت ﷺ کو خبر ہو گئی اور ایک جماعت اس عورت کو گرفتاری پر مامور ہوئی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک تھے، وہ گرفتار ہو کر آئی اور خط پڑھا گیا تو ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا سر نہ امت سے جھک گیا، رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ان کی عفو خواہی پر جرم معاف فرما دیا، اور یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ﴾

(ممتحنہ ۱)

## فتح مکہ:

رمضان ۸ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت میں نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے، سب سے چھوٹا اور

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۲ ۲۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوة اللخ

آخری دستہ وہ تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ موجود تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے علمبردار تھے۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے اور ہر طرف سکون و اطمینان ہو گیا، تو حضرت زبیر اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑوں پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کے چہروں سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا میں نے گھوڑے کے لیے دو حصے اور سوار کے لیے ایک حصہ مقرر کیا ہے، جو ان حصوں میں کمی کرے گا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا۔

مختلف غزوات:

فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوہ حنین پیش آیا، کفار کین گاہوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس گھائی کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا "لات و عزیٰ کی قسم یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیر (رضی اللہ عنہ) ہے، تیار ہو جاؤ، اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔" یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت پھرتی اور تیز دستی کے ساتھ اس آفتناگہانی کوروکا اور اس قدر شجاعت و جانبازی سے لڑے کہ یہ گھائی کفار سے بالکل صاف ہو گئی۔

اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے، پھر ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد کیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس سفر میں بھی ہمراہ تھے۔

حج سے واپس آنے کے بعد سرور کائنات ﷺ نے وفات پائی، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے، بعض روایات کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت میں پس و پیش تھا، تاہم وہ زیادہ دنوں تک اس پر قائم نہیں رہے۔

## جنگ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ:

سوا دو برس کی خلافت کے بعد خلیفہ اول رہ گزین عالم جاودانی ہوئے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مندرجہ حکومت پر قدم رکھا، خلیفہ اول کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا دل گورسول اللہ ﷺ کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا، تاہم ایک مرد میدان و جانباز بہادر کے لیے اس جوش و ولولہ کے وقت عزت نشین رہنا سخت تنگ تھا، خلیفہ وقت سے اجازت لے کر شامی رزم گاہ میں شریک ہوئے۔ اس وقت یرموک کے میدان میں ملک شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے، لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اس پر سے اس پر نکل گئے، اور کوئی رفاقت نہ کر سکا، پھر واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوٹنے کی باگ پکڑ لی اور نرغہ کر کے سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گڑھا تھا جس میں بچپن میں ہم انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔

غرض ان ہی حیرت انگیز جانبازیوں کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کی نڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی، اور فرزند ان تو حید تمام ملک شام کے وارث بن گئے۔

## فسطاط کی فتح:

فتح شام کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مصر پر حملہ ہوا، انہوں نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی

مضبوطی، نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربار خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے، افسروں میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کا جو تہہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے، انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیئے، اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع شروع کر دیئے، اس پر پورے سات مہینے گزر گئے، اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن جنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور بیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہو کر بھاگے، ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی، مقوقس حاکم مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اس وقت سب کو امان دے دی گئی۔

اسکندریہ کی تسخیر:

فسطاط فتح کر کے اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رخ کیا اور مدتوں قلعہ کا محاصرہ کیے پڑی رہی، لیکن جس قدر زیادہ دن گزرتے جاتے تھے، اسی قدر دربار خلافت سے اس کے جلد فتح کرنے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کر لیا اور حضرت زبیر اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہما کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔



اسلامی مکتبہ خانہ

فضیل الہی سٹریٹ، ہریک انڈیا پورہ، لاہور

Ph: 7223506-7230718

## مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ:

مصر کا مل طور پر مسخر ہو گیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سالانہ فوج سے اراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کر دینا چاہئے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا تو انہوں نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہئے تاکہ آئندہ نسلیں بھی اس سے مستفید ہوتی رہیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی اور خاموش ہو رہے۔

۲۳ھ میں خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجوسی کے ہاتھ ناگہانی طور پر زخمی ہو کر سفر آخرت کی تیاری کی تو عہدہ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کے نام پیش کیے اور فرمایا کہ حضرت سرور کائنات ﷺ آخر وقت تک ان سے راضی رہے تھے ان چھ بزرگوں میں ایک حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ لیکن تین دن کی مسلسل گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اس مسند گرامی پر بیٹھا دیا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی بے چون و چرا اس انتخاب کو تسلیم کر لیا۔

خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت سکون و خاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کی ملکی مہم میں شریک نہیں ہوئے درحقیقت عمر بھی اس حد سے تجاوز ہو چکی تھی، لیکن ۳۵ھ میں مصری مفسدوں نے بارگاہ خلافت کا محاصرہ کیا تو انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کی مساعادت و حفاظت پر مامور کر دیا۔ غرض اٹھارہویں ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مفسدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حسب وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نماز جنازہ ادا کی اور مضافاتِ مدینہ میں حش کو کب نامی ایک جگہ پر سپرد خاک کیا۔

خليفة وقت کے قتل سے تمام مدینہ میں مفسدين کا رعب طاری ہو گیا، ہر شخص دم بخود تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرف دار اور تمام بنو امیہ مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے، چونکہ مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے اس لیے انہوں نے اس کو خلافت کا بارگراں اٹھانے پر مجبور کیا، اور مسجد نبوی (ﷺ) میں لوگوں کو بیعت کے لیے جمع کیا، حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما گو برابر کے دعوے دار تھے، تاہم مصریوں کے خوف سے زبان نہ ہلا سکے اور کسی طرح بیعت کر لی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ میں امن و امان قائم نہ ہو سکا، سبائی فرقہ جو اس انقلاب کا بانی تھا، اور فتنہ و فساد کے نئے نئے کرشمے دکھاتا رہتا تھا، جاہل بددی جو ہمیشہ ایسے لوٹ مار کے موقعوں میں شریک ہو جاتے، سبائیوں کے ساتھ ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ جائیں اور بدویوں کو بھی شہر سے نکال دیا جائے لیکن سبائیوں کے ضد اور انکار سے کامیابی نہ ہوئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو اساطین امت میں تھے، کب تک خاموشی کے ساتھ اس شورش و ہنگامہ آرائی کا تماشا دیکھتے، اصلاح حال اور رفع فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گزر گئے، لیکن امن و سکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، آخر تھک کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور اصلاح و اقامت حدود کا مطالبہ کیا، انہوں نے جواب دیا، بھائی! میں اس سے غافل نہیں، لیکن ایک ایسی قوم کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں جس پر میرا کچھ اختیار نہیں، بلکہ خود مجھ پر حکمران ہے۔

غرض جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو یہ دونوں خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خیال سے مکہ آئی تھیں، اور اب تک مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر یہیں مقیم تھیں، حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما سب سے پہلے ام المومنین

بئسینہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لفظوں میں مدینہ کی بد امنی کا نقشہ کھینچا۔

انا تحملنا بقتینا ہر ابا من المدینة من غوغا اعراب و فارقنا قوما حیارى لا يعرفون حقا ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون انفسهم۔

”ہم اعراب کے شور و شر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے ہیں اور ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے اور نہ اپنی جانوں کی حفاظت کرتی ہے۔“

ام المومنین بئسینہ نے فرمایا: ”تو پھر کوئی رائے قائم کر کے اس شورش کو فرو کرنا چاہئے۔“ غرض تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد علم اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا۔ بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہاں مجتمع ہو گئے تھے، جوش انتقام میں ساتھ ہو گئے اور اس طرح داعیان اصلاح کی ایک ہزار جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ وہاں سے اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رخ کرنے، راہ میں امویوں نے خلافت و امامت کی بحث چھیڑ کر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو لڑانا چاہا۔ لیکن ام المومنین بئسینہ کی مداخلت سے معاملہ رفت و گذشت ہو گیا، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، لیکن وہاں داعیان اصلاح کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی، وہ خود عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے دست و گریبان ہو گئی، یہاں تک کہ کشت و خون کی نوبت پہنچ گئی، عثمان بن حنیف کا بیان تھا کہ جب طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انہیں علم مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے؟ ان دونوں کا یہ جواب تھا کہ ہم قہر و جبراً شریک بیعت ہوئے، اور اگر فرض کر لو کہ یہ بیعت صحیح تھی تب بھی اس سے مطالبہ اصلاح کی نفی نہیں ہوتی، غرض معاملہ زیادہ طول کھینچا تو مصالحت کی یہ صورت قرار پائی کہ ایک شخص تحقیقات کے لیے مدینہ روانہ کیا جائے، اگر ثابت ہو کہ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بیعت پر مجبور کئے گئے تھے تو عثمان بن حنیف مزاحمت سے باز آئیں گے ورنہ ان دونوں کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا، چنانچہ کعب رضی اللہ عنہ اس تحقیقات پر مامور ہوئے، انہوں نے جمعہ کے روز مسجد نبوی (ﷺ) میں داخل ہو کر حاضرین سے بیاگے بلند آواز

سوال کیا:

يا اهل المدينة انى رسول اهل البصرة اليكم اكره هؤلاء القوم هذين  
الرجلين على بيعة على ام اتياها طالعين.

”اے اہل مدینہ! میں اہل بصرہ کا قاصد بن کر آیا ہوں، کیا واقعی اس قوم نے ان  
دونوں کو علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا وہ خوشی سے اس پر تیار ہوئے تھے؟“

مجمع میں تھوڑی دیر تک سناٹا رہا لیکن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، بول  
اٹھے ”خدا کی قسم ان دونوں نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی۔“ اس سے ایک  
پہل پڑ گئی، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ، اسامہ رضی اللہ عنہ سے الجھ پڑے، صہیب بن شان رضی اللہ عنہ،  
ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کبار صحابہ نے دیکھا کہ لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کو مار  
ڈالیں گے تو سب نے یک زبان ہو کر کہا ”ہاں خدا کی قسم اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا ہے،  
غرض اسی طرح اسامہ رضی اللہ عنہ کی جان بچ گئی، اور کعب رضی اللہ عنہ بصرہ واپس آئے، دوسری  
طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان واقعات کی اطلاع مل چکی تھی، انہوں نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ  
کو لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہیں کہ وہ مجبور کئے گئے اور اگر مان بھی لو تو قوم و ملک کی بہتری  
کے لیے ایسا ہونا ضروری تھا، اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس کوئی  
معتول عذر نہیں اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہو سکتا ہے، اس خط کے بعد عثمان  
رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے بدل دی، اور کعب رضی اللہ عنہ کی تحقیقات کے باوجود اعیان اصلاح کی  
مزاحمت پڑے رہے۔

حضرت طلحہ وزیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب سہولت کے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوگا تو  
ایک روز عشاء کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد پہنچے اور عبدالرحمن بن عتاب رضی اللہ عنہ  
کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دیا، عثمان بن حنیف نے اس کو اپنے حق میں مداخلت  
تصور کر کے ایرانی ”زط“ اور ”سباچہ“ سپاہیوں کو حملہ کا حکم دے دیا، لیکن حضرت طلحہ وزیر  
رضی اللہ عنہ نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو بھگا دیا، دوسری طرف چند آدمی دارالامارت  
میں گھس گئے اور عثمان ابن حنیف کو پکڑ کر سامنے لائے، ان لوگوں نے اس بے رحمی کے

ساتھ ان کو مارا کہ تھا اور ڈاڑھیاں نوچی تھیں کہ چہرہ پر ایک بال بھی باقی نہ تھا، حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو یہ سخت ناگوار گزرا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے حکم دیا کہ عثمان کو چھوڑ دو جہاں جی چاہے جائے، غرض اس طرح بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ اور ایک بڑی جماعت اس مہم میں ساتھ دینے پر تیار ہو گئی۔

**جنگ جمل اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حق پسندی:**

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی لیکن وہاں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پہنچ کر پہلے ہی ان کو اپنا طرف دار بنا لیا اور تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی، حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو مرتب و منظم کر کے آگے بڑھایا، دسویں جمادی الآخر ۳۱ھ جمعرات کے دن دونوں فوجوں میں مذبذب ہوئی، کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا، چند دن پیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے، آج باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر نگاہ غیظ و غضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں لیکن ذاتی خصامت و عداوت سے نہیں بلکہ حق و صداقت کے جوش میں یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف، چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مد نظر تھی، اس لیے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا "ابو عبد اللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالت مآب ﷺ کے سامنے گزرے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو، تم نے عرض کی تھی ہاں! یا رسول اللہ ﷺ۔ یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا۔

حضرت علیؓ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ پر چلے گئے، لیکن حضرت زبیرؓ کے قلب حق پرست میں ایک خاص سخت تلاطم برپا ہو گیا، تمام عزائم اور ارادے فسخ ہو گئے، ام المومنینؓ کے پاس آ کر کہنے لگے ”میں برسرا غلط تھا، علیؓ (جویشہ) نے مجھے رسول اللہ ﷺ کا مقولہ یاد دلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟“ بولے ”اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔“ حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ نے کہا ہم لوگوں کو دو گڑھوں کے درمیان پھنسا کر خود علیؓ (جویشہ) کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں، حضرت زبیرؓ نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ علیؓ (جویشہ) سے نہیں لڑوں گا۔“ عبداللہؓ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے، اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا، لیکن حواری رسول ﷺ کا دل اچاٹ ہو چکا تھا، کہنے لگے: ”جان پدرا! علیؓ (جویشہ) نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔“ حضرت عبداللہؓ نے انکار کر دیا تو تباہی کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں سے اپنا اسباب و سامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں، احنف بن قیس نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کسی وجہ سے واپس جا رہے ہیں، کوئی جا کر خبر لائے، عمرو بن جرموز نے کہا میں جاتا ہوں اور ہتھیار جگ کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچاؤں اس وقت اپنے غلاموں کو اسباب و سامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے، ابن جرموز نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

ابن جرموز: ابو عبداللہ! آپ نے قوم کو کس حال میں چھوڑا؟  
حضرت زبیرؓ: سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

ابن جرموز: آپ کہاں جا رہے ہیں؟

حضرت زبیرؓ: میں اپنی غلطی پر متنب ہو گیا، اس لیے اس جھگڑے سے کنارہ کش ہو کر کسی طرف نکل جانے کا قصد ہے۔

ابن جرموز نے کہا: چلئے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے، غرض دونوں ساتھ چلے، ظہر کی نماز کا وقت آیا تو زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہرے، ابن جرموز

نے کہا میں بھی شریک ہوں گا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں امان دیتا ہوں، کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھو گے، اس نے کہا: ہاں! اس عہد و پیمان کے بعد دونوں اپنے گھوڑے سے اترے اور معبودِ حقیقی کے سامنے سر نیا زجھکانے کو کھڑے ہو گئے۔

شہادت:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے ہی سجدہ میں گئے عمرو بن جرموز نے غداری کر کے تلوار کا وار کیا اور حواری رضی اللہ عنہ رسول ﷺ کا سرتن سے جدا ہو کر خاک و خون میں تڑپنے لگا، افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں کبھی اپنی جان کی پروا نہ کی اور جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے بارہا مصائب و شدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خوان اور پیرو رسول (ﷺ) کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

ابن جرموز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہِ مرتضوی رضی اللہ عنہ میں حاضر ہوا، اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا، جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا: ”اس نے بارہا رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں، اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔“

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے چونٹھ برس کی عمر پائی اور ۳۶ھ میں شہید ہو کر وادی السباع میں سپرد خاک ہوئے۔ فنور اللہ مرقده و حسن مثواه۔

اخلاق و عادات:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا دامن اخلاق زرو جو اہر سے مالا مال تھا، تقویٰ، پارسائی، حق پسندی، بے نیازی، سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا، رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا۔

خشیتِ الہی:

جب یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ مِیْتَ وَاِنَّہُمْ مَّیْتُوْنَ لَمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عِنْدَ



رَبَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ تو سرور کائنات ﷺ سے پوچھا ”یا رسول اللہ! کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟“ ارشاد ہوا: ہاں! ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا“ یہ سن کر ان کا دل کانپ اٹھا۔ کہنے لگے: ”اللہ اکبر! کیا سخت موقع ہوگا“۔<sup>۱</sup>

تقریباً پریزگاری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب ہے وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی ام عطاء کے پاس گئے دیکھا کہ یہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے کہنے لگے: ”ام عطاء! رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے انہوں نے عرض کی کہ ”میں کیا کروں لوگوں نے اس قدر ہدیئے بھیج دیئے کہ ختم ہی نہیں ہوتے“۔<sup>۲</sup>

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب دعوت اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آ کر کہا ”اگر حکم دیجئے تو علی رضی اللہ عنہ کی گردن اڑادوں“۔ بولے تم تمہا اس قدر عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کرو گے؟ اس نے کہا میں علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں جا کر مل جاؤں گا اور کسی وقت موقع پا کر دھوکے سے قتل کر ڈالوں گا“۔ فرمایا: نہیں! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے اس لیے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارے“۔<sup>۳</sup>

قلبت روایت کا سبب:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے حواری اور ہر وقت کے حاضر رہنے والوں میں تھے لیکن کمال اتقاء کے باعث بہت کم حدیثیں روایت کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا پھر بزرگوار کیا سبب ہے کہ آپ حضور ﷺ کی اتنی باتیں بیان نہیں کرتے جتنی اور لوگ بیان کرتے ہیں فرمایا جان پور! حضور ﷺ کی رفاقت اور معیت میں دوسروں سے میرا حصہ کم نہیں ہے میں جب سے اسلام لایا

رسول اللہ ﷺ سے جدا نہیں ہوا، لیکن حضور کی صرف اس تشبیہ نے مجھے محتاط بنا دیا ہے:

من کذب علی متعمدا فلیتوا مقعدہ من النار.

”یعنی جس نے قصداً میری طرف غلط بات منسوب کی، اسے چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔“<sup>۱</sup>

### مساوات پسندی:

مساواتِ اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشوں میں بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جنگِ احد میں آپ کے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھائی کی تجھیز و تکفین کے لیے دو کپڑے لا کر دیئے، لیکن ماموں کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن پڑی تھی، دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لیے دو دو کپڑے ہوں اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لیے دونوں ٹکڑوں کو ناپا، اتفاق سے چھوٹا بڑا ٹکڑا قرعہ ڈال کر تقسیم کیا کہ اس میں بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے۔<sup>۲</sup>

### استقلال:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خطرات کی مطلق پروا نہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے عزم و ارادہ میں حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ بیڑی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں، لوگوں نے کہا قلعہ میں سخت طاعون ہے، فرمایا: ”ہم طعن و طاعون ہی کے لیے آئے ہیں۔“ یعنی موت سے ڈرنا کیا، غرض بیڑیاں لگائی گئیں اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے۔

۱۔ ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ومسند جلد ۱ ص ۱۶۵، صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱۔

۲۔ مسند جلد ۱ ص ۱۶۵

## امانت:

حواری رسول ﷺ کی امانت، دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا، یہاں تک کہ لوگ عموماً اپنی وقات کے وقت ان کو اپنے آل و اولاد اور مال متاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن الاسود رضی اللہ عنہ نے ان کو وصی بنانا چاہا، انہوں نے انکار کیا تو بلجبت کے ساتھ کہنے لگے ”میں آپ کو خدا، رسول ﷺ اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہوں، میں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ زبیر (رضی اللہ عنہ) دین کے ایک رکن ہیں۔“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا، چنانچہ یہ دیانتداری کے ساتھ ان کے مال و متاع کی حفاظت کر کے ان کے اہل و عیال پر صرف کرتے تھے۔

## فیاضی:

فیاضی، سخاوت اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی پیش پیش رہتے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک پیش قرار رقم لاتے تھے، لیکن انہوں نے اس میں سے ایک سہہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ کر دیا، غرض ایک پیغمبر کے حواری میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات میں ایک ایک کر کے وہ سب موجود ہیں۔

## ذریعہ معاش اور تمول:

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، اور عجیب بات ہے کہ انہوں نے جس کام میں ہاتھ لگایا، کبھی گھانا نہیں ہوا۔

تجارت کے علاوہ مالی غنیمت سے بھی گراں قدر رقم حاصل کی، حضرت زبیرؓ کے متول کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کروڑ دو لاکھ درہم (یادینار) کیا گیا تھا، لیکن یہ سب نقد نہیں بلکہ جائیداد غیر منقولہ کی صورت میں تھا، اطرافِ مدینہ میں ایک جھاڑی تھی، اس کے علاوہ مختلف مقامات میں مکانات تھے، چنانچہ خاص مدینہ میں گیارہ، بصرہ میں دو اور مصر و کوفہ میں ایک ایک مکان تھا۔

قرض اور اس کی ادائیگی:

حضرت زبیرؓ اس قدر متول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے، لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب سے کہہ دیتے تھے کہ امانت نہیں بلکہ قرض کی حیثیت سے لیتا ہوں، ہوتے ہوتے اسی طرح بائیس لاکھ کے مقروض ہو گئے۔

حضرت زبیرؓ جب جنگِ جمل کے لیے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے کہا: ”جانِ پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے، اس لیے میرا مال و متاع بیچ کر سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور جو کچھ بچ رہے اس میں سے ایک ٹلٹ خاص تمہارے بچوں کے لیے وصیت کرتا ہوں، ہاں! اگر مال کفایت نہ کرے تو میرے مولیٰ کی طرف رجوع کرنا۔“ حضرت عبداللہؓ نے پوچھا: ”آپ کا مولیٰ کون ہے؟“ فرمایا: ”میرا مولیٰ خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت میری دنگیری کی ہے۔“

عبداللہ بن زبیرؓ نے حسبِ وصیت مختلف آدمیوں کے ہاتھ جھاڑی بیچ کر قرض ادا کرنے کا سامان کیا، اور چار برس تک موسمِ حج میں اعلان کرتے رہے کہ زبیرؓ (جہنم) پر جس کا قرض ہو آ کر لے لے، غرض اس طرح سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی

اس قدر رقم بیع ربی کہ صرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا، موصلی لہ اور دوسرے ورثہ کے علاوہ تھے۔

جاگیر و زراعت:

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سرسبز قطعہ ملا تھا، اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے، جن کو وہ خود آباد کرتے تھے، کبھی کبھی آب پاشی وغیرہ کے متعلق دوسرے شرکاء سے جھگڑا بھی ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک انصاری سے جن کا کھیت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا، آب پاشی کے متعلق جھگڑا ہوا انصاری نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت بیچ کر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دیا کرو، انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے: ”یا رسول اللہ! آپ نے اپنے پھوپھی زادہ کی پاسداری فرمائی۔“ چونکہ انصاری کو اس آب پاشی سے متمتع ہونے کا کوئی حق نہ تھا اور رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی رعایت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا، اس لیے چہرہ سرخ ہو گیا، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم اپنے پورے حق سے قائدہ اٹھاؤ، یعنی خود آب پاشی کر کے پانی کو روک رکھو یہاں تک کہ نالیوں کے ذریعہ سے دوسری طرف بہ جائے۔

کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے، ایک دفعہ عہد فاروقی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے لئے خیبر تشریف لے گئے اور رات کے وقت تک تینوں علیحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے، رات کی تاریکی میں کسی یہودی نے شرارت

سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کلائی اس زور سے موڑ دی کہ بے اختیار ہو کر چلا اٹھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ مدد کے لیے دوڑے اور واقعہ دریافت کر کے ان کو لیے ہوئے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور یہودیوں کی شرارت کا حال بیان کیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی واقعہ کے بعد یہودیوں کو خیبر سے جلا وطن کر دیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی مقام جرف میں انہیں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام عقیق کی زمین انہیں دے دی تھی۔ جو مدینہ کے اطراف میں ایک خوش فضا میدان ہے۔

### آل و اولاد سے محبت:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بیوی بچوں سے نہایت محبت تھی، خصوصاً حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بچوں کو بہت مانتے تھے، چنانچہ اپنے مال میں سے ایک ٹلٹ کی خاص ان کے بچوں کے لیے وصیت کی تھی، لڑکوں کی تربیت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، جنگ یرموک میں شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی، لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو گھوڑے پر سوار کر کے ایک آدی کے سپرد کر دیا کہ جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرات و بہادری کا سبق دے۔

### غذا لباس:

دولت و ثروت کے باوجود طرزِ معاشرت سادہ تھا، غذا بھی پر تکلف نہ تھی، لباس عموماً معمولی اور سادہ زیب بدن فرماتے، البتہ جنگ میں ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر ان کو اجازت دی تھی، آلاتِ حرب کا نہایت شوق تھا اور اس میں تکلف جائز سمجھتے تھے، چنانچہ ان کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا۔

حلیہ:

بدن چھریا، قد بلند و بالا، خصوصاً پاؤں اس قدر لمبے کہ گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤں زمین سے چھو جاتا، رنگ گندم گوں اور سر پر کندھوں تک بالوں کی تھیں۔

اولاد و ازواج:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور کثرت کے ساتھ اولاد پیدا ہوئی، بعض بچے تو ان کی حیات ہی میں قضا کر گئے تاہم پھر بھی بہت سی اولاد یادگار رہ گئی ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- ① اسماء بنت ابی بکرؓ، ان کے بطن سے چھ بچے ہوئے، نام یہ ہیں (۱) عبداللہ
- (۲) عروہ (۳) منذر (۴) خدیجہ الکبریٰ (۵) ام الحسن عائشہ
- ② ام خالد بنت خالد بن سعیدؓ انہوں نے (۶) خالد بنت خالد بن سعیدؓ انہوں نے (۷) خالد (۸) عمر (۹) جیبہ (۱۰) سودہ (۱۱) ہند یادگار چھوڑی۔
- ③ رباب بنت انیف۔ ان سے (۱۲) مصعب (۱۳) حمزہ اور (۱۴) رملہ پیدا ہوئیں۔
- ④ زینب بنت بشر۔ ان کے بطن سے (۱۵) عبیدہ (۱۶) جعفر اور (۱۷) حفصہ پیدا ہوئیں۔
- ⑤ ام کلثوم بنت عقبہ۔ ان سے صرف ایک لڑکی (۱۸) زینب پیدا ہوئی۔



## حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب: خاندان:

طلحہ نام ابو محمد کنیت، فیاض اور خیر لقب، والد کا نام عبید اللہ اور والدہ کا نام صعبہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب القرشی التیمی، چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اس لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں حضرت سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے والد عبید اللہ نے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی، البتہ ان کی والدہ حضرت صعبہ رضی اللہ عنہا نے نہایت طویل زندگی پائی، مسلمان ہوئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں، چنانچہ امام بخاری کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعبہ رضی اللہ عنہا کو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ گھر سے نکل آئیں اور اپنے صاحبزادہ طلحہ رضی اللہ عنہ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کر دیں، اس وقت خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی، اس لیے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہے تو حضرت صعبہ رضی اللہ عنہا نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی ﷺ سے چوبیس پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ابتدائی حالات نامعلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا، اور غنواں شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا۔

اسلام:

ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصری



تشریف لے گئے وہاں ایک راہب نے حضرت سرور کائنات ﷺ کے مبعوث ہونے کی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور گرد و پیش جس قسم کے مذہبی چرچے تھے اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم و تلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ و پسند نے تمام شکوک رفع کر دیئے، چنانچہ ایک روز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور غلت ایمان سے مشرف ہو کر واپس آئے، اس طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں نجم صداقت کی پر توشیاء سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمان اسلام کے روشن ستارے بن کر چمکے۔

اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی عام مسلمانوں کی طرف کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہے، عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا کہ اس تشدد سے اپنے نئے مذہب کو ترک کر دیں، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔

مواعظ:

مکہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔

ہجرت:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے، چنانچہ جس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی

کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں، غرض آنحضرت ﷺ نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال کو لے کر مدینہ پہنچے۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ کر دیا۔<sup>۱</sup>

## غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا اور کفر و اسلام کی پہلی آویزش جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کسی خاص مہم پر مامور ہو کر ملک شام تشریف لے گئے تھے اس لیے اس میں شریک نہ ہو سکے، وہاں سے واپس آئے تو دربار رسالت میں حاضر ہو کر غزوہ بدر کے مالِ غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی۔ سرور کائنات ﷺ نے مالِ غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہو گے۔

بعض اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے تجارتی اغراض سے شام گئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مالِ غنیمت میں حصہ طلب کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، نیز ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اور سعید بن ابی زید رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیق حال کی خدمت پر مامور کر کے بھیجا تھا، اس روایت سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، بہر حال اگرچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی کارگزاریوں کے باعث اس کے اجر و ثواب سے محروم نہیں رہے۔<sup>۲</sup>

## غزوہ احد:

۳ھ میں غزوہ احد پیش آیا، اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہوئے، کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کر دیا، اس ناگہانی حملہ نے مسلمانوں کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرور کائنات ﷺ کی حفاظت کا بھی خیال نہ رہا اور جو جس طرف تھا اس طرف سے بھاگ کھڑا ہوا۔ میدان جنگ میں صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے، لیکن وہ سب بھی شیع ہدایت سے دور تھے، اور اس وقت صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پر واہ وارفدویت و جان نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھارہے تھے، کفار کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیروں کی بارش ہو رہی تھی، خون آشام تلواریں چمک چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں اور صد ہا کفار صرف ایک مقدس ہستی کو فنا کر دینے کے لیے ہر طرف سے یورش کر رہے تھے، اس نازل وقت میں جمال نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بن کر خورشید نبوت کو آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف سے بچا رہا تھا، تیروں کی بوچھاڑ کو تھیلی پر روکتا، تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا، پھر اسی حال میں کفار کا نرغہ زیادہ ہو جاتا تو شیر کی طرف تڑپ کر حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا، ایک دفعہ کسی نابکار نے ذاتِ قدسی ﷺ پر تلوار کا وار کیا، خادمِ جاں نثار یعنی طلحہ رضی اللہ عنہم جانناز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا، اور انگلیاں شہید ہو گئیں تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا، 'حس' یعنی خوب ہوا، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکہ آسمانی تمہیں ابھی اٹھالے جاتے، غرض حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم دیر تک حیرت انگیز جاننازی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مدد کے لیے آ پہنچے، مشرکین کا ہڈہ کسی قدر کم ہوا تو سرور کائنات ﷺ کو اپنی پشت پر سوار کر کے پہاڑی پر لے آئے، اور مزید حملوں سے محفوظ کر دیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں فدویت، جان نثاری اور شجاعت کے جو بے مثل جوہر دکھائے یقیناً تمام اقوام عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کیے تھے۔ اور بار رسالت (ﷺ) سے اسی جان بازی کے صلہ میں ”خیر“ کا لقب مرحمت ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو واقعہ احد میں ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جان بازی کا دل سے اعتراف تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غزوہ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہ (رضی اللہ عنہ) کا مخصوص دن تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو صاحب احد فرمایا کرتے تھے، خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس پر فخر کارنامہ پر بڑا ناز تھا اور ہمیشہ لطف و انبساط کے ساتھ اس کی داستان سنایا کرتے تھے۔<sup>۱</sup>

### متفرق غزوات:

غزوہ احد کے بعد فتح مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سب میں نمایاں طور پر شریک رہے، بیعت رضوان کے وقت بھی موجود تھے، اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا، اس معرکہ میں بھی غزوہ احد کی طرح پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال و ثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا، اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیمت کی فتح شکست سے بدل گئی اور بیٹھار سامان اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی ثابت قدم اصحاب رضی اللہ عنہم کی صف میں تھے۔

۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس لیے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب و سامان کے لیے مال و زر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس

موقع پر ایک بیش قرار قم پیش کی اور بارگاہ رسالت ﷺ سے فیاض کالقب حاصل کیا۔  
 سرور کائنات ﷺ ایک طرف حملہ قیصر کے مدافعانہ اہتمام میں مصروف تھے  
 دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ درپے تخریب رہتے تھے اس موقع پر بھی اپنی شرارتوں سے  
 باز نہ آئے اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان میں مجتمع ہو کر ان مذاہیر پر  
 غور کرتے تھے جن سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو اور اس مہم میں شرکت سے انحراف  
 کریں، آنحضرت ﷺ نے اسباب و سامان کے لیے مال و زر صدقہ کرنے کی ترغیب دی  
 آنحضرت ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا  
 انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم کے مکان کا محاصرہ  
 کر لیا اور اس میں آگ لگا دی، ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کود کر حملہ کیا اور  
 اس حالت میں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانوں کے بیچہ اقتدار  
 سے بچا کر لے بھاگے۔<sup>۱</sup>

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت جاہ و جلال کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لیے  
 روانہ ہوئے، تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لیے وہاں چودہ دن قیام کر کے سب  
 لوگ واپس آئے پھر ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کاب  
 تھے۔ حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دو شنبہ کے دن آفتاب رسالت دنیا  
 سے غروب ہوا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس سانحہ کبریٰ سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے  
 ہو سکتا ہے کہ جس وقت سفیہ بنی ساعدہ میں سیادت و خلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا، اس وقت یہ  
 کسی گوشہ تنہائی میں مصروف گریہ تھے۔

### عہد صدیقی:

سفیہ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا  
 حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ دنوں کے بعد بیعت کی اور مہمات امور میں رائے اور مشورہ

کے لحاظ سے جانشین رسول ﷺ کے ہمیشہ دست و بازو ثابت ہوئے، سواد و برس کی خلافت کے بعد جب خلیفہ اول مرض الموت کے بستر پر تھے اور انہوں نے منصب کے لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمر رضی اللہ عنہ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے؟ آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر کیا جو ان میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔

### عہد فاروقی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی جو رائے تھے وہ کسی بغض و عداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی رائے تھی کہ ان کا تشدد ناقابلِ تحمل ہوگا، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس منصبِ عظیم کے لیے سب سے موزوں ہیں تو دفعہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا خیال بھی بدل گیا، اور مجلسِ شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اعانت کی، اختلافی مسائل میں ساتھ دیا، اور اہم امور میں نہایت مخلصانہ مشورے دیئے، ایک دفعہ عہدِ فاروقی میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالکِ مفتوحہ مجاہدین میں باہم تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک بڑی جماعت اس کی موید ہوگئی، صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے اختلاف تھا، تین دن تک بحث ہوتی رہی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی، یہاں تک کہ ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، اسی طرح معرکہ نہادند کے موقع پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ کر دیا اور انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے متعلق مشورہ چاہا، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں البتہ ہم لوگ تعمیلِ حکم کے لیے تیار ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ میں دس برس کی خلافت کے بعد سفرِ آخرت کی

تاری کی اور عہدہ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا، ان میں حضرت طلحہؓ بھی تھے، لیکن انہوں نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لیے پیش کیا، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی کوشش اور حضرت طلحہؓ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے۔

### عہد عثمانی:

حضرت عثمانؓ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری شش سالہ عہد خلافت میں تمام ملک عام طور پر شورش و بے چینی کا آماجگاہ ہو گیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی و فتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، حضرت طلحہؓ نے دربار خلافت کو مشورہ دیا کہ اسباب شورش کی تفتیش و تحقیق کے لیے تمام ملک میں وفود روانہ کیے جائیں، چنانچہ یہ رائے پسند کی گئی اور ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ مختلف حصص ملک میں روانہ کیے گئے، ان لوگوں نے واپس آ کر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارگاہ خلافت کا محاصرہ کر لیا، گو حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی کوئی خاص امانت نہیں کی، تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانبدار شخص کی حیثیت سے دریافتِ حال کے لیے محاصرین کی جماعت میں تشریف لے گئے، چنانچہ وہ ایک دفعہ وہاں موجود تھے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے احسانات اور فضائل و مناقب بیان کر کے ان سے تصدیق چاہی، تو انہوں نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس کی تصدیق کی۔<sup>۱</sup>

آخر میں جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہو گیا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اپنے صاحبزادہ محمد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا، چنانچہ جب مفسدین نے یورش کی تو محمد بن طلحہؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا۔<sup>۲</sup>

مخالفین نے باوجود قلتِ تعداد کے اس سیلاب کو روکے رکھا، لیکن چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر و حلم کے آفتاب کو ہمیشہ کے لیے خونیں شفق کے پردہ میں نہاں کر دیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو افسوس کے ساتھ فرمایا: ”خدا عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔“ لوگوں نے کہا مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہیں، فرمایا خدا انہیں ہلاک کرے اس کے بعد آیت پڑھی:

﴿ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (نسر: ۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بادلِ نخواستہ بیعت کی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مصریوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عمانِ خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا، اور مسجد نبوی ﷺ میں لوگوں کو بیعتِ عام کے لیے جمع کیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گو برابر کے دعوے دار تھے تاہم اس شورشِ دہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادلِ نخواستہ بیعت کر لی۔

خليفة وقت کے مقابلہ میں خروج اور اس کی وجہ:

خليفة وقت کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا، اس سے تمام میں شورش اور بد نظمی پھیل گئی اور مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پر فتن بنا دیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کامل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ و فساد کا تماشا دیکھتے رہے، لیکن جب دربارِ خلافت کی طرف سے اس کے اسناد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علمِ اصلاح بلند کرنے کے لیے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے مکہ چلے آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر اس وقت تک یہیں مقیم تھیں، اس لیے ان دونوں نے سب سے پہلے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علمِ اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا، تھوڑی دیر کے بعد بحث و مباحث کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق بصرہ جانے کی تیاری ہوئی کیونکہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، اور نہایت آسانی کے



ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہو سکتی تھی۔

### بصرہ پر قبضہ:

غرض داعیان اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں پناہ گزین تھے، جوش انتقام میں ساتھ ہو گئے، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ والی بصرہ نے مزاحمت کی، پہلے کچھ دنوں تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزدل شہر پر قائل ہو گئے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے جوش و خروش کے ساتھ اہل دعوت کو لبیک کہا۔

### حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے مقابلہ کے لیے بڑھنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدعیان اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ سے روانہ ہو کر ذی قار پہنچے اور یہاں سے تقریباً کوفہ کے نو ہزار جنگ آزمانو جوان ساتھ لے کر بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے اس فوج کا حال سنا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو منظم و مرتب کر کے آگے بڑھایا، دسویں جمادی الآخر ۳۶ھ میں دونوں فوجوں میں مٹ بھیڑ ہوئی۔

### شہادت:

جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول خدا ﷺ کی ایک پیشین گوئی یاد دلوائی کہ اس وقت ان کا دل بھی متزلزل ہوا، اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کر لی، مروان نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے معاملہ میں ان سے بدظن تھا، اس موقعہ کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤں میں لگا لیکن ان کے لیے تیر قضا ثابت ہوا۔ لوگوں نے نکلنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑ دو یہ تیر نہیں بلکہ پیام خداوندی ہے۔

## تجہیز و تکفین:

اختلاف روایات حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے باٹھ یا چونٹھ برس کی عمر میں شہادت حاصل کی اور غالباً اسی میدان جنگ کے کسی گوشہ میں مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب میں تھی اس لیے اکثر غرق آب رہتی تھی ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرما رہے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابوبکرہ صحابی رضی اللہ عنہما کا مکان دس ہزار درہم میں خرید کر ان کی لاش کو اس میں منتقل کر دیا دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنے دنوں کے بعد بھی یہ جسم خاک کی اسی طرح مصون و محفوظ تھا یہاں تک کہ آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بے عینہ موجود تھا۔

## اخلاق و عادات:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع و اعلیٰ تھا خشیت الہی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت سے ان کا پیمانہ لبریز تھا معرکہ احد اور دوسرے غزوات میں جس جوش و فداکاری کے ساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا اس راہ میں ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔

چنانچہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کے لیے اپنا مال راہِ خدا میں دیا کریں گے اس نذر کو انہوں نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنے کی کوشش کی کہ خاص قرآن پاک میں ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ منہم من قضیٰ نجہ﴾ (احزاب: ۳)

”یعنی کچھ آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا اس کو سچا کر دکھایا“ چنانچہ بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما بارگاہِ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا طلحہ رضی اللہ عنہما تم بھی ان لوگوں میں ہو جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔<sup>۲</sup>

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے، فقراء و مساکین کے لیے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، قیس ابن ابی حازم کا بیان ہے کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہ دیکھا۔

غزوہ ذی القرد میں آنحضرت ﷺ مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر سے گذرے جس کا نام بیسان مارح تھا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما نے اس کو خرید کر وقف کر دیا۔ اسی طرح غزوہ ذی العسرہ میں تمام مجاہدین کی دعوت کی، غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس و ناداری کی مصیبت اور فلاکت میں مبتلا تھے، انہوں نے مصارف جنگ کے لیے ایک گراں قدر رقم پیش کی اور دربار رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا۔ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ اپنی جائیداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور سب راہ خدا میں صرف کر دیا، آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے انہیں غمگین دیکھا، پوچھا ”آپ اس قدر اداس کیوں ہیں مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہیں ہوئی؟“ بولے: ”نہیں! تم نہایت اچھی بیوی ہو، تمہاری کوئی بات نہیں ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہو گئی ہے، اس وقت اس کی فکر میں تھا کہ کیا کروں، میں نے کہا: ”اس کو تقسیم کر دیجئے“ یہ سن کر انہوں نے اسی وقت لونڈی کو بلا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم میں تقسیم کرادی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما بنو تمیم کے تمام محتاج و محتدمت خاندانوں کی کفالت کرتے تھے، لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کی شادی کر دیتے تھے، جو لوگ مقروض تھے ان کا قرض ادا کر دیتے تھے چنانچہ صبیحہ حبیبی پر تیس ہزار درہم قرض تھا، وہ سب انہوں نے اپنے پاس سے ادا کر دیا، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی خاص عقیدت تھی اور قہر سال دس ہزار درہم پیش کش خدمت کرتے تھے۔ ۵

۱ فتح الباری جلد ۷ ص ۶۶ ۲ اصحابہ جلد ۳ ص ۲۹۱ ۳ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۶۰

۴ طبقات ابن سعد جلد اول جزو ثالث ص ۱۵۷ ۵ ایضاً ص ۱۵۸

مہمان نوازی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا خاص شیوہ تھا، ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی ”میں یا رسول اللہ ﷺ!“ اور تینوں نو مسلم مہمانوں کو خوشی خوشی گھر لے آئے، ان میں سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات میں شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں وفات پائی۔ ان کو اپنے مہمانوں سے جو انس پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ہر وقت ان کی یاد تازہ رہتی تھی اور رات کے وقت خواب میں ان ہی کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک روز خواب دیکھا کہ وہ اپنے تینوں مہمانوں کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہیں، لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے، اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس تقدم و تاخر پر سخت تعجب ہوا، صبح کے وقت سرور کائنات ﷺ سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جو زیادہ دنوں تک زندہ رہا اس کو عبادت و نیکو کاری کا زیادہ موقع ملا، اس لیے وہ جنت کے داخلہ میں اپنے ساتھیوں سے پیش تھا۔

احباب کی مسرت و شادمانی ان کے لیے بھی سامان انبساط بن جاتی تھی، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کے باعث معتب بارگاہ تھے، ایک مدت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی خطا معاف کر دی اور وہ خوش خوش دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں طلحہ (رضی اللہ عنہ) کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا، کیونکہ مہاجرین میں سے کسی نے ایسی گرمجوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دوستوں کی خدمت گزاری سے بھی دریغ نہ تھا، ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان ہوا، اور اس نے درخواست کی کہ بازار میں میرا اونٹ فروخت کر دیجئے،

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”گو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری، دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔“ اور اس کے ساتھ جا کر مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کر دیا، اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربار رسالت ﷺ سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوادیتجئے تاکہ عمال کو اسی کے مطابق دیا کروں حضرت طلحہ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دی۔

رسول خدا ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو طرز عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس سعادت کے حصول کو اپنے فرائض میں شامل کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مختلف صحبتوں میں جو کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم ورنجیدہ نظر آتے، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مغموم دیکھ کر پوچھا ”تمہارا حال کیسا ہے؟“ کسی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟“ کہنے لگے نہیں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ ”اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہو جائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا۔“ مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا، لیکن اب یاد نہیں آتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ باعظمت و پراثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا یعنی لا الہ الا اللہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سن کر اُچھل پڑے فرمایا: ”ہاں خدا کی قسم یہی کلمہ ہے۔“

### حسن معاشرت:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے حسن معاشرت کے باعث بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے وہ اپنے کنبہ میں جس لطف و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے

شادی کی درخواست کی، لیکن انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو سب پر ترجیح دی، لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: ”میں ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوں، وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، اگر کوئی کام کر دو شکر گزار ہوتے ہیں اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں۔“<sup>۱</sup>

### ذریعہ معاش:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، چنانچہ نیر اسلام کے طلوع ہونے بشارت بھی اسی تجارتی سفر میں ملی تھی، جب مدینہ پہنچے تو زراعت کا شغل بھی شروع کیا، اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراق عرب میں متعدد علاقے حاصل کیے، ان میں سے قناتہ اور سراقہ نہایت مشہور ہے، ان دونوں مقامات میں کاشتکاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناتہ کے کھیتوں پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ان علاقوں کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔<sup>۲</sup>

تمول:

غرض تجارت و زراعت نے ان کو غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک بنا دیا تھا، چنانچہ لاکھوں دینار و درہم راہ خدا میں لٹا دینے کے بعد بھی اہل و عیال کے لیے ایک عظیم الشان دولت چھوڑ گئے، ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی، تو انہوں نے کہا: ”بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں سونا اور چاندی،“ یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائیداد غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا۔<sup>۳</sup>

۱۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۳ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸

## غذا و لباس:

طرز معاش نہایت سادہ تھا، کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالت احرام میں رنگین لباس زیب جسم دیکھا۔ بولے ”طلحہ یہ کیا ہے؟“ عرض کی: ”امیر المؤمنین یہ گیر دارنگ ہے۔“ فرمایا: ”آپ لوگ ائمہ دین ہیں، عوام آپ کا اتباع کرتے ہیں، کوئی جاہل دیکھ لے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور دلیل پیش کرے گا کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو حالت احرام میں پہنے ہوئے دیکھا تھا۔“

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں نفیس سرخ یا قوت کا رنگ جڑا ہوا تھا، لیکن بعد کو یا قوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا۔

دستر خوان بھی وسیع تھا، لیکن پر تکلف نہ تھا۔

## حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد میاں نہ بلکہ ایک جد تک پست، چہرہ کا رنگ سرخ و سفید، بدن خوب گھٹنا ہوا، سینہ چوڑا، پاؤں نہایت پر گوشت اور ہاتھ کی انگلیاں غزوہ احد میں شل ہو گئی تھیں۔

## اولاد و ازواج:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، حمنہ بنت جحش، ام کلثوم بنت ابوبکر الصدیق، سعدی بنت عوف، ام ابان بنت عقبہ بن ربیعہ، خولہ بنت القعقاع، ان میں سے ہر ایک کے بدن سے متعدد اولاد ہوئی تھی، لڑکوں کے نام یہ ہیں:

محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسمعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف، ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں تھیں، ان کے نام یہ ہیں:

ام اسحاق، عائشہ، صعبہ، مریم

## حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

نام، نسب، خاندان:

عبدالرحمن نام، ابو محمد کنیت۔ والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفاء تھا، یہ دونوں زہری خاندان سے تعلق رکھتے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے عبدالرحمن بن عوف بن عبد جوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ القرشی الزہری۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا اصلی نام عبد عمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے بدل کر عبدالرحمن رکھا۔

اسلام:

عام روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے دسویں سال پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعوت توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا، فطری عفت و سلامت رومی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی راہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آ گئی اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر ہر وان حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند روشن ضمیر بزرگوں کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سروردو عالم ﷺ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت:

خلعت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھی عام بلا کشان اسلام کی طرح جلا وطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر



وہاں سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمینِ یثرب کی طرف ہجرت کر گئے۔  
مواخات:

مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرادیا اور وہ انصار میں سے سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے کہنے لگے ”میں اپنا نصف مال و منال تمہیں بانٹ دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ میں طلاق دے دوں گا عدت گزارنے کے بعد تم نکاح کر لینا۔“ لیکن حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی غیرت نے گوارا نہ کیا، جواب دیا: ”خدا تمہارے مال و منال اور اہل و ایال میں برکت دے مجھے صرف بازار دکھا دو۔“ لوگوں نے بنی قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا وہاں سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع میں بچالائے دوسرے روز باقاعدہ تجارت شروع کر دی یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو جسم پر مراسمِ شادی کی علامتیں موجود تھیں استفسار ہوا ”یہ کیا ہے“ عرض کی ”ایک انصاریہ سے شادی کر لی ہے۔“ سوال ہوا: ”مہر کس قدر ادا کیا؟“ عرض کی ”ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا“ حکم ہوا ”تو پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی۔“  
غزوات:

۲ھ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اکثر معرکوں میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک رہے غزوہ بدر میں دونوں جوان انصاری پہلو میں کھڑے تھے انہوں نے آہستہ سے پوچھا: ”یا عم! ابو جہل کون ہے جو سرور کائنات ﷺ کی شان میں بدزبانی کرتا ہے؟“ اسی اثناء میں ابو جہل سامنے آ گیا۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا: ”وہ دیکھو جس کو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے۔“ ان دونوں نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلادی۔<sup>۲</sup>

۱ طبقات ابن سعد حصہ اول جزو ثالث

۲ بخاری باب بنیان الکعبہ باب کیف انی النبی ﷺ بنی الصحابہ رضی اللہ عنہم

۳ مسند جلد ۱ ص ۱۹۳ و بخاری کتاب المغازی باب نقل ابی جہل

غزوہ احد میں جس جانبازی و شجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بدن پر پیس سے زیادہ آثار جراثیم شمار کئے گئے تھے، خصوصاً پاؤں میں ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے۔<sup>۱</sup>

### دومۃ الجندل کی مہم:

شعبان ۶ھ میں دومۃ الجندل کی مہم پر مامور ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بلا کر اپنے دستِ اقدس سے عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا: ”بسم اللہ راہ خدا میں روانہ ہو جاؤ، جو لوگ خدا کی نافرمانی و عصیان میں مبتلا ہیں ان سے جا کر جہاد کرو، لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں کو نہ مارنا، یہاں تک کہ دومۃ الجندل پہنچ کر قبلہ کلب کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کریں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لے۔“

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر دومۃ الجندل پہنچے اور تین دن تک دعوت و تبلیغ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلہ کلب کے سردار اصغ بن عمرو الکلبی جو مذہباً عیسائی تھے اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بطیب خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، البتہ بعضوں نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کر لیا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے حسب فرمان اصغ لڑکی تمار سے شادی کر لی اور رخصت کرا کے مدینہ ساتھ لائے، چنانچہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔<sup>۲</sup>

### فتح مکہ:

مکہ کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، اس کے زیر نگرین ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو جذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ میں مسکن گزین تھا دعوت اسلام کے لیے بھیجا، انہوں نے غلطی سے قتل و خون ریزی کا بازار گرم کر دیا۔ سردار کائنات ﷺ کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ

۲ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۳

۱ سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۶۱

رب العالمین میں تین دفعہ اپنی براءت ظاہر کی ”خدا یا! خالد (رضی اللہ عنہ) نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں“۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے خاندان اور قبیلہ بنو جذیمہ میں جو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا تاہم اخوتِ اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کر دیا چنانچہ اس خونریزی سے بیزار ہو کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا: ”افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا“۔ انہوں نے جواب دیا: ”میں نے تمہارے باپ کے قاتل کو مارا“۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا: ”بے شک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا جو تمہارا چچا تھا“۔ اس کے بعد دونوں میں نہایت گرم گفتگو ہوئی آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ارشاد ہوا ”بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ اگر تو راہِ خدا میں کوہِ احد کے برابر بھی سونا صرف کرے گا تب بھی ان کے برابر نہ ہوگا“۔

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگیں پیش آئیں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سب میں شریک رہے آخری سفر حج سے واپس آنے کے بعد ۱۰ھ میں سرور کائنات ﷺ نے وفات پائی اور سفید بنی ساعدہ میں خلافت کا قصہ پیش آیا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اسی گتھی کے سلجھانے میں شریک تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا۔

### عہد صدیقی:

خلیفہ اول کے عہد میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ایک مخلص مشیر اور صائب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشوروں میں شریک رہے۔ ۱۳ھ میں جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

۱۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے والد عوف اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جا رہے تھے بنو جذیمہ نے راہ میں ایک ساتھ دونوں کو قتل کیا تھا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶)

کا آفتاب حیات لب بام آیا اور ایک جانشین نامزد کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصب جلیل کے لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا ”عمر کی اہلیت میں کیا شک ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔“ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ان کی سختی اس لیے تھی کہ میں نرم تھا، لیکن جب یہ بارگراں ان ہی پر آ پڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے۔“

غرض چند روز علالت کے بعد خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

### عہد فاروقی:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظام خلافت کو پہلے سے زیادہ منظم و مرتب کر دیا، مہمات مسائل پر بحث و مباحثہ کے لیے ایک مستقل مجلس شوریٰ قائم کی، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اس مجلس کے نہایت صائب الرائے، پر جوش اور سرگرم رکن ثابت ہوئے، بہت سے معاملات میں ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لیے جب دار الخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیر المومنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس کے لیے تیار ہو گئے تو اس وقت صرف حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں، خدا نخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیر المومنین کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی اس مال اندیشی نے تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی آنکھیں کھول دیں اور سب نے پر زور الفاظ میں اس کی تائید کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا تو انہوں نے صاف

انکار کر دیا غرض اسی حیصہ میں تھے کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی نگاہِ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کر دی اور کھڑے ہر کر کہا میں نے پالیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) اس حسنِ انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی۔ اور واقعات بہت جلد ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزوں تھا۔

اسی طرح معرکہ نہاوند میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو موقعِ جنگ پر جانے سے روکا، لیکن کبھی کبھی جوشِ مالِ اندیشی پر غالب آجاتا تھا چنانچہ جب مہمِ شام میں اسلامی فوجیں رومیوں کی عظیم الشان تیاریوں کے باعث مقاماتِ مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئیں اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالارِ اعظم نے رومیوں کے جوش و خروش اور مٹی دلِ اجتماع کی اطلاع دار الخلافہ میں بھیجی تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو اس قدر جوش آیا کہ بیتاب ہو کر بولے ”امیر المؤمنین تو خود سپہ سالار بن اور مجھ کو ساتھ لے کر چل، خدا نخواستہ اگر ہمارے بھائیوں کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے۔“ لیکن اس موقع پر دوسرے مالِ اندیش صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے انتظامی اور قانونی حیثیت سے جو رائیں دیں ان کا اجمالی تذکرہ ان شاء اللہ علم و فضل کے سلسلہ میں آئے گا۔

### واقعہ ہانکہ:

۲۳ھ میں ایک روز حسب معمول حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے کہ دفعۃً فیروز نامی ایک عجمی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے مُصلے پر کھڑا کیا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے جلدی جلدی نماز تمام کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کواٹھا کر ان کے گھر لائے۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا ایثار:

خليفة دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگوں نے منصبِ خلافت کے لیے کسی کو نامزد

کرنے کی درخواست کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کے نام پیش کر کے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے یہ باہم کسی ایک کو منتخب کر لیں، لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے۔

خليفة دوم کی تجویز و تکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے روز حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیوں میں دائرہ ہے، اس کو تین شخصوں میں محدود کرنا چاہئے، اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت رائے دی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کیا، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام لیا، لیکن حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اپنے حق سے باز آگئے اور حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب تم دونوں میں جو احکام الہی، سنت نبوی ﷺ اور طریقہ شیخین رضی اللہ عنہما کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، عام روایت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں سب سے پہلے اس عہد پر راضی ہوں، لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں خاموش رہے۔ بہر حال عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے دونوں کو راضی کر کے اس کا تصفیہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور ہر ایک کو علیحدہ لے جا کر ان کے فضائل و مناقب یاد دلانے اور کہا: ”مجھے توقع ہے کہ اگر میں تمہیں یہ منصب دوں تو عدل و انصاف کرو گے، اور اگر تمہارے مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لو گے۔“ غرض اس عہد و بیان کے بعد حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں ایک موثر تقریر کی اور حضرت عثمان سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھ کر بیعت کر لی، ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی۔!

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی نگاہ انتخاب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیوں ترجیح دی؟ عام خیال یہ ہے کہ ان دونوں کی باہمی یگانگت و محبت اور رشتہ داری کا نتیجہ تھا، چنانچہ طبری کی ایک روایت کے مطابق

۱۔ بخاری باب الاتفاق علی عید عثمان رضی اللہ عنہ، لیکن بعض تفصیلی باتیں تاریخ طبری سے ماخوذ ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنا شبہ ظاہر کر دیا تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، رشتہ داری بے شک ایک مؤثر چیز ہے، مگر ایسے اہم معاملات میں بنائے فیصلہ نہیں ہو سکتی۔

اصل یہ ہے کہ گو اسلام نے قبائل کو باہم متحد کر دیا تھا تاہم ایک حد تک منافست و مسابقت کا خیال باقی تھا، اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت و خلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم میں مجتمع ہو جائے، چنانچہ خلافت مرتضوی میں جو خانہ جنگیاں برپا ہوئیں، وہ اسی منافست کا نتیجہ تھیں، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی نگاہ عاقبت میں نے اس کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جناب امیر رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا، جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کر دیا ہے۔

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخین رضی اللہ عنہما کی روش پر کاربند ہونے میں پس و پیش کیا تھا، جیسا کہ متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے، برخلاف اس کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ حامی بھری تھی، بہر حال حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اس عقدہ کو جس ایثار و دور اندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایہ ناز کارنامہ ہے۔

### وفات:

عہد عثمانی میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جہاں تک معلوم ہے مہمات ملکی میں انہوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی، یہاں تک کہہ روح اطہر نے پچھتر برس تک اس سرانے فانی کی سیر کر کے ۳۱ھ میں داعی حق کو لبیک کہا۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر کہا:

اذھب یا ابن عوف فقد ادرکت صفوھا وسبقت زلفھا۔

یعنی "ابن عوف! جاتو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدا اچھوڑ دیا۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک تھے اور کہتے

جاتے تھے ”واجبلاہ“ یعنی یہ پہاڑ بھی چل بسا، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔  
علم و فضل:

رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے حضرت عبدالرحمنؓ کے کیرہ ”فضل و کمال کو علمی زرو جو اہر سے پر کر دیا تھا“۔ انہوں نے دوسرے کبار صحابہؓ کی طرح حدیثیں بہت کم روایت کیں، تاہم خلفائے راشدینؓ کو بہت اہم اور ضروری موقعوں پر اپنے معلومات سے فائدہ پہنچایا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں جب رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انہوں نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی کہ ”آنحضرت ﷺ کے متروکہ میں وراثت نہیں ہے۔“

اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا اور انہیں فکر دامن گیر ہوئی کہ آتش پرستوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے تو اس وقت عبدالرحمنؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت نے ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انہیں ذمی قرار دیا۔<sup>۲</sup>

۱۸ھ میں عمواس میں طاعون پھیلنا اور حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے بلا کر دریافت کیا کہ طاعون سے بٹنا جائز ہے یا نہیں؟ تو کوئی اس کا قطعی جواب نہ دے سکا، حضرت عبدالرحمنؓ اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انہیں خبر ملی تو انہیں نے حاضر ہو کر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ، اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام میں ہو تو وہاں سے نہ ہو۔<sup>۳</sup>

اصابتِ رائے:

خدائے تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمنؓ کو اصابتِ رائے اور دور اندیشی کا نہایت وافر حصہ دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت مستحقینِ خلافت پر

۱۔ استیعاب جلد ۲، طبقات ابن سعد، ذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ ۲۔ کتاب الخراج ص ۷۴ و سند ص ۱۹۳۔ ۳۔ بخاری باب طاعون



ریمارک کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نہایت صائب الرائے ہوش مند اور سلیم الطبع ہیں ان کی رائے کو غور سے سنا اور اگر انتخاب میں مخالفت پیدا ہو جائے تو جس طرف عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) ہوں ان کا ساتھ دینا“۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے صرف حسن ظن نہیں بلکہ دیرینہ تجربات پر مبنی تھی چنانچہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی گرہ کو جس خوبی کے ساتھ سلجھایا وہ ان کی تجربہ کاری اور ہوش مندی کی نہایت بین شہادت ہے۔

### اخلاق و عادات:

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا دامن فضل و کمال اور اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا۔ خصوصاً خوف خدا، حب رسول، صدق و عفاف، ترجم فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشاں اوصاف تھے۔

### خوف خدا:

خوف خدا کے باعث دنیا کا ہر واقعہ ان کے لیے مرقع عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے رونے لگتے تھے ایک دفعہ دن بھر روزہ رہے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گذشتہ فقر و فاقہ یاد آ گیا، بولے: ”مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، اسی طرح حمزہ (رضی اللہ عنہ) شہید ہوئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے، لیکن اب دنیا ہمارے لیے کشادہ ہو گئی ہے اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں مرحمت کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں ہو گیا ہو۔“ اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

حب رسول ﷺ:

ایک بار گاہ صحابی کی حیثیت سے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ رسالت مآب ﷺ کی

محبت اور خدمت و حفاظت میں ہمیشہ پیش رہے، واقعہ اُحد صحابہ رضی اللہ عنہم کی جان نثاری و محبت کا نہایت سخت امتحان تھا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اس آزمائش میں پورے اترے، بدن پر بیس زخم کھائے، پاؤں میں ایسا کاری زخم لگا کہ لنگڑا کر چلنے لگے، لیکن جذبہ جان نثاری نے میدان سے منہ موڑنے نہ دیا۔

حضرت سرور کائنات ﷺ کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ باہر نکلے، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بھی پیچھے چلے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ایک نخلستان میں پہنچ کر سر بسجود ہو گئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روح اطہر خدا سے جا ملی، گھبرا کر قریب آئے، آنحضرت ﷺ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کیا ہے عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ)؟ انہوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا: ”جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل و علا نے فرمایا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا، میں اس پر سلام بھیجوں گا“۔ یعنی یہ طویل سجدہ شکر تھا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، نوفل بن ایاس فرماتے ہیں کہ میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اکثر لطف صحبت رہتا تھا، درحقیقت وہ خوب ہم نشین تھے، ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے، پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کر کے باہر نکلے، اس کے بعد کھانے آیا تو روٹی اور گوشت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے، میں نے پوچھا ”ابو محمد! یہ گریہ وزاری کیسی؟ بولے ”رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی، ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہنا ہمارے لیے بہتر نہیں ہے“۔

صدق و عفاف:

دیانتداری، صدق و عفاف حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے دستارِ فضل و کمال کا نہایت

خوبصورت طرہ تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی حیثیت میں بھی وہ تہانان کے بیان کو کافی سمجھتے تھے، ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ دائر کیا کہ ”میں نے آل عمر رضی اللہ عنہم سے ایک قطعہ زمین خریدار ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کو دربار نبوت ﷺ سے بطور جاگیر مرحمت ہوا تھا، لیکن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے۔“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) اپنے موافق یا مخالفت شہادت دے سکتے ہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہرات) کی نگرانی و محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکو کار ہوگا، چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے متعلق تھا، وہ سفر حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے۔ سواری اور پردہ کا انتظام کرتے تھے، جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں انتظام و اہتمام کے ساتھ امارتے تھے، غرض انہیں صرف اپنی عصمت و عفت کے باعث امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی خدمت و حفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طفرائے امتیاز ہے۔

### انفاق فی سبیل اللہ:

ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو بے نیازی اور استغنائے تجارت کی طرف مائل کر دیا تھا، چنانچہ اس میں انہوں نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان دولت کے مالک ہو گئے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ آیا تو اس میں سات سو اونٹ پر صرف گے ہوں آنا اور دوسری اشیائے خوردنی بار تھیں، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ میں غل پڑ گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) جنت میں ریختے ہوئے جائیں گے۔“ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہو کر عرض کی

”میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب و سامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہِ خدا میں وقف ہے۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم کی دولت ذاتی راحت و آسائش کے لیے نہ تھی بلکہ جو جس قدر زیادہ دولت مند تھا اسی قدر اس کا دستِ کرم زیادہ کشادہ تھا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی فیاضی اور انفاقِ فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے عہد ہی سے شروع ہو چکا تھا اور وقتاً فوقتاً قومی و مذہبی ضروریات کے لیے گراں قدر رقمیں پیش کیں، سورہ براءت نازل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار پیش کیے پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کیے اسی طرح جہاد کے لیے پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ حاضر کیے۔

عام خیرات و صدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے ایک دفعہ انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہِ خدا میں لٹا دیا۔ لیکن اسی فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامگیر رہتی تھی کہ کہیں اس قدر تمول آخرت کے لیے موجب نقصان نہ ہو ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی ”اماں! مجھے خوف ہے کہ کثرتِ مال مجھے ہلاک کر دے گی۔“ ارشاد ہوا بیٹا! راہِ خدا میں صرف کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”میرے اصحاب رضی اللہ عنہم میں بعض ایسے ہیں کہ مفارقت کے بعد انہیں میرا دیدار نصیب ہوگا۔“

غرض فیاضی اور انفاقِ فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک قائم رہا، وفات کے وقت بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا میں وقف کیے، نیز بدر میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہوئے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے ان میں سے ہر ایک کے لیے چار چار سو دینار کی وصیت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو اصحاب بدر بقید

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶ ۲ ایضاً ص ۳۱۶

۳ طبقات ابن سعد اول جزو ثالث تذکرہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ص ۲۷ استیعاب جلد ۲ ص ۲۰۳

حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی حصہ لیا۔<sup>۱</sup>

اہمات المؤمنین رضی اللہ عنہم کے لیے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا، نیز اس سے پہلے مختلف موقعوں پر بڑی بڑی رقیں پیش کیں، ایک دفعہ ایک جائیداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے صاحبزادہ ابوسلمہ سے اکثر بطریق تشکر و دعا فرمایا کرتی تھیں، خدا تمہارے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے۔<sup>۲</sup>

### مذہبی زندگی:

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے تھے خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے۔<sup>۳</sup>

اکثر روزے رکھتے تھے حج کے لیے بھی بارہا تشریف لے گئے، جس سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے اس سال امارت حج کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی تھی۔<sup>۴</sup>

### ذریعہ معاش:

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھا، آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی، پھر انہوں نے خود بہت سی قابل زراعت اراضی خرید کر کاشت کاری شروع کی تھی، چنانچہ صرف مقام ”جرف“ کے کھیتوں میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے۔<sup>۵</sup>

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے کاروبار میں خدائے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی، وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لیے نہایت

۱ اسد الغابہ جلد ۳ - ۲ رذی ص ۶۲۱ - ۳ اصابہ جلد ۳ ص ۱۷۷

۴ اصابہ جلد ۳ ص ۳۱۷ - ۵ استیعاب جلد ۲ ص ۲۰۲

وافرودت چھوڑ گئے، یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائیداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی ۸۰ ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلباڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھ میں آبلے پڑ گئے، جائیداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔<sup>۱</sup>

### غذا و لباس:

دستر خوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گذشتہ فقرہ وفاقہ یاد کر کے آنکھیں پر نم ہو جاتیں، لباس میں زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا کیونکہ فقرہ وفاقہ میں بیماری کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر اجازت دی تھی ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوسلمہ ریشمی کرتہ زیب تن کیے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اڑادیئے، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دی ہے۔ فرمایا: ”ہاں! مجھے معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لیے اجازت ہے دوسروں کے لیے نہیں۔“<sup>۲</sup>

### حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد طویل، رنگ سرخ و سفید، چہرہ خوبصورت، ریش دراز، سر پر کان سے نیچے تک گھونگر دار کاکلیں، کلائی گھٹی ہوئی، انگلیاں موٹی اور مضبوط، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے اور غزوہ احد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا۔<sup>۳</sup>

### اولاد و ازواج:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے ساتھ عموماً لطف و محبت سے پیش آتے تھے، ایک انصاریہ سے شادی کی تو میں ہزار دینار مہر میں دیئے۔<sup>۴</sup> بیویوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷۔ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

۳۔ اصلہ جلد ۳ ص ۱۷۷۔ ۴۔ طبقات قسم اول جزء ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

(۱) کلثوم بنت عقبہ بن ربیعہ (۲) تماضر بنت الاصح (۳) کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط (۴) سہلہ بنت عاصم (۵) بحریہ بنت ہانی (۶) سہل بنت سہیل (۷) ام حکیم بنت قارظ (۸) بنت ابی النعمان (۹) اساء بنت سلامہ (۱۰) ام حریث یہ بہرا سے قید ہو کر آئی تھیں۔ (۱۱) مجد بنت یزید (۱۲) غزال بنت کسرئٰی یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھیں، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ خاندان کسرئٰی کی شہزادی تھیں، (۱۳) زہنب بنت الصباح بادیہ بنت غیلان۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی اولاد نہایت کثیر تھی، جن لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے

وہ یہ ہیں:

(۱) سالم اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے۔ (۲) محمد (۳) ابوسلمہ فقیہ، (۴) ابراہیم (۵) اسلعل (۶) حمید (۷) زید (۸) معن (۹) عمر (۱۰) عدی (۱۱) عروہ اکبر (۱۲) سالم اصغر (۱۳) ابوبکر (۱۴) عبداللہ (۱۵) عبدالرحمن (۱۶) مصعب (۱۷) سہیل (ابوالایض) (۱۸) عثمان (۱۹) عروہ (۲۰) یحییٰ (۲۱) بلال۔  
صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ام القاسم یہ زمانہ جاہلیت ہی میں پیدا ہوئی تھیں۔ (۲) حمیدہ امۃ الرحمن (۳) صفرائی (۴) ام یحییٰ (۵) جویریہ (۶) امیہ (۷) مریم۔



## حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نام، نسب، خاندان:

سعد نام، ابو اسحق کنیت، والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت، والدہ کا نام حنہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن نصر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آنحضرت ﷺ کی تانبہال زہری خاندان میں تھی، اس لیے حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے، سرور کائنات ﷺ نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا۔<sup>۱</sup>

اسلام:

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کا سن مبارک صرف انیس سال کا تھا کہ دعوت اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خلعت ایمان سے مشرف ہوئے۔

بخاری میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا، اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثین عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا۔<sup>۲</sup>

استقامت:

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں نے لڑکے کی تبدیل مذہب کا حال سنا تو نہایت

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱، ۲۔ بخاری مع فتح الباری مناقب سعد وقاص رضی اللہ عنہ



کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لیے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کا لذت آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر و شرک کی طرف کس رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب و دانہ رہیں، لیکن بیٹے کی جبین استقلال پر شکن تک نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شان استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لیے معصیتِ الہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا۔<sup>۱</sup>

﴿وَإِنْ جَاهِدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾  
 ترجمہ: ”اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جن کا کوئی علم و یقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر۔“

مکہ کی زندگی:

اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرتِ نبوی ﷺ تک مکہ میں ہی مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لیے مصائب و شدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے۔

حضرت سعد و قاص رضی اللہ عنہما، کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران سنان گھائیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش و عبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھائی میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مصروفِ عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی، اور اسلام کا مذاق اڑانے لگے، حضرت سعد و قاص رضی اللہ عنہما کو اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آ گیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بننے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔<sup>۲</sup>

۱۔ مسلم مناقب سعد و قاص رضی اللہ عنہما، ج ۲، ص ۱۹۱

## ہجرت:

مکہ میں جب کفار کے ظلم و ستم سے مسلمانوں کا پیاناہ صبر و تحمل لبریز ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا، اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی راہ لی اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فروکش ہوئے۔ جس نے ایامِ جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو آزادی و طمانیت نصیب ہوئی، تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ موجود تھا، آنحضرت ﷺ نے پیش بینی کر کے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو ساتھ یا اسی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کے لیے روانہ فرمایا حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ بھی اس جماعت میں شامل تھے، غرض دورہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ میں قریش کی ایک بڑی تعداد سے ٹکرائے ہوئے، چونکہ کس جس مقصود تھا، اس لیے کوئی جنگ پیش نہ آئی، مگر حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کو کہاں تاب تھی، انہوں نے ایک تیر چلائی دیا، چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہِ خدا میں چلایا گیا۔<sup>۱</sup>

دوسری دفعہ خود حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لیے روانہ کی گئی، چنانچہ یہ مقام خرار تک دور کر کے واپس آئے اور کوئی جنگ پیش نہ آئی، اس کے بعد عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمن کی خبر گیری پر مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک سر بہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں، انہوں نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو فرمان کا مضمون سنا کر کہا ”میں کسی کو مجبور نہیں کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے

ورنہ واپس جائے۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور تمام دوسرے ساتھیوں نے جوش کے ساتھ سمغا و طاعنہ کہا، لیکن کچھ دور جانے کے بعد عتبہ بن غزوٰان رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اونٹ جو مشترک طور پر دونوں کی سواری میں تھا گم ہو گیا، اور اس طرح وہ دونوں پیچھے چھوٹ گئے، عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے نخلستان میں پہنچ کر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مال غنیمت اور چند قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس میں رسماً جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی، اس لیے سرور کائنات ﷺ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیتا تھا، مسلمانوں نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحی الہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا:

﴿يَسْتَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (بقرہ: ۲۷)

”لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز ہے) کہہ دو اس میں لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ کشت و خون سے زیادہ بڑا ہے۔“

قریش فد یہ لے کر اپنے قیدیوں کو چھڑانے آئے لیکن اس وقت تک عتبہ بن غزوٰان اور سعد وقاص رضی اللہ عنہما کا کچھ پتہ نہ تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک یہ دونوں صحیح و سلامت پہنچ جائیں تمہارے قیدی رہا نہ ہوں گے، غرض جب یہ دونوں جاننا واپس آ گئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے۔

## غزوات

### غزوہ بدر:

معرکہ بدر سے مستقل جنگوں کی ابتدا ہوئی، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت و جان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سرخیل کفار کو تیرتغ کیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس کی ذوالکئیفہ نامی تلوار پسند آگئی تھی، لیے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، چونکہ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لیے ارشاد ہوا کہ جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے برادر عزیز حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، غرض غمگین و ملول واپس آئے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورہ انفال نازل ہوئی اور سرور کائنات ﷺ نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دی۔!

### غزوہ احد:

۳۔ میں غزوہ احد پیش آیا، اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے مبدل ہو گئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے، جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی، حرت سعد رضی اللہ عنہ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لیے جب کفار کا زخمہ ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے:

یا سعد ارم فداک امی و ابی.

”یعنی اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر خدا ہوں۔“<sup>۱</sup>

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سعد رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کے لیے ”فداک ابی و امی“ کا جملہ نہیں سنا، لیکن دوسری روایتوں میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی نسبت بھی ایسے ہی جملے منقول ہیں، بہر حال محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوہ احد میں یہ فخر صرف حضرت سعد و قاص رضی اللہ عنہما کے لیے مخصوص تھا۔<sup>۲</sup>

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند جملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد کے لیے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا، آنحضرت ﷺ ان کی تیر اندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے، یہاں تک کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔<sup>۳</sup>

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی اور تڑپ کر داخل ستر ہوا۔<sup>۴</sup>

### متفرق غزوات:

غزوہ احد میں فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہادری و جانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں اسی فدویت، جان نثاری اور ثبات و پامردی کا کارنامہ پیش کیا، جس کا اظہار غزوہ احد میں کر چکے تھے۔ غزوہ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، پھر ۱۰ھ میں سرور کائنات ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد و قاص رضی اللہ عنہما ہمراہ تھے، لیکن

۱ بخاری کتاب المغازی غزوہ احد ۲ فتح الباری کتاب المناقب سعد و قاص رضی اللہ عنہما

۳ مسلم کتاب المناقب مناقب سعد رضی اللہ عنہ ۴ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲۸

مکہ پہنچ کر سخت علیل ہو گئے یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میں مالدار آدمی ہوں، لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے، اس لیے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ٹمٹ مال کا خیر میں لگا دوں؟ ارشاد ہوا: ”نہیں!“ پھر عرض کی: ”دو ٹمٹ نہیں تو نصف سہمی۔“ حکم ہوا: ”نہیں!“ صرف ایک ٹمٹ اور یہ بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدار تو انگریز چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال نہ پھیلاتے پھریں، تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لیے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے۔

ایک مبارک پیشین گوئی:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بیقراری بڑھتی جاتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اشکبار دیکھ کر پوچھا ”روتے کیوں ہو؟“ عرض کی: ”معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی، جس کو خدا اور رسول کی محبت میں ہمیشہ کے لیے ترک کر چکا تھا۔“ آنحضرت ﷺ نے تشریف دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی:

اللهم اشف سعداً! اللهم اشف سعداً! ۱

”یعنی اے خدا سعد (رضی اللہ عنہ) کو صحت عطا کر! سعد کو صحت عطا کر۔“

رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریض بستر مرگ کے لیے آب حیات ثابت ہوئے، یعنی دعاء مقبول ہوئی اور وہ صحیح و تندرست ہوئے ساتھ ہی یہ بشارت سنائی کہ اے سعد (رضی اللہ عنہ)! تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے۔ ۲

یہ پیشین گوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن میں عجم قوم نے آپ کے

ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا۔

مکہ سے واپس آنے کے اسی سال بعد رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ میں کثرت آراء سے مسند نشین خلافت ہوئے، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفہ اول کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی۔

خلیفہ اول نے صرف سواد و برس کی خلافت کے بعد داعی حق کو لبیک کہا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جانشین کر کے رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتداء ہو چکی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی، اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا، خصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ کی، چونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے آئندہ کارناموں کا تعلق تمام تر اسی سر زمین سے وابستہ ہے، اس لیے اس ملک کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات تسلسل قائم رہنے کے خیال سے درج ذیل ہیں۔

### عراق کی فوج کشی:

اہل عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیوں نے بارہا عربوں کے تفرق، اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام عرب کو تباہ و برباد کر دیا تھا، خصوصاً عراق عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جمالیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع ملتا بغاوت کر دیتے تھے، چنانچہ پوران دخت کے زمانہ میں جب طوائف السلوکی کے باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور شہنشاہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی، چونکہ عام عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، اس لیے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطہ نگاہ سے

نہایت خطرناک تھا، اس بنا پر خلیفہ اول نے ثنی بنی شام کو اجازت دے دی اور حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا، انہوں نے حملہ کر کے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لیے، لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہاں کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ثنی بنی شام کو اپنا جانشین کر کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائیں، لیکن خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعۃً سرد پڑ گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول فرمائی اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک فوج گراں کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انہوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام متعلقہ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروہ تھا، غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی، چونکہ بیخ میں دریا حائل تھا، اس لیے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سرداران فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے میں خود دریا کے پار اتر کر مقابلہ کیا، لیکن اس غلطی کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ ہوا یعنی مسلمانوں کو نہایت افسوس ناک شکست ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمک بھیج کر فوج کو از سر نو مستحکم کر دیا اور چونکہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کام آچکے تھے، اس لیے ثنی شیبانی رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کر دی، انہوں نے معرکہ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو پے در پے شکستیں دے کر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کر لیا۔

ایرانیوں کو اب تک مسلمانوں کی جارحانہ قوتوں کا اندازہ نہ تھا، ان فتوحات نے ان کی آنکھیں کھول دیں، اراکین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لیے نئی تدبیریں اختیار کیں، پوران دخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندان کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک میں اتحاد اتفاق اور جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بھی بغاوت و سرکشی کی آگ



بھڑک اٹھی اور شنی بنی ہوئی کو مجبوراً عرب کی سر زمین میں ہٹ آنا پڑا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر تمام عرب میں پر جوش و جادو بیان خطیب پھیلا دیئے کہ وہ اپنی پر تاثیر تقریروں سے قبائل عرب کو جنگ میں شریک ہونے کے لیے آمادہ کریں اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دار الخلافت کی طرف جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان امنڈ آیا حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے انہوں نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ہر ایک تیغ و تنگ کا ماہر تھا غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہو گئی لیکن سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لیے کوئی شخص موزوں نظر نہ آتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے بھی اس بارگراں کو اٹھانے سے انکار کر دیا عوام کے اصرار سے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے لیکن اہل الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم مانع ہوئے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے لوگ اسی جیص بیص میں تھے کہ دفعۃً حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تمام حاضرین اس انتخاب پر پھڑک اٹھے اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی۔

### سپہ سالاری:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے اس کے ساتھ بہادری و شجاعت میں بھی بے نظرتھے تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی و فخر کی نگاہ سے دیکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری کے لحاظ سے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور ہر قسم کی ہدایتیں اور نشیب و فراز سمجھا کر رزمگاہ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دے دی۔

غرض اس طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تاریخ زندگی کا وہ صفحہ شروع ہوا جو سب

سے زیادہ درخشاں و تاباں ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے اولوالعزم حوصلہ مند اور خوش تدبیر نام آوروں کی صف میں ان کو ممتاز کر دیا ہے وہ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے ثعلبہ پہنچے یہاں تین مہینے تک قیام رہا پھر وہاں سے چل کر مشرف میں خیمہ زن ہوئے شئی بنی اللہ: مقام ذی قار میں آٹھ ہزار نبرد آزما سپاہیوں کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالار اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، معنی نے حسب ہدایت مشرف میں آ کر ملاقات کی اور شئی بنی اللہ: نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مشرف میں اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا، جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری، پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کیے اور مقام کا نقشہ، فرد گاہ کا ڈھنگ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربار خلافت کو مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ مشرف سے آگے بڑھ کر قادیہ پر اس طرح مورچے جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک ہو چنانچہ وہ یہاں سے روانہ ہو کر عذیب میں عجمیوں کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوئے قادیہ پہنچے اور مناسب موقعوں پر مورچے جمادیئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سردارانِ قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص منتخب کیے، سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دیں، چنانچہ انہوں نے پہلے اسلام پیش کیا، اور طرفین میں بڑی رد و قدح ہوتی رہی، آخر میں مسلمانوں نے کہا اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہیں کہ ایک دن تمہاری زمین ہمارے تصرف میں آئے گی، مسلمانوں کی صاف بیانی پر غضبناک ہو کر، مسلمانوں کی اس دلیری پر جھلا کر خاک دھول مٹگا کر کہا لو یہ تم کو ملے گا، عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی چادر میں لے لیا، اور سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ ”فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے

دی۔“ غرض سزاء واپس آ گئے اور جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں، عجمی سپہ سالار رستم نے بھی جو سا باط میں مقیم تھا، اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادیسہ میں ڈیرے ڈالے۔

رستم کی فوجیں قادیسہ پہنچیں تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہیں، نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ کی حالت دریافت کرنے کے لیے فوجی افسر متعین کر دیئے، اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ راست کے وقت غنیم کے کمپ میں گشت کر رہے تھے، ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا، تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے انکالی لوگوں نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑے صاف نکل آئے، قیدی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر اسلام قبول کیا، اور عجمی فوج کے بہت سے اسرار بیان کیے۔

عرصہ تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی، اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی، رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا، اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتیں روانہ کیں، آخری سفارت میں مغیرہ رضی اللہ عنہ بھیجے گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضبناک ہو کر کہا کہ ”کل تمہاری فوجیں تہ و بالا کر ڈالوں گا۔“ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔

### جنگِ قادیسہ:

رستم اس قدر غضب ناک ہو گیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کر کے میدان جنگ میں صف راء ہوا، دوسری طرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی تیار تھا، مشہور شعراء اور پر جوش نطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریروں سے تمام بہادر سپاہیوں کے شجاعانہ ولولے بھڑکا ہے تھے، اس کے ساتھ قاریوں کی خوش الحانی اور جہاد کی آیتوں نے جنت کے عاشقوں کو

بیٹاب کر رکھا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کیے اور چوتھے پر جنگ شروع ہو گئی گو وہ خود عرق النساء کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور خالد ابن عرفطہ کو قائم مقام کر کے میدان جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالا خانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد ان ہی ہدایتوں کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے ایک دفعہ ایرانی ہاتھیوں کے ریلے سے قریب تھا کہ بجیلہ سواروں کے پاؤں اکڑ جائیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائیں پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رخ کیا تو قبیلہ تمیم کو جو نیزہ بازی اور قادر اندازی میں کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمہارا کمال ہاتھیوں کے مقابلہ میں کیا ہوا؟ یہ سن کر انہوں نے اس جوش سے تیر برسائے کہ دفعۃً جنگ کا نقشہ بدل گیا، غرض تمام دن اسی زور کارن ہوا شام ہوئی تو دونوں فریق اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس آئے، قادیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی میں یوم الارماث کہتے ہیں۔

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی، عین ہنگامہ کار زار میں شام کی امدادی فوجیں بھی پہنچ گئیں، اس تاخیر غیبی سے مسلمانوں کا جوش دوبالا ہو گیا اور اس زور شور سے تیغ و سنان اور تیر و تفنگ کا بازار گرم ہوا کہ دور سے دیکھنے والوں کی رگ شجاعت میں بیجان پیدا ہو رہا تھا۔ ابو جحش ثقفی جن کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے شراب خواری کے جرم میں اپنے قصر میں مقید کر دیا تھا، اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھ کر بیٹاب ہو رہے تھے ضبط نہ کر سکے تو سلمیٰ سعد رضی اللہ عنہا کی بیوی سے درخواست کی کہ اس وقت مجھ کو چھوڑ دو، لڑائی سے جیتا بچا تو پھر خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا، سلمیٰ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے لگی:

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا و اترك مشدودا علی و ناقیا

”اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیر میں

بندھا پڑا ہوں۔“

اذا قمت عنافي الحديد واغلفت مصاربع دونى تصم المناديا  
”جب میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے اور دروازے اس طرح  
سامنے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔“

ان اشعار سے سلمیٰ نے متاثر ہو کر ان کی بیڑیاں کاٹ دیں اور وہ سعد رضی اللہ عنہ کے  
گھوڑے پر سوار ہو کر دکتی ہوئی آگ میں کود پڑے اور ان لوگوں کو اپنی شجاعت و جانبازی  
سے متحیر کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ شام کو جنگ ختم ہوئی  
تو ابو بکرؓ نے خود آ کر بیڑیاں پہن لین، سلمیٰ نے یہ حالات سعد رضی اللہ عنہ سے بیان کیے تو  
انہوں نے کہا: ”خدا کی قسم میں ایسے فدائی اسلام کو سزا نہیں دے سکتا۔“ اور اسی وقت رہا  
کر دیا ابو بکرؓ پر بھی اس قدر دانی کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ شراب سے توبہ کر لی۔

تیسرے روز حسب معمول پھر معرکہ شروع ہوا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آج  
آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن شام ہو گئی اور جنگ کے زور و شور میں کچھ فرق نہ آیا۔  
زیادہ وقت ہاتھیوں کی وجہ سے تھی وہ جس طرف جھک پڑتے، صفیں کی نہیں درہم برہم کر  
دیتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قعقاع اور چند دوسرے بہادر سپاہیوں کو بلا کر کہا کہ تم  
ہاتھیوں کو مار لو تو پھر میدان تمہارے ہاتھ میں ہے، انہوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ  
اس حکم کی تعمیل کی اور زغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیوں کو مار ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود بخود  
بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہاتھیوں سے میدان صاف ہونا تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی  
فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب میں تیسرا نعرہ بلند کروں تو  
غنیم پر حملہ کر دیا جائے، لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہوا تھا کہ قعقاع رضی اللہ عنہ نے جوش سے  
بیجا ہوا کر حملہ کر دیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہم اغفر له و انصرہ یعنی اے خدا  
قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا، قعقاع رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ  
پڑے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہر قبیلے کے حملہ پر کہتے جاتے تھے کہ اے خدا اس کو معاف کرنا  
اور اس کا معین و مددگار رہنا، غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگام کارزار گرم رہا،

لیکن بالآخر مسلمانوں کے ثبات و استقلال نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں نامہ فتح روانہ کر کے مقتولین و مجروحین کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا، چونکہ وہ خود اس جنگ میں شریک نہ تھے اس لیے بعض سپاہیوں کو ان کی طرف سے بدگمانی تھی، چنانچہ ایک شاعر نے علانیہ اس خیال کو ظاہر کر دیا:

وقانت حتی انزل اللہ نصرہ وسعد بیاب القادسیہ معصم  
 ”میں نے جنگ کی یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی، حالانکہ سعد قادیسیہ کے  
 دروازے سے چٹھے رہے۔“

فابنا وقد آمت نساء کثیرة ونسوة سعد لیس فیہن ایم  
 ”ہم لوٹے تو بہت سی عورتیں بیوہ ہوئیں، حالانکہ سعد (رضی اللہ عنہ) کی بیویوں میں سے  
 کوئی بھی بیوہ نہ ہوئی۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے تمام فوج کو جمع کیا اور  
 ایک مفصل تقریر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی۔

عراق عرب پر عام لشکر کشی:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے معرکہ قادیسیہ کے بعد ۵ھ میں تمام عراق عرب کو زیرِ نگین  
 کر لینے کا تہیہ کر لیا، ایرانی باہل میں پناہ گزین تھے، اس لیے سب سے پہلے اسی طرف  
 بڑھے، انہوں نے خود عجمیوں پر اس قدر رعب بٹھا دیا کہ راہ میں بڑے بڑے سرداروں  
 نے پیشوائی کر کے صلح کر لی اور باہل تک موقع بموقع پل تیار کر دیئے، کہ اسلامی فوجیں  
 آسانی کے ساتھ گذر جائیں، باہل پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک ہی حملہ میں اس کو فتح  
 کر لیا اور خود یہاں قیام کر کے زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کر دیں، انہوں  
 نے کوٹی پہنچ کر دم لیا اور وہاں کے رئیس شہر یار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

کوئی ایک تاریخی جگہ تھی، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو عمرو نے یہیں قید کیا تھا، چنانچہ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بابل سے تشریف لائے تو ان کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی:

﴿تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾

کوئی سے آگے بڑھ کر پایہ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا، اس نام کی وجہ یہ تھی کہ یہاں خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لیے چھوڑا گیا، اس نے تڑپ کر اسلامی شیروں پر حملہ کیا، لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی نے جو ہراول کے افسر تھے، اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو گیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی اور انہوں نے ان کے قدم کو بوسہ دیا۔

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اسی اثناء میں متعدد ہولناک جنگیں ہوئیں، لیکن کچھ نہ ہو سکا، ایک روز خود ایرانی فوجیں تنگ آ کر جوش و خروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلیں اور دیر تک شجاعانہ لڑتی رہیں، اسی حالت میں ان کا سپہ سالار شہر بردار جو نہایت بہادر افسر تھا ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ عجمی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن (پایہ تخت عراق) کے درمیان صرف دجلہ حائل تھا، ایرانیوں نے مسلمانوں کے خوف سے جہاں جہاں پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے، لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اولوالعزلی کے آگے دنیا کی کون سی چیز حائل ہو سکتی تھی؟ انہوں نے اہل فوج کو مخاطب کر کے کہا: ”برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے، آؤ اس کو بھی تیر جائیں تو پھر مطلع صاف ہے۔“ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا، سپہ سالار اعظم کی جانبازی دیکھ کر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈال دیئے اور باہم باتیں کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے، ایرانی اس عجیب و غریب جوش و استقلال کا منظر دیکھ کر ”دیو آمدند“ کہتے ہوئے بھاگے، تاہم سپہ سالار خود

تھوڑی سی فوج کے ساتھ جمارہا اور دریا سے نکلنے پر مزامم ہوا، لیکن مسلمانوں نے اس کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، اور مدائن پہنچ کر شاہی محلات پر قبضہ کر لیا، یزدگرد شاہ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا، البتہ تمام اسباب و سامان موجود تھا، جو بجنہ مدسہ روانہ کیا گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جس وقت مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا، نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے یہ آیتیں نکلیں:

﴿ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنْبِ وَ غِيُونٍ وَ زُرُوعٍ وَ مَقَامٍ كَرِيمٍ وَ نَعْمَةً كَانُوا فِيهَا فَكَيْفَ هِنَ كَذَلِكَ وَ أَوْزَنُهَا قَوْمًا آخِرِينَ ﴾ (دخان ع ۲)

” (اگلی قومیں) کس قدر باغ، چشے، کھیتیاں اور طرح طرح کی نعمتیں، عمدہ عمدہ محلات چھوڑ کر چل بسیں جس میں خوش باش زندگی بسر کرتی تھی اور ہم نے ان چیزوں کا مالک دوسری قوموں کو بنا دیا۔“

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراق عرب پر تسلط قائم ہو گیا، بڑے بڑے رؤساء اور جاگیرداروں نے سپردال کر صلح کر لی، اور تمام ملک میں امن و امان کی منادی ہو گئی، جو لوگ گھربار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آ گئے اور حاکم و محکوم میں اس قدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم ازواج و مناکحت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

عراق عرب کے مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اہتمام سے جلولا، اور نکریب پر فوج کشی ہوئی اور نہایت کامیابی و فیروز مندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھریرا نصب کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ ”دولت و حکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے، کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سد سکندی حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے، غرض سردست اسی پر اکتفا کر کے ممالک مفتوحہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لو۔“

امارت:

اس فرمان کے مطابق حضرت سعد کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور وہ



والی ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم و نسق میں مصروف ہو گئے، اصل یہ کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اس قدر مشکل ہے جس قدر کسی ملک کو فتح کرنا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونوں مشکلات پر غالب آ گئے، انہوں نے جس خوبی و عمدگی کے ساتھ اپنے عہدہ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے، اس سے زیادہ اس زمانہ میں ممکن نہیں تھا اور بارِ خلافت کے ایما سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، اراضی مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا، البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا، اس کا پھر نئے سرے سے بندوبست کیا، اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن و آسائش کا انتظام کیا، عجمیوں کے ساتھ اس قدر خلق و شفقت سے پیش آئے کہ ان کے دل پر قبضہ کر لیا، چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء اسی اثر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے، جمیل ابن بصرہ، بطام بن زری، رئیل اور فیروز وغیرہ جو عراق کے مشہور رؤساء تھے خود بخود مسلمان ہو گئے، اسی طرح دیلم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

تعمیر کعبہ:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک مدائن میں قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہاں کی آب و ہوائی اہل عرب کا رنگ و روپ بالکل بدل دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے مطلع کیا گیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں اور عربی قبائل کو آباد کر کے اس کو مرکز حکومت قرار دیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزوں جگہ منتخب کر کے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی، عرب کے جدا جدا قبیلوں کو جدا جدا محلوں میں آباد کیا، وسط شہر میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی، جس میں تقریباً چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی، مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر کرایا جو قصر سعد کے نام سے مشہور تھا۔

کچھ دنوں کے بیت المال میں چوری ہو گئی، حضرت سعدؓ نے اس کی رپورٹ دار الخلافہ میں بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تاکہ ہر وقت نمازیوں کی آمد و رفت سے خزانہ محفوظ رہے، چنانچہ انہوں نے روز بہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی، اس نے نہایت خوبی و موزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا، حضرت سعدؓ نے اس کا ریگری کی بڑی قدر کی اور خوش ہو کر اس کو دار الخلافہ بھیج دیا، جہاں ہمیشہ کے لیے اس کا روزینہ مقرر ہو گیا۔

حضرت سعدؓ کا قصر چونکہ وسط بازار میں تھا، اس لیے شور و شغب کے ساتھ باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا، انہوں نے اس سے بچنے کے لیے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی اور اس میں پھانک لگوایا، بارگاہِ خلافت میں اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ اہل حاجت کے لیے یہ سدا رہ نہ ہو جائے، حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس میں آگ لگا دیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعدؓ وقاصؓ اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھا کیے۔

### متفرق انتظامات:

کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی، جہاں تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے، ان کو علی قدر مراتب تنخواہیں دی جاتی تھیں، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے، جو امراء الاعشار کہلاتے تھے، تنخواہیں ان کو دی جاتی تھیں اور وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو تقسیم کر دیتے تھے، ایک دفعہ امراء اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی، اور اس کی وجہ سے فوج میں برہمی کے آثار نمایاں ہوئے، حضرت سعدؓ نے فوراً دربارِ خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور فرمانِ خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کیے، اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیوں پر ایک افسر متعین کیا۔

شام کی اسلامی فوجوں نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیوں کی مدد کے لیے روانہ ہوئے، لیکن حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے جو ملک کے اندرونی و سرحدی واقعات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گراں بھیج کر ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔

۲۱ھ میں ایرانیوں نے عراق عجم میں نہایت عظیم الشان جنگی تیاریاں کیں اور مسلمانوں کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تیاریوں کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزوں میں اسلامی فوج کو بھیج کر آراستہ کرنے کے احکام صادر کیے، کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے یہاں نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریاں شروع کیں اور دربار خلافت کے ایماء سے نعمان بن مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی میں افسر مال تھے اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا، لیکن یہاں ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو قصد جنگ سے جی چراتی تھی، اور کہتی تھی کہ بصرہ والوں نے خواہ مخواہ فارس پر حملہ کر کے یہ لڑائی مول لی ہے، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خلافت میں ان لوگوں کی شکایت لکھی تو ان میں سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیوں کو ان سے شدید عداوت پیدا ہو گئی اور انہوں نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی، کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے، ظاہر ہے کہ حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم رفع حجت کے خیال سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لیے روانہ فرمایا، انہوں نے کوفہ کی ایک مسجد میں گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تکذیب کی اور لغو بتایا، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تحقیقات سے فارغ ہو کر دونوں فریق کو ساتھ لے ہوئے مدینہ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا: "سعد (رضی اللہ عنہ)! تم کیسی نماز پڑھتے ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور دونوں آخری میں صرف فاتحہ پراکتفا کرتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

نے فرمایا: ”بے شک تمہاری نیست یہی گمان ہو سکتا ہے۔“<sup>۱</sup>

معزولی:

گو الزام بے بنیاد ثابت ہوا، تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا، چنانچہ حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ جن کو اپنا جانشین بنا آئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان ہی کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی۔<sup>۲</sup>

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر اس بیہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا، فرمایا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر اندازی کی ہے، ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑے تھے، لیکن خدا کی شان آج یہ بناوہ پیدا ہوئے ہیں جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا۔<sup>۳</sup>

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سفارش:

۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی، حالت نزع میں لوگوں نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے اس منصب کے لیے چھ آدمیوں کے نام پیش کیے، ان میں ایک حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر خلافت کے لیے منتخب ہو سکیں تو جو منتخب ہو اسے چاہئے کہ ان کی خلافت سے فائدہ اٹھائے کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہیں کیا تھا۔

دوبارہ تقرری:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تجویز و تکلیف کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

سر پر دستارِ خلافت باندھی اور انہوں نے حسب وصیت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس تقرری کے تین سال بعد یعنی ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مہتمم بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے کے باعث پھر معزول ہو گئے۔<sup>۱</sup>  
دورِ فتنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی گوشہ نشینی:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ میں عزت نشینی اختیار کر لی، یہاں تک کہ جب خلیفہ ثالث کے آخری عہد حکومت میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری میں مغل نہ ہوا، البتہ جب مفسدین نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ جب ظلم و زور بی بیہوشی کے مقابلہ میں اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگوں نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے معذرت کی اور کہا ”مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھتے“۔<sup>۲</sup>

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعد رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آ کر کہا ”کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ بادشاہت و حکومت کے لیے اپنی اپنی قسمت آزمائیں“۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: ”خاموش میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے“۔<sup>۳</sup>

جناب مرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے

۱ استیعاب جلد ۲ تذکرہ سعد رضی اللہ عنہ

۲ ابن سعد جزو ۲ قسم اول ترجمہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۳ اسد الغابہ تذکرہ سعد رضی اللہ عنہ میں اجمالاً اس کا ذکر ہے۔

جب پنچایت مقرر ہوئی تو حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ بھی اس خوشی میں کہ اب خانہ جنگیوں اور خونریزیوں کا خاتمہ ہو جائے گا فیصلہ سننے کے لیے دومۃ الجندل تشریف لائے لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزت کدہ میں واپس آ گئے اور تمام جھگڑوں سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے۔

### وفات:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں اپنے لیے ایک قصر تعمیر کرایا تھا چنانچہ عزت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی آخر عمر میں قوی مضحل ہو گئے تھے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی تھی یہاں تک کہ ۵۵ھ میں طائر روح نے باغ رضوان کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لیے اس نفسِ عنصری کو خیر باد کہا! حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ جنگ میں جو اونی کپڑا میرے جسم پر تھا اس سے کفن کا کام لیا جائے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور لاش مدینہ لائی گئی۔ بعض امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اس وقت زندہ تھیں انہوں نے حکم دیا کہ اس جاں نثار رسول اللہ ﷺ کا جنازہ مسجد میں لایا جائے چنانچہ مسجد میں ان کے حجروں کے سامنے نماز ادا کی گئی امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی نماز میں شریک تھیں کسی نے مسجد میں نماز جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”لوگ کس قدر جلد بھول گئے! کیا رسول اللہ ﷺ نے ہبل بن البیہاء رضی اللہ عنہ پر مسجد میں نماز نہیں پڑھائی تھی؟“

غرض اس تزک و احتشام کے ساتھ مقام بقیع میں مدفون ہوئے۔ ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور اس عرصہ میں اپنے عظیم الشان کارناموں کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے اندر قیامت تک فخر و مباہات کے علاوہ ان پر رطب اللسان رہیں گے۔

### علم و فضل:

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے

۱ طبقات ابن سعد جزء سادس ۲ اسد الغابہ تذکرہ سعد رضی اللہ عنہ

۳ ابن سعد جزء ۳ قسم اول تذکرہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

تھے کہ جب سعد (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھو۔

رسول اللہ ﷺ سے تحصیل علم میں کبھی پیش و پیش یا شرم و حجاب دامگیر نہ ہوتا تھا، ایک دفعہ بارگاہِ نبوت میں حاضر تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک جماعت کو کچھ عظیمیہ مرحمت فرمائے، لیکن اس میں سے ایک شخص کو محرم رکھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس محرومی پر سخت تعجب ہوا، عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) میرا خیال ہے کہ وہ بھی مومن ہے، ارشاد ہوا ”مومن یا مسلم“ لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تشفی نہ ہوئی، انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا، آنحضرت ﷺ نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا، عرض حضرت سعد نے مکرر یہ کہ اس سوال کو جاری رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر تشفی کر دی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عظیمیہ دیتا ہوں وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

### اخلاق و عادات:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مصحف اخلاق میں خشیتِ الہی، حبِ رسول، تقویٰ، زہد، بے نیازی، اور خاکساری سب سے روشن ابواب ہیں، خوفِ خدا اور عبادتِ گزاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے اخیر حصے میں مسجدِ نبوی ﷺ میں آ کر نماز پڑھا کرتے تھے، طبیعت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی، لیکن اسلام میں ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور تھے چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عثمان بن مظعون (رضی اللہ عنہ) کو رسول اللہ ﷺ نے رہبانیت اور تجمل سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کو اختیار کر لیتا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت و جاں نثاری کا صرف اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً تمام غزوات میں ہر کام رہے، غزوہٴ احد میں جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پریشانی اور گھبراہٹ میں منتشر ہو گئے تو اس وقت تھوڑی دیر تک تنہا انہوں نے

۱ بخاری کتاب الایمان باب اذالم یکن الاسلام

۲ مسند ابن فضال جلد ۱ ص ۱۷۰ ج ایضاً ص ۱۷۵

اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے خیر الانام ﷺ کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا، سفر میں عموماً خود شوق سے رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے گرد رات بھر پہرا دیتے تھے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لارہے تھے رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا، آنحضرت ﷺ دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کہ کاش میرے اصحاب میں سے کوئی مرد صالح آج پہرہ دیتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے میں آئی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ عرض کی سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) ارشاد ہوا: ”تم کیسے آئے؟“۔ عرض کی: ”خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنا چاہیے۔“ اس فرض کو انجام دینے آیا ہوں، آنحضرت ﷺ اس جاں نثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی۔<sup>۱</sup>

عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھائی تھا، اس نے حالت کفر میں غزوہ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کا روئے مبارک زخمی کیا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”واللہ میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا۔“

اتباع سنت اور رسول اللہ ﷺ کے اعمال و احکام کی کامل پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اہل کوفہ نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے تو فرمانے لگے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے سر مو انحراف نہیں کرتا۔<sup>۲</sup>

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق میں تھا، تشریف لے جا رہے تھے، راہ میں ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا، اس لیے انہوں نے اس کے اوزار چھین لیے، غلام کے مالک نے آ کر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے: ”معاذ اللہ میں رسول اللہ ﷺ کی بخشش کو واپس کر دوں گا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کر دیا۔“<sup>۳</sup>

۱۔ مسلم مناقب سعد رضی اللہ عنہ ج ۲ بخاری باب صیۃ الصلوٰۃ

۲۔ مسلم باب فضل المدینہ



زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی، اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑوں کے متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا۔“

تواضع اور خاکساری کا صرف اس سے اندازہ ہوگا کہ سپہ سالاری اور گورنری کے بعد بھی جب کہ کسرئی کے وارثوں نے اپنا عظیم الشان محل ان کے لیے خالی کر دیا تھا، ان کو اونٹ اور بکریاں تک چرانے میں عار نہ تھا، اس کی اطاعت کا یہ حال تھا کہ گھر میں آگ لگائی گئی وہ خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھتے رہے۔

### ذریعہ معاش و جاگیر:

ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جان بازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ مادی حیثیت سے بھی اپنے فداؤوں کی عسرت و تنگ حالی کو دولت و ثروت سے مبدل کر دیا، خیبر کی مفتوحہ اراضی میں جاگیر ملی، ایران کے مالِ غنیمت میں حصہ ملا، اسی طرح دورِ فتنہ و فساد میں ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا، غرض اخیر زندگی میں ایک بڑی دولت کے مالک ہوئے، کوفہ میں اور مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں عالی شان محلات تعمیر کرائے مگر باوجود اس کے غذا و لباس کی سادگی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔

### حلیہ:

حلیہ یہ تھا قد بلند و بالا، جسم فریبناک، چینی سریز اور ہاتھ لی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط۔

## ازواج:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں:

(۱) بنت الشہاب (۲) بنت قیس بن معدی کرب (۳) ام عامر بنت عمرو (۴) زیدہ (۵)  
 ام بلال بنت ربیع (۶) ام حکیم بنت قارظ (۷) سلمیٰ بنت حفص (۸) ظبیہ بنت عامر (۹)  
 ام حجر۔

## اولاد:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے چونتیس اولادیں تھیں ان میں سے لڑکے سترہ تھے، لڑکیاں  
 بھی اس قدر تھیں، سب کے نام حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔

## لڑکے:

(۱) اسحاق اکبر (۲) عمر (۳) محمد (۴) عامر (۵) اسحاق اصغر (۶) اسماعیل  
 (۷) ابراہیم (۸) موسیٰ (۹) عبداللہ (۱۰) عبداللہ اصغر (۱۱) عبدالرحمن (۱۲) عمیر اکبر  
 (۱۳) عمیر الاصغر (۱۴) عمرو (۱۵) عمران (۱۶) صالح (۱۷) عثمان۔

## لڑکیاں:

(۱) ام الحکیم کبریٰ (۲) حفصہ (۳) ام القاسم (۴) کلثوم (۵) ام عمران (۶) ام  
 الحکیم صغریٰ (۷) ام عمرو (۸) ہند (۹) ام الزبیر (۱۰) ام موسیٰ (۱۱) حمنہ (۱۲) ام عمر  
 (۱۳) ام ایوب (۱۴) ام اسحاق (۱۵) رملہ (۱۶) عمرہ (۱۷) عائشہ۔



## حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

نام، نسب، خاندان:

عامر نام ابو عبیدہ کنیت، امین الامۃ لقب، گو والد کا نام عبد اللہ تھا، لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے، سلسلہ نسب یہ ہے عامر بن عبد اللہ بن الجراح ابن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن الحارث بن القہر القرشی القہری، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔

ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحاب سیر کی تحقیق کے مطابق مسلمان ہوئیں۔

اسلام:

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ ﷺ حضرت ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت:

اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم و ستم سے دوم تہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے، یہاں رسول اللہ ﷺ نے ان میں اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ میں باہم بھائی چارہ کرا دیا۔

غزوات:

مشرکین قریش نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چھین سے بیٹھنے نہ دیا، اور

مہارزت طلبی کر کے میدان جنگ کی دعوت دی چنانچہ غزوہ بدر اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شجاعت و جانبازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرم پیکار ہوئے ان کے والد عبداللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے انہوں نے تاک تاک کر خود اپنے لخت جگر کو نشانہ بنانا چاہا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوش تو حیدر نسبی تعلق پر غالب آ گیا اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفگی کی نہایت جلی مثال تھی جس میں ماں باپ بھائی بہن غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی:

﴿ لَا تَسْجُدْ قَوْمًا يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَنَاهُمْ بِرُوحٍ مُنْتَهٰ ﴿٣٤﴾ (سورہ مجادلہ رکوع ۳) ۱

”تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت رکھتے ہوں گے گو وہ ان کے باپ بیٹے بھائی یا ان کے کنبہ کے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضانِ غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔“

غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں چھ گئیں تھیں جس سے سخت تکلیف ہوئی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا اگرچہ ان کڑیوں نے نکتے نکتے ان کے دو دانت شہید کر دیئے لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری میں دو دانت کیا جان بھی نثار ہو جاتی تو پرواہ نہ تھی۔ ۲

غزوہ خندق اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرم پیکار تھے پھر ۶ھ میں جب

قبیلہ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطرافِ مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہِ رسالت سے ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے چنانچہ انہوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص کو گرفتار کر کے لے آئے جس نے مدینہ پہنچ کر بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا۔

اسی سال بیعت رضوان میں شریک ہوئے بلکہ مقام حدیبیہ میں قریش مکہ سے جو عہد نامہ طے پایا اس پر ان کی شہادت بھی تھی۔ پھر ۷ھ میں خیبر کی فتح کئی میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہوئے اور اس کی فتح میں شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا ان مہمات سے فارغ ہو کر سرور کائنات ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیت کے ساتھ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے انہوں نے دربار رسالت سے کمک طلب کی آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیر امارت دو سو جنگی بہادر روانہ فرمائے اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس شرفِ گرامی کا استحقاق نہ تھا تاہم ان کی ضد اور اصرار سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اطاعت کا طوق خود اپنے گلے میں ڈال لیا اور نہایت کامیابی کے ساتھ حملہ کر کے غنیمتِ بزرگ کر دیا۔

رجب ۷ھ میں ایک دوسری مہم خود حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کی گئی تاکہ قریشی قافلوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں اور سامانِ رسد میں صرف کھجوریں ساتھ کر دی گئیں یہاں تک کہ جب یہ سرمایہ ختم ہونے لگا تو چند دنوں

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۴، ۵، ۶ ص ۲۹۸

۲ ایضاً ج ایضاً ص ۹۵

تک صرف ایک ایک کھجور پر قناعت کرنا پڑی، لیکن خدائے پاک نے بہت جلد یہ مصیبت دور کر دی اور سمندر کے کنارے ایک عظیم الشان مچھلی مل گئی کہ مجاہدین نے غرصہ تک اس پر گذر اوقات کی اور کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔<sup>۱</sup>

اسی سال مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کی جنگیں پیش آئیں، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تمام معرکوں میں کابازی کے ساتھ پیش پیش رہے۔

### متفرق خدمات:

جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بعض دوسری اہم خدمتیں بھی سپرد ہوئیں، مثلاً ۹ھ میں اہل نجران نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر ایک معلم دین کی درخواست کی جو مذہبی تعلیم و تلقین کے سوا ان کے جھگڑوں کو بھی فیصل کرے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ابو عبیدہ اٹھ“ جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”یہ امت کا امین ہے، اس کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔“<sup>۲</sup>

آنحضرت ﷺ نے اہل بحرین سے مصالحت کر لی تھی، اور علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے، جب لے کر مدینہ پہنچے تو اس روز نماز صبح میں انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا، آنحضرت ﷺ نے متبسم ہو کر فرمایا شاید تم لوگوں کو ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے، لوگوں نے عرض کی: ”ہاں یا رسول اللہ ﷺ!“ سرور عالم ﷺ نے فرمایا بشارت ہو کہ آج تمہیں خوش کر دوں گا، لیکن خدا کی قسم میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے ڈر ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمہارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائے گی، اور جس طرح ان کو منافست باہمی اور حسد و طمع سے ہلاک کر دیا ہے، تمہیں بھی ہلاک کرے گی۔“<sup>۳</sup>

۱ بخاری کتاب المغازی باب غزوة سيف البحر ۲ بخاری قصہ اہل نجران

۳ بخاری کتاب الرقاق باب ما سخر من زهرة الدنيا

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہمراہ تھے، اس سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا، لیکن صلحائے امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہو گیا، اس آتش خرمن سوز کے بجھانے میں امین امت کی کوششیں بھی کسی سے کم نہ تھیں، چنانچہ انہوں نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

يا معشر الانصار انکم کتم اول من نصر فلا تکنوا اول من غیرہ

”اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اس لیے تم ہی سب سے پہلے افتراق و اختلاف کے بانی ہو جاؤ۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود ان کے نام کو پیش کر کے فرمایا، دیکھو یہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ موجود ہیں، جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ ان کی ذات سے خدا نے دین کو معزز کیا ہے، یہ دیکھو ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ موجود ہیں، جن کو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو، لیکن ان دونوں بزرگوں نے بالاتفاق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے انکار کیا، اور بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کر لی، اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور فتنہ کا ابر تار یک افق اسلام سے چھٹ گیا۔

شام کی سپہ سالاری:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ میں ملک شام پر کئی طرف سے سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق پر، شرمیل کو اردن پر، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین پر مامور کیا، اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں، تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار عام ہوں گے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے، تو کثیر التعداد رومی

فوجوں کا سامنا ہوا یہ دیکھ کر انہوں نے تمام اسلامی فوجوں کو یکجا کر لیا اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیدار مغزی اور حسن تدبیر کے ساتھ فصیل پھاند گئے اور شہر میں داخل ہو کر دروازے کھول دیئے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے فوراً اندر گھس گئے عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھا تو مصلحت اندیشی کے ساتھ اسلامی سپہ سالار اعظم سے مصالحت کر لی اور مشورہ حصہ کو بھی صلح میں رکھا اور اس پر صلح کے شرائط جاری کئے۔

معرکہ نخل:

دمشق فتح کر کے اسلامی فوجیں آگے بڑھیں اور مقام نخل میں خیمہ اُٹھان ہوئیں رومیوں کا پڑاؤ نخل کے سامنے مقام بیسان میں تھا انہوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت و شنید کے لیے ایک سفیر بلا لیا چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس عہدہ پر مامور ہوئے لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور رومیوں نے براہ راست حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے کے لیے قاصد بھیجا جس وقت وہ پہنچا تو یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ یہاں ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور افسری اور ماتحتی کی کوئی تمیز نظر نہیں آتی آخر اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اس نے متعجب ہو کر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ فرمایا: ”ہاں!“ قاصد نے کہا: ”تمہاری فوج کو دو اشرفیاں فی کس دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ“ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا اور قاصد کے تیور دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک ایک صف میں جا کر کہتے تھے:

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصابرين.

”خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ خود قلب نوح میں تھے اور دانشمندی کے ساتھ سب کو لڑا



رہے تھے یہاں تک کہ مسلمانوں کی قلیل تعداد نے رومیوں کی پچاس ہزار باقاعدہ فوج کو شکست دے دی اور ضلع اردن کے تمام مقامات فرزند ان توحید کے زیر نگیں ہو گئے۔

### فتح حمص:

یہاں سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا، اہل حمص کچھ عرصہ تک کمک کی امید پر مدافعت کرتے رہے، لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو انہوں نے خود بخود شہر حوالہ کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہاں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر لاذقیہ کا رخ کیا اور راہ میں شیرز حماة معرۃ النعمان اور دوسرے مقامات میں اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے منزل مقصود پر دم لیا۔ لاذقیہ نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی، یعنی میدان میں بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے اس کو تائید غیبی خیال کیا اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہو گئے، لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اسی رات کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر غاروں میں چھپ رہے تھے صبح کے وقت نکل کر دفعۃً شہر میں گھس گئے اور آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کر دیا۔<sup>۱</sup>

یرموک کی فیصلہ کن جنگ:

رومیوں کی موثر ہزیمتوں نے ان کے آتش غیظ و غضب کو بجھا دیا اور ہر قل شہنشاہ روم کی دعوت پر تمام اطراف ملک سے مڈی دل فوج مجتمع ہو گئی، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خود شامی امراء اور رؤساء نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے ان کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے، تمام واقعات کی اطلاع دی انہوں نے اچھی طرح سے غنیم کی تیاریوں کی تحقیقات کر کے اپنے ماتحت فسروں کو جمع کیا اور ایک پر جوش تقریر کے بعد اس مہیب سیلاب کو روکنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میری رائے یہ ہے کہ

عورتوں اور بچوں کو شہر میں چھوڑ کر ہم لوگ مقابلہ کے لیے نکلیں، اس کے ساتھ خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدینہ آئیں۔ شریحیل بن حسنہؓ نے کہا: ”یزید کی رائے یقیناً مخلصانہ ہے، لیکن ہم کو اپنا ننگ و ناموس شہر کے عیسائی باشندوں کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہئے۔“ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا، تم پھر سردست اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر بدر کر دیں، شریحیلؓ نے اٹھ کر کہا، اے امیر یہ صریحاً تقض عہد ہوگا تجھ کو ہرگز اس کا حق نہیں ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لی، اور بالآخر بحث و مباحثہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ مفتوحہ ممالک چھوڑ کر تمام فوجیں دمشق میں جمع ہوں، غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے عیسائیوں سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا واپس کر دیا اور فرمایا یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا، لیکن جب ہم سردست اس سے عاجز ہیں تو پھر ہم کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ رقم جو وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی گئی، عیسائیوں پر اس قدر حق پسندی و انصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ ”خدا تم کو پھر واپس لائے۔“

دمشق میں جب اسلامی فوجیں مجتمع ہو گئیں تو حضرت ابو عبیدہؓ نے آگے بڑھ کر یرموک کے میدان میں (جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا) مورچہ جمایا، اسی اثناء میں اردن سے حضرت عمرو بن العاصؓ کا خط پہنچا کہ آپ کی معاودت نے اس علاقہ پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت و شورش پھیل گئی ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب میں لکھا کہ ہم کو مصلحت یہ پیچھے ہٹنا پڑتا کہ تمام منتشر قوت جمع ہو جائے، بہر حال تم اپنی جگہ جسے رہو، میں عنقریب آ کر تم سے ملتا ہوں۔

مسلمانوں کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیوں کی ہمت بڑھ گئی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچ کر مسلمانوں کا مقابلہ میں خیمہ زن ہوئے، تاہم جو عربی کھوار کا مزہ کچھ چکے تھے وہ دل سے صلح کے متمنی تھے، سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی،

غرض جارج نامی ایک رومی قاصد اسلامی لشکر گاہ میں پہنچا کہ کسی مسلمان سفیر کو ساتھ لے جائے اس وقت شام ہو چکی تھی ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی مسلمانوں کے مؤثر طریقہ عبادت خشوع و خضوع اور محویت و استغراق نے اس پر عجیب و غریب کیفیت طاری کی وہ استعجاب سے دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے سوالات کیے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

﴿يَنَاضِلُ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ﴾ (نساء ع ۲۳)

”اے اہل کتاب! اپنے دین میں زیادہ غلو نہ کرو اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط بات نہ منسوب کرو حقیقت میں مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے ان کی طرف ڈال دیا تھا۔“

﴿لَنْ يَسْتَكْبِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ﴾ (نساء ع ۲۳)

”مسیح بن مریم اور ملائکہ مقررین کو خدا کی بندگی میں عار نہیں ہے۔“

جارج نے ان آیتوں کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا بے شک عیسیٰ علیہ السلام کے یہی اوصاف ہیں اور درحقیقت تمہارا پیغمبر سچا ہے یہ کہہ کر بطیب خاطر مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم میں واپس جانا نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہاں سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔

غرض دوسرے روز حضرت خالد رضی اللہ عنہ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ دونوں فریق اور بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو گئے کیونکہ مسلمانوں کی صرف دو شرطیں تھیں جو ہر موقع پر پیش کی جاتی تھیں اور اس میں تغیر و تبدل قطعاً ناممکن تھا یعنی ”اسلام“ یا ”جزیہ“ دوسری طرف رومی جو اپنی

طبری کے نزدیک جارج خالد رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے اسلام لایا۔

شہنشاہی کے نشہ میں سرشار تھے ایسی شرائط کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، بہر حال جنگ شروع ہوئی اور گو مسلمان تعداد میں صرف تیس تیس ہزار تھے تاہم افسران فوج کی دانش مندی فن سپہ گری کی واقفیت اور خود سپاہیوں کے غیر معمولی جوش نے غنیم کے پاؤں اکھاڑ دیئے، اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی کھیت رہے، مسلمان بھی کم و بیش تین ہزار شہید ہوئے، جن میں ضرار بن ازور، ہشام بن العاص ابن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے۔

فتح یرموک کے بعد تمام ملک شام میں مسلمانوں کے خیر مقدم کے لیے تیار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حمص پہنچ کر حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو قسریں روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے، یہ دونوں مقامات آسانی کے ساتھ مفتوح ہو گئے، چند دنوں کے بعد اہل اطحا کیے نے بھی سپر ڈال دی، غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا۔

بیت المقدس:

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی، چنانچہ وہ بڑے بڑے شہر فتح کر کے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آٹے عیسائیوں نے ایک عرصہ کی قلعہ بندی سے تنگ آ کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لیے یہ شرط لگائی کہ امیر المومنین خود یہاں آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ صلح لکھیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس شرط سے مطلع کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہو کر مقام جابہ پہنچے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بیت المقدس کے نمائندے بھی یہیں پہنچے اور معاہدہ صلح ترتیب پانے کے بعد اس مقدس شہر پر قبضہ ہو گیا۔

رومیوں کی آخری کوشش:

شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کا ہاتھ سے نکل جانا رومیوں کے لیے سخت سواہن روح تھا، انہوں نے جزیرہ اور آرمینیا والوں کی امداد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی

اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ محض کی طرف بڑھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ادھر سے فوجیں جمع کیں اور دربار خلافت کو تمام واقعات سے مطلع کیا۔ چنانچہ امیر المؤمنین کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچی مگنی اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس عظیم الشان قوت کے ساتھ رومی سیلاب کو روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ میدان جنگ میں پہنچ کر باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پر جوش و موثر تقریر کے بعد فرمایا: "مسلمانو! آج جو بات قدم رہ گیا اور اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی" میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا"۔ اس زمانہ میں اسلام کا ہر ایک فرزند جوش ملی اور غیرت دینی کا جسم پٹا تھا اس تقریر نے اور بھی گرمایا دیا۔ فرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑے گئے اور مرج الد بیاج تک بھاگتے چلے گئے اس طرح رومیوں کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور پھر انہیں کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

امارت:

حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے لیکن کچھ عرصے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے یہ عہدہ بھی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو تفویض کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ دمشق سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے لوگوں سے کہا "تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ امن امت تمہارا والی ہے"۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ "خالد رضی اللہ عنہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے" فرض اس لطف و محبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا چارج لینے کے بعد مکلی انتظامات میں مصروف ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام میں جو لطف املا میں جاری کیں ان میں سے اکثر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں۔ ۱۹ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو نہایت سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ لے کر لے

ہوئے بھیجے! اشاعتِ اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا، چنانچہ قبیلہ تنوخ، بنو سلج اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام میں آباد ہو گئے تھے اور عیسائی مذہب کے پیرو تھے، صرف ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔

طاعونِ عمواس:

۱۸ھ میں تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی خصوصاً شام میں اس نے بہت نقصان پہنچایا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود مدینہ و انتظام کے لیے دار الخلافہ چھوڑ کر مقام سرخ پہنچے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سرداروں نے یہاں استقبال کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شدت کی کیفیت سن کر پہلے مہاجرین اور پھر انصار سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف رائیں دیں، اس کے بعد مہاجرین فتح سے جو عموماً قریش کے بوڑھے تجربہ کار لوگ تھے مشورہ چاہا، انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ سردست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا مناسب ہوگا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرادی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا، سب ساتھ چلیں، چونکہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے، اس لیے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا اور آزاری کے ساتھ کہا "افرار امن قدر اللہ" یعنی تقدیر الہی سے بھاگتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ عموماً حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے، اس لیے انہوں نے کہا: "کاش! تمہارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا، ہاں تقدیر الہی سے بھاگتا ہوں لیکن تقدیر الہی کی طرف"۔<sup>۱</sup>

غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آئے اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر بلایا کہ کچھ دنوں کے لیے یہاں چلے آؤ، تم سے کچھ کام ہے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقدمہ ہے وہ ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے

لیے یہاں سے نکل نہیں سکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح نکلنے کا نام نہیں لیتے تو پھر بتا کید لکھا کہ فوج کو لے کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جاؤ، اس وقت جہاں پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیمی اور مرطوب جگہ ہے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے انتخاب پر جا بیٹھ گئے۔

جا بیٹھ کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ طاعون میں مبتلا ہوئے، جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی، تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جو ان کے اسلامی بھائی تھے اپنا جانشین کیا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت مؤثر تقریر کی آخر میں فرمایا: ”صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبی کریم ﷺ کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحاء روزگار اس میں جاں بحق ہو گئے ہیں اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے خدا سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے۔“

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضائے الہی یعنی ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ امین الامت نے داعی حق کو لبیک کہا، حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے تجھیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک مؤثر پرورد تقریر کے بعد کہا ”صاحبو! آج تم سے ایک شخص ایسا اٹھ گیا کہ خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، سیر چشم، عاقبت اندیش، باحیا اور خیر خواہ خلق کبھی نہیں دیکھا، پس خدا سے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرو۔“

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اٹھاؤں برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ میں اپنے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دکھا کر ۱۸ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اخلاق و عادات:

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق میں خدا ترسی، اتباع سنت، تقویٰ، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہیں۔

خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لیے سرمایہ عبرت بن جاتے اور اکثر خدا کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے چشم پر نم ہو جاتے تھے ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زار و قطار رو رہے ہیں اس نے متعجب ہو کر پوچھا ”ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) خیر ہے؟ یہ رونانا دھونا کیا؟“ کہنے لگے ”ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے آئندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا ’ابوعبیدہ! اگر اس وقت تک تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لیے صرف تین خادم کافی ہوں گے ایک خاص تمہاری ذات کے لیے ایک تمہارے اہل و عیال کے لیے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لیے اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں ایک تمہارے لیے ایک غلام کے لیے اور ایک اسباب و سامان کے لیے لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطلب کے گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے آہ! میں رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو گا جو اسی حال میں ملے گا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔“

ہادی دین ﷺ کی اطاعت و محبت اور خدمت گزاری میں امین امت سے زیادہ کون پیش پیش رہتا؟ واقعہ بدر میں باپ کو قتل کیا رسول برحق ﷺ کی راحت رسانی کے لیے دو دانت شہید کیے۔ غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوا تو صرف اس لیے طوق اطاعت گلے میں ڈال لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ میں تمہاری اطاعت نہیں کرتا بلکہ فرمانِ رسول اللہ ﷺ پر گردن جھکاتا ہوں۔“

امین امت رضی اللہ عنہ کا آخری لمحہ حیات بھی اطاعتِ رسول میں گذرا شام میں طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگوں کے پاؤں ڈگمگائے لیکن انہوں نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زہد و بے نیازی کے بادشاہ تھے ان کی نظر میں دنیا اور اس کی



نعتیں ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھیں، شام کی آب و ہوا نے بڑے بڑے صحابہ کے طرز معاشرت کو بدل دیا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفر شام کے موقع پر افسروں کو پر تکلف قبائیں، اور زرق برق پوشاک پہنے دیکھا تو اس قدر غصہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں، لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جس حال میں ملے وہ وہی عرب کی سادگی تھی، بدن پر سادہ کپڑے اور سواری میں اونٹنی جس کی تکمیل بھی معمولی رسی کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی تھی، یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامانِ راحت نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ابو عبیدہ! کاش تم ضروری سامان تو فراہم کر لیتے“ اس بے نیاز عالم نے جواب دیا ”امیر المؤمنین! ہمارے لیے بس یہی ہے“۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے، انہوں نے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور اپنے لیے ایک حبہ بھی نہ رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا ”الحمد للہ! کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں“۔

امین امت رضی اللہ عنہ کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہو گا کہ انہوں نے باوجود سپہ سالارِ اعظم ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سردار نہ رکھا، رومی سفراء جب کبھی اسلامی لشکر گاہ میں آئے تو انہیں ہمیشہ سردار فوج کی شناخت میں دقت پیش آئی، ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا، وہ یہ دیکھ کر متحیر ہو گیا کہ یہاں سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، بالآخر اس نے گھبرا کر پوچھا تھا..... سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا، دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب فرش خاک پر بیٹھا ہے۔

مساداتِ اسلامی کا حد درجہ خیال تھا، ان کے لشکر گاہ میں ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہو سکتی ہے، ایک دفعہ ایک مسلمان نے غنیم کے ایک سپاہی کو پناہ دی، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن

العاص بن جحش نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن سپہ سالارِ اعظم حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہم اس کو پناہ دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے“۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا خلق و ترجم خلق اللہ کے لیے عام تھا، شام میں ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیسائیوں کو بھی مرہون منت بنا رکھا تھا، وہاں عیسائیوں کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام گذرگا ہوں میں صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی، لیکن انہوں نے عرضی پیش کی کہ کم سے کم سال میں ایک دفعہ عید کے روز صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کر لی، اس رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہو گئے اور خوشی کے ساتھ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر یقینی ہے کہ جذبہ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچوں سے غیر معمولی شغف پیدا ہونے نہ دیا۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد لمبا، جسم نحیف ولاغر، چہرہ کم گوشت، شامپنے کے دو دانت خدمت رسول ﷺ میں قربان ہو گئے تھے، ڈاڑھی گھنی نہ تھی، اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے۔

اولاد و ازواج:

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی، ہند بنت جابر سے یزید اور ورجا سے عمیر پیدا ہوئے، لیکن دونوں لاولد فوت ہوئے۔



## حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

نام، نسب، خاندان:

سعید نام، ابوالاعور کنیت، والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت بجمہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرظ بن زراح ابن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب کعب بن لوی پر آنحضرت ﷺ سے اور نفیل پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے، حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے والد زید ان سادات مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہاں تک کہ مشرکین کے ذبیحہ سے بھی محترم رہے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان سے اور آنحضرت ﷺ سے قبل بعثت وادی بلداح میں ملاقات ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار فرمایا، پھر انہوں نے بھی انکار کیا اور کہا: ”میں تمہارے بتوں کا چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا“۔<sup>۱</sup>

زید کا دل کفر و شرک سے متنفر ہوا تو جستجئے حق میں دور دراز ممالک کی خاک چھانی اور شام پہنچ کر ایک یہودی عالم سے مقصود کی رہبری چاہی، اس نے کہا اگر خدا کے غضب میں حصہ لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے، زید نے کہا: ”میں اسی سے بھاگا ہوں“ پھر اس میں گرفتار نہیں ہو سکتا، البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ، اس نے دین حنیف کا پتہ دیا، انہوں نے پوچھا: ”دین حنیف کیا ہے؟“ بولا: ”دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے۔“ یہاں سے بڑھے تو ایک عیسائی عالم سے چارہ خواہ ہوئے، اس نے کہا: ”اگر خدا کی اعنت کا

۱۔ معجم کی راہ میں ایک مقام کا نام تھا۔ فتح الباری جلد ۷ ص ۱۸۰ ج ۲ بخاری باب حدیث زید

طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے۔“ زید نے کہا: ”خدارا کوئی ایسا مذہب بناؤ جس میں نہ خدا کا غضب ہو نہ لعنت، میں ان دونوں سے بھاگتا ہوں“ بولا میرے خیال میں ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے، غرض جب ہر جگہ سے دین ابراہیم (ﷺ) کا پتہ ملا تو شام سے واپس ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: ”خدایا! تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اب میں دین حنیف کا پیرو ہوں۔“ ۱۔

زید کو اس کفرستان میں اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء بنتی نبیہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ زید کو دیکھا کہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے: ”اے گروہ قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم میں کوئی بھی دین ابراہیم (ﷺ) پر قائم نہیں ہے۔“ ۲۔

ایام جاہلیت میں اہل عرب عموماً اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن خدائے واحد کے اس تنہا پرستار کو ان معصوم بہنیوں کے بچانے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اور جب کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بچی کے طلق پر چھری پھیرنا چاہتا تو اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے: ”جی چاہے لے لو یا میری ہی کفالت میں رہنے دو۔“ ۳۔

اسلام:

جب رسول اللہ ﷺ نے دین حنیف کو زیادہ مکمل صورت میں دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوتِ توحید شروع کی تو گو اس وقت اس کے سچے شیدائی زید صفحہ ہستی پر موجود نہ تھے تاہم ان کے فرزند سعید رضی اللہ عنہ کے لیے یہ آواز بالکل مانوس تھی، انہوں نے جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت فاطمہ بنتی نبیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے نا آشنا تھے، بہن اور بہنوئی کی تبدیلی

مذہب کا حال سن کر نہایت برا فروختہ ہوئے اور دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کہ لہو لہان ہو گئے۔ لیکن یہاں کچھ ایسی وارفتگی تھی کہ اس تمام زد و کوب کا صرف یہی ایک جواب تھا۔

من زجاناں گرچہ صد اندوہ جان خواہم کشید تانہ پنداری کہ خود را بر کراں خواہم کشید یہاں تک کہ ان بزرگوں کی اسی استقامت و استقلال نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھا دیا اور بالآخر عمر بن الخطاب سے فاروق اعظم بنا دیا۔

ہجرت اور غزوات:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے اور حضرت رفاع بن عبدالمندرانصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان میں اور حضرت رافع بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ میں بھائی چارہ کرادیا۔<sup>۱</sup>

۲۔ میں قریش مکہ کا وہ مشہور قافلہ جس کی وجہ سے جنگ بدر پیش آئی ملک شام سے آ رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کو اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس تجسس پر مامور فرمایا یہ دونوں حدود شام میں تجبار پہنچ کر کشد جہنی کے مہمان ہوئے اور جب قافلہ وہاں سے آگے بڑھا تو نظر پچا کر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسالت مآب ﷺ کو پوری کیفیت سے مطلع کریں لیکن قافلہ نے کچھ سن گن پا کر ساحلی راستہ اختیار کیا اور کفار قریش کی ایک بڑی جمعیت کے جو اس کی مدد کے لیے آئی تھی اور پرستار ابن حق کے درمیان بدر کے میدان میں وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے اسلام کو ہمیشہ کے لیے سر بلند کر دیا۔

غرض جس وقت حضرت سعید رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے اس وقت غازیان دین فاتحانہ سرور و انبساط کے ساتھ میدان جنگ سے واپس آ رہے تھے چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو بدر کے مال غنیمت میں حصہ رحمت فرمایا اور

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۱۹۲۔ ۲۔ طبقات ابن سعد حصہ بدرین ترجمہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ

جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دی۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ: جنگ بدر کے سوا تمام غزوات میں مردانگی و شجاعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمرکاب رہے، لیکن افسوس ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق کوئی تفصیلی واقعہ نہیں ملتا۔

عبدالفاروقی میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ: حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ: کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے، دمشق کا محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں نمایاں شجاعت و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے، اثنائے جنگ میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ: نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا، لیکن شوق جہاد نے اس سے بیزار کر دیا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ: کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں اس لیے خط پہنچنے کے ساتھ ہی کسی کو میری جگہ بھیج دیجئے۔ میں عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ: نے مجبور ہو کر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ: کو دمشق پر متعین کیا اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ: پھر میدان رزم میں پہنچ گئے۔

### وفات:

فتح شام کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ: کی تمام زندگی نہایت سکون و خاموشی سے بسر ہوئی، یہاں تک کہ ۵۵ھ یا ۵۶ھ میں ستر برس تک اس سرارے فانی میں رہ کر رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، چونکہ نواحِ مدینہ میں بمقام عقیق آپ کا مستقل مسکن تھا، اس لیے وہیں وفات پائی جمعہ کا دن تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نمازِ جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ وفات کی خبر سنی، اسی وقت عقیق کی طرف روانہ ہو گئے، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ: نے غسل دیا، حضرت عبداللہ بن عمر بن عمر رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مدینہ لا کر سپردِ خاک کیا۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

۱ طبقات ابن سعد تذکرہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ: ج ایضاً حصہ بدر میں تذکرہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ:

۲ طبقات ابن سعد حصہ بدر میں تذکرہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ:

## ذاتی حالات اور اخلاق و عادات:

حضرت سعید بن جبیرؓ کا دل دنیاوی جاہ و شہمت سے مستغنی تھا، صرف مقام عقیق کی جاگیر پر گذر اوقات تھی، آخر میں حضرت عثمان بن عفانؓ نے عراق میں بھی ایک جاگیر دی تھی۔ امیر معاویہ بن جبیرؓ کے عہد میں اروی نام ایک عورت نے جس کی زمین ان کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی، مدینہ کے عامل مروان بن حکم کے دربار میں شکایت کی کہ انہوں نے اس کی کچھ زمین دہالی ہے، مروان نے تحقیقات کے لیے دو آدمی متعین کیے، حضرت سعید بن جبیرؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو اپنے مال کے آگے قتل ہو وہ شہید ہے۔“ پھر مروان سے کہا: ”کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے؟“ حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”اگر کوئی شخص کسی کی ایک باشت زمین بھی ظلم و زبردستی سے لے گا تو ویسی ویسی سات زمینیں قیامت میں اس کے گلے کا ہار ہوں گی۔“ مروان نے قسم کھانے کو کہا تو یہ اپنی زمین بے باز آگئے اور اس عورت کے حق میں بددعا کے طور پر فرمایا: ”اے خدا! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہو کر مرے اور اس کے گھر کا کٹواں خود اس کے لیے قبر بنے۔“ خدا کی قدرت بددعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا، وہ عورت بہت جلد بصارت کی نعمت سے محروم ہو گئی اور ایک روز گھر کے کنویں میں گر کر رہی عدم ہوئی، چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لیے ضرب امثل ہو گیا، اور وہ عموماً یہ بددعا سنانے لگے۔ اعماک اللہ کما اعمی اروی۔

حضرت سعید بن جبیرؓ کے سامنے بہت سے انقلابات برپا ہوئے، بیسیوں خانہ جنگیاں پیش آئیں اور گو وہ اپنے زہد و اتقاء کے باعث ان جھگڑوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تاہم جس کی نسبت جو رائے رکھتے تھے اس کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے، حضرت عثمان بن جبیرؓ شہید ہوئے تو وہ عموماً کوفہ کی مسجد میں فرمایا کرتے تھے ”تم لوگوں نے عثمان (بن جبیرؓ) کے ساتھ جو سلوک کیا، اس سے اگر کوہ احد متزلزل ہو جائے تو کچھ

عجب نہیں"۔<sup>۱</sup>

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے ایک روز وہ جامع مسجد میں عوام کے ایک حلقہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت سعید بن زیدؓ داخل ہوئے تو انہوں نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا اسی اثناء میں ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علیؓ کی شان میں ناملائم کلمات استعمال کرنے لگا، حضرت سعیدؓ سے ضبط نہ ہو سکا بولے: "مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ کے جان نثاروں کو گالیاں دیتے ہیں اور تم منع نہیں کرتے، اس کے بعد اصحابِ عشرہؓ سے آٹھ آدمیوں کا نام لے کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر چاہو تو میں ان کو آدنی کا نام بھی لے سکتا ہوں، لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا انہوں نے کہا: "ہاں"۔<sup>۲</sup>

حضرت سعیدؓ کے حالات کتب میں بہت کم ہیں تاہم وہ بالاتفاق ان صحابہ کرامؓ میں تھے جو آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ ہیں، وہ لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے آگے رہتے تھے اور نماز میں پیچھے۔<sup>۳</sup>

جلیلہ یہ تھا قد لمبا بال بڑے بڑے اور گھنے۔

اہل و عیال:

حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں، بیویوں کے نام یہ ہیں: فاطمہ (ام الجھیل) جلیبہ بن سوید، امامہ بنت الدجاج، حزمہ بنت قیس، ام الاسود، بنت الاصح، بنت قریبہ، ام خالد، ام بشیر، بنت ابی مسعود انصاری۔

ان بیویوں نیز لونڈیوں کے بطن سے زیادہ کثرت کے ساتھ اولاد ہوئی، لیکن ان

۱ بخاری باب بنیان الکعبہ، باب اسلام سعید بن زیدؓ ج ۲ مسند جلد ۱ ص ۱۸۷

۲ اسد الغابہ ترجمہ سعید بن زیدؓ



سے اکثر لا ولد ہوئی، جن لڑکیوں اور لڑکوں کے معلوم ہو سکے وہ علیحدہ علیحدہ درج ذیل ہیں:

لڑکے:

عبدالرحمن اکبر، عبدالرحمن اصغر، عبداللہ اکبر، عبداللہ اصغر، عمر اکبر، عمر اصغر، محمد اسود، زید، طلحہ، خالد، ابراہیم اکبر، ابراہیم اصغر۔

لڑکیاں:

عائکہ، ام موسیٰ، ام الحسن، ام سلمیٰ، ام حبیب کبریٰ، ام حبیب صغریٰ، ام زید کبریٰ، ام زید صغریٰ، ام سعید، ام سلمہ، حفصہ، ام خالد، عائشہ، زینب، ام عبدالمحولا، ام صالح۔<sup>۱</sup>



۱ طبقات ابن سعد جزو ثالث سے ازواج و اولاد کی تمام تفصیل ماخوذ ہے۔

## سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ:

نام: نسب:

حمزہ نام ابو یعلیٰ اور ابو عمارہ کنیت اسد اللہ لقب، آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے، ماں کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب سرور کائنات ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں، پورا سلسلہ نسب یہ ہے حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی۔

اس نسب تعلق کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثویبہ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا، سن میں حضور انور ﷺ سے دو برس بڑے تھے، شمشیر زنگی، تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن ہی سے شوق تھا، سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا۔

اسلام:

دعوتِ توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ انہیں صحرا انوردی اور سیر و شکار سے کب فرصت تھی جو شرک و توحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی، ایک روز حسب معمول شکار سے واپس آ رہے تھے، کوہ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا: ”ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمد (ﷺ) کا حال دیکھتے، وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا، لیکن محمد (ﷺ) نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے، یہ سننا تھا کہ رگ حمیت میں جوش آ گیا، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے، ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور

اس سے دودو باتیں کر لیتے تھے، لیکن اس وقت جوش انتقام نے مغضوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانہ کعبہ پہنچ کر ابو جہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر بنی مخزوم کے چند آدمی ابو جہل کی مدد کے لیے دوڑے اور بولے ”حمزہ شاید تم بھی بددین ہو گئے“۔ فرمایا: ”جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہو گئی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟ ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں، اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم اب میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو“۔ ابو جہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم میں نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دی ہیں۔

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین تھے، اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور ناتواں ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اضافہ سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانوں کا سدباب ہو گیا، کیونکہ ان کی شجاعت و جانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا۔<sup>۱</sup>

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ نبوی ﷺ پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا، لیکن اس شیر خدانے کہا ”کچھ مضائقہ نہیں، آنے دو، اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اس کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا“۔ غرض وہ اندر داخل ہوئے اور کلہ تو حیدان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔<sup>۲</sup>

مواخات:

مکہ کی مواخات میں حضرت خیر الانام ﷺ کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی قرار پائے، ان کو حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اس قدر

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۳ ج ۱ اسد الغابہ تہذیبیہ ج ۱ ص ۹۳

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۹۲

محبت ہو گئی تھی کہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کرتے تھے۔

ہجرت:

بعثت کے تیرہویں سال تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے جہاں ان کو زور یازو اور خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا۔ چنانچہ پہلا اسلامی پھر ان ہی کو عنایت ہوا، اور تین آدمیوں کے ساتھ ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیے گئے کہ قریشی قافلوں کے سدراہ ہوں، غرض وہاں پہنچ کر ابو جہل کے قافلہ سے جس میں تین سو سوار تھے مذ بھڑھوئی اور طرفین نے جنگ کے لیے صف بندی کی، لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بغیر کشت و خون واپس آئے۔

غزوات:

اسی سال ماہ صفر میں خود حضرت سرور کائنات ﷺ نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابہ کرامؓ کے ساتھ قریش مکہ کی نقل و حرکت میں سدراہ ہونے کے لیے ابواپر فوج کشی فرمائی، حضرہ حمزہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی، لیکن قریش کا قافلہ آگے بڑھ چکا تھا، اس لیے جنگ و جدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اثر یہ تھا کہ بنو خزیمہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا۔

اسی طرح ۲ھ میں غزوہ عسیرہ پیش آیا، اس میں بھی علمبرداری کا طرہ افتخاری حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے دستار فضل و کمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف بنو مدلج سے امداد باہمی کا ایک عہد نامہ طے پایا۔

غزوہ بدر:

اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا، صف آرائی کے بعد عقبہ شیبہ اور ولید نے

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ۲ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲

۳ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳ ۴ ایضاً ص ۴

کفار کی طرف سے نکل کر مبارز طلبی کی تو غازیانِ دین میں سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لیے آگے بڑھے لیکن عقبہ نے پکار کر کہا محمد (ﷺ)! ہم تاجسوں سے نہیں لڑ سکتے ہمارے مقابل والوں کو بھیجو۔ ارشاد ہوا: ”حزہ علی عبیدہ (رضی اللہ عنہ)! اٹھو اور آگے بڑھو، حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جا کھڑے ہوئے، حضرت حزہ رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی حملہ میں عقبہ کو داخل جہنم کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے حریف پر غالب آئے، لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی، وہ زخمی ہو گئے تو ان دونوں نے ایک ساتھ حملہ کر کے اس کو تہ تیغ کر دیا، یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی جو ش انتقام میں آگے بڑھا لیکن شیر خدا نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام ہلہ کر دیا، دوسری طرف سے مجاہدین اسلام بھی اپنے دلاوروں کو نرغہ میں دیکھ کر ٹوٹ پڑے نہایت گھمسان کارن پڑا، اسد اللہ حزہ رضی اللہ عنہ کے دستار پر شتر مرغ کی کلفتی تھی اس لیے جس طرح گھس جاتے تھے صاف نظر آتے تھے، دونوں ہاتھوں میں تلوار تھی اور مردانہ وار دودستی حلوں سے پرے کا پر ا صاف کر رہے تھے، غرض جب تھوڑی دیر میں غنیم بہت سے قیدی اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں نے پوچھا: ”یہ کلفتی لگائے کون ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”حزہ (رضی اللہ عنہ)!“ بولا: ”آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا۔“

غزوہ بنی قینقاع:

بنو قینقاع نام کی اطرافِ مدینہ میں یہودیوں کی ایک جماعت تھی، چونکہ یہ عبد اللہ بن ابی سلول کے حلیف تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ سے دوستانہ معاہدہ طے پا گیا تھا، لیکن غزوہ بدر کی کامیابی نے ان کے دلوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑکا دی، اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال میں ان پر فوج کشی فرمائی، اور بزورِ اطرافِ مدینہ سے جلا وطن کر دیا، حضرت حزہ رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں بھی علمبرداری کے منصب پر مامور تھے۔

## غزوہ احد:

بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے تو سن غیرت کے لیے تازیانہ کا کام کیا، اور جوش انتقام سے برا بیخون ہو کر ۳۵ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا، حضرت سرور کائنات ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہ احد کے دامن میں اس کو روکا۔ ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اپنی شمشیر خارا اشکاف تولتے ہوئے میدان میں آئے اور لکار کر کہا، ”اے سباع! اے ام انمار مضغہ نجس کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے۔“ یہ کہہ کر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا! اس کے بعد گھمان کی جنگ شروع ہوئی، اس شیر خدا نے رذباہ کفر کی نڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پستے لگا دیتے اور جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دین، غرض اس جوش سے لڑے کہ تہاتیس کافروں کو واصل جہنم کر دیا۔

## شہادت:

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ جنگ بدر میں جن جن کر اکثر صنادید قریش کو تہ تیغ کیا تھا اس لیے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے، چنانچہ جبیر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا، اپنے چچا طعیمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں.... آزادی کا لالچ دیا تھا، غرض وہ جنگ احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات پر بیٹھا ہوا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہا تھا، اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گزرے تو اس نے اچانک زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے۔ اس شیر خدا کی شہادت پر کافر کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے، ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے، نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا، حضرت سرور کائنات ﷺ نے سنا تو پوچھا: ”کیا اس نے کچھ

۱ بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ ۲ اسد الغابہ تذکرہ حمزہ رضی اللہ عنہ

۳ بخاری باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ

کہا بھی ہے۔ لوگوں نے عرض کی: ”نہیں!“ فرمایا: ”اے خدا! حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے کسی بزد کو جہنم میں داخل ہونے نہ دینا۔“  
تجہیز و تکفین:

انتقام جنگ کے بعد شہدائے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی، حضرت سرور کائنات ﷺ اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہند نے ناک کان کاٹ کر نہایت دردناک صورت بنا دی تھی، اس لیے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا، اور مخاطب ہو کر فرمایا ”تم پر خدا کی رحمت ہے، کیوں کہ تم رشتہ داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، اگر مجھے صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند کھا جائیں، اور تم قیامت میں ان ہی کے حکم سے اٹھائے جاؤ، خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے، میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا“، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وحی الہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی، اس لیے کفارہ یحییٰ ادا کر کے صبر و شکیبائی اختیار فرمائی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے ہوئے جنازہ کے پاس آئیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے دیکھنے نہ دیا اور تسلی و تشفی دے کر واپس فرمایا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دو چادریں دے گئی تھیں کہ ان سے کفن کا کام لیا جائے، لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن تھی، اس لیے انہوں نے دونوں شہیدان ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی، اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو، غرض اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، سرور کائنات ﷺ نے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کر کے شہدائے اُحد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز پڑھائی، اس طرح تقریباً

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۷۷  
۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۷۷

ستر نمازوں کے بعد غازیانِ دین نے بھدا ندوہ والہ اس شیر خدا کو اسی میدان میں سپرد خاک کیا۔

### آنحضرت ﷺ کا حزن و ملال:

سرورِ کائنات ﷺ کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبد شہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ و اقارب پر روتے سنا تو فرمایا: ”افسوس! حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے رونے والیاں بھی نہیں“۔ انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیج دیا، جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداء رضی اللہ عنہم پر گریہ و زاری شروع کی، اس حالت میں آنحضرت ﷺ کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں، فرمایا: ”کیا خوب! یہ سب اب تک یہیں بیٹھی رو رہی ہیں، انہیں حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں“۔<sup>۱</sup> بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہی دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ پر دو آنسو بہا لیتی تھیں۔

### قاتل سے بیزاری:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر پوچھا: ”کیا تم ہی وحشی ہو؟“ عرض کی: ”ہاں!“ فرمایا: ”تم نے حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا تھا؟“ بولے: ”حضور ﷺ کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے“۔ ارشاد ہوا: ”کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟“ غرض اسی وقت باہر آنا پڑھا اور پھر تمام عمر سامنے نہ جاسکے، آنحضرت ﷺ کے بعد جب مسیلہ کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہوئے کہ شاید میں اس کو قتل کر کے حمزہ رضی اللہ عنہ کے نقصان کی تلافی کر سکوں، چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے۔<sup>۲</sup> اس طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا۔

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ثالث ص ۹ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ثالث ص ۱۰۔

۳۔ بخاری باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ



## اخلاق:

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں شجاعت، جانبازی اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے مزاج قدرۃ تیز و تند تھا شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے ایک دفعہ ایک انصار کے میخانہ میں صحبت احباب گرم تھی اور دو درساغر کے ساتھ ایک رقاصہ کی خوش الحان راگنیوں سے محفل کا رنگ جما ہوا تھا اسی حالت میں اس نے دو اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرع پڑھا ۔

الا یا حمزة للشرف النواء

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نشہ کی مدہوشی میں بے اختیار کودے اور دونوں کے جگر اور کوبان کو کاٹ لائے یہ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تھے انہوں نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہو کر دربار نبوت میں شکایت کی آنحضرت ﷺ ان کو اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیے ہوئے اسی وقت اس محفل طرب میں تشریف لائے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملامت فرمانے لگے لیکن یہاں ہوش و حواس پر نشہ کا قبضہ ہو چکا تھا انہوں نے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک آنحضرت ﷺ کو گھور کر دیکھا اور آنکھیں لال پیلی کر کے بولے: ”تم سب میرے باپ کے غلام ہو“۔ آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو اٹھنے پاؤں لوٹ آئے۔<sup>۱</sup> حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تمام نیک کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی لاش سے مخاطب ہو کر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی

رحمة الله عليك فانك كنت ما علمت وصولا للرحم فعولا للخيرات.<sup>۲</sup>  
 ”تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔“

## ازواج و اولاد:

حضرت حمزہ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت الملہ، خولہ بنت قیس، سلمیٰ بنت عمیس، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی، لڑکوں کے نام یہ ہیں: ابو یعلیٰ، عامر، عمارہ آخر الذکر دونوں لا ولد فوت ہوئے، ابو یعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں قضا کر گئیں، اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا۔

سلمیٰ بنت عمیس کے بطن سے امامہ نام ایک لڑکی بھی تھی، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مراجعت فرمائی تو بھائی بھائی کہہ کر اس نے پیچھا کیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رشتہ داروں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی تربیت میں لینے کا دعویٰ پیش کیا، لیکن آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، امامہ کی حقیقی خالہ تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو امامہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لینے کی ترغیب دی تھی، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا حمزہ (رضی اللہ عنہ) میرا رضاعی بھائی تھا۔



۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷

## حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

نام نسب:

عباس نام ابو الفضل کنیت والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام تیلہ تھا، شجرہ

نسب یہ ہے۔

عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف البہاشمی القرشی۔

آنحضرت ﷺ کے چچا تھے لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت

عباس رضی اللہ عنہ دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

ابتدائی حالات:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عہد طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے ان کی والدہ نے

خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے صحیح و سلامت مل جانے کے بعد

نہایت ترک و احتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون

تھی جنہوں نے ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ کو دیا و حریر سے مزین کیا۔

زمانہ جاہلیت میں وہ قریش کے ایک سربر آوردہ رئیس تھے خانہ کعبہ کا اہتمام و

انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ دعوت توحید

کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لیے ہاتھ

نہیں بڑھایا، تاہم دل سے وہ اس تحریک کے حامی تھے چنانچہ اہل یرب نے جب

رسالت پناہ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانہ حج میں بہتر انصار نے کفار

سے چھپ کر منیٰ کی ایک گھائی میں آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس رازداری

کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا ”گر وہ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) اپنے خاندان میں معزز و محترم رہے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر نہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔“ انصار رضی اللہ عنہم نے اس کے جواب میں جاں نثاری و وفا شعاری کی حامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ بعد ہی آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

### جنگِ بدر:

مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکہ بدر میں شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ ﷺ حقیقت حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ میں ابو البختری، عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آ جائیں تو قتل نہ کیے جائیں، کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ ”ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے، تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے، واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلواریں لگام دوں گا۔“ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ”ابو حفص دیکھتے ہو، عم رسول ﷺ کا چہرہ تلواریں کے قابل ہے؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اجازت دیجئے کہ اس کا سرازا دوں۔“ لیکن حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ صحابی تھے، یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا۔<sup>۱</sup>

اس جنگ میں دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، عقیل رضی اللہ عنہ اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مشکیں اس قدر کس کر باندھی گئی تھیں کہ وہ دردناک آواز کے ساتھ کراہ رہے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ان کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوا تو انہوں

نے ان کی مشکلیں ڈھیلی کر دیں۔

ایران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت ﷺ نے سب کو کپڑے دلوائے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا، عبداللہ بن ابی نے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہم قد تھا اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے متفق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتہ پہنانے کے لیے دیا، وہ درحقیقت اس احسان کا معاوضہ تھا۔

دربار رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ (خزرج سے تھیں) اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عباس رضی اللہ عنہ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے مسادات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا: ”میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، مشرکین نے مجھ کو بجز اس جنگ میں شریک کیا، ارشاد ہوا کہ: ”دل کا حال خدا جانتا ہے، اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی، ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ کر آئے ہیں۔“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تعجب ہو کر کہا: ”خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، بے شک آپ رسول خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے پیچھے عقل و نوفل بن حارث کی طرف سے گراں قدر فدیہ دے کر ٹھکی حاصل کی۔“

۱ ابن سعد ازل ج ۳ ص ۷

۲ طبقات ابن سعد ازل دور ربع ص ۷

۳ بخاری جلد ۲ ص ۵۷۲ ج ۱۱۱ مسند جلد ۱ ص ۲۵۲

## تاخیر اسلام اور قیام مکہ کی غایت:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور ملانیدہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے راز ہائے سر بستہ سے رسول اللہ ﷺ کی اطلاع دیتے تھے، نیز اس سر زمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لیے تہا مامن و ملجائے یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب کبھی رسالت پناہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے باز رکھا اور فرمایا کہ ”آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا“۔

گو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرصہ تک اپنے ایمان و عقیدہ کو مشرکین قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپانہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مکہ آئے، اس زمانہ میں جنگ خیبر درپیش تھی اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجے پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے۔ لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ کر گھبرایا اور جنگ کی خبر پوچھی بولے: ”خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نہایت عبرت ناک شکست ملی، محمد (ﷺ) گرفتار ہوئے، اور ان کے اکثر جان نثار قتل کیے گئے۔ میں اپنا مال لینے آیا ہوں کہ دوسرے تاجروں کو خبر نہ ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مال غنیمت خرید لوں۔“

اس خبر سے یکا یک تمام مکہ میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، وادی بطناء کا ہر بچہ بادۂ انبساط سے محمور ہو گیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ سے تھلکے میں ملے اور پوچھا: ”حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے؟“ بولے: ”نہیں، خدا کی قسم آپ کے لیے نہایت خوش آئند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر رؤسائے خیبر قتل کیے گئے۔ ان کا تمام مال و اسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو

اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخل حرم ہو رہی تھی، میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ بلطائف الخیل اپنا مال لے کر رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں، آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں، کیونکہ مجھے تعاقب کا خوف ہے۔

حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی مسرت و انبساط کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہادھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ میں عصا لیے ہوئے خانہ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگوں نے چھیڑ کر کہا: ”خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہار صبر ہے۔“ بولے: ”قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی، ہرگز نہیں! بالکل غلط ہے، خیبر فتح ہو گیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے۔“ لوگوں نے تعجب سے پوچھا: ”یہ خبر کہاں سے آئی؟“ فرمایا: ”حجاج بن علاط (رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور یہاں محض اپنا مال لینے آئے تھے۔“ اس حقیقت نے مشرکین مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملا دی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی طرح دانت چینیے لگے۔

اسلام و ہجرت:

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل و عیال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

## غزوات

مکہ کی فوج کشی میں شریک تھے، حنین کی جنگ میں حضرت خیر الامام ﷺ کے ہمراہ تھے اور رہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، فرماتے ہیں کہ اثنائے جنگ میں جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کے منہ پھر گئے، تو ارشاد ہوا: ”عباس (رضی اللہ عنہ)! نیزہ برداروں کو آواز دو۔“ فطرۃ میری آواز نہایت بلند تھی، میں نے ”ابن اصحاب السمر؟“ کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکا یک پلٹ پڑے اور مسلمانوں

۱۔ اسد الغابۃ، کرمۃ حجاج بن علاط (رضی اللہ عنہ)

کا بڑا ہوا کھیل بن گیا۔ محاصرہ طائف، غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع میں بھی شریک تھے۔  
آنحضرت ﷺ کی وفات:

حجۃ الوداع سے واپس آ کر آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے، مرض روز بڑھتا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنی ہاشم تمہار داری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ بظاہر حالت سنبھل گئی تھی اس لیے انہوں نے کہا کہ ”خدا کے فضل سے اب اچھے ہیں۔“ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ خاندان ہاشم کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ”تمہارا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کرو گے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ میں خاندان عبدالمطلب کے چہروں سے موت کا اندازہ کر سکتا ہوں، آؤ چلو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہیں تو معلوم ہو جائے گا، ورنہ عرض کریں گے کہ ہمارے لیے وصیت فرما جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ”خدا کی قسم میں نہ پوچھوں گا، اگر پوچھنے میں آپ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو جاؤں گا۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی جرأت نہ ہوئی۔

غرض آنحضرت ﷺ نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجھیز و تکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے، خاندان ہاشم میں سب سے معمر تھے، اس لیے تعزیت و ماتم پر ہی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے۔<sup>۲</sup>

بارگاہ نبوت میں اعزاز:

آنحضرت ﷺ اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور ان کی معمولی



اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برتی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشارت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نور ایمان نہ ہوگا۔“ چچا باپ کے قائم مقام ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انہوں نے حسب قاعدہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی رقم طلب کی، انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے تقاضا کیا، اور آنحضرت ﷺ سے جا کر صورت واقعہ عرض کی، آپ نے فرمایا: تم عباس (رضی اللہ عنہ) سے کیا چاہتے ہو، ہو بدر کے فدیہ میں تم ان سے بہت کچھ لے چکے، عباس (رضی اللہ عنہ) رسول خدا کا چچا ہے۔ اور چچا باپ کے قائم مقام ہے۔<sup>۱</sup>

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم:

آنحضرت ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عزت و احترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گزرتے تو تعظیماً اتر پڑتے اور فرماتے کہ ”یہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم ہیں۔“<sup>۲</sup>

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے، اور قحط و خشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے، قحط عام الرماہہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا: ”خدا یا! پہلے ہم رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے اور اب ہم آنحضرت ﷺ کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل ہم کو سیراب کر۔“<sup>۳</sup>

۱ جامع ترمذی مناقب حضرت عباس رضی اللہ عنہ و مسند جلد اول ص ۲۰۷

۲ جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباس رضی اللہ عنہ ص ۳ استیعاب تذکرہ عباس رضی اللہ عنہ

۳ بخاری جلد اول ص ۵۲۶

ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا تو یکا یک صاف و شفاف آسمان پر لکھ ہائے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں بارانِ رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے۔

سأل الامم وقد تنابح جدبنا فسقى الغمام بعهزة العباس (ؓ)  
 ”امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی لیکن عباس رضی اللہ عنہ کی شرافت کے طفیل میں ابر نے سیراب کر دیا۔“

عم النبي وصنو والده الذي ورث النبي بذلك دون الناس  
 ”وہ آنحضرت ﷺ کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں انہوں نے تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی وراثت پائی۔“

احبى الاله به البلاد فاصبحت محضرة الاحساب بعد الباس  
 ”ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا اور تا امید کی بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے۔“

چونکہ یہ بارش نہایت غیر متوقع تھی اس لیے لوگ فرط مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم چوم کر کہتے تھے ”ساقی حرمین! مبارک ہو ساقی حرمین! مبارک ہو“۔  
وفات:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اٹھاسی برس کی عمر پا کر ۳۲ھ میں بمابہ رجب یا رمضان جمعہ کے روز رنگورین عالم جاوداں ہوئے، خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا۔  
اخلاق:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحم دل تھے، حضرت سعد بن

۱ استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ۲ استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام بقیع میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھ کر فرمایا: ”یہ عباس (رضی اللہ عنہ) عم رسول ہیں یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہیں اور اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں“۔<sup>۱</sup>

دل نہایت نرم تھا دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا یہی وجہ ہے کہ ان کی دعاؤں میں خاص اثر ہوتا تھا۔  
تمول و ذریعہ معاش:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایام جاہلیت میں نہایت متمول تھے چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔<sup>۲</sup>

تجارت ذریعہ معاش تھی ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے لوگوں کو سود پر قرض دیتے تھے یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا حجۃ الوداع کے موقع پر محرم ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس میں فرمایا: ”آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کیے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو میں بند کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کا ہے۔“<sup>۳</sup>

آنحضرت ﷺ مال غنیمت کے خمس اور فذک کی آمدنی سے بھی ان کی امانت فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے فذک اور آنحضرت ﷺ کی دوسری مترکہ جائیداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن ”لا نورث ما ترکنا صدقہ“ کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں باغ فذک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظام قائم نہ رکھ

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۰۱ ۲۔ مسند جلد ۱ ص ۳۵۳

۳۔ صحیح مسلم والبوداؤد

سکے اور بارگاہِ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ محض گزارہ کے لیے دیا گیا ہے اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔  
حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہایت نازک۔

### ازواج و اولاد:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں، سب سے پہلی بیوی لبا بہ بنت حارث تھیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں:

فضل، عبداللہ، عبید اللہ، عبدالرحمن، قثم، معبد، ام حبیبہ۔

ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں:

کثیر، تمام، صفیہ، امیرہ۔

تیسری بیوی جمیلہ تھیں، ان کے بطن سے حارث تھے۔



۱۔ بخاری باب غزوہ خیبر

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲

## حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

بلال نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے، لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی جمح ان کے آقا تھے۔

اسلام:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ، صورت ظاہری کے لحاظ سے گوسیاہ فام حبشی تھے، تاہم آئینہ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا، جب کہ وادی بطناء کی اکثر گوری مخلوق غرور حسن و زعم شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن معدودے چند بزرگوں نے داعی حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا، سچ ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ☆ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء و استقامت:

کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جو ذاتی حالت تھی، اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموس جفا کے شکار ہو گئے، گونا گوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمائش ہوئی، تپتی ہوئی ریگ، جلنے ہوئے سنگریزوں اور دیکھتے ہوئے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلوئے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازو بچہ اطفال بنایا، لیکن ان تمام روح فرسا و جان گسل آزمائشوں کے باوجود تو حید کا جبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابو جہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بے قرار کر دیتی تو کہتا بلال (رضی اللہ عنہ)! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ، لیکن اس وقت بھی دہن مبارک

سے یہی ”احدا حد“ نکلتا۔

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم و جفا کے نئے طریقے ایجاد کیے تھے، وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بیٹھاتا اور کہتا: ”تمہارا خدالات اور عزئی ہے“۔ لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے ”احدا حد“ کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔

آزادی:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روز حسب معمول وادی بطناء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر تم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا: ”ابو بکر! تم مجھے اس میں شریک کر لو“۔ عرض کی: ”یا رسول اللہ میں آزاد کرا چکا ہوں“۔

ہجرت:

وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیشمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، حضرت سعد ابو ریحہ عبداللہ ابن عبدالرحمن خثعمی رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی، ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہو گئی تھی، عہد فاروقی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے پوچھا: ”بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟“ عرض کی: ”ابو ریحہ (رضی اللہ عنہ) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا“۔

موذن:

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرف بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعائر

۱ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶ ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۵

۳ ایضاً بخاری ۴ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷

اسلام و دین متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا ' مسجد تعمیر ہوئی ' خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لیے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لیے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا ' حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز نہایت بلند و بالا و دلکش تھی ' ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی ' مرد اپنا کاروبار عورتیں شہستان حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر وہاں نہ وارتگی کے ساتھ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے ' جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے ' حسی علی الصلوٰۃ حسی علی الفلاح الصلوٰۃ یا رسول ! یعنی یا رسول اللہ (ﷺ) ! نماز تیار ہے ' غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگان توحید کو بارگاہ ذوالجلال والا کرام میں سر بسجود ہونے کے لیے صف بھف کھڑا کر دیتی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ان کی قائم مقامی کرتے تھے ' صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں ' آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیتے تھے۔ چونکہ وہ نابینا تھے اس لیے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا جب لوگ ان سے کہتے کہ "صبح ہو گئی" تو انھیں کرندائے تکبیر بلند فرماتے تھے ' اسی بنا پر رمضان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد اکل و شراب جائز تھا ' کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان صرف اس لیے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الہی میں مصروف رہے ہیں وہ کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہو کر نماز صبح کی تیاری کریں ' لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ رات

باقی رہتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سفر و حضر ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے مؤذن خاص تھے ایک دفعہ سفر در پیش تھا ایک جگہ رات ہو گئی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا“ ارشاد ہوا: ”مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا انہوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے، غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغولِ راحت ہوئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کر لیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاقِ وقت اس حال میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوعِ آفتاب تک ہوشیار نہ ہوئے، آنحضرت ﷺ نے خوابِ راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا: ”بلال (رضی اللہ عنہ)! تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی؟“ عرض کی: ”یا رسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا“۔ ارشاد ہوا: ”بے شک خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے، اچھا اٹھو! اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو۔“

## غزوات

حضرت بلال رضی اللہ عنہ تمام مشہور غزوات میں شریک تھے، غزوہ بدر میں انہوں نے امیہ بن خلف کو تہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اور خود ان کی ایذا رسانی میں بھی اس کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا۔

فتح مکہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے، آپ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا، انہیں حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے

۱ بخاری باب الاذان بعد الفجر و باب الاذان الاعمی۔ ۲ بخاری باب الاذان بعد ذاب الوقت

۳ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۷۔ ۴ کتاب المغازی باب دخول النبی ﷺ من المکہ



ہو کر توحید کی پر عظمت صدائے تکبیر بلند کریں، خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تعمیر کیا تھا، مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی زناد کے نغمہ توحید سے گونجا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے محسن و ولی نعمت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: ”یا خلیفہ رسول! آپ نے خدا کے لیے آزاد کیا ہے یا اپنی مصاحبت کے لیے“۔ فرمایا: ”خدا کے لیے“۔ بولے ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پیام موت تک اسی عمل خیر کو لازمہ حیات بنا لوں“۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بلال رضی اللہ عنہ! میں تمہیں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس عالم پیری میں داغ مفارقت نہ دو“۔ اس مؤثر فرمان نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عہد صدیقی کے غزوات میں شریک ہونے سے باز رکھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو انہوں نے پھر شرکت جہاد کی اجازت طلب کی، خلیفہ اول کی طرح خلیفہ دوم نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوش جہاد کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی اور شامی مہم میں شریک ہو گئے۔ ۳

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسران فوج کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہمراہ رہے، ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے: ”گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام ﷺ کے بعد کسی کے لیے اذان نہ

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷

۲ بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۸

۳ بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۸

دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا، یہ کہہ کر اس عندیاب تو حید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت و شوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھینچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی۔

شام میں توطن:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ملک شام کی سرسبز و شاداب زمین پسند آ گئی تھی، انہوں نے خلیفہ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے۔ یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابو الدرداء انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آ کر آباد ہو گیا تھا رشتہ مناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا: ”ہم دونوں کافر تھے، خدا نے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے، اس نے آزاد کر دیا، ہم محتاج تھے، اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمہارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے، ورنہ کوئی شکایت نہیں۔“ آپ نے کالے گورے، صبھی اور عربی کی تفریق مٹا دی تھی، انصار نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیوں سے شادی کر دی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: ”بلال (رضی اللہ عنہ)! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پر لطف انسانے یاد دلانے، عشق و محبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مرغِ بسمل کی طرح

ترپنے لگے آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشان رسول ﷺ یعنی امام حسن اور حضرت امام حسینؑ کو چٹا چٹا کر پیار کر رہے تھے ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے، گوارا دہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ اذان نہ دیں گے تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرہ بکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا اس کے بعد نعرہ توحید نے اس کو اور بھی پر عظمت بنا دیا، لیکن جب اشہد ان محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بیقرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقان رسول ﷺ کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پراثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

وفات:

۳۰ھ میں اس غلص باوقاف نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لیے دنیائے فانی کو خیر باد کہا، کم و بیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔

اخلاق:

محاسن اخلاق نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پایہ فضل و کمال کو نہایت بلند کر دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ابو بکر سیدنا و اعق سیدنا یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ سردار ہیں اور انہوں نے سردار بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا ہے۔

حبیب خدا ﷺ کی خدمت گزاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا، ہر وقت بارگاہ نبوی میں حاضر رہتے، آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادم جان نثار کی طرح ہمراہ ہوتے۔ عیدین و استسقاء کے مواقع پر بلیم لے کر آگے آگے چلتے، وعظ و پند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس و ناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آ جاتا اس کا ایک حصہ رسول

۱۔ اسد الغابہ جلد اس ۲۰۸۔ ۲۔ اسد الغابہ جلد اس ۲۰۹۔ ۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳۔

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۶۸۔

اللہ ﷺ کی ضیافت کے لیے پس انداز کرتے ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے آپ نے تعجب سے پوچھا "بلال! یہ کہاں سے؟" عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لیے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں ارشاد ہوا "أف! أف! ایسا نہ کیا کرو یہ تو عین ربا ہے اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے"۔<sup>۱</sup>

حضرت بلال رضی اللہ عنہ: مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم و مصائب کے متحمل ہوئے اس سے ان کی غیر معمولی استقامت و استقلال کا اندازہ ہوا ہوگا تو اوضاع و خاکسازی ان کی فطرت میں داخل تھی لوگ ان کے فضائل و محاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے "میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا۔" صد اقت بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا ان کے ایک بھائی نے جو بزرگ خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے ایک عربی خاتون کے پاس نکاح پیام بھیجا اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلال (رضی اللہ عنہ) ہمارے پاس آ کر تصدیق کریں گے تو ہم کو بخوشی منظور ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ: نے کہا "صاحبو! میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بڑا آدمی ہے اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کرو انہوں نے کہا "بلال! تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لیے عار نہیں"۔<sup>۲</sup>

مذہبی زندگی:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ: رسول اللہ ﷺ کے مؤذن خاص تھے اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانہ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا معاملات دنیوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت و

۱ بخاری جلد ۱ ص ۳۱۱ ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹

شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عمل خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے، عرض کی ”میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے، البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے“۔ نماز میں سب سے پہلے آمین کہتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو“۔<sup>۱</sup>

ایمان کو تمام اعمال حسہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے ”خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ“ پھر جہاد، پھر حج مبرور“۔<sup>۲</sup>

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی، بال کے بال گھنے، خمدار اور اکثر سفید تھے۔<sup>۳</sup>

ازواج:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر دیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔<sup>۴</sup>



- ۱ بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۳ ۲ اصحابہ تذکرہ بلال رضی اللہ عنہ، بحوالہ بخاری
- ۳ بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۳ ۴ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۱۰۰
- ۵ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۱۶۹

## حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

جعفر نام ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام عبد المناف (ابوطالب) اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے۔ جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی البہاشمی۔

آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے اور عمر میں ان سے تقریباً دس (۱۰) سال بڑے تھے۔

اسلام:

آنحضرت ﷺ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشغول عبادت تھے خاندان ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے دو عزیزوں کو باگاہ صمدیت میں سرسبجو دیکھا تو دل میں خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: ”جعفر! تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔“ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت ﷺ کے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لیے اس کے پرستاروں میں داخل ہوئے۔ اس وقت تک اکتیس بتیں آدی اس سعادت سے شرف ہوئے تھے۔

ہجرت حبش:

مشرکین مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین

لینے نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گران قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ”ہماری قوم کے چند تائید کنندگان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمروئے حکومت میں چلے آئے ہیں، انہوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا، ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں۔“ درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ ”وہ کون سا نیا مذہب ہے جس کے لیے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا ہے؟“

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی دربارِ حبش میں اسلام پر تقریر:

مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنی طرف سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا، انہوں نے اس طرح تقریر کی: ”بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت بوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، طاقت ور کمزوروں کو کھاتا تھا، غرض ہم اسی بدبختی میں تھے کہ خدا نے خود ہی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، امانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایہ اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں، بت پرستی چھوڑ دیں، ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم پر چلے، ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑا، صرف ایک خدا کی پرستش کی، اور حال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو پھر بت پرستی اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا، یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے۔“

نجاشی نے کہا: ”تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اس کو کہیں سے پڑھ کر

سناء۔“ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے کہا: ”خدا کی قسم! یہ اور تورات! ایک ہی چراغ کے پر تو ہیں اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا: ”واللہ! میں ان کو کبھی واپس جانے نہ دوں گا۔“

سفرائے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار میں باریاب ہو کر عرض کی: ”حضور! کچھ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے۔“ نجاشی نے جواب دینے کے لیے مسلمانوں کو بلایا، ان لوگوں کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے، غرض دربار میں پہنچے تو نجاشی نے پوچھا: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تمہارا کیا اعتقاد ہے؟“ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ہم ان کو خدا کا بندہ، پیغمبر اور اس کی روح مانتے ہیں۔“ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: ”واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔“ یہ سن کر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے نہایت برہم ہوئے، تنقوں سے خرخراہٹ کی آوازیں آنے لگیں، لیکن نجاشی نے کچھ پرواہ نہ کی اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی۔  
جش سے مدینہ:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آٹھ سال بعد تک حبشہ میں رہے، وہ جش مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے کہ مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی حاصل ہوئی، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سامنے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا: ”میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔“



حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ان کے امتحان کا وقت آ گیا۔  
غزوہ موتہ:

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی، آنحضرت ﷺ نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عطا کر کے فرمایا کہ ”اگر زید شہید ہوں تو جعفر رضی اللہ عنہ اور اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوں تو عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اس جماعت کے امیر ہوں گے“۔ یہ چونکہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ شرف امارت ان ہی کو حاصل ہوگا، اس لیے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید رضی اللہ عنہ کو مجھ پر امیر بنائیں گے۔“ ارشاد ہوا: ”اس کو جاتے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتری کس میں ہے۔“ آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے انجام و نتیجہ سے آگاہ تھے اس لیے فرمایا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہوں تو جعفر علم سنبھالیں، اگر وہ بھی شہید ہوں تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان کی جگہ لیں۔ ۱

شہادت:

موتہ پہنچ کر معرکہ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیان دین کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ ٹڈی دل لشکر تھا، امیر فوج حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ گھوڑے سے کود پڑے اور علم کو سنبھال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے، دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیغ و تبر تیر و سنان کی بارش ہو رہی تھی، یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا، دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوئے مگر اس جانناز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگوں ہونے نہ دیا۔ ۲ بالآخر شہید ہو کر گرے تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اور ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا اور

۱ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ موتہ ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۳۲

۳ طبقات ابن سعد حصہ مغازی غزوہ موتہ ۴ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸

مسلمانوں کو بچالائے۔<sup>۱</sup>

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس جنگ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر کی لاش کو تلاش کر کے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے تمام بدن کے زخموں کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا۔<sup>۲</sup> لیکن ان میں سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔<sup>۳</sup>

رسول اللہ ﷺ کا حزن و ملال:

میدان جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا خدا کے حکم سے آنحضرت ﷺ کے سامنے تھا چنانچہ خبر آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرمادیا اس وقت آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور روئے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔<sup>۴</sup>

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی تھی اور لڑکوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا جعفر (رضی اللہ عنہ) کے بچوں کو لاؤ میں نے ان کو حاضر خدمت کیا تو آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر ان کو پیار فرمایا میں نے کہا میرے ماں باپ فدا ہوں حضور آبدیدہ کیوں ہیں کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے فرمایا: ہاں! وہ شہید ہو گئے یہ سن کر میں چیخنے چلانے لگی محلہ کی عورتیں میرے ارد گرد جمع ہو گئیں آنحضرت ﷺ واپس تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا کہ آل جعفر کا خیال رکھنا آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔<sup>۵</sup>

سیدہ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے عم محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا شہادت کی خبر سن کر بادیہ ترواعماہ! و اعماہ! کہتے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”بے شک! جعفر (رضی اللہ عنہ) جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہئے۔“

۱ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ۲ بخاری باب غزوة موتہ ۳ بخاری باب غزوة موتہ

۴ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸ ۵ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹

آپ ﷺ کو عرصہ تک شدید غم رہا، یہاں تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ ”خدا نے جعفر (رضی اللہ عنہ) کو دو کئے ہوئے بازوؤں کے بدلہ میں دو نئے بازو عنایت کیے ہیں، جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں۔ چنانچہ ذوالجناحین اور طیاران کا لقب ہو گیا۔

فضائل و محاسن:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ: کشادہ دست و فیاض تھے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ ان کو ابو المساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکروں سے دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگوں سے پوچھتا پھرتا، کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لے جائے اور کچھ کھلائے، لیکن میں نے جعفر (رضی اللہ عنہ) کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگوں (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لے جاتے تھے اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لا کر رکھ دیتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لادیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھ دیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت ﷺ سے فرمایا کرتے تھے کہ ”جعفر (رضی اللہ عنہ)! تم میری صورت و سیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو۔“ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھ سے پہلے جس قدر نبی گزرے ہیں ان کو صرف سات رفیق دیئے گئے تھے، لیکن میرے رفقاء خاص کی تعداد چودہ ہے، ان میں سے ایک جعفر (رضی اللہ عنہ) بھی ہیں،“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کے بعد جعفر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں،“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کے صاحبزادہ کو سلام

۱ صحیح بخاری مناقب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ

۲ متدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹

۳ جامع ترمذی مناقب اہل بیت

۴ صحیح بخاری مناقب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ

۵ جامع ترمذی مناقب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ

کرتے تو کہتے: ”السلام علیک یا ابن ذی الجناحین“۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے، لیکن جب اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیئے نہ رہتے۔

### ازواج و اولاد:

بیویوں کی صحیح تعداد نہیں معلوم، آپ کی بیوی اسماء سے تین صاحبزادے تھے عبداللہ، محمد اور عون، ان میں صرف عبداللہ سے نسل چلی۔



## حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

زید نام، ابو اسامہ کنیت، حب رسول (ﷺ) لقب، والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب ابن عبد العزیٰ بن امراء القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید الملاث بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن ثعلبہ بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

ابتدائی حالات:

گذشتہ بالانسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی، وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اپنے میکہ گئیں، اسی اثناء میں بنو قین کے سوار جو غار نگری سے واپس آ رہے تھے، اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لیے پیش کیا، ستارہ اقبال بلند تھا، غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کیا، جن کی وساطت سے سرور عالم ﷺ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شہنشاہیاں قربان ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد حارثہ بن شرحبیل کو قدرۃ اپنے لخت جگر کے گم ہو جانے کا شدید غم ہوا، آنکھوں سے سیل اشک بہائے، دل آتش فراق سے بھڑک اٹھا اور

محبت پدیری نے الفاظ کی زنگ آ میری سے اس طرح رنج و الم کا نقشہ کھینچا ۔

بکیت علی زید و لم ادر ما فعل احی فیرجی ام اتی دونہ الاجل  
”میں نے زید پر گریہ و زاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہو گیا“ آیا زندہ  
ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آگئی۔“

فواللہ ما ادری و ان کنت سائلًا اغالک سهل الارض ام غالک الحیل  
”خدا کی قسم میں جانتا ہوں اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ کیا تجھے نرم زمین نکل گئی یا  
پہاڑ کھا گیا؟“

فیالبت شعری هل نلک الدھر رجعة فحسبی من الدنیا رجوعک لی بحل  
”کاش! میں جانتا کہ آیا تیرا آنا کبھی ممکن ہے؟ پس تیرا واپس آنا ہی میرے  
لیے دنیا میں کافی ہے۔“

تذکرینہ الشمس عند طلوعها و تعرض ذکرہ اذ اقارب الطفل  
”آفات اپنے طلوع ہونے کے وقت اس کو یاد دلاتا ہے اور جب غروب کا  
وقت قریب آ جاتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کر دیتا ہے۔“

وان هبت الارواح هبحن ذکرہ فیاطول ما حزنی علیہ و باوجل  
”باد بہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برا بیچتہ کر دیتی ہے آہ! مجھے اس پر کس قدر  
شدید رنج و الم ہے۔“

ساعمل نص العیش فی الارض جاہدًا و لاسام التطواف او تسام الابل  
”عنقریب میں اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان ماروں گا“ میں اس آوارہ  
گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے گا۔“

حیاتی او تاتی علی مینتی و کل امرء فسان وان غره الامل  
”یا مجھ پر موت آ جائے.... ہر آدمی فانی ہے، اگرچہ سراب امید سے دھوکا دے۔“

واوصی بہ قیساً و عمراً کلہما و اوصی بزید انم من بعدہم حیل  
”میں قیس اور عمر دونوں کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہوں اور یزید کو پھر ان

کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں۔“

جبل سے مراد جبلہ بن حارثہ ہیں جو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے اخیائی بھائی تھے۔

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انہوں نے ایک یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرائے غم کہہ سنایا، بولے ”یقیناً انہوں نے میری فرقت میں نوحہ خوانی کی ہوگی، تم میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ اشعار سنا دینا۔“

احسن الی قومسی وان كنت فائيا بناسی قطين البیت عند المشاعر  
”میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں گو ان سے دور ہوں، میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے قریب رہتا ہوں۔“

فكفوا من الوجد الذی قد شماكم ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر  
”اس لیے اس غم سے باز آ جاؤ، جس نے تم کو پرالم بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔“

فناسی بحمد اللہ فی خیر اسرة كدام معد کابرا بعد کابرا  
”الحمد للہ کہ میں بنی معد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشچہا پشت سے معزز ہے۔“

بنی کلب کے زائرؤں نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وفور یا س نے ایک بیک یقین نہ ہونے دیا۔ بولے: ”رَبِّ کعبہ کی قسم کیا میرا ہی نور نظر تھا؟ ان لوگوں نے جب تفصیل کے ساتھ حلیہ جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کیے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شرحبیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے اور حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد منت و لجاجت عرض کی: ”اے ابن عبد اللہ! اے ابن عبد المطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ! تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدوں کی دہک گیری کرے ہو، قیدیوں کو کھانا

دیتے ہو، ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہین منت بنا دو، زرفد یہ جس قدر چاہو لو، ہم پیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔“ ارشاد ہوا: ”وہ کون ہے؟“ بولے: ”زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ)“ آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا: ”کیا اس کے سوا کوئی اور حاجت نہیں؟“ عرض کی: ”نہیں!“ فرمایا: ”بہتر زید (رضی اللہ عنہ) کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں۔“ حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکر یہ کہ ساتھ رضا مندی ظاہر کی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بلائے گئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ”تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟“ عرض کی: ”ہاں! یہ میرے ماں باپ اور چچا ہیں۔“ آپ نے ان کے ہاتھ میں قرعہ انتخاب دے کر فرمایا: ”میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہم نشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو۔“ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہنشاہ کونین کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صد ہا آزادیاں نثار تھیں۔ بولے: ”میں ایسا نہیں ہوں جو حضور ﷺ کسی کو ترجیح دوں، آپ ﷺ ہی میرے ماں باپ ہیں۔“ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس مخلصانہ وفا شعاری نے اس کے باپ اور چچا کو محو حیرت کر دیا، تعجب سے بولے: ”زید (رضی اللہ عنہ)! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو۔“ فرمایا: ”ہاں! مجھے اس ذات پاک میں ایسے ہی محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا۔“

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنی غیر متزلزل وفا شعاری سے آقائے شفیق کے دل میں محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں مقام حجر کے پاس ان کو لے جا کر اعلان فرمایا کہ ”زید آج سے میرا فرزند ہے، میں اس کا وارث ہوں گا، وہ میرا وارث ہوگا۔“ اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل گل شگفتہ کی طرح کھل گئے، گو والد کو مفارقت گوارا نہ تھی تاہم اپنے نخت جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کی آغوشِ عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا، اور اتنان و مسرت کے ساتھ واپس گئے۔

اس اعلان کے بعد حضرت زید آنحضرت ﷺ ہی کے انتساب کے ساتھ



زید بن محمد (رضی اللہ عنہ) کے نام سے زبان زدِ عام و خاص ہوئے یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی الہامی زبان نے صرف اپنے نبی آباء کے ساتھ امتساب کی ہدایات فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔

اسلام:

آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی میں شرف بیعت حاصل کیا، محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے بھائی چارہ کرادیا، ان دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تھے تو ان ہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔

شادی:

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی آیا اور کنیز تھیں، آپ ﷺ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمن (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کرنا چاہئے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، ان سے نکاح کر لیا، چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو اپنے والد کے بعد حبیب رسول اللہ ﷺ کے لقب سے مشہور ہوئے، ان ہی کے وطن سے مکہ میں پیدا ہوئے۔

ہجرت:

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم

طبقات ابن سعد، حصہ اول، جزء ثالث، ص ۲۹۲۲

طبقات ابن سعد، حصہ اول، جزء ثالث، تذکرہ حمزہ رضی اللہ عنہ

طبقات ابن سعد، حصہ اول، جزء ثالث، تذکرہ حمزہ رضی اللہ عنہ، ص ۳۰

بن ہذیم رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن خضیر انصاری رضی اللہ عنہ جو قبیلہ عبدالاشہل کے معزز رئیس تھے، ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، وہ اب تک خاندان نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر آپ نے ان کے لیے ایک علیحدہ مکان مخصوص فرمادیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرہ افتخار تھا جو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دستار فضل پر نصب ہوا، لیکن یہ بیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دربار نبوت میں بار بار ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضائے عدت کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انہوں نے کہا: ”جب تک خدا کی طرف سے کچھ حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کر سکتی“۔ چنانچہ اس کے بعد ہی اس آیت نے ان کو امہات المؤمنین میں داخل کر دیا۔

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ وَصْرًا زَوَّجْنَا كَتْبًا.

”جب زید (رضی اللہ عنہ) نے حاجت پوری کی تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا۔“

حضرت زید رضی اللہ عنہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے صحابی اور زید بن محمد (رضی اللہ عنہ) کے نام سے مشہور تھے اس لیے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے: ”محمد (ﷺ) ایک طرف تو بہو سے نکاح کرنا حرام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زید (رضی اللہ عنہ) کی بیوی سے نکاح کرتے ہیں لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پر دازی کا اس طرح پردہ فاش کر دیا:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدًا أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ﴾

”محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ خدا کے رسول

اور انبیاء کی مہر ہیں۔

اور مسلمانوں کو حکم ہوا:

﴿ اذْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ﴾

”لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے۔“

چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارث کی نسبت سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مشہور ہوئے۔

## غزوات

حضرت زید رضی اللہ عنہ تیر اندازی میں مخصوص کمال رکھتے تھے ان کا شمار ان مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھا جو اس فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے معرکہ بدر سے غزوہ موتہ تک جس قدر اہم و خون ریز معرکے پیش آئے سب میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک کارزار ہوئے غزوہ مریسج میں چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا اس لیے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے۔

متفرق کارنامے:

مشہور معرکوں کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان کی سپہ سالاری میں سر ہوئیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں زید رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تھے اس میں امارت کا عہدہ ان ہی کو عطا ہوتا تھا۔ اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے۔ ان مہمات میں سے پہلی مہم سریہ قرہہ تھی جس میں انہوں نے غنیمت کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی اور بہت سے اونٹ، مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان عجمی کو گرفتار کر کے لائے۔ ۵

ربیع الثانی ۶ھ میں بنی سلیم کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جموم میں مسکن گزین

- ۱ بخاری کتاب التفسیر
- ۲ طبقات ابن سعد حصہ مغازی
- ۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۱
- ۴ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۱
- ۵ طبقات حصہ مغازی باب سریہ قرہہ ص ۲۶

تھے اس مہم میں بھی حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، بہت سے اونٹ بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے۔

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آ رہا تھا روکنے کا حکم ہوا، حضرت زیدؓ ایک سوستر سواروں کے ساتھ یکا یک مقام عیس میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع سامان گرفتار کر لائے، مالِ غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لیے شام سے آ رہا تھا، قیدیوں میں ابو العاص بن الربیعؓ، آنحضرت ﷺ کے داماد بھی تھے، جنہوں نے اپنی اہلیہ سرور کائنات ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کر کے مخلصی پائی۔

اسی سال ماہ جمادی الثانیہ میں مقام طرف پر حملہ آور ہوئے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی کیونکہ غنیم پہلے ہی خائف ہو کر بھاگ گیا تھا۔ اس کے بعد مقام حطمی پر فوج کشی ہوئی، پانچ سو جانباز مجاہدان کے زیرِ کمان تھے، حضرت زیدؓ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے قطع منازل کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز یکا یک غنیم پر جا پڑے، بنید اور اس کے خاندان کو جس نے وجہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا، یہ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے زید بن رفاعہ کے ساتھ دربار نبوت میں ارسال کیے، چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابو یزید بن عمرو نے دورانِ لٹھی سے پہلے ہی پہنچ کر اسلام قبول کر لیا تھا اس لیے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کر دیئے گئے، اور مالِ غنیمت واپس ردیا گیا۔ پھر اسی سال ماہِ رجب میں وادیِ قرنی کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

ماہِ رمضان المبارک ۶ھ میں حضرت زیدؓ اسلامی کاروانِ تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، صحابہ کرامؓ کا بہت سا سامان تجارت ان کے

۱ ایضاً سریہ، مجموعہ ص ۶۲ ۲ طبقات حصہ مغازی باب سریہ عیس ص ۶۳

۳ طبقات حصہ مغازی باب سریہ طرف ص ۶۳ ۴ ایضاً ص ۶۳، ۶۴

ساتھ تھا مدینہ سے سات منزل دور واوی قری کے نواح میں پہنچے تو بنی بدر کی ایک رہزن و عارت پیشہ جماعت نے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویاں تو حید کو سخت اذیتیں پہنچائیں حضرت زید جہنمیؓ بمشکل جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربار نبوت میں اس واقعہ کی اطلاع دی چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آچکے تھے اس لیے حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا حضرت زید جہنمیؓ کمال احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان ڈاکوؤں پر جا پڑے اور قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے انہوں نے آستانہ نبوت پر پہنچ کر دستک دی تو آنحضرت ﷺ جس حالت میں تھے اسی حالت میں بابر تشریف لے آئے اور جوش مسرت سے گلے لگا کر ان کی پیانی پر بوسہ دیا اور دیر تک مفصل کیفیت دریافت فرماتے رہے۔

مہم موتہ اور شہادت:

موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا حضرت حارث بن عمیر از دی جہنمیؓ جو شاہ بصری کے دربار میں سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے اسی مقام پر شرمیلی ابن عمر غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے یہ پہلا موقع تھا کہ دربار رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے انتقام کے لیے نیکن ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زید بن حارثہ جہنمیؓ کو لوئے قیادت عطا کیا اور فرمایا اگر زید (جہنمیؓ) شہید ہوں تو جعفر (جہنمیؓ) اور ان کے بعد عبد اللہ بن رواحہ اس جماعت کے امیر ہوں گے۔ حضرت جعفر جہنمیؓ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر توقع تھے کہ امارت کے طفرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزاں ہو گا اس لیے انہوں نے لٹھے ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ ﷺ زید (جہنمیؓ) کو مجھ پر امیر بنائیں گے ارشاد ہوا: "اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتر کیا ہے؟"

طبقات ابن سعد حصہ مغازی سر زید بن ابی امی القری ص ۶۵ ج ۱ ایضاً ص ۶۰۶

طبقات ابن سعد ص ۳۰۰ ج ۱ ایضاً ص ۳۰۰

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی، اس لیے ایک لاکھ کاٹھنی دل لشکر امنڈ آیا تھا، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کثرت کی پرواہ نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ پادشمن کی صف میں گھس گئے، ان کے اتارنے میں دوسرے سرداران فوج نے بھی بلہ کر دیا، دیر تک گھمسان کی جنگ رہی، اسی حالت میں نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالار فوج یعنی حضرت خیر الانام رضی اللہ عنہ کے محبوب غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور شدید کشت و خون کے بعد واصل بحق ہوئے، ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا اور غازیان دین کو مجتمع کر کے ایک ایسا حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔

آنحضرت ﷺ نے میدان جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگوں کو امرائے فوج کے خبر شہادت سنادی اور فوراً غم سے آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھا جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، تو آپ بھی ضبط نہ فرما سکے۔ اور اس قدر روئے کہ گلو گرفتہ ہو گئے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ کیا ہے۔" فرمایا: "یہ جذبہ محبت ہے۔"۔

### انتقام:

حضرت سرور کائنات ﷺ کو اپنے محبوب و وفا شعار غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا، حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا، چونکہ وہ نہایت کسن تھے اس لیے بعض نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی ظاہر کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ پہلے جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن و طنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو، خدا کی قسم زید سزاوار امارت و محبوب ترین شخص تھا، اور اس کے بعد اسامہ (رضی اللہ عنہ) مجھ کو سب

سے زیادہ محبوب ہے۔

یہ مہم ابھی روانہ بھی نہیں ہوئی تھی کہ آفتاب رسالت غروب ہو گیا، لیکن خلیفہ اول نے ہجوم مصائب و صعوبات گوناگوں کے باوجود کوچ کا حکم دے دیا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے پدر شریف کے قاتلوں سے انتقام لے کر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔

**طلاق:**

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق میں وفا شعاری کا باب سب سے نمایاں ہے، مذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہوگا، آقائے نامدار کی رضا مندی ان کا پر لطف نصد حیات تھا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا گو ایک معمر عورت تھیں تاہم انہوں نے محض اس لیے ان سے نکاح کر لیا کہ آنحضرت ﷺ ان کو بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس (جن کو انہوں نے ناموافقیت کے ثبوت طلاق دے دی تھی) آنحضرت ﷺ کی طرف سے پیام لے کر گئے تو محض اس لیے آپ ﷺ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور کچھ کہتا تھا منہ پھیر کر کہا۔

گو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اخلاقی کارناموں کی تفصیل نہیں ملتی تاہم درحقیقت ان وہ اوصاف حسنہ و محاسن جمیلہ ہی تھے جس نے ان کو اور ان کی اولاد کو حضرت رسالت مآب ﷺ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب بنا دیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو آپ ان ہی کو اپنا جانشین بناتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی میں دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکا لی اور بولے ”اگر رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو اس کو بھی

بخاری ذکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ۲ طبقات ابن سعد ذکرہ ام ایمن رضی اللہ عنہا

مسلم باب زواج زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۳ طبقات ابن سعد تم اول جزو ثالث ص ۳۱

محبوب رکھتے۔“ ۱۔

حلیہ اور عمر:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی۔ ۵۴ یا ۵۵

برس کی عمر میں شہادت پائی۔ ۲۔

ازواج:

مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں۔

ام ایمن، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت ابولہب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحش

ناموافقیت کے باعث ان کو طلاق دے دی اور اس کے بعد وہ امہات المؤمنین میں شامل

کی گئیں۔ ۳۔

اولاد:

دو لڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی، لیکن حضرت

اسامہ رضی اللہ عنہ کے سوا مؤخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داغ مفارقت دیا۔ ۴۔



۱۔ بخاری ذکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

۲۔ اصحابہ تذکرہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۳۔ اسد الغابہ تذکرہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۰



## حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

نام، نسب:

عبداللہ نام، ابوالعباس کنیت، والد کا نام عباس اور والدہ کا نام ام الفضل الباہیہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف القرشی البہاشمی۔  
آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھائی میں تولد پذیر ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔  
اسلام:

حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نے یوم ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پر جوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں: ۱

کان ابن عباس مع امہ من المستضعفین ولم یکن مع امہ علی دین قومہ وقال

الاسلام يعلو ولا يعلو.

”ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبور یوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سر بلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب یہ آیت تلاوت فرماتے: ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے۔<sup>۱</sup>

ہجرت:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ۸ھ میں فتح سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز انہوں نے واپس آ کر بیان کیا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا ہوں، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرط محبت سے اپنے آغوشِ عاطف میں بٹھایا، اور سر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی: ”اے خدا! اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا۔“<sup>۲</sup>

عہد طفولیت اور مصاحبت رسول:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گو فطرۃ ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے تاہم انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں

۱ بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰ ۲ اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما

۳ اصحابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ ﷺ کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے اپنے گھر کے دروازہ میں چھپ گیا، لیکن آپ ﷺ نے آ کر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: ”جامعا دیہ کو بلا لا۔“ وہ آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے، میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا چلے رسول اللہ ﷺ آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے۔“

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لیے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے اس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت) میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے میرا سر پکڑ کر مجھے وہی طرف کر لیا۔“

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے بیدار ہوئے، انہوں نے وضو کے لیے پانی لا کر رکھ دیا، آپ ﷺ نے وضو فرما کر پوچھا: ”پانی کون لایا تھا؟“ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام لیا، آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا: ”اللہم فقہہ فی الدین و علمہ التاویل“ یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔“

ایک دفعہ وہ نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ جیس جیس میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا: ”تمہارا کیا حال ہے؟“ عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لیے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسول

خدا ہیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے از دیاد علم و فہم کی دعا فرمائی۔  
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عہد:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرور کائنات ﷺ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، سوادو برس کے بعد خلیفہ اول نے بھی داغ مفارقت دیا، خلیفہ دوم یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے جوہر قابل پا کر خاص طور سے اپنے دامن تربیت میں لے لیا، اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔“<sup>۱</sup>

محدث ابن عبدالبر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں: ”مکان عمر یحب ابن عباس و یقر بہ“ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو محبوب رکھتے تھے، اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے: ”علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ۔“<sup>۲</sup> حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے، اور ان کی فطری ذہانت و طباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، ان شاء اللہ علم و فضل کے بیان میں اس کی تفصیل آئے گی۔

خلیفہ ثالث کے عہد میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے زیر اہتمام ۲۷ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ

سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع پر جریر شاہِ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت و طباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا: ”میں خیال کرتا ہوں کہ آپ حیر عرب (عرب کے کوئی عالم تاجر) ہیں۔“  
 امارت حج:

چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہما محصور تھے اس لیے اس سال وہ خود امارت حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا: ”خالد بن عامر کو میں نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ امارت حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں بھی فتنہ و فساد اٹھ کھڑا ہو، اس لیے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفہ ثالث شہید ہو چکے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بارِ خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے، انہوں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہما: خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حادثہ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس پر خونِ ناحق کا اہتمام لگایا جائے گا، تاہم لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔

غرض اہل مدینہ کے اتفاقِ عام سے حضرت علی رضی اللہ عنہما مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم و نسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما نے مشورہ دیا کہ سردست موجود عمال و حکام برقرار رکھے جائیں، لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہما نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انہوں نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی۔ اور

کہا: امیر المومنین! میں نے رائے دینے کے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوراً اصل حقیقت کو تازہ گئے اور بولے: میرے خیال میں مغیرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی، لیکن دوسری دفعہ انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ: خیر خواہی کیا تھی؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دنیا دار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کر دیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش و فتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے، اور اہل شام و عراق کو خلیفہ ثالث کے انتقام پر ابھار کر آپ کے خلاف کھڑا کر دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: اس میں شک نہیں کہ تمہاری رائے مصالح دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بد اعمالیوں سے واقف ہوں ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں، خدا کی قسم میں کسی کو نہ رہنے دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلواریں سے فیصلہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: میری بات ماننے، گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر پر ینبوع چلے جائیے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنا لیجئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا: ”خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا“۔

غرض اس تشدد آمیز طرز عمل پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک میں جناب امیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مطالبہ اصلاح و انتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

**جنگ جمل:**

حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوج گراں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیان اصلاح کے قبضہ میں آچکا تھا، اس لیے طرفین نے میدان ذی قار میں صف آرائی کی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جناب امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ حامیان عرش خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا۔

**ولایت بصرہ:**

بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیادان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے۔

**معرکہ صفین:**

جنگ جمل کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے معرکہ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ سے ایک جماعت فراہم کر کے جناب امیر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں میدان جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا۔

چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آراء ہوتی تھیں، اس لیے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیان خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے گلست کے خوف سے اپنے

نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہوا خواہوں نے اپنی فوج کو اس دام ترویز سے محفوظ رکھنے کی بے پناہ کوشش کی تاہم مخالف کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوت قرآن کو تسلیم کرنے پر اصرار کیا۔

ثالثی اور اس کا حشر:

غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ثالث بنانا چاہتے تھے لیکن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا: ”آپ اور عبداللہ بن عباس ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہئے۔“

دونوں فریق کے اتفاق سے دو متہ الجندل حکمین کے لیے مقام اجلاس قرار پایا اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نہایت نیک طبیعت و سادہ مزاج تھے، وہ جب تھکے میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کسی فیصلہ پر متفق ہو کر باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ”خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہیں، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھیں۔“ بولے: ”ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں۔“ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصرار پر کھڑے ہو کر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا۔

صاحبو! ہم نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔



حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ نہایت صحیح ثابت ہوا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے قرار داد سے منحرف ہو کر کہا: ”صاحبو! بیشک علی (رضی اللہ عنہ) کو جیسا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے معزول کیا، میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔“

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس بخلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباس نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا، لیکن میں نے اس پر اطمینان رکھا، مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دیں گے، غرض اس ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیر رضی اللہ عنہ کے اعوان و انصار میں تفریق و اختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی، اس کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونوں حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں۔<sup>۱</sup>

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے ان کی ضلالت دور کر دیں، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھوں پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لیے ارشاد و ہدایت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔  
معمر کہ نہروان:

مخارجیوں نے نہروان میں مجتمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے، ان سرکشوں کا حال سن کر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہ وہاں سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم

<sup>۱</sup> یہ تمام واقعات طبری سے ماخوذ ہیں۔

کر کے مقام نخیلہ میں افواج خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچ کر نہایت بہادری و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔  
ایران کی حکومت:

جنگ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس، کرمان اور ایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورش برپا کر دی اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادہ بغاوت کر دیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں اعمال نکال دیئے گئے اور عجمیوں نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔“ چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہاں کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنا دیا۔<sup>۱</sup>

### بغاوت کا استیصال:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ پہنچ کر زیادہ بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انہوں نے بہت جلد کرمان فارس اور تمام ایران میں امن و سکون پیدا کر دیا۔<sup>۲</sup>

### مکہ میں عزت نشینی:

ایک روایت کے مطابق ۳۰ھ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ کے عہدہ امارت سے مستعفی ہو کر مکہ میں عزت نشینی اختیار کر لی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو الاسود دؤلی قاضی بصرہ میں باہم مخالفت تھی، ابو الاسود نے بارگاہ خلافت میں ان کی شکایت لکھی کہ انہوں نے

بیت المال میں تصرف بے جا کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا:

ان الذی بلغك باطل و انی لما تحت یدی ضابط قائم له و له حافظ فلا تصدق الظنون.

”آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے، میرے قبضہ میں جو کچھ ہے میں اس کا محافظ و نگہبان ہوں، آپ ان بدگمانیوں کو باور نہ فرمائیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ان سے بیت المال کا تمام و کمال حساب طلب کیا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ ناگوار گذرا، انہوں نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا:

فهمت تعظیمك مسرارة ما بلغك انی رزآته من مال اهل هذا البلد فابعث الی عملك من أحببت فانی ظاعن عنه والسلام۔

”میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس شکایت کو کہ میں نے اس شہر والوں کے مال میں کچھ خورد برد کیا کیا ہے، زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں، اس لیے آپ اپنے کام پر جس کو چاہئے بھیج دیجئے، میں اس سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔“

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب زیادہ باز پرس کی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لے کر مکہ چلے گئے۔<sup>۲</sup>

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے منع کرنا:

۶۰ھ میں امیر مصلوبہ رضی اللہ عنہا کے بعد جب یزید مند نشین حکومت ہوا تو ہشیمان بن علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہاں سے عازم کوفہ ہوئے۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو فیوں کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے

اس لیے انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بہ اصرار کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: اے ابن عم! میں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ نہیں ہوتا، اس طریقہ سے جانے میں مجھ کو تمہاری ہلاکت و تباہی کا خوف ہے، اہل عراق نہایت غدار ہیں، تم ان کے قول و قرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اس لیے کوفہ جانے سے یہاں مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے، ہاں! اگر اہل کوفہ درحقیقت تمہارے عقیدت کیش ہیں تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کریں، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو، وہاں بہت سے قلعے اور گھائیاں ہیں، ملک نہایت وسیع و فراخ ہے اور تمہارے والد کا اثر بھی خاصا ہے، علاوہ ازیں دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگوں سے مراسلت و مکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک میں اپنے داعی پھیلا سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اس طرح زیادہ آسانی و اطمینان کے ساتھ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ: اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے سچے خیر خواہ مہربان ہیں، لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں، اور میں نے وہاں جانے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: اگر تم جانتے ہو تو خدا را بیوی، بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ، خدا کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح نہ شہید کیے جاؤ، جس طرح (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے ذبح کئے گئے۔

لیکن مشیت الہی میں کس کو دخل تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ضد و اصرار کے باوجود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدان کر بلانے وہ خونیں منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے، لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ و تار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر میں تائبنا ہو گئے تھے۔!

شاید اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے انکار:

اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز و عراق میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی اس لیے انہوں نے ان سے بیعت کے لیے بے حد اصرار کیا اور بصورت انکار آگ میں جلادینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو چکے تھے اس بنا پر انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا اور ابوالطفیل کو کوفہ بھیج کر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی۔

ابوطفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثاروں کی ایک جماعت لے کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن زبیرؓ نے غلاف کعبہ تمام کر پناہ حاصل کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے ارد گرد کلکیوں کا انبار لگایا جا چکا تھا، ہم نے ان سے کہا: ”اگر آپ اجازت دیجئے تو اس شخص سے مخلوق الہی کو نجات دیں۔“ بولے: ”نہیں یہ حرم ہے! یہاں کشت و خون جائز نہیں، تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو۔“<sup>۱</sup>

حضرت عبداللہ بن عباسؓ درحقیقت بنو امیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ”کیا آپ ابن زبیرؓ سے لڑ کر حرم الہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟“ بولے: ”معاذ اللہ! حرم میں خوزیزی کرنا تو صرف بنو امیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت میں لکھا ہے، میں خدا کی قسم کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا، میں نے کہا: ”لوگ ابن زبیرؓ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں ان کی خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟“ فرمایا: ”کیوں نہیں! ان کے والد زبیرؓ جو حواری رسول ﷺ تھے ان کے نانا ابو بکرؓ جو حضرت آنحضرت ﷺ کے رفیق غار تھے ان کی ماں اسماءؓ جو ذات اللطاف تھیں ان کی خال عاتشہؓ جو المؤمنین تھیں ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ جو آنحضرت ﷺ کی حرم محترم

تھیں اور ان کی دادی صفیہؓ بنی نضیٰ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں پھر وہ ایک خود بھی پاک باز مومن اور قاری قرآن ہیں خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اور اگر وہ میری پرورش کریں گے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی۔<sup>۱</sup>

طائف منتقل ہوتا:

لیکن اس دلی ہمدردی و جانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہو گئی تھی اس کی بنا پر مکہ میں ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھی اس لیے کوئی معاونین کی حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہو گئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کئے۔

وفات:

۶۸ھ میں بیانہ حیات لبریز ہو گیا ایک روز سخت بیمار ہوئے بستر علالت کے ارد گرد احباب و معتقدین کا ہجوم تھا بولے: ”میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، مشرف و مقرب ہے اس لیے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو۔“ غرض مفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے نفسِ عنصری چھوڑا محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد خاک کر کے کہا: ”خدا کی قسم! آج دنیا سے حرامت اٹھ گیا۔“ غیب سے ندا آئی:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴾ (نحر)

”یعنی اے نفس مطمئن اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ۔“<sup>۲</sup>



۱ بخاری جلد ۲ ص ۶۷۲

۲ اسابہ جلد ۳ ص ۶۳

## علم و فضل

فضل و کمال کے اعتبار سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی جس میں تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ۔ ان ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل نہ رہا ہو۔

تفسیر:

بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تاویل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کی شانِ نزول اور ناخ و منسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی وہ کم کسی کے حصہ میں آئی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو علم و فضل میں ان کے ہمسر تھے فرماتے تھے کہ: ”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں۔“ شقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی نہ آنکھوں نے دیکھی تھی اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بازی لے جاتے تھے ایک دن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حلقہ مجلس میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مطلب پوچھا:

﴿أَيُّوْدُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَةٌ ضِعْفَاءُ فَاَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ

نَارًا فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يَسِّرُ اللَّهُ لَكُمْ الْأَيْتِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿ (بقرہ: ۳۶)

”کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا کہ اس کا کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں رواں ہوں، اس کے لیے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں اور اس شخص پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں، اس حالت میں اس باغ میں ایسا بگولا آیا جس میں آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا، اسی طریقہ سے اللہ تمہارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے، شاید تم بچو۔“

لوگوں نے کہا واللہ اعلم! حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اس بے معنی جواب پر غصہ آ گیا، بولے اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ نہیں معلوم، ابن عباس رضی اللہ عنہما جھکتے ہوئے بولے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل میں ہو بیان کر دو، کہا اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گویا تھا، تاہم تا کافی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کیا عمل؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب خود حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی دوسرے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہما ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیو بخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں، فرمایا: تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لیے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگوں سے پوچھا کہ

﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ..... الْخ ﴾ (نصر)

”جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر! توبہ اور استغفار کرنا۔“

کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں، کسی نے جواب دیا کہ نصرت



فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثناء کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما)! تمہارا بھی یہی خیال ہے، انہوں نے کہا نہیں، پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے! درحقیقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمان اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس میں خدا نے فتح و نصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفائے عہد پر حمد و ثناء کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہ رسالت، محرم اسرار نبوت، ثانی اثینین فی الغار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہو گئی، کہ اس کی صبح وصل کا نور چھٹتا ہوا اور شام فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آ گئی تھی۔

بظاہر اس سورہ کو آنحضرت ﷺ کی وفات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصد حیات کو پیش نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا میں انسان ایک نہ ایک مقصد لے کر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہیں رہتی، آنحضرت ﷺ دین الہی کی تبلیغ کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب تم خدا کی تحمید و تقدیس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو کچھ کام تمہارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں ہمیشہ عام جامع اور قرین عقل شق کو اختیار کرتے تھے، سورہ کوثر کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور متعدد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم

کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انسؓ، راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا: ”جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟“۔ لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا: خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بے شمار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے گی۔“۔ حضرت عائشہؓ، بیٹی اور انسؓ، کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ جیسا ”خیر کثیر“۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے عطیہ الہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت میں آ جاتی ہیں اور قرآن پاک کا سلسلہ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد ”خیر کثیر“ لیا جائے تاکہ اس کے بعد کفار سے براءت ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور فتح و نصرت (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے:

﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (شوری: ۳)

”کہہ دو اے محمد (ﷺ)! (تبلغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو“۔

عام مفسرین ”قربی“ سے مراد خاص آنحضرت ﷺ کے اہل بیت لیتے ہیں لیکن ابن عباسؓ قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودۃ فی القربی کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر بولے اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی قرابت ہے، یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت۔ ابن عباسؓ نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت ﷺ کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں۔<sup>۲</sup>

تفسیر قرآن اور فہم قرآن کی فطری ملکہ کے علاوہ شان نزول اور تاسخ و منسوخ کے بارہ میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور مالہ و ما علیہ سے پوری ان کو واقفیت نہ ہو۔

﴿ لَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتُ مُؤْمِنًا ﴾ (نساء: ۱۳)

”اے مسلمانو! (اظہار اسلام کے لیے) جو تم کو سلام کرے اس کو تم خواہ مخواہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔“

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے اس کی تفسیر بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ممنون احسان ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مال غنیمت لیے ہوئے تھے مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا ان لوگوں نے (شبہ میں) مار ڈالا اور مال غنیمت چھین لیا اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ اسی طریقہ سے اس آیت:

﴿ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَفْذِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْجِرِينَ ﴾ (حجر: ۲)

”ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں جان لیا ہے اور ان کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔“

کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے اور رکوع میں بغل کے راستے سے نظر ڈال لیتے تھے ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قرآن مجید کا یہ حکم:

﴿ لَا تَحْسِنَ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيَجْهَلُونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسِبْنَهُمْ بِمَا فَازُوا مِنَ الْعَذَابِ لَئِنْ كُنْتُمْ إِلَّا رِجَالًا مَّسْكُورًا ﴾ (آل عمران: ۱۹)

”اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے کیونکہ ہر شخص اپنے کیے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہیں کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہاں رہتا ہے اگر بہت بلند اخلاق کا شخص

۱ بخاری باب قولہ تعالیٰ لا تقولوا لانی السلام لست مؤمنًا، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۲۹۔

۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۰۵۔

ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس میں نہ ہوگا، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ﴾ (ال عمران: ۱۹)

”جب خدا نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی ہے یہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگوں کو کھول کھول کر سنائیں گے۔“

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو یہ حکم ملا تھا، مگر انہوں نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا، انہوں نے اصل جواب جو ان کی کتاب میں تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشاء دوسرا فرضی جواب دے کر آنحضرت ﷺ پر ظاہر کیا کہ انہوں نے اصل جواب دیا ہے اور پھر اس فعل پر آنحضرت ﷺ سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شاداں و فرحاں ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر خوش ہوئے تھے) اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خوشنودی کے خواہاں ہوئے تھے) تو ایسے لوگوں کے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست، طباعی، دقیقہ سنجی اور قوت استنباط کا اندازہ ہوگا، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے، تم لوگ اس سے کون سی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتویں کسی نے پانچویں، کسی نے تیسری بتائی، ابن عباسؓ سے فرمایا تم کیوں نہیں بولتے، عرض کی اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے بولنے ہی کے لیے تمہیں بلایا ہے، کہا میں اپنی ذاتی

رائے دوں گا' فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہوں' کہا میں آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو نہت اہمیت دی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ سات آسمان سات زمین ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا ہے کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس میں غلہ انگوڑ شاخ زیتون، کجور کے درخت، گنجان باغ اور سیوے اگائے یہ بھی سات باتیں ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ تم لوگ اس بچے سے بھی گئے گذرے ہوئے ہو جس کے سر کے گوشے بھی ابھی درست نہیں ہوئے یہ جواب کیوں نہ دیا۔ لے گو بعض دوسرے صحابہ مجتہد نے بھی سات کی تعیین کی تھی لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہیں سمجھوں نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے قیاس و فہم کے مطابق لی کسی نے سات کی شب بھی لی... لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں نہایت دلیری سے کام لیتے تھے بعض محتاط صحابہ مجتہد اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے لیکن بالآخر ان کو بھی ان کی مہارت تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آیت نکاتنا زلفنا فلفنا کا مطلب پوچھا انہوں نے امتحان کی غرض سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا کہ ان سے پوچھ کر بتاؤ اس نے جا کر پوچھا انہوں نے بتایا کہ آسمان کا فلق یہ ہے کہ پانی نہ برسائے زمین کا فلق یہ ہے کہ نباتات نہ اگائے ساکلی نے واپس آ کر یہ جواب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنایا انہوں نے کہا ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے بعد قرآن کے ساکلیں کو خود جواب نہ دیتے تھے بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیتے تھے ایک مرتبہ مرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا انہوں نے کہا "ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے پوچھو قرآن کے جاننے والے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہیں"۔

علوم قرآنی میں علم النسخ کی اہمیت بالکل عیاں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس بحرِ زار کے بھی شناور تھے اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں متحضر تھے یہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہیں اس نے کہا نہیں فرمایا: ”تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا“۔

گو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کی تعلیم میں بخل نہ کرتے تھے اور ان کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لیے کھلا ہوا تھا تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت ہوگی اور ہر کس و ناکس فہم قرآن کا مدعی ہو جائے گا تو امت میں اختلاف کا دروازہ کھل جائے گا ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی کرنا پڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں سارے ممالک محروسہ میں حافظ قرآن مقرر کر دیئے تھے کہ وہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دیں ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مژدہ سن کر تکبیر کا نعرہ لگایا لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما بولے کہ اب ان میں اختلاف کا تخم پڑ گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا اس واقعہ کے بعد یہ گھر چلے آئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کا کہنا کھٹکتا رہا چنانچہ آدمی بھیج کر ان کو بلا بھیجا انہوں نے عذر کر دیا دوبارہ پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا اس تاکید پر یہ چلے آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر کی تھی انہوں نے کہا پناہ بخدا اب میں کبھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کروں گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں طے کر چکا ہوں کہ جو تم نے کہا اس کو کہلو کر رہوں گا اس اصرار پر انہوں نے کہا کہ آپ نے جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن یاد کر لیا اس پر میں نے کہا کہ

ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا، انہوں نے سورہ بقرہ کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُ قَوْلَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يَشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسِدَ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادِ، وَمِنَ النَّاسِ مَن يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ (بقرہ ع ۲۵)

”اے محمد (ﷺ)! لوگوں میں سے بعض ایسے آدمی بھی ہیں جن کی باتیں تم کو دنیاوی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی باتوں پر خدا کو گواہ بنا تا ہے، حالانکہ وہ دشمنوں میں بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ تمہارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک میں پھرے تاکہ اس میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو ان کو عزت نفس گناہ پر آمادہ کرے ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔“

یہ آیتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے سچ کہا۔

خداوند:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں، اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں ملیدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۶۶۰ ہے، ان میں

۷۵ متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۱۸ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں اور ۳۹ میں مسلم۔<sup>۱</sup>

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہیں، گو بہت سی روایتیں براہ راست خود زبان وحی والہام سے لی ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۳، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کر سکتے تھے۔ ان کے ذوقِ علم اور تلاش و جستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے، مگر آپ کے اصحاب زندہ ہیں چلو ان سے تحصیل علم کریں، انہوں نے کہا ابن عباس! مجھ کو تم پر حیرت ہوتی ہے تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم میں خود تمہارے محتاج ہیں، پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہیں، یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں شخص نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھا کر اس کے پاس پہنچتے اور اطلاع دیتے، وہ گھر سے نکل آتا اور کہتا کہ تم نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، وہ کہتا..... ابن عم رسول ﷺ! آپ نے کیوں زحمت گوارا کی، کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہیں یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن چن کر خرمن علم کا انبار لگایا، جب ان کے فضل و کمال کا چرچا زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنہوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ ”ابن عباس (رضی اللہ عنہما) ہم سے زیادہ عقل مند تھے“۔<sup>۲</sup>

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے

۱ تہذیب الکمال ص ۲۰۲

۲ مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما فی طلب العلم



مکان پر جا کر حاصل کرتا حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔  
ابو رافع رضی اللہ عنہ: آنحضرت ﷺ کے غلام تھے اس لیے ان کو آنحضرت ﷺ کے  
افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس کاتب لے کر  
آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں دن کیا کیا، کیا۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ: بیان  
کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا۔

اسی تلاش و جستجو نے ان کو اقوال و افعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا،  
اکثر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو عمر اور مرتبہ میں ان سے کہیں زیادہ تھے ان کے مقابلہ میں اپنے  
قصور علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کیے بغیر لوٹ  
جائے، حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ: کاتب وحی کو معلوم ہوا تو انہوں نے پوچھا تم  
حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو، انہوں نے کہا: ہاں! زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ فتویٰ نہ  
دیا کرو، انہوں نے کہا میں تو یہی دوں گا، اگر آپ کو شک ہے تو فلاں انصاریہ سے جا کر  
پوچھ لیجئے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہیں، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جا کر پوچھا تو ابن عباس رضی اللہ  
عنہما کا فتویٰ صحیح نکلا، چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا۔

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان میں اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ: میں محرم کے سردھونے  
کے بارہ میں اختلاف ہوا، یہ کہتے تھے محرم سردھو سکتا ہے، مخرمہ اس کے خلاف تھے اس پر  
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن حنین کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ: کے پاس تحقیق  
کے لیے بھیجا، یہ اس وقت کپڑا آڑ کیے ہوئے کنوئیں پر نہا رہے تھے، عبداللہ نے سلام کیا،  
انہوں نے پوچھا کون! کہا میں ہوں عبداللہ بن حنین، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا ہے کہ  
آنحضرت ﷺ احرام کی حالت میں کس طرح سردھوتے تھے، ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے عملاً نقشہ  
کھینچ کر بتا دیا۔

۱۔ تذکرہ الحفاظ جلد اول ص ۵ ج ۱ اصابہ جلد ۲ ص ۹۲ ج ۳ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۲۶

۲۔ ابوداؤد کتاب المناسک المحرم لیل راسہ

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل کے بارہ میں اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف رجوع کرتے اس بارہ میں کہ آنحضرت ﷺ نے کہاں سے احرام باندھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت اختلاف ہے سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ابو العباس مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں آپ کے احرام باندھنے کی جگہ کی تعیین میں بہت زیادہ اختلاف ہے انہوں نے کہا میرے معلومات اس بارہ میں سب سے زیادہ ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک ہی حج کیا ہے اس لیے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع کیا جو لوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے اسی کو یاد رکھا پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہیں سے ابتدا کی ہے چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا اس کے بعد جب آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ نے مسجد میں احرام باندھا اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب اور جب بلند مقام پر چڑھے تب دونوں مرتبہ لبیک کہا۔<sup>۱</sup>

روایتوں میں احتیاط:

عموماً کثیر الروایت راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط نہیں ہوتے اور رطب و یابس کا امتیاز نہیں رکھتے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک و شبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت آنحضرت ﷺ کی جانب نہ منسوب ہونے پائے جہاں اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا وہ بیان نہ کرتے تھے چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے جب تک

جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا۔ لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ ﷺ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سا جاؤ! اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت ﷺ کا نام نہ لیتے تھے کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

حلقہ درس:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، سینکڑوں طلب گار روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لیے وقف تھا کبھی کوئی شخص ان کے چشمہ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لیے مخصوص تھیں اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابوصالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اثر دھام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں نے جا کر اس اثر دھام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انہوں نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سالکوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے۔ جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام و حلال اور فقہ کے سالکوں کو بلاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر

۱۔ مسند داری باب فی الحدیث عن الثقات

۲۔ ایضاً باب ما تھی من تفسیر حدیث النبی ﷺ

۳۔ مسند احمد ابن ضعیل جلد ۱ ص ۳۵۰

آیا اور جن کو جو سوالات کرنا تھے پیش کیے فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سالکوں کو بلایا ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا ان کے پیشرووں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان شعر و شاعری اور ادب و انشاء سے سالکوں کو بلا لاؤ چنانچہ میں نے اطلاع دی یہ لوگ آئے ان کے جہوم کا بھی وہی حال تھا ان لوگوں نے جو سوالات کیے ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے ابو صالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی۔

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور تارے نکل آئے لوگوں نے نماز نماز کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما جھنجھلا کر بولے لا اثم لک تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے آپ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے عبداللہ بن شقیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی انہوں نے جا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں صحیح ہے۔

حضر کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمہ فیض جاری رہتا تھا چنانچہ جب چند دنوں کے لیے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبان علم کی درس گاہ بن جاتی۔

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۸

۲۔ مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصر باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر

۳۔ استیعاب جلد ۱ ص ۳۵۳

## ترجمان کا تقرر:

اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران و مصر وغیرہ میں پھیلا تو وہ تو میں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جن کی زبان عربوں سے جدا تھی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی آسانی کے لیے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔

## تلاذہ:

ان کی اس فیض رسانی و علم و عرفان کی بارش نے ان کے تلاذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے مشہور تلاذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے۔

بیٹوں میں محمد اور علی پوتوں میں محمد بن علی بھائیوں میں کثیر بھتیجیوں میں عبید اللہ ابن عبید اللہ اور عبد اللہ بن معبد عام لوگوں میں عبد اللہ بن عمر ثعلبہ بن حکم مسور بن مخزوم ابو الطفیل ابو امامہ بن سہل سعید بن مسیب عبد اللہ بن حارث عبد اللہ بن عبد اللہ عبد اللہ بن شداد یزید بن اصم ابوسلمہ بن عبد الرحمن ابو جبرہ ضعی ابو مجلول لائق بن حمید ابو رجاہ عطاردی قاسم بن محمد عبید بن سباق علقمہ بن وقاص علی بن حسین عبید اللہ ابن عبد اللہ بن حبیب عکرمہ عطاء طاؤس کریب سعید بن جبیر مجاہد عمرو بن دینار ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ ربیع ابو الشعثاء جابر بن زید بکر بن عبد اللہ حزنی حصین بن جندب حکم بن ارجح ابو الجوزیہ حطان بن خفاف حمید بن عبد الرحمن بن عوف رفیع ابو العالیہ مقسم ابو صالح السمان سعد بن ہشام سعید بن ابوالحسن بصری سعید بن حورث سعید بن ابی ہند ابو الجہاب سعید بن یسار سلیمان بن یسار ابو زمیل سماک بن ولید شان بن سلمہ صہیب طلحہ بن عبد اللہ بن عوف عامر الشعثی عبد اللہ بن ابی ملیکہ عبد اللہ بن کعب ابن مالک عبد اللہ بن عبید عبید بن حنین عبد الرحمن بن مطعم عبد الرحمن بن وعلہ عبد العزیز بن رفیع عبد الرحمن

بن عاص نخعی، عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ثور، عبید اللہ بن یزید المکی، علی بن ابوطلیح، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح، سلم القریری، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن جبیر بن مطعم، ناعم، نصر بن انس، یحییٰ بن یعمر، ابوالبحری الطائی، ابوالحسان الاعرج، یزید بن ہرمز، ابو حمزہ قصاب، ابوالزبیر مکی، ابو عمر البہرانی، ابوالتوکل الناجی، ابولنصرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہم۔<sup>۱</sup>

فقہ و فرائض:

حضرت ابن عباسؓ کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لیے ایک دفتر چاہئے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پرپوتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کیے تھے۔<sup>۲</sup>

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ و مجتہد کے لیے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت ﷺ کے عہد میں نہ تھے، اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ مخصوص احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کر کے حکم صادر کرنے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فیہا، ورنہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی، تو حضرت ابوبکر و عمرؓ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو پھر اجتہاد کرتے۔<sup>۳</sup> مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ "جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی

رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو جلانے کی بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کر دو، پھر فرمایا کہ ”جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو“۔ یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباس (رضی اللہ عنہما) پر افسوس ہے۔

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبید اللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

دیگر علوم:

ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گزر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعر و شاعری اور ادب و انشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمہ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نہ صرف سخن سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ میں نمونہ کے طور پر نقل کیے ہیں:

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتى و اعمل فكر الليل و الليل عاكر  
 ”جب رات کے آنے والے غم کسی جواں مرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہیں  
 اور شب کے آخر حصہ میں تفکرات اپنا عمل کرتے ہیں۔“

وہا کونسی فی صاحبۃ لم یحدبھا سراى ولا من نکیۃ الدھر ناصر  
 ”اور وہ صبح کو میرے پاس اسی حالت میں اپنی حاجت لے کر آتا ہے کہ اس  
 میں اور اس کی زمانہ کی بد بختیوں میں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔“

فرحت بمالی ہمعہ من مقامہ وزائلہ ہم طروق مسامر  
 ”تو میں اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہوں اور اس کے رات کے آنے  
 والی تفکرات دور ہو جاتے ہیں۔“

وکان لہ فضل علی بظنہ بی احیر انسی للذی ظن شا کر  
 ”اور میں اسی کا ممنون ہوں کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص  
 میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اس کا میں مشکور ہوں۔“

شعر گوئی کے ساتھ ساتھ فصیح و بلیغ بھی تھے اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انہوں  
 نے کوئی شہرت نہیں حاصل کی تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ  
 ہوتی تھی، مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما گفتگو کرتے تھے تو فصیح ترین آدمی  
 معلوم ہوتے تھے۔<sup>۱</sup>

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان میں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جو گفتگو  
 ہوئی ہے وہ حسن بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے۔<sup>۲</sup>

معاویہ رضی اللہ عنہ : اجرك الله ابا العباس	معاویہ رضی اللہ عنہ : ابوالعباس خدا تمہیں ابی محمد الحسن
فی ابی محمد الحسن بن علی .	بن علی کی موت پر اجر دے۔
فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ : انا لله وانا	ابن عباس رضی اللہ عنہ : ابن عباس نے انا لله وانا الیہ
الیہ راجعون و غلبه البكاء فردہ	راجعون پڑھا اور آنسو ضبط کر کے بولے خدا کی
ثم قال لا یسدد الله مکانہ	قسم ان کی موت سے تمہاری قبر پر نہ ہو جائے گی
حفرنک ولا یرید موتہ فی احلک	اور نہ ان کی موت سے تمہاری زندگی میں کچھ
والله لقد اصبنا بمن هو اعظم منه	اضافہ ہوگا خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت

۱ کتاب المدۃ ص ۵ ۲ استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۳ ۳ کتاب البیان والتمجین جلد ۲ ص ۱۸۰



فقد فما صنيعا والله بعده .  
کا صدمہ اٹھانا پڑا، خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ : کم کانت سنة .

ابن عباس رضی اللہ عنہما : ان کی ولات اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ : احسبه ترك اولادا صفارا .

ابن عباس رضی اللہ عنہما : ہم سب چھوٹے تھے پھر بڑے ہوئے، اگر خدا نے ابو محمد (حسن رضی اللہ عنہ) کو اپنی رحمت کی طرف بلا لیا اور ابھی اس نے ابو عبد اللہ (حسین رضی اللہ عنہ) کو زندہ رکھا ہے اور ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما : كان كاننا صغيرا فكسروا لئنا اختار الله لابي محمد ما عنده وقبضه الي رحمة لقد ابقى الله ابا عبد الله وفي مثله الخلف الصالح .

تقریر اس قدر شیریں ہوتی تھی کہ بے ساختہ سننے والوں کی زبانوں سے مرحبا نکل جاتا، ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہیں نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے کہ ”ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ حج کے موسم میں سورہ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس سے بہتر نہ میرے کانوں نے سنی تھی نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس کو فارس و روم سن لیتے تو پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہ روک سکتی“۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ”ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شیریں بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں“۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جامعیت :

ادپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا، عبید اللہ بن عبد اللہ کے

اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی اور تاویل قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابو بکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر و شاعری، ادب، تفسیر، حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اور ان سب میں ان کی رائے بے نظر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے، کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے، کسی دن ایام عرب کی داستان سناتے، کسی دن شعر و شاعری کا چرچا ہوتا، غرض ان کا چشمہ معرفت ہر دن نئے رنگ سے ابلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لیے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمال عمل کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا۔“

### معاصرین کا اعتراف:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم تک تھے ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) ادھیر عمر والوں میں نوجوان ہیں، ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے، مجاہد تابعی کہتے تھے کہ ”میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ سے بہتر کسی شخص کا فتویٰ نہیں دیکھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے۔“ طاؤس کہتے تھے کہ ”میں نے آنحضرت ﷺ کے پانچ سوا صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلاف رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔“

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ سنت کا عالم ان سے زیادہ صائب الرائے ان سے بڑا ذوق النظر کسی کو نہیں دیکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہما باوجود اپنے ملکہ اجتهاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مشکلات کے لیے تیار کرتے تھے قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ ”ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتویٰ سنت نبوی ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا“۔

طاؤس تابعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بہت کرتے تھے ابو سلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ کے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر تم اس چھو کرے سے کیوں چٹے رہتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں نے آنحضرت ﷺ کے ستر اصحاب رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ میں گفتگو کرتے تو آخر میں ان کو ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا آج اس امت کا عالم اٹھ گیا، امید ہے کہ خدا ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو ان کا قائم مقام بنائے گا۔ مشہور عالم صحابی ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے بیٹے محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب وہ اٹھ کر چلے تو میرے باپ نے کہا کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حرم (زبردست عالم) ہوگا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے کثرت علم کی وجہ سے حرم الامۃ کہلانے لگے۔

معاصرین کی عزت:

اس ذاتی علم و فضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان سے نہایت تواضع اور انکسار سے پیش آتے تھے ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما

۱۔ یہ تمام اقوال استیعاب سے منقول ہیں جلد اس ۳۸۴ ج ۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۴

۲۔ اصابہ جلد ۳ ص ۹۲ ج ۱ اصابہ جلد ۳ ص ۹۸ ج ۵ مستدرک حاکم فضائل ابن عباس رضی اللہ عنہما

سوار ہوئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن عم رسول! ایسا نہ کیجئے۔ فرمایا ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہئے، زید بن ثابت نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا، ہم کو اپنے نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہئے۔  
بدعت سے نفرت:

عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ پیدا ہو مذہب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، تقدیر کا مسئلہ مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنیٰ افراط و تفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخر زمانہ میں نو مسلم عجمیوں کے ذریعہ سے خیر و شر اور قضاء و قدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چکی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذریعہ سے خیر و شر اور قضاء و قدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چلی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، اس وقت اس کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی، پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اس شخص تک پہنچا دو، لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا، اور اگر گردن ہاتھ میں آگئی تو اس کو توڑ دوں گا، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ”میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خنزرج کا طواف کر رہی ہیں، اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں۔“ تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کی بری رائے یہیں تک نہ محدود رہے گی، بلکہ جس طرح انہوں نے خدا کو شرکی تقدیر سے معطل کر دیا ہے، اسی طرح اس کی خیر کی تقدیر سے منکر ہو جائیں گے۔“

رسول ﷺ کی محبت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ذات نبوی ﷺ کے ساتھ غیر معمولی شیفٹنگی اور گرویدگی

تھی آپ کی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بے قرار ہو جاتے ہیں سعید بن جبیر تابعی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ”پنجشنبہ کا دن‘ کون پنجشنبہ“ اتنا کہنے پائے تھے ابھی مبتدا کی خبر نہ نکلی تھی کہ زار و قطار رونے لگے اور اس قدر روئے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگ ریزے ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے ہم لوگوں نے کہا ابو العباس! پنجشنبہ کے دن میں کیا خاص بات تھی بولے اسی دن آنحضرت ﷺ کی بیماری نے شدت پکڑی تھی آپ نے فرمایا: ”لاؤ میں تم لوگوں کو ایک پرچہ پر لکھ دوں کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاؤ اس پر لوگ جھگڑنے لگے حالانکہ نبی ﷺ کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے اور کہنے لگے کہ (بیماری کی تکلیف سے) ہڈیاں ہو گیا ہے اور آپ سے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ حواس کی حالت میں دے رہے ہیں یا ہڈیاں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس سے ہٹ جاؤ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف مجھے لے جانا چاہتے ہو“۔

رسول ﷺ کی خدمت:

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان کی خالہ تھیں یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے اکثر راتوں کو بھی رہ جاتے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری کا بھی انہیں موقع ملتا رہتا تھا ایک دن آنحضرت ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا ہے آپ ﷺ نے دعا دی ”خدا یا ان کو دین میں سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما“۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جائے ضرور سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو ایک طشت میں پانی ڈھکا ہوا رکھا دیکھا۔ پوچھا کس نے رکھا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی میں نے۔ فرمایا: ”خدا یا! ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما“۔

کبھی کبھی آپ خود بھی ان سے کام لیا کرتے تھے ایک دفعہ یہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آ رہے ہیں، بچپن کا زمانہ تھا بھاگ کر ایک مکان کے دروازے کی آڑ میں چھپ رہے، آنحضرت ﷺ نے پشت سے آ کر پکڑ لیا اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ، معاویہ اس وقت آپ کے کاتب تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جا کر کہا کہ نبی ﷺ کو تمہاری ضرورت ہے، فوراً چلو۔  
رسول ﷺ کا احترام:

آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ نماز میں بھی آپ کے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے ایک مرتبہ آخر شب میں نماز کے لیے کھڑے ہوئے، ابن عباس رضی اللہ عنہما آ کر پیچھے کھڑے ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کر لیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہو گئے، مگر جیسے ہی آپ نے نماز شروع کی، ابن عباس رضی اللہ عنہما ہٹ کر اپنی جگہ پر آ گئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ ”میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا تم پیچھے کیوں ہٹ گئے، عرض کی ”کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ آنحضرت ﷺ اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور... کے لیے فہم و فراست کی دعا فرمائی۔  
امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کا احترام:

آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضا یہ تھا کہ وہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ بھی اس عزت و تکریم سے پیش آتے تھے، جب حضرت میمونہ کا انتقال ہوا، اور لوگ مقام شرف میں جنازہ کی شرکت کے لیے جمع ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ”لوگو! یہ آنحضرت ﷺ کی حرم محترمہ کا جنازہ ہے، نفس آہستہ اٹھاؤ ہلنے نہ پائے۔“  
یہ احترام حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشوں کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے کچھ بد مزگی ہو گئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے در دولت پر حاضر ہو کر صفائی کر لی۔

ذکوان حضرت عائشہؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ نے مرض الموت میں حضرت ابن عباسؓ آئے اور حضوری کی اجازت چاہی، میں نے حضرت عائشہؓ سے جا کر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہؓ کے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمن ان کے سر ہانے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بھی کہا کہ ابن عباسؓ (عجیب) اجازت چاہتے ہیں، بولیں ان کو آنے کی ضرورت نہیں، عبداللہ بن عبدالرحمن نے کہا، اماں! ابن عباسؓ (عجیب) آپ کے سعادت مند بیٹے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں، اور رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں، ان کو اجازت دیجئے، فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلاؤ، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی آپ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنا چاہتی ہیں) حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا: ”تم کو بھی بشارت ہو“ اس خوش آئندہ سلسلہ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپ کے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اعزہ و احباب سے ملنے میں صرف روح کو جسم کا ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں، اور آنحضرت ﷺ ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کیے۔



## حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

نام نسب:

عبداللہ نام ابو عبدالرحمن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا، شجرہ

نسب یہ ہے:

عبداللہ بن مسعود بن نافل بن حبیب بن شیح بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کابل  
بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے۔

ابتدائی حالات:

ایام جاہلیت میں زمانہ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا  
یہاں تک کہ شرفاء و امراء کے بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، گویا یہ ایک درس گاہ تھی جہاں  
سادگی، جفاکشی و فاشعاری اور راست بازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا۔

مکہ میں جب دعوتِ توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اسی درس گاہ  
میں تعلیم پڑھے تھے اور عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں۔

اسلام:

ایک روز آنحضرت ﷺ اپنے مونس و ہمدم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ  
اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان  
سے فرمایا ”صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ۔“ بولے ”میں آپ کو  
دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”کیا  
تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں۔“ عرض کی: ”ہاں!“ اور  
ایک بکری پیش کی، آپ نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز



ہو گیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو علیحدہ سے لے جا کر دوہا اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے बाद گھرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تھن سے فرمایا خشک ہو جا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔

اس کرمہ قدرت نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کی ”مجھے اس موثر کلام کی تعلیم دیجئے“ آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا: ”تم تعلیم یافتہ بچے ہو“۔ غرض اس روز سے وہ معلم دین مبین کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور بلا واسطہ خود مہبط وحی والہام سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی ان کا شریک و سہم نہ تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت با برکت میں حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا خادم خاص بنا لیا، ﷺ آگے ایک خاص باب میں خدمت گزاروں کی تفصیل آئے گی۔

### جوش ایمان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں ایمان لائے جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سر زمین میں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرأت نہیں کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا: ”خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا“۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پر خطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے کہا کہ تمہارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں، اس کام کے لیے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے دستِ ستم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جوش ایمان سے براہِ ہیئت ہو کر کہا: ”مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے۔“

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن میں حاضر تھے اس وارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر ساز تو حید پر مضرب لگائی اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد عَلَّمَ الْقُرْآنَ کا حرا آفرین راگ چھیڑا مشرکین نے تعجب اور غور سے سن کر پوچھا، ”ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟“ کسی نے کہا محمد پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے یہ سننا تھا کہ تمام مجتمع غیظ و غضب سے مشتعل ہو کر ٹوٹ پرا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا، لیکن جس طرح پانی کے چند چھینے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں اسی طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا شعلہ ایمان اس ظلم و تعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب اس فرض کو انجام دے کر خشکی و شکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے بولے ”خدا کی قسم! دشمنانِ خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کروں۔“ لوگوں نے کہا ”بس جانے دو! اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔“

ہجرت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جوش و غیرتِ ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنا دیا، یہاں تک کہ ان کی مسلسل و پیہم ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرا نوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی اور یہاں پہنچ کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونوں میں بھائی چارہ کرادیا اور مستقل سکونت کے لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے متصل ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔

## غزوات

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تمام مشہور و اہم جنگوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے غزوہ بدر میں دو انصاری نوجوانوں نے سرخیل کفار ابو جہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ابو جہل کی خبر لاتا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گئے ابھی کچھ جان باقی تھی اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ ابو جہل تو ہی ہے۔

غزوہ احد خندق حدیبیہ خیبر اور فتح مکہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ میں غزوہ حنین پیش آیا اس جنگ میں مشرکین اس طرح یکا یک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہو گئے اور دس ہزار کی جماعت میں سے صرف اتنی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوت کے ارد گرد پروانہ دار اپنی ندویت کے جوہر دکھاتے رہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان ہی جانثاروں میں تھے فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسی قدم تک پسا ہوئے لیکن پھر جم کر کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ اپنے رہوار کو آگے بڑھا۔ لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا اسی حالت میں آپ ایک دفعہ زین سے بچکے۔ میں نے پکار کر کہا ”آپ سر بلند رہیں خدا نے آپ کو رفعت عطا فرمائی ہے۔“ فرمایا ”مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا دو۔“ میں نے خاک اٹھا دی تو آپ نے مشرکین کی جانب پھینک دی جس سے ان کی آنکھیں غبار آلود ہو گئی پھر ارشاد ہوا ”مہاجرین و انصار کہاں ہیں؟“ میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انہیں آواز دے کر بلاؤ میں نے چیخ کر پکارا تو یکا یک سب کے سب پلٹ پڑے اس وقت ان کی تلواریں نور ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح شعلہ دکھتا ہے غرض بڑا ہوا کھیل پھر بن گیا مشرکین مغلوب ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

## جنگ یرموک:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزت نشین رہے لیکن عہد فاروقی میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگ شجاعت میں بھی ہیجان پیدا کیا۔ ۱۵ھ میں گوشہ خلوت سے نکل کر رزمگاہ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے اور میدان یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں سرگرم پیکار ہو کر خوب داد شجاعت دی۔

عہدہ قضاء:

۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے، عہدہ قضاء کے علاوہ جزانہ کی افسری مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والی کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے چنانچہ فرمان تقرر کے الفاظ یہ ہیں:

انسی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرا و ابن مسعود معلما و وزیرا و قد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم و انھا لمن النجبا من اصحاب محمد من اهل یندر فاسموا لهما و اطیعوا و اقلوا بہما و قد ائرتکم بابن ام عبد علی نفسی۔

”میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے ان ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو معرکہ بدر میں شریک تھے اس لیے ان کو سمعاً و طاعاً کہو اور اتباع کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے ابن ام عبد اور (عبداللہ بن مسعود) کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوشی اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے اس طویل عرصہ میں بساط سیاست پر گونا گوں انقلاب ہوئے خلیفہ دوم نے وفات پائی، خلیفہ ثالث نے مسند خلافت پر قدم رکھا اور خاص کوفہ کی عنان حکومت اہل کوفہ کو شکایت و احتجاج پر یکے با دیگرے مختلف والیوں کے ہاتھ میں آئی، لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس

کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت پیدا نہ ہوئی۔

فطری رحم دلی، نرمی اور تلافی کے باعث عفو، درگزر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہ عدالت میں جب کسی مجرم پر کوئی جرم ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگزر سے پیش آنا، درحقیقت نظام حکومت ارکان و اساطین کو متزلزل کر دینا ہے، اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی و شفقت کے باوجود قانونِ معدلت کے اجراء میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادر زادہ کو شراب خواری کے جرم میں پیش کیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دیا، لیکن جب دُڑے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم و شفقت سے بھر آیا اور منت و سماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، انہوں نے غضبناک ہو کر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے اس کو حد شرعی کا مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جو اب ممکن نہیں۔ اسلام میں سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری کی گئی جس نے چوری کی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو اعراض و چشم پوشی سے کام لینا چاہئے، کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں بخش دے۔

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرموں کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤں کا مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے قبیحین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسول خدا کہتے ہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کر دیا اور سب کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا، لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لیے قتل کی سزا تجویز کی۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: ”ہاں!“ آپ نے فرمایا کہ ”اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہیں آیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خواہش کو پورا کرنا ضروری تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری عہد خلافت میں جب کوفہ سازش فتنہ پردازی اور بد امنی کا مرکز ہو گیا تو عہدہ قضاء کے لحاظ سے قدرۃ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی غیر معمولی دشواریاں پیش آئیں ایک دفعہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا جو امیر کوفہ کے سامنے اپنی باز گیری کے کرشمے دکھا رہا تھا لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جناب نامی ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا چونکہ یہ صریحاً معاملات حکومت میں مداخلت بیجا تھی اس لیے انہوں نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دے کر دربار خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا وہاں سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ و تعزیر کے بعد اس کو چھوڑ دو اور لوگوں کو سمجھاؤ کہ پھر آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا "صاحبو! صرف شک و شبہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لو مجرموں اور خطا کاروں کو سزا دینا ہمارا فرض ہے تم کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں"۔

اسی سال ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ والی کوفہ پر شراب خواری کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ وہ تجلکہ میں شراب پیتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہیں ہے اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو میں اس کی پردہ دری کے درپے نہیں ہو سکتا ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہو کر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ "کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ میں چھپ کر کون سا کام کرتا ہوں یہ تو اس شخص کے لیے کہا جا سکتا ہے جو مشکوک ہو"۔ غرض اسی سوال و جواب میں بات بڑھ گئی اور دونوں ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر اٹھے۔

خزانہ کی افسری

حضرت عبداللہ بن مسعود منصب قضاء کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے کوفہ

عظمت، وسعت و کثرتِ محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھوں روپے کے وظائف جاری تھے، فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزاروں سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں، اور خراسان، ترکستان اور آرمینیا پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کیئے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حربہ بھی ادھر کا ادھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی انتظامی قابلیت، بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ذاتی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زہد و بے نیازی کے اقلیم کے بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتے تھے، لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزاء و احباب، افسر اور والی ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ والی کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا، اور داری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی بات پیش آئی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں نھاٹھا کر کہا، "اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے۔"

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، اس لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے زہد و بے نیازی کے لیے بددعا نہ کرنا۔ بولے "خدا کی قسم! اگر خوفِ خدا نہ آتا تو میں تمہارے لیے سخت بددعا کرتا۔" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بے نیازی کا یہ مزاج دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانہ امارت سے باہر نکل آئے۔

اس واقعہ کی رپورٹ دربارِ خلافت میں پہنچی تو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سخت ناراضی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ولید بن نجر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی گو اس ناراضی سے مستثنیٰ نہ تھے، ہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔<sup>۱</sup>

## معزولی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر عہد حکومت میں جب سازش و مفسدہ پردازی کا باز گرم ہوا تو مخفی ریشہ دانوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا اور یکا یک معزول کر دیئے گئے، معزولی کی خبر نے کوفہ کی علیؓ کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین تلامذہ اور اعیان شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمان عزل پر سخت ناراضی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مصر ہوئے۔ ”آپ کوفہ سے تشریف نہ لے جائیں اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئے گی ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں“ بولے ”امیر المؤمنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے میں نہیں چاہتا کہ فتنہ و فساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اس کی ابتدا میری ذات سے ہو غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین:

جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسط راہ میں ایک عورت کو سرگرداں و پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز و تکفین کیجئے، پوچھا کون؟ کہا ابوذر رضی اللہ عنہ صحابہ رسول ﷺ، آپ فدینہ بانی و امی کہہ کر مع اپنے ساتھیوں کے اتر پڑے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد و متقی صحابی تھے وہ دار الخلافت کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل میں اٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لیے اپنا آغوش شوق پھیلا دیا، یہ لوگ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے ان دم واپس تھا اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق ضروری ہدایات دے کر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کر سپرد خاک کیا۔

۱۔ اصحابہ مذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۱۶، اس روایت میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح نہیں ہے لیکن مستدرک حاکم میں صراحت کے ساتھ نام موجود ہے۔



حضرت عبداللہ جوہنشی نے مکہ پہنچ کر امیر المؤمنین کو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع دی اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزالت نشینی و عبادت الہی میں بسر ہوں۔

علامت:

۳۲ھ میں جب کہ حضرت عبداللہ جوہنشی کا سن مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی 'خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے' میں نے گذشتہ شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا ﷺ ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے: "ابن مسعود (جوہنشی) میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی 'آؤ میرے پاس چلے آؤ'۔ فرمایا: "خدا کی قسم تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟" بولا "ہاں!" فرمایا: "تم میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے"۔

یہ خواب درحقیقت واقعہ ہو کر پیش آیا چند ہی دنوں کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہو گئی امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انہوں نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کر دیا تھا اس لیے وہ اس آخری لمحہ حیات میں غصہ خواہی و عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت عبداللہ جوہنشی: اپنے گناہوں کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کیا چاہتے ہیں؟

حضرت عبداللہ جوہنشی: خدا کی رحمت۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کے لیے طیب بلاؤں؟

حضرت عبداللہ جوہنشی: مجھے طیب ہی نے بیمار ڈالا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کا وظیفہ جاری کروں؟

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کی صاحبزادیوں کے کام آؤں گا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ: کیا آپ کو میری لڑکیوں کے محتاج دست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا“۔

مذکورہ بالا سوال و جواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت میں بھی دونوں ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفو خواہی کی صیقل نے دونوں کے آئینہ قلب کو بالکل شفاف کر دیا تھا، محمد بن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے۔

### وفات:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ: کو جب سفر آخرت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے مال و اسباب اور اولد نیز خود اپنی تجمیر کو تکفین کے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۳۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، مستند صحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

## علم و فضل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کئے گئے ہیں تم نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چراتے تھے، لیکن خدا کی قدرت معلم زبانی کی نگاہ

۱۔ یہ تمام تفصیل اسد الغابہ سے ماخوذ ہے۔ ۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۱۳

۳۔ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۱۳

انتخاب نے گلہ بانی کی درس گاہ سے نکال کر اپنے حلقہ تلمذ میں داخل کر لیا، اور علم و فضل کے آسمان پر مہر میر بنا کر چمکایا۔  
علم کا شوق:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابتدا ہی سے علم کے شائق تھے، قبول اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تعلیم دیجئے۔“ بشارت ملی انک غلام معلم۔  
تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔  
اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمہ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر، حضر، غرض ہر موقع پر ساقی معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، لیکن طلب صادق کی پیاس نہ بجھتی یہاں تک کہ آپ جب داخل حرم نہ ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائیں۔  
رسالت مآب ﷺ کی خدمت و صحبت کا اثر:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور پر نور ﷺ کے خدام خاص میں شامل تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا جوتا پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمت گزاری کے ساتھ وہ آنحضرت ﷺ کے ہدم و ہمزاز بھی تھے۔  
مخصوص صحبتوں میں شریک کئے جاتے۔ بلا اذن تجلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو حضور کے بستر مسواک اور وضو کے پانے والے کو معزز خطاب دے رکھا تھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے، ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کثرت سے

۱۔ مسند ابوداؤد دہلیسی و مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۹ و ابن سعد و دلائل ابی نعیم و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۶

۲۔ مسند امام اعظم ص ۱۸۳ ج ۳ متدرک جلد ۳ ص ۳۱۶

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲ ثالث ص ۱۰۹

آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو (عرصہ تک) خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے۔ یہ غرض اس خدمت گذاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ خرمن کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا۔

### قرآن:

قرآن کریم جو اصل اصول اسلام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے سب سے بڑے عالم تھے فرماتے ہیں کہ ”ستر سورتیں میں نے خاص مہبط وحی والہام کے وہن مبارک سے سن کر یاد کی تھیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جن کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا۔“ ایک دفعہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا کہ ”تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں۔“ شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ ”اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہؓ کے حلقوں میں شریک ہوا، مگر کسی کو عبداللہ بن مسعودؓ کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔“

ابو الاحوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبداللہ بن مسعودؓ اپنے چند احباب کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ کے مکان میں تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابو مسعودؓ نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا: ”میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے۔“ ابو موسیٰؓ نے کہا: ”کیوں نہیں! یہ اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں باریاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے۔“ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعود کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ”قرآن چار

آدمیوں سے حاصل کرو۔ اور سب سے پہلے ابن ام عبد جہشہ کا نام لیا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے سے کہا: ”کیا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا نہیں وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔“<sup>۱</sup>

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انہوں نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔

چونکہ اس مصحف کے نقل و ترتیب کی خدمت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دی تھی اس لیے وہ اکثر ان کی نا تجربہ کاری پر معرض ہوتے تھے شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ستر سے کچھ زیادہ سورتیں میں نے خاص رسول خدا ﷺ کی زبان سے سن کر یاد کی تھیں، حالانکہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس وقت لڑکے تھے اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ خود حضور پر نور ﷺ نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو عبد اللہ بن مسعود سالم معاذ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔<sup>۲</sup>

تفسیر:

قرآن مجید تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ آیات قرآنی کی تلاوت میں خاص مہارت رکھتے تھے ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث تھی کہ ”جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضب ناک ہوگا۔“ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی تصدیق میں برجمہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔<sup>۳</sup>

۱۔ مسلم باب میں فضائل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹

۳۔ بخاری باب القراء میں اصحاب النبی ﷺ ۴۔ مسند جلد ۱ ص ۳۷۷ بخاری جلد ۲ ص ۶۵۲

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْعُرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾

”بے شک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفع قلیل حاصل کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔“

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقہ درس میں بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ سے سوا کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ ”شُرک“ پھر قتل اولاد پھر اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا“ اس حدیث کو بیان کر کے انہوں نے برجستہ اس آیت سے اس کی تصدیق فرمادی۔“

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا﴾ (سورہ فرقان ع ۷)

”جو لوگ خدا کے ساتھ (کسی) دوسرے خدا کو نہیں پکارتے اور ناحق جان نہیں مارتے کہ اللہ نے اس کو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو شخص ایسا کرے گا وہ ان گناہوں کا خمیازہ اٹھائے گا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیریں حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔  
تفسیر بالرأے سے احتراز:

محض اپنی رائے و قیاس سے آیات قرآنی کی تشریح و تفسیر کرنا علمائے امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے ایک مرتبہ کسی نے آ کر کہا کہ ایک شخص مسجد میں یوم ناسی السماء بدخان مبین کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے وہ کہتا ہے کہ ”قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے۔“ بولے: ”دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو

اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہو جائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ قریش کی نافرمانی اور آنحضرت ﷺ کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنے والا ہے اور وہ جنگ بدر کا دن ہے۔“

### قرأت:

قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا، صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرأت میں ابن ام عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پیروی کی جائے، ایک مرتبہ وہ نماز میں سورہ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ خیر الامم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد تشریف لائے اور ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا:

اسئل تعطلہ اسئل تعطلہ۔

” (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا۔“

پھر ارشاد ہوا کہ ”جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تر و تازہ پڑھنا سکھے، جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو وہ اس کو قرآن ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہئے۔“

دوسرے روز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس بشارت و تہنیت کے خیال سے تشریف لائے اور پوچھا کہ ”رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی؟“ بولے: ”میں نے کہا اے خدا! مجھے ایمان عطا کر جس کو کبھی جنبش نہ ہو ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو اور خلد بریں میں (حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی دائمی رفاقت نصیب کر۔“

وہ تلاوت قرآن کے نہایت شائق تھے اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل

بہلایا کرتے، بسا اوقات خود آنحضرت ﷺ بھی ان سے قرآن کی کوئی سورت پڑھوا کر سنتے اور ملاحظہ ہوتے، خود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورہ نساء پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں! ارشاد ہوا: ”کیوں نہیں! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سنا چاہتا ہوں“۔ غرض آپ نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا ”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا“ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

روایت میں خوف و احتیاط:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو بارگاہ نبوت میں جو مخصوص تقرب حاصل تھا، اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت میں وہ حد درجہ محتاط تھے ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی صحبت میں کالم ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آ گیا، اور کہنے لگے ”آپ نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب یا اسی کے مشابہ“۔

عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک سال تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی خدمت میں میری آمد و رفت رہی، لیکن میں نے کبھی ان کو رسول اللہ ﷺ کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ ﷺ کا فقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا اور خوف و ہراس سے عرق عرق ہو گئے۔

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت:

شاگردوں کو بھی عموماً روایت حدیث میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے

۱ ایضاً ص ۳۷۳ بخاری جلد ۲ ص ۶۵۹ ۲ تذکرۃ الصحابہ جلد ۱ ص ۱۳

۳ ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۰



کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسول خدا ﷺ سب سے زیادہ مقدس پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔<sup>۱</sup>  
**کثرت روایات کی وجہ:**

لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہئے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے کیونکہ معظم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانام ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا، یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کے باوجود صحاح و مسانید میں ان سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ چنانچہ آپ کی جملہ مرویات کی تعداد ۸۳۸ ہے ان میں سے ۶۳ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں۔<sup>۲</sup>  
**مذاکرہ حدیث کا شوق:**

بسا اوقات وہ مذاکرہ حدیث کے شوق میں تلامذہ و احباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت کا ذکر مذکور ہوتا رہتا، ابوصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکا یک دروازہ سے السلام علیک کی آواز بلند ہوئی، میں نے جواب دیا باہر نکل کر دیکھا، تو عبداللہ بن مسعود جو بیٹھتے تھے، میں نے کہا ابو عبد الرحمن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے، بولے آج بعض مشاغل ایسے پیش آ گئے کہ دن پڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال آیا کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کر لوں۔ غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے اور دیر تک پر لطف صحبت رہی۔<sup>۳</sup>  
**آداب روایت:**

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب متین اور سنجیدہ بن جاتے تھے اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے، ایک مرتبہ انہوں نے ایک طولانی حدیث بیان

فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مومنین و سبحان رب العزت کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کر کے تبسم ہوئے اور فرمایا ”تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟“ لوگوں نے کہا آپ کیوں ہنستے ہیں؟ اس لیے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا۔!

فقہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان فاضل صحابہ مجتہد میں ہیں جو فقہ کے موسس اور بانی سمجھے جاتے ہیں، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی سنگ اساس پر تعمیر ہوئی۔

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فد کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقہ درس قائم کرنا پڑا، اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج و اشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح تمام خطہ عراق، فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا پیرو ہو گیا اور ان کی درس گاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سند فضیلت لے کر نکلے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں سے علامہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت حاصل کی، پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کو فد کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا۔

ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کا نہایت کافی ذخیرہ تھا، جو ان کو تمام تر زبانی یاد تھا، ان سے حماد نے حاصل کیا، اور حماد سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا، جنہوں نے اپنے علم و اجتہاد سے اس کو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض سے مالا مال ہے۔

اصول فقہ:

قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہیں، اور

یہی اصول فقہ کے موضوع فن بھی ہیں ان میں سے دونوں موخر الذکر کی ضرورت رسول اللہ ﷺ کے بعد پیش آئی کیونکہ مہبط وحی والہام کی موجودگی میں اجماع و قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی۔

### اجماع:

اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابو بکر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا خاص طفرے امتیاز ہے تاہم اصولی حیثیت سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا:

مارای المسلمون حسناً فهو عند الله حسن و ماراوا مسیئاً فهو عند الله مسیئاً۔  
 ”جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے۔“

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے۔

### قیاس:

اصول فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے جو درحقیقت قرآن پاک حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا اس لیے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیات غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی وہ موقع ہے جہاں اس کی قوت اجتہاد تفریح مسائل و استنباط احکام کا امتحان ہوتا ہے۔  
 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لیے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں ہم یہاں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہیں جن

سے ان کی قوت استنباط کا اندازہ ہوگا۔

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سدراہ ہو جانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کر سکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیج کر احرام کھول دے اور آئندہ جب کبھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما "مجبوری" کو علت مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لیے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "میں عمرہ کے لیے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی"۔ بولے: "تم صرف قربانی بھیج کر احرام کھول دو اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو"۔<sup>۱</sup>

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہیں (۱) اشتراک علت اشتراک حکم کا باعث ہے (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعیم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی اس کو وراثت میں ترجیح دی جائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اختیانی یا علاقائی بھائی پر صرف اس لیے ترجیح ہے کہ اول الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت ہے، برخلاف اس کے دونوں مؤخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اس اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچا زاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اختیانی بھائی بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اس صورت میں ازید یا قرابت کی علت مرتجح نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن جمہور علمائے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔<sup>۲</sup>

۱۔ موطا امام محمد ص ۲۳۲

۲۔ التوضیح والتلویح

## اجتہاد:

مذکورہ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیاں صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ناخن اجتہاد سے حل ہوئیں، آپ استنباط احکام و تفریح مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے اور نصوص شرعیہ میں ناخ و منسوخ، موقت و مؤبد کی تفریق کر کے صحیح استنباط حکم راہ پیدا کر لیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استثناء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لیے جس کا شوہر مر گیا ہو عدت کیا ہے، چونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں سورہ بقرہ میں عام حکم یہ ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يُتَرَبِّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾

”تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بیویاں چھوڑیں تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں۔“

اور سورہ نساء میں خاص حاملہ عورتوں کے لیے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے:

﴿وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

”اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں۔“

اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی اس کا زمانہ عدت قرار دیا ہے، تاکہ دونوں آیتوں کا توافق پیدا ہو جائے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حاملہ عورت کے حق میں سورہ بقرہ کی آیت کو سورہ نساء کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضع حمل عدت قرار دی اور فرمایا کہ میں اس کے لیے مہلکہ کر سکتا ہوں کہ سورہ بقرہ سورہ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے۔

یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ آج تک احناف اور دیگر فرقہ اسلامیہ کے درمیان ایک معرکہ الآراء بحث ہے اور اس کا کسی طرح

فیصلہ ہی نہیں ہونے پاتا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا، انہوں نے جواب دیا۔

انصت فان فی الصلوۃ شغلا یمکنفیک ذاک الامام۔

”خاموش رہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی، امام کا پڑھنا تمہارے لیے کافی ہے۔“

اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے، جو آج بھی احناف کے لیے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ پر ہے۔

① إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا.

”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو۔“

② مقتدی کی قرأت سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی۔

③ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے من كان له امام فقرأه الامام قراءة له یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لیے امام کی قرأت کافی ہے۔

ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ”ایک میت نے ورثہ میں ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی؟“۔ انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہے اور پوتی محروم الارث ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں آیا انہوں نے فرمایا ”اگر میں رسول خدا ﷺ کے فرمان پر ابو موسیٰ کے قول کو ترجیح دوں تو میں گمراہ ہوں گا، بیشک لڑکی نصف پائے گی، لیکن دو ٹکٹ پورا کرنے کے لیے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا، اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے۔“۔ یہ جواب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ”جب تک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔“۔ چنانچہ آج یہی فتویٰ تمام مسلمانوں کا معمول ہے۔

## معاصرین فضل و کمال کے معترف تھے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تبحر علمی و ملکہ اجتہاد کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معترف تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بپاش ہو جاتا اور فرماتے:

کیف ملی علما! (مستدرک حاکم مناقب)

”ایک طرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔“

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چند کوفیوں نے ان کے تقویٰ، حسن خلق اور تبحر علمی کی بے حد تعریف کی، انہوں نے پوچھا: ”کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟“ بولے ”ہاں!“ فرمایا: ”تم لوگوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو کچھ تعریف کی ہے، میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں۔“<sup>۱</sup>

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کے حلق سے بیوی کا دودھ فرد ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے، انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائے گی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، انہوں نے (روک کر کہا) آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ رضاعت صرف دو سال تک ہے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر اعترافِ فضل کے لہجہ میں لوگوں سے کہا ”جب تک یہ حبر (یعنی عالم تبحر) تم میں موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔“<sup>۲</sup>

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے جو تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا کہا: ”تہہ بند ذرا اوپر کر کے باندھو“ اس نے کہا ابن مسعود تم بھی تہہ بند اوپر کر دو بولے ”میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رد و قدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوڑے لگوائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے شخص سے منہ زوری کی۔<sup>۳</sup>

۱ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱، ثالث ص ۱۱۰ ۲ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱، ثالث ص ۱۱۰

۳ مؤطا امام مالک ص ۲۲۳ ۴ اصحابہ جلد ۳ ص ۱۳۰

## نامعلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز:

ایک طرف تو ان کی قوت اجتہاد و جلالتِ شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے، بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔  
 مسروق جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں، بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اکثر مسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جبکہ علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنا لیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے قیاس کریں گے۔

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اس کے لیے کیا حکم ہے وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لیے لوگوں کے ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے، لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے: ”میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت میں بیٹھنا چاہیے۔“ پھر فرمایا: ”اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ خدا اور اس کا رسول ﷺ اس سے بری ہیں“ اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراح رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوسنان رضی اللہ عنہما موجود تھے، انہوں نے اٹھ کر کہا: ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بروء بنت واثق کے حق میں بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا۔“ اس توافق سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔

فتویٰ سے رجوع کرنا:

اگر وہ کبھی کوئی فتویٰ دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اس سے



رجوع کر لیتے، ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ”اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟“ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواز کا فتویٰ دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیوں کے سوا اور تمام صورتوں میں ناجائز ہے، چنانچہ انہوں نے کوفہ واپس آ کر براہ راست مستقی سے ملاقات کی اور اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے فتح نکاح کا حکم دیا۔<sup>۱</sup>

معاصرین سے استفادہ:

نامعلوم مسائل میں ان کو اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ کرنے میں عار نہ تھا، ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خرید کی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی، چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل میں شک تھا، اس لیے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ۔<sup>۲</sup>

امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے کہ ”صحابہ کرام میں سے چھ شخص مجتہد تسلیم کئے جاتے تھے، اور وہ باہم مسائل فقہیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے، علی رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، ایک ساتھ اور عمر رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ایک ساتھ۔“ امام شععی کا بیان ہے کہ عمر زید اور عبداللہ بن مسعود مجتہم باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔

ارباب علم کی قدر شناسی:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، ارباب علم و فضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کا قول تھا کہ ”اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ عنہ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا پلہ ہماری رہے گا۔“ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ

ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔<sup>۱</sup>

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نسبت فرمایا کرتے تھے ”ابن عباس بہترین ترجمان قرآن ہیں، اگر وہ (عہد رسالت میں) ہم لوگوں کا سن پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کر سکتا۔“<sup>۲</sup>

علقہ ان کے شاگرد تھے، انہوں نے محض اپنی ذہانت و کثرتِ معلومات کے باعث ان کے حلقہ درس میں ممتاز عزت حاصل کر لی تھی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ”علقہ کے معلومات سے میرے معلومات زیادہ نہیں ہیں۔“<sup>۳</sup>

### احترامِ خلافت:

منصبِ خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، اور کبھی خلیفہ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنتِ ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امت مرحومہ میں تفریق و انتشار کا اندیشہ تھا، ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے انا لله وانا الیہ راجعون میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں، اب یہ کیا انقلاب ہے؟“ لیکن عملاً انہوں نے چار ہی رکعتیں پڑھیں۔ لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافت کا احترام ضروری ہے۔<sup>۴</sup>

### درس و تدریس:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں باقاعدہ حدیث فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درس گاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن میں سے علقہ، اسود، مسروق، عبیدہ بن حارث، قاضی شریح اور ابو وائل نہایت نام آور ہوئے، خاص کر علقہ ان کی

۱ استیعاب تذکرہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۲ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵

۳ تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۰۸ ۴ بخاری جلد ۱ ص ۱۳۷ ۵ مسند اعظم ص ۸۶

صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور و طریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا۔ شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی، علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں، عبدالرحمن بن یزید کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا۔ علقمہ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ملن سے ان کو مطلع کروں۔“ ۱۔

ایک مرتبہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے ان کے وسیع حلقہ درس کو دیکھ کر کہا ”ابو عبدالرحمن! کیا آپ کی طرح آپ کے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کر سکتے ہیں؟“ بولے: ”اگر آپ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں۔“ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورۃ پڑھ کر سنائی، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا ”کیا رائے ہے؟“ انہوں نے نہایت تعریف کی۔ ۲۔

معتقدین کا ہجوم:

تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا، شقیق کا بیان ہے کہ ”ہم لوگ مسجد میں بیٹھ کر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے۔“ ۳۔

طارق بن شہاب کہتے ہیں ”ہم لوگ عبد اللہ بن مسعود کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے ایک روز جب معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبدالرحمن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گذرا انہوں نے جواب دیا ”صدق اللہ ورسولہ یعنی خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔“ یہ کہہ کر داخل حرم ہوئے ہم

لوگوں کو اس جواب پر سخت حیرت تھی، باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے گا؟ میں نے کہا کہ میں پوچھوں گا، غرض وہ تشریف لائے اور میں نے پوچھا۔ بولے: ”رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیوں کو سلام کرنا تجارت کا ترقی کرنا، اعزہ کے ساتھ بد سلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قریب قیامت کی نشانی ہے۔“ ۱۔

قوتِ تقریر اور وعظ و پند:

تقریر و خطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایجاز و اختصار کے ساتھ تاثیر ان کی تقریر اور وعظ کی ممتاز صفت تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مختصر تقریر فرمائی، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تقریر کا حکم دیا، ان دونوں نے باری باری اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا، انہوں نے کھڑے ہو کر حمد و نعت کے بعد کہا:

ایہا الناس ان اللہ ربنا و ان الاسلام دیننا و ان هذا نبینا (و او ما بیدہ الی  
النبی ﷺ) رضینا ما رضی اللہ لنا و رسولہ . السلام علیکم .

”صاحبو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے، اسلام ہمارا مذہب ہے اور یہ (ہاتھ سے  
آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے نبی ﷺ ہیں، خدا اور اس کے  
رسول نے جو کچھ ہمارے لیے پسند کیا ہے ہم نے بھی اس کو پسند کیا۔ السلام علیکم۔“

آنحضرت ﷺ نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا: ”ابن ام عبد

نے سچ کہا“۔ ۲۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اپنے مواعظ حسہ میں عموماً توحید، نماز یا جماعت اور  
خوف خدا کی تلقین فرماتے، اور تمثیلات سے ذہن نشین کراتے تھے، مثلاً ایک وعظ میں  
انہوں نے فرمایا کہ ”ایک شخص نے جس کے نامہ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی،  
مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکلی میں پیس کر سمندر میں ڈال دینا“

لوگوں نے اس کی وصیت پوری کی، خدا نے اس کی روح سے سوال کیا ”تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟“ بولا: ”خدا یا تیرے خوف اور ڈر سے“ اس گزارش پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ بخش دیا گیا۔۔۔ اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیت باری تمام اعمالِ حسنہ کی روح ہے۔

کثرتِ وعظ:

وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ و پسند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے، اس بنا پر لوگوں کے ضد و اصرار کے باوجود بہت کم منبر وعظ پر تشریف لے جاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف و سادہ لیکن موثر الفاظ میں فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرانہ انھیں، ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق میں معتقدین کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی، لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا: ”صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہیں، لیکن میں اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کثرتِ بیان آپ کو تھکا دے گی، رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناعہ دے کر وعظ فرماتے تھے“۔۔۔

یوں تو ان کا دولت کدہ ہر وقت طالبانِ علم کا مرجع رہتا تھا، لیکن طلوعِ آفتاب کے بعد کے وقت مسئلہ مسائل کے لیے مخصوص تھا، ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح و تہلیل میں مصروف تھے، طلوعِ آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا میں نے رات نماز میں پوری مفصل پڑھیں، عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہوں گی، ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرآن یاد ہے جن کو آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے، آپ دس مفصل اور دو سو تیس آل عمران کی پڑھتے تھے۔۔۔

۱۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۳۹۸ ج ۲ مسند احمد جلد ۱ ص ۳۷۷

۲۔ مسلم جلد اول ص ۳۰۳ مطبوعہ مصر اس حدیث میں اور واقعات بھی ہیں مگر ان کو تعلیم سے تعلق نہیں ہے اس لیے ہم نے حذف کر دیے۔

## اخلاق:

سنت نبوی ﷺ کی پیروی کے شوق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اخلاق و معاشرت میں ایک گونہ حضرت خیر الانام ﷺ کے مکارم و محامد کی جھلک پیدا کر دی تھی۔ عبدالرحمن بن یزید کا بیان کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ”آپ ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق و ہدایت میں آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہو تاکہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں۔“ بولے: ”عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی ہدایت، حسن خلق اور طوع طریقہ کے پابند تھے اور محمد ﷺ کے دوستوں میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوت میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوثر تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امتحاناً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے، سب نے بالاتفاق تعریف کی اور کہا: ”امیر المؤمنین ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ متقی پرہیزگار خلیق، نرم دل اور بہتر ہم نشین نہیں دیکھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بے شک میرا بھی یہی خیال ہے، بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی میں ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، انہوں نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا۔ وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے انہوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لیے پانی مانگا، گھر میں پانی موجود نہ تھا، ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لانے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، ابو عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت دست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے۔ دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات

ہوئی تو انہوں نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی بولے:  
 ”خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی چونکہ میں نے  
 رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے  
 والے پر لوٹ آتی ہے میں نے خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لعنت  
 کے واپس آنے کا باعث ہوں گا۔“ ۱

ایک بار انہوں نے ایک شخص سے ایک لوٹنی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے  
 سے پہلے بائع مفقود اظہر ہو گیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا، مگر  
 کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہو کر ایک ایک دو دو درہم کر کے اس کی طرف سے صدقہ کر دیا  
 اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آئے گا تو قیمت ادا کر دوں گا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہو گا۔ ۲  
 تمیم بن حرام فرماتے ہیں کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول ﷺ کی ہم نشینی کا فخر  
 حاصل ہے، لیکن میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور  
 آخرت کا طالب نہ دیکھا۔ ۳ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو برس تک ان کا وظیفہ بند کر دیا تھا  
 وفات کے وقت انہوں نے ان کی اولاد کے لیے جاری کر دینا چاہا لیکن حضرت عبداللہ  
 رضی اللہ عنہ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا۔ بولے: ”کیا آپ کو میری اولاد کے  
 محتاج و دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورۃ واقعہ  
 پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھے گا وہ  
 کبھی فاقہ مست نہ ہوگا۔“ ۴

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا، انہوں نے کوفہ میں  
 موضع الرمادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانوں کے لیے خالی کر دیا تھا۔ ۵

۱ مسند احمد جلد ۱ ص ۳۰۸ ج ۲ بخاری جلد ۲ ص ۷۹۷

۲ اسبابہ ذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ج ۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹

۳ تاریخ طبری ص ۲۸۴۲

## مذہبی زندگی:

عبید اللہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھیں، ابو عقر ب کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصبح ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں: ”خدا اور اس کے رسول (ﷺ) نے سچ کہا“۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔“

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا، خود صبح صادق سے طلوع آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔

ابو اہل راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے کہ اتنے میں لونڈی نے آ کر کہا آتے کیوں نہیں، ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا: کسی نے نہیں، خیال ہوا ممکن ہے، بعض اہل بیت سورہے ہوں، کہاں ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا اور ہمارے



گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا۔<sup>۱</sup>

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا: ”والدین کے ساتھ نیکو کاری“ میں نے کہا: ”پھر؟“ حکم ہوا: ”راہ خدا میں جہاد کرنا“ اس کے بعد خاموش ہو گیا ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے۔ غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے ایک مرتبہ ولید بن عقبہؓ والی کوفہ کو پہنچے میں دیر ہو گئی حضرت عبداللہؓ نے بغیر توقف و انتظار نماز پڑھا دی ولیدؓ نے برہم ہو کر کہلا بھیجا: ”آپ نے ایسا کیوں کیا؟“ کیا امیر المومنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے اور نہ اپنی ایجاد البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارے منتظر رہیں۔<sup>۲</sup>

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزوں کے لیے مخصوص تھے عاشورا کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے باوجود اس کے عبدالرحمن ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روز رکھتے ہوئے نہیں دیکھا چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ بولے: ”میں روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں اگر روزے رکھوں گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہو سکے گی۔“<sup>۳</sup>

خشیت الہی اور خوف قیامت سے حضرت عبداللہؓ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا وہ فرمایا کرتے تھے ”کاش! میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا۔“<sup>۴</sup>

خانگی زندگی:

بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھٹکھارتے

۱۔ مسلم جلد اول ص ۳۰۵ باب ترمیل القرآۃ واجتناب العدا ۲۔ بخاری جلد ۱ ص ۳۹۰

۳۔ مسند احمد جلد اول ص ۳۵۰ ۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۱۹ ۵۔ ایضاً ص ۱۱۰

بلند آواز سے کچھ بولتے، تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز عبداللہ کھنکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بڑھی عورت مجھے تعویذ پہنارہی تھی، میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا، عبداللہ رضی اللہ عنہ آ کر میرے پاس بیٹھ گئے، اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا ”یہ دھاگہ کیسا ہے؟“ میں نے کہا ”تعویذ ہے“ انہوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا ”عبداللہ کا خاندان شرک سے بری ہے، رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ تعویذ اور گنڈے شرک میں داخل ہیں۔“ میں نے کہا ”آپ یہ کیا فرماتے ہیں میری آنکھیں جوش کر آتی تھیں تو میں فلاں یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہو جاتا تھا“ بولے یہ سب عمل شیطانی ہے، تمہارے لیے صرف رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا کافی ہے۔!

اذھب البأس رب الناس اشف وانت الشافی لا شفاء الا شفاءك شفاء  
اللہ لا یغادر سقما.

”خوف دور کرائے پروردگار، شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفا نہیں، وہ شفا ایسی ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی۔“

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی۔<sup>۱</sup> جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پر تکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہاروں کا شربت) استعمال فرماتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا: ”خدا آپ پر رحم کرے، آپ تمام امت کے مقتدا اور پیشوا ہو کر نبیذ پیتے ہیں، بولے: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا تھا، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا۔“<sup>۲</sup>

وظیفہ:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیت المال سے پانچ ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفہ ثالث کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا، لیکن

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لیے واگڈار کرادیا، اس طرح ان کے پسماندوں کو یک مشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے، اس کے علاوہ انہوں نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گوں، اور سر پر کانوں تک نہایت نرم و خوبصورت زلف، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا۔

ٹانگیں نہایت پتلی تھیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کے لیے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزانِ عدل میں کوہِ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی“۔



## حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

نام، نسب، خاندان:

عبداللہ نام، ابو موسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے:  
عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز بن بکر بن عامر بن عذر  
بن وائل بن ناجیہ بن الجہاہر بن الاشعر بن ادد بن زید بن یثجب۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے تھے ان کا خاندان قبیلہ اشعر سے  
تعلق رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے اور ان کی والدہ طیبہ بنت  
وہب قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں، وہ اپنے صاحبزادہ کی ہدایت سے ایمان لائیں اور  
مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔

اسلام:

ساقی توحید کے صلایں عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لیے تھے  
لیکن تشنہ کا مان حق دور دراز ممالک سے دشوار گزار منزلیں طے کر کے آتے تھے اور اپنی  
پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادۂ اسلام  
کے ایک ہی جام میں سرشار ہو گئے، وہ مکہ میں قبیلہ عبد شمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے پھر  
مراجعت فرمائے وطن ہوئے، کہ اپنے اعزہ اور احباب کو یہ مژدہ جان فرمائیں۔

ہجرت:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے اس لیے ان کی

دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کر لی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشانِ اسلام کی ایک جماعت لے کر بحری راستہ سے بارگاہِ نبوت ﷺ کی طرف چل کھڑے ہوئے، لیکن طوفانِ و باد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کی بجائے حبش پہنچا دیا، حضرت جعفرؓ اور دوسرے ستم زدگانِ اسلام جو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدینِ اسلام خیبر فتح کر کے واپس آ رہے تھے چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا۔

## غزوات

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فتح مکہ اور غزوہٴ حنین میں شریک تھے، بنو ہوازن رزمگاہ حنین سے بھاگ کر وادیِ اوطاس میں پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرتؐ نے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیت کے ساتھ ان کے استیصالِ کامل پر مامور فرمایا، انہوں نے اوطاس پہنچ کر بنو ہوازن کے سردار درید بن الصممہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیوں کو شکست فاش دی، لیکن اتفاقاً حسی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو بھی زخمی کر دیا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس اس مہم میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ میں نے بڑھ کر ان سے پوچھا: ”یا عم! کس نے آپ کو زخمی کیا؟“ انہوں نے اشارہ سے بتایا تو میں اس پر جھپٹ پڑا، وہ مجھ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن میں تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، کیا تجھے شرم نہ آئی؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہے گا؟“ غرض وہ (ان غیرت انگیز جملوں سے جوش میں آ کر) پلٹ پڑا اور تلوار کے دودو ہاتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ میں نے اس کو قتل کیا اور ابو عامر کو آ کر بشارت دی کہ خدا نے آپ کے دشمن کو مار ڈالا۔

حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کا زخم نہایت مہلک تھا، انہوں نے حالت نزع میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا ”جانِ برادر! رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں! اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح قفسِ غضری سے پرواز کر گئی، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو سپردِ خاک کر کے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر میدانِ جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامر کی وصیت بیان کی، سرورِ کائنات ﷺ نے اسی وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے خدا! ابو عامر (جہنمی) کو بخش دے، اے خدا تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما، حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے لیے بھی فرمایا خدا یا عبد اللہ ابن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ فرما“۔

۹ھ میں غزوہٴ تبوک کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت ابو موسیٰؓ کو ان کے ساتھیوں نے بھیجا کہ دربارِ نبوت (ﷺ) سے ان کے لیے سواریوں کا انتظام کریں، اتفاق سے آنحضرت اس وقت حالتِ غیظ میں تھے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ اس کا اندازہ نہ کر سکے اور عرض کی ”یا رسول اللہ میرے ساتھیوں نے مجھ کو بھیجا ہے کہ حضور ان کو سواریاں مرحمت فرمائیں“ آنحضرت ﷺ غصہ میں بیٹھے ہی تھے برہم ہو کر فرمایا ”واللہ! تمہیں کوئی سواری نہ دوں گا“ حضرت ابو موسیٰؓ کچھ اپنی محرومی اور کچھ اس خوف سے کہ شاید رسول خدا ﷺ ان سے ناراض ہیں نہایت غمزدہ واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دی، لیکن وہ ابھی اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت بلالؓ پکارتے ہوئے آئے: ”عبد اللہ بن قیس کہاں ہو؟ چلو رسول خدا ﷺ یاد فرماتے ہیں“ وہ ان کے ساتھ پھر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دو ساتھ بندھے ہوئے اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئے اور کہا کہ ”رسول خدا ﷺ نے یہ دو اونٹ تمہاری سواری کے لیے مرحمت فرمائے ہیں، لیکن خدا کی قسم! چند آدمیوں کو میرے ساتھ کسی ایسے شخص کے پاس چلنا ہو گا جس نے رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سنی تھی، تاکہ یہ نہ خیال کرے کہ

میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ دل سے گھڑ کر کہا تھا“ لوگوں نے کہا ”خدا کی قسم ہم آپ کو سچا سمجھتے ہیں آئندہ جو آپ کی خوشی ہو“ غرض انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے جا کر لوگوں سے تمام واقعہ کی تصدیق کرا دی۔  
ولایت یمن:

تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے کسی عہدہ کی خواہش کی آپ مسواک فرما رہے تھے اس سوال پر دفعۃً مسواک رک گئی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”ابو موسیٰ! ابو موسیٰ!“ انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں ان کے دل کے حال سے آگاہ نہ تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی عہدہ کی خواہش کریں گے“ ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کروں گا، لیکن ابو موسیٰ تم یمن جاؤ میں نے تم کو وہاں کا عامل مقرر کیا۔

یمن دو حصوں پر منقسم تھا ایک اقصائے یمن جس میں جند اور عدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے اور دوسرا یمن ادنیٰ یا زیریں یمن اول الذکر پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کا تقرر ہوا اور دوسرے پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما مامور ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی:

یسرا ولا تعسرا و بشرا و لا تنفروا تطاوعا.

”یعنی ملک والوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا، متغفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ملک میں جو سے ایک قسم کی شراب بنائی جاتی ہے اس کو ”مزہ“ کہتے ہیں نیز شہد سے ایک طرح کی

شراب ہوتی ہے جو "تبع" کے نام سے مشہور ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ "ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے"۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چونکہ اپنے وطن میں گورنر ہو کر آئے تھے جہاں پہلے سے ان کا اثر موجود تھا اس لیے قدرۃ انہوں نے اپنی خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیئے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے دوستانہ تعلقات و مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا بسا اوقات یہ دونوں بزرگ سرحد پر آ کر فروکش ہوتے اور باہم ملاقات کر کے تبادلہ خیالات فرماتے تھے ایک مرتبہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ "عبداللہ بن قیس! یہ کون ہے؟" بولے "یہ مرتد ہو گیا ہے" انہوں نے اس کے قتل کا مشورہ دیا حضرت ابو موسیٰ نے کہا کہ "یہ اسی لیے گرفتار ہو کر آیا ہے آپ گھوڑے سے اتر آئیے۔" بولے "جب تک وہ قتل نہ ہوگا میں نہ اتروں گا۔" حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہیں" بولے کہ "رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں" پھر پوچھا کہ "آپ کس طرح تلاوت کرتے ہیں؟" بولے کہ "میں رات ایک نیند سو کر اٹھ بیٹھتا ہوں اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہوں"۔

حجۃ الوداع میں شرکت:

۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج فرمایا حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے شرکت کے لیے آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "عبداللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے

۱ بخاری کتاب المغازی

۲ بخاری باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیسن



سے آئے ہو؟“ عرض کی ”ہاں! یا رسول اللہ ﷺ!“ فرمایا نیت کیا تھی؟ بولے میں نے کہا تھا کہ ”جو رسول اللہ ﷺ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے“ ارشاد ہوا کہ ”قربانی اپنے ساتھ لائے ہو؟“ عرض کی ”نہیں“ حکم ہوا کہ ”تم طواف اور سعی کر کے احرام کھول دو“ یہ اس وجہ سے کہ حج قرآن کی صورت میں قربانی لانا ضروری تھا۔  
 یمن میں فتنہ و فساد:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حج سے فارغ ہو کر پھر یمن واپس آئے، لیکن یہاں اسود غسی کے ادغائے نبوت نے بہت جلد تمام ملک میں شورش و بغاوت پھیلا دی، یہاں تک کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مرکز حکومت ”مارب“ چلے آنے پر مجبور ہوئے، لیکن یہ بھی زیادہ دنوں تک محفوظ نہ رہ سکا اور بالآخر ان دونوں کو حضرموت میں پناہ لینی پڑی۔

گو ابن مکتوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود غسی کا قصہ تمام کر دیا تاہم آنحضرت ﷺ کی وفات سے دفعۃً پھر ارتداد و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک زبردست مہم بھیج کر از سر نو تسلط قائم کر دیا، اور اس طرح یمن کے امراء اور حکام پھر اپنے اپنے عہدوں پر واپس آ گئے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی حضرموت سے اپنے دار الحکومت ”مارب“ واپس آئے اور خلیفہ دوم کی ابتداء خلافت تک نہایت تدبیر و جانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے۔  
 فتح نصیبین:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد و قاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت رزمگاہ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی شوق جہاد میں عہدہ امارت سے مستعفی ہو کر اس فوج کشی میں شریک ہوئے۔

عراق کا اکثر حصہ فتح کر لینے کے بعد حضرت سعد و قاصؓ نے ۷ھ میں دریائے  
 دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا اور حضرت  
 ابو موسیٰؓ کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سر  
 انجام دی۔  
ولایت بصرہ:

اسی سال دربار خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول کر کے حضرت  
 ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر کیا اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا  
 اس کے الفاظ یہ تھے:

اما بعد فانی قد بعث ابا موسیٰ امیرا علیکم لیاخذ لضعیفکم من قویکم  
 ولیقاتل بکم عدوکم ولیدفع عن ذمتکم ولیحصی لکم فیئکم ثم  
 لیقسمہ بینکم ولینقی لکم طرقکم۔<sup>۱</sup>

”میں نے ابو موسیٰ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے گزردہ کا حق دلائیں  
 تمہارے دشمنوں سے لڑیں ذمیوں کی حفاظت کریں تمہاری آمدنی کا تم کو  
 حساب دیں پھر اس کو تم میں تقسیم کریں اور تمہارے راستوں کو تمہارے لیے  
 صاف رکھیں۔“

### فتح خوزستان:

بصرہ کی سرحد خوزستان سے ملی ہوئی تھی اور وہ اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا  
 ۱۶ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے ابواز پر فوج کشی  
 کی تو یہاں کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کر لی اور حضرت مغیرہؓ وہیں رک  
 گئے ۷ھ میں ان کی جگہ پر حضرت ابو موسیٰؓ آئے اس انقلاب میں ابواز کے رئیس  
 نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا مجبوراً انہوں نے لشکر کشی کی اور

اہواز کو فتح کر کے منازر کا رخ لیا، یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت مہاجر بن زیاد رضی اللہ عنہ جو ایک معزز افسر تھے یہاں ایک معرکہ میں شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے اس کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف بڑھے ربیع نے منازر کو سر کر لیا، اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی، قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سوا دی زندہ چھوڑ دیئے جائیں، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کیا، رئیس نے ایک ایک کر کے سوا دیوں کو پیش کیا، اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے، لیکن بد قسمتی سے اس نے شمار میں خود اپنا نام نہیں لیا، چنانچہ جب سوا دیوں کی تعداد پوری ہو گئی تو انہوں نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کر دیا۔

سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہو گئی، یزدگرد نوجوان شہنشاہ ایران اس وقت قم میں مقیم تھا، اس کو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس نے اپنے ماموں ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لیے بھیجا، ہرمزان نے شوستر پہنچ کر اس کو مستحکم کیا اور تمام ملک میں جوش پیدا کر کے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان حالات سے دربار خلافت کو مطلع کیا، اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدد کو بھیجیں، لیکن غنیم کی کثرت اور سرد سامان کے مقابلہ میں یہ جمعیت بیکار تھی، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سرد سامان سے شوستر کا رخ کیا، اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گیا۔

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا، اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں، لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیا، ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ

کرا دوں، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا، اور نہرو جیل سے گذر کر ایک تہہ خانہ کی راہ لی۔ خاص شہر میں داخل ہوا، اشرس کے منہ پر چادر ڈال دی، اور کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ، چنانچہ شہر کے گلی کو چوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا، شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی، اور کہا کہ دو سو جانباہز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فوج کی طرف دیکھا، دو سو بہادروں نے بڑھ کر کہا خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے، اشرس ان کو لے کر اسی تہہ خانہ کی راہ شہر میں داخل ہوئے اور پہرہ والوں کو تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے، ادھر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تمام فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھال کر قلعہ میں پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب تک سوتیر ہے، اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ ڈھیر ہو جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا، تاہم میں اس شرط پر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ سے ہو، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔

شوتر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا، اس کا کئی دن تک محاصرہ رہا، ایک دن شہر والوں نے خود شہر کے دروازے کھول دیئے، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے، مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا، سب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے، اب کیا جھگڑا رہا، سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہو سکتی، شہر

والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے، بالآخر دربار خلافت سے استعصوب کیا تو حکم ہوا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے، اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے، اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، بلکہ بصرہ (جہاں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ عہدہ امارت پر سرفراز ہوئے تھے دشمنوں سے بالکل محفوظ ہو گیا)۔

معرکہ نہاوند:

خوزستان کی شکست سے متاثر ہو کر ۲۱ھ میں ایرانیوں نے نہاوند میں ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بصرہ سے ان کو مدد پہنچائیں، چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کر کے واپس آئے۔

تبادلہ:

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر اہل بصرہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی وساطت دربار خلافت میں یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقہ میں سے رامہر مزہذح اور ماہ یا ما سپندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں لیکن اہل کوفہ اس علاقہ کی فتح میں برابر کے شریک تھے انہوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی کوفہ سے درخواست کی کہ اور اس علاقہ کو کوفہ میں شامل کرنے کی کوشش کریں، لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانب داری اختیار کر لی اور فرمایا کہ مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

غرض حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے اور اہل کوفہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ناخوش ہو کر مسلسل شکایتوں کے بعد ان کو

معزول کر دیا، حضرت عمرؓ نے کوفہ والوں سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والوں کی حمایت کی تھی اس کے لحاظ سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کا نام لیا، چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ میں بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے، لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ میں پھر بصرہ منتقل کئے گئے۔!

الزام:

اسی سال ضبہ نام ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف دربار خلافت میں حسب ذیل شکایتیں کیں:

- ① ابو موسیٰ نے ایران جنگ میں سے ساڑھ رکھیں زادے چھانت کر اپنے لیے رکھے ہیں۔
- ② انہوں نے عنان حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر دی ہے اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے۔
- ③ انہوں نے عطیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے۔
- ④ عقیلہ نام ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذائیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں۔

حضرت عمرؓ نے ان شکایتوں کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور حضرت ابو موسیٰؓ کو دار الخلافہ طلب کر کے باضابطہ تحقیقات کی، چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا، دوسرے الزام کا انہوں نے جواب یہ دیا کہ زیاد صاحب تدبیر و سیاست ہے اس لیے میں نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو بلا کر امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا، اس لیے انہوں نے خود حکام بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں، تیسرے الزام کے جواب میں حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ عطیہ کو میں نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا ہے کہ وہ بھونہ کہے، لیکن چوتھے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے، حضرت عمرؓ نے معمولی فہمائش کے بعد ان کو رخصت کر دیا۔!

## فتح اصفہان:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسی سال یعنی ۲۳ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں داخل کر دیا۔  
 اصفہان فتح کر کے واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کر دیا، لیکن کچھ دنوں بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہو کر آ گئے۔  
 تعمیر نہر ابی موسیٰ:

بصرہ میں لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی، دربار خلافت میں اس کی شکایت پہنچی تو حکم آیا کہ دریائے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے۔ وہ شہر سے تقریباً دس میر دور تھا، لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی، حضرت ابو موسیٰؓ نے خود مستعد ہو کر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی جو اب تک ”نہر ابی موسیٰ“ کے نام سے مشہور ہے۔  
 اخیر ذی الحجہ ۲۳ھ میں خلیفہ دوم نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اس انقلاب میں عہد فاروقی کے اکثر عمال و حکام ایک ہی سال کے بعد سبکدوش ہو گئے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ ۲۹ھ تک بصرہ میں عہدہ امارت کے فرائض انجام دیتے رہے، بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی۔  
 معزولی:

۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کر دی، حضرت ابو موسیٰؓ نے مسجد میں ان کے خلاف جہاد کا وعظ کیا اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ کے چند مخالفین نے کہا کہ ”ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے، دیکھیں ہمارا والی

کس شان سے چلتا ہے، غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر برآمد ہوئے، لوگوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور اس پر اعتراض کیا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ راہ خدا میں ان سے کام نہ لیں، لیکن درحقیقت خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا نصف اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا، مفسدہ پردازوں نے اسی وقت دارالخلافہ کی راہ لی اور دربار خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے ایک کسن نوجوان عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس منصب پر مامور فرمایا۔

امارت کوفہ:

۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پھر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کیے گئے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، اور ملک میں ہر طرف سازش و فتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، چونکہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی یاد تھی، اس لیے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیاں کا سلسلہ شروع ہوگا، وہ عموماً اپنے وعظ میں اہل کوفہ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی سناتے اور اس آنے والے دورِ فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پر آ گیا۔

خانہ جنگی سے اجتناب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ ثالث کے قصاص اور مطالبہ اصلاح کا علم بلند کر کے بصرہ کا رخ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ کے لیے مدینہ سے چل کر مقام ذی قار میں آئے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن



یا سر جنابؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسن جنابؓ کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ ”سرور کائنات ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے، اس لیے اسلحہ بیکار کر دو اور عزت نشین ہو کر بیٹھ جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے زمانہ میں سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے“! اسی اثناء میں حضرت امام حسن جنابؓ داخل مسجد ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا ”آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جائیے، وہ نہایت سکون و خاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤں میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اہل کوفہ کو بار بار جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، اس کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جنگ جمل میں عرب کے ہزاروں گھربے چراغ ہو گئے اور میدان صفین میں حضرت علی اور امیر معاویہؓ کی باہمی آویزش نے بیچارہ مسلمانوں کا خون پانی طرح بہا دیا۔

حکم مقرر ہونا:

معرکہ صفین میں جب امیر معاویہؓ کے حامیوں نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا تو اپنے نیزوں پر دمشق کا مصحف اعظم بلند کر کے عجیب و غریب طریقہ پر مصالحت کی دعوت دی، گو جناب امیر جنابؓ اس پر راضی نہ تھے، تاہم قرآن کی دعوت کا رد کرنا آسان نہ تھا، خود آپ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی، انجام کار تمام مابہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دو ثالث پر محمول ہوا۔ امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مانا اور حضرت علی جنابؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، دومتہ الجندل مقام اجلاس قرار پایا، اور دونوں حکم ایک مقرر تاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے، انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

اور عمرو بن العاصؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں کسی امر پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر ایک طرف کمال غیر جانبداری و بے لوثی ہے تو دوسری طرف شدید خود غرضی و پاسداری۔

غرض دونوں حکم باہم مشورہ کے لیے گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے محض بے لوثی کے ساتھ صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا، ان کی رائے تھی کہ عثمان خلافت کسی غیر جانبدار کے ہاتھ میں دے دی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا۔ چنانچہ دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی:

ابو موسیٰؓ: عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے۔

عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰؓ: عبد اللہ بن عمر کو منصب خلافت پر متمکن کرنا چاہئے، کیونکہ انہوں نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے۔

عمرو بن العاصؓ: معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے، معاویہ ان کے قصاص کے دعوے دار ہیں، ام المومنین ام حبیبہؓ ان کی بہن ہیں، اور خود ان کو رسول اللہ ﷺ کی مصابحت کا شرف حاصل ہے۔

ابو موسیٰؓ: معاویہؓ کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا، وہ استحقاق خلافت کے لیے کافی نہیں، اگر فضل و شرف ہی پر معیار ہو تو علیؓ سے بڑھ کر کون ہے، رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لیے معاویہؓ کو خلافت کے معاملہ میں مہاجرین اولین پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوث آئے اور فاضل و عالم عبد اللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دے۔

عمرو بن العاصؓ: میرے لڑکے عبد اللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی؟ فضل و

منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: بیشک وہ صاحب فضل و منقبت ہیں، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ کا لباسِ تقویٰ تمام دھبوں سے محفوظ ہے۔

عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما: ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اسی میں ہو سکتی ہے، جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: عمرو! تمہارا برا ہو، شدید کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے، اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: ہمارا خیال ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) دونوں برطرف کیے جائیں اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

اس قرارداد کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا ”خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا، ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھیں، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت نیک طینت بزرگ تھے، انہیں دنیا کی فریب کاریوں کی کیا خبر تھی، بولے: ”ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔“ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنا دو۔“ بولے: ”میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت اور سن و سال میں مجھ سے افضل اور بڑے ہیں۔“ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ

پر ان کا یہ افسوس چل گیا، وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا:  
 ”صاحبو! ہم نے علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) دونوں کو معزول کیا اور پھرنے  
 سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔“  
 ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) اپنا فیصلہ سنا کر اتر آئے تو عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے کھڑے ہو کر کہا:  
 ”صاحبو! علی (رضی اللہ عنہ) کو ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) کی طرح میں بھی معزول کرتا ہوں،  
 لیکن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین  
 عثمان (رضی اللہ عنہ) کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔“

حضرت ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے اس خلاف  
 بیانی پر ششدر رہ گئے چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ  
 تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر بوجھ لا دو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ  
 دو جب بھی ہانپتا ہے:

﴿انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلہث اور تترکہ یلہث﴾ (الایۃ)  
 عمرو بن العاص نے جواب دیا اور آپ پر ”چار پائے بروکتا بے چند“ کی مثل  
 صادق آتی ہے: (مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا)  
وفات:

حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کو اپنے فریب کھا جانے پر اس قدر ندامت ہوئی  
 کہ وہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہ لیا، وفات کے سن اور مقام  
 میں مختلف روایتیں ہیں، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں اور بعض کوفہ، لیکن  
 مرجح مکہ کی روایت ہے، بہر حال باختلاف روایت ۲۲ھ، ۲۳ھ، ۵۲ھ میں بیمار پڑے اور  
 بروایت صحیحہ ذوالحجہ ۳۳ھ میں وفات پائی۔ آخر وقت تک احکام نبوی ﷺ کا لحاظ رہا،  
 جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور غشی طاری ہو گئی، تو جس عورت کی گود میں سر تھا، اس نے

گریہ وزاری شروع کر دی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول اللہ ﷺ نے براءت کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جب وگربان پھاڑنے والی، نوحہ و بکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے براءت ظاہر کی ہے۔ اس کے بعد کنفن و دفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا جنازہ کے ساتھ انگلیٹھی نہ لے چلنا، لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، اور میں نوحہ و بین کرنے والی، جب وگربان چاک کرنے والی اور سر نوچنے والی عورتوں سے بری ہوں۔ وصیت سے فراغت ہوئی کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے اصلی نشین میں پہنچ گیا، وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی۔

طلیحہ:

پستہ قد اور لاغر اندام تھے۔

ولاد:

وفات کے بعد متعدد نسلی یادگاریں چھوڑیں، نام یہ ہیں: ابراہیم، ابوبکر، ابو بردہ،

وہی۔

ریعہ معاش:

ابتدا میں تنگدستی کی زندگی تھی، لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا، متعدد مہمیں ان کی سری میں سر ہوئیں، مدتوں تک مختلف ممالک کے گورنر رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مانہ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا، غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب اللہ و دوشق الجبوب

مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷

تہذیب المعجم جلد ۵ ص ۳۶۲

## فضل و کمال

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ان مخصوص صحابہ مجتہدین میں تھے جن کو بارگاہ رسالت میں خاص تقرب اور شرف پذیرائی حاصل تھا اس لیے وہ نبوت کے چشمہ فیض سے پوری طرح سیراب تھے وہ ان چھ آدمیوں سے ایک تھے جن کو خود عبد رسالت میں مسائل کے جواب اور فتویٰ دینے کی اجازت تھی۔

اسود تابعی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں حضرت علی اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو صاحب علم نہیں دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

”ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) سر تا پا علم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔“

اہل علم سے اکثر ان کی علمی صحبتیں اور علمی بحثیں رہتی تھیں جنہوں نے ان کے علم کو اور چمکا دیا تھا یوں تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا مگر ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث و مناظرہ تک پہنچ جاتی اور جب تک مسئلہ کی پوری تفتیح نہ ہو جاتی برابر جاری رہتی۔

ایک مجلس میں تیمم کا مسئلہ چمڑا حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آ جائے اور اس کو ایک مہینہ پانی نہ ملے تو کیا تیمم کر کے نماز پڑھے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں خواہ ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمم نہ کرے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر سورہ مائدہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہو؟

﴿ فَلَمْ نَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا ﴾

”پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ”اگر لوگوں کو تیمم کی اجازت دے دی جائے تو سردیوں کے موسم میں جب پانی ٹھنڈا ملتا ہے لوگ تیمم ہی پر اکتفا کرنے لگیں گے۔“ اس پر شقیق (راوی) بولے: ”کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمم کو برا سمجھتے ہیں؟“ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ”تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تھا، نہیں سنا کہ ان کو آنحضرت ﷺ نے کسی کام کے لیے بھیجا، اتفاق سے ان کو راہ میں غسل کی ضرورت پیش آئی اور پانی نہ ملا تو انہوں نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمم کیا، اور واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے ان کو تیمم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا۔“ اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا۔“ ۱۔

ایک مرتبہ دونوں میں حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا اور قتل و غارت کی گرم بازاری ہوگی۔“ ۲۔

اشاعتِ علم:

علم کی اشاعت اور اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے۔ ایک مرتبہ خطبہ میں لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”جس شخص کو خدا علم دے، اس کو چاہئے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس کی تعلیم دے، اس کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے۔“ ۳۔

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقہ درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیتے، ایک مرتبہ خطبہ دیا۔

۱ بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربہ ۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۲

۳ ابن سعد جز ۲۰ قسم اول ص ۱۸

”لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے۔“<sup>۱</sup>

جہاں کہیں چند آدمی ایک جگہ ان کو اکٹھا مل جاتے ان کے کانوں تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے، ایک دفعہ بنو نعلبہ کے چند آدمی کہیں جا رہے تھے ان کو راہ میں ایک حدیث سنا دی۔<sup>۲</sup>

اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا، کافی مجمع تھا، کہا میں تم لوگوں کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو ہم لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے سنائی تھی، لوگوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے، ضرور سنائیے۔ بولے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

”قیامت کے قریب ”برج“ زیادہ ہوگا۔

لوگوں نے پوچھا: ”برج“ کیا ہے؟

کہا: قتل اور جھوٹ۔

لوگوں نے کہا: کیا اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا، جتنا ہم لوگ کرتے ہیں؟

فرمایا: اس سے مقصد کفار کا قتل نہیں ہے، بلکہ باہمی خونریزی ہے، حتیٰ کہ

پڑوسی پڑوسی کو، بھائی بھائی کو، بھتیجا بھتیجا کو اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا۔

لوگوں نے کہا: سبحان اللہ عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟

کہا: عقل و ہوش کہاں عقل و ہوش تو اس زمانہ میں باقی نہ رہے گا، حتیٰ

کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے، لیکن درحقیقت

وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا۔“

یہ حدیث سنا کر بولے کہ ہم میں سے تم میں سے کوئی بھی آنحضرت ﷺ کی اس

پیشین گوئی سے نہ نکل سکے، اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کیے اس

طریقہ سے پاک و صاف نکل جائیں جس طرح اس میں شریک ہوئے تھے۔<sup>۳</sup>

۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳ ۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۱

۳ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۶



حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا، اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے، عبداللہ الرقاشی روایت کرتے ہیں کہ:

”میں ایک مرتبہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں میں سے نہ تھا، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نماز ختم کر چکے تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا، لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا فلاں بات کس نے کہی تھی، لوگ پھر چپ رہے، تو بولے طحان شاید تم نے کہا ہوگا، انہوں نے کہا میں نے نہیں کہا، اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بد نیتی نہ تھا، بلکہ بھلائی تھی، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی قسم کی ترش روئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتا دیا۔“

### قرآن پاک:

قرآن پاک اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، اس کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا، فرصت کا سارا وقت آپ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اکثر ان سے ملنے آتے اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا، آپ قرآن کس طرح تلاوت کرتے ہیں، بولے ”رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں۔“

قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ:

”ان کو کون داؤدی سے حصہ ملا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کو ان کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا جہاں ان کو قراءت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہو جاتے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کہیں تشریف لیے جا رہے تھے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا وہیں کھڑے ہو گئے اور سن کر آگے بڑھے صبح کو جب ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) کل تم قرآن پڑھ رہے تھے ہم نے تمہاری قراءت سنی تھی عرض کیا اے خدائے رسول ﷺ اگر مجھ کو حضور کی موجودگی کا علم ہوتا تو میں آواز میں اور دلکشی پیدا کرتا۔

ایک مرتبہ مسجد نبوی (ﷺ) میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے آواز سن کر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے اپنے حجرہوں میں پردوں کے پاس آ کر کھڑی ہو کر سننے لگیں صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا اگر مجھ کو اس وقت معلوم ہو جاتا تو میں ان کو قرآن کا اس سے بھی زیادہ مشتاق بنا دیتا۔

ابو عثمان نہدی بیان کرتے تھے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے ان کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی تھی کہ چنگ و بربط میں بھی وہ دلکشی نہیں۔

کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمائش کرتے کہ ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) خدا کی یاد دلاؤ یہ قرآن پڑھ کر سناتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا انہوں نے پوچھا ابو موسیٰ کا کیا حال ہے کہا لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں فرمایا وہ بلند مرتبہ آدمی ہیں مگر اس کو ان کے سامنے نہ کہتا۔

ان کو غیر معمولی قراءت دانی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو بھی نو مسلموں کی تعلیم قرآن کے لیے یمن بھیجا تھا۔

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۶

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۸۰

۳۔ ایضاً ج ایضاً

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۹۷

جملہ میں:

قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، حفظِ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصروں میں امتیازی پایہ رکھتے تھے، کوفہ میں مستقل حلقہ درس تھا جس سے بڑے بڑے اربابِ کمال پیدا ہوئے، ان کے نام آئندہ آئیں گے، ان کی تعداد مرویات ۳۶۰ تک پہنچتی ہے، ان میں ۵۰ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ۴ بخاری اور ۲۵ مسلم میں ہیں۔

ان میں سے اکثر روایات خود صاحب حدیث (رحمہ اللہ) کی زبان سے سنی ہوئی ہیں، ان کے بعد پھر حضرت ابو بکر، ابن عباس، ابی بن کعب، عمار بن یاسر، معاذ بن جبل، جابر بن عبد اللہ سے روایتیں کی ہیں، تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے، مختصر فہرست یہ ہے:

ابراہیم، ابو بکر، ابو بردہ، موسیٰ، انس بن مالک، ابوسعید خدری، طارق بن شہاب، ابو عبد الرحمن سلمیٰ، زر بن حبیش، زید بن وہب، عبید بن عمیر، ابوالاحوص، عوف بن مالک، ابوالاسود دیکلی، سعید بن مسیب، ابو عثمان نہدی، قیس بن ابی حازم، ابورافع صالح، ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود، مسروق بن اوس، حنظل، ہزیریل بن شرمیل، مرہ بن شرمیل، اسود بن یزید، عبد الرحمن بن یزید، حطان بن عبد اللہ رقاشی، ربیع بن خراش، زہد بن مضر، ابو وائل، شقیق، ابن سلمہ، صفوان بن محرز وغیرہم۔

اس فضل و کمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسروں کے کمال اعتراف میں بخل نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے لڑکی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملے گا، مستفتی نے جا کر یہ جواب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو سنایا اور ان سے بھی فتویٰ دریافت کیا، انہوں نے کہا، اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہوں۔ میں اس مسئلہ میں وہی فیصلہ کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے کیا ہے، لڑکی کو آدھے ملے گا، پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے لیے چھٹا حصہ لے گا، باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے، مستفتی نے یہ جواب جا کر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کو سنایا، انہوں نے کہا جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے، اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ تہذیب الکمال ۲۔ تہذیب المعجم جلد ۵ ص ۳۶۳ ۳۔ بخاری کتاب القرائن باب میراث امیہ ابن مع ابیہ

## اخلاق و عادات

خشیت الہی اور رقت قلب مذہب کی روح ہے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ میں یہ دونوں وصف موجود تھے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے، بصرہ کے قیام کے زمانہ میں ایک ایک مرتبہ خطبہ دیا کہ:

”لوگو! خوب روؤ! اگر نہ رو سکتے ہو تو کم از کم رونی صورت بناؤ کیونکہ دوزخی (جنہوں نے دنیا نہیں کر گزاری) اس قدر روئیں گے کہ آنسو خشک ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو روئیں گے، آنسوؤں کی فراوانی کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس میں کشتیاں چلائی جائیں تو بہہ نکلیں“۔<sup>۱</sup>

### اتباع سنت:

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی حیات نبوی ﷺ کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی نقل و حرکت، قول و فعل بلکہ ہر ہر اذاتِ نبوی ﷺ کا نمونہ بن جائے، ایک موقع پر انہوں نے اپنی حرص کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

”ابو جہلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ مکہ سے مدینہ آ رہے تھے، راستہ میں عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑے ہو کر سورہ نساء کی ۱۰۰ آیتیں ایک رکعت میں پڑھیں، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، انہوں نے کہا میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جہاں آنحضرت ﷺ نے قدم مبارک رکھا ہے وہیں میں بھی قدم رکھوں، اور جو کام آپ نے کیا ہے وہی میں بھی کروں“۔<sup>۲</sup>

رمضان کے روزوں کے علاوہ نوافل کے روزے محض اس لیے رکھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رکھا کرتے تھے، عاشورہ کا روزہ آنحضرت ﷺ برابر رکھا کرتے تھے، یہ لوگوں کو ہدایت کرتے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو۔

سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے اور اپنے اہل و عیال سے پابندی کراتے۔ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما لڑکیوں تک کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کریں۔

احکام نبوی ﷺ کا لحاظ ہر آن دہر لہجہ رہتا تھا، کسی موقع پر فرو گذاشت نہ ہونے پاتی، آنحضرت ﷺ کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہاں جائے تو اجازت لے کر گھر میں داخل ہو اگر تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے تو لوٹ جائے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما اس فرمان نبوی ﷺ اس پر سختی سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ غالباً کسی کام میں مشغول تھے، اس لیے کوئی توجہ نہ کی، انہوں نے تین مرتبہ اجازت مانگی، پھر لوٹ آئے، دوسرے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا تم کیوں واپس ہو گئے تھے، کہا میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب نہ ملی، تو لوٹ گیا، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو تین مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”شاہد لاؤ کہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے“۔ یہ گہبرائے ہوئے انصاری اصحاب کی مجلس میں آئے، ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو یہ حکم معلوم تھا، انہوں نے جا کر شہادت دی۔

یہی پاس دلحاظ زندگی کے آخری لمحہ تک رہا۔

مرض الموت میں ایک گھر کی کسی عورت کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے، اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی، عورت نے گریہ و زاری شروع کر دی، اس وقت تو بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت ﷺ نے براءت ظاہری کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ و بکا کرنے والی، سر نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے براءت کی ہے۔

۱۔ بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح ذبیحہ

۲۔ بخاری کتاب الاستیذان باب الاستیذان والاسقید ان ثلاثا

۳۔ مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب اللہ و دوشق الجیب

موت سے پہلے کفن و دفن وغیرہ کی وصیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ کوئی میری موت پر نوحہ اور بین نہ کرے، جیب اور گریبان چاک نہ کرے، سر کو نہ نوچے، ان سب سے میں بری ہوں۔<sup>۱</sup>  
تقویٰ:

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا دامن عفاف کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہ ہوا، وہ اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتوں کی ہوا تک لگنا گوارا نہ کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ عورتوں کی لپٹ سے مجھ کو مڑے ہوئے مردار کی غفونت زیادہ خوش آئندہ ہے۔<sup>۲</sup>  
 طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑنے پائے، دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ کاش تمہارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے۔<sup>۳</sup>  
توکل:

خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضاء و قدر پر پورا یقین تھا، چنانچہ وبائی مقامات سے الگ نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی، ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہاں سے ہٹ کر واپس چلے چلیے۔ کہا میں خدا کے پاس جاؤں گا، واپس نہ جاؤں گا۔<sup>۴</sup>  
خدمتِ رسول ﷺ:

خطرناک سے خطرناک موقعوں پر آنحضرت ﷺ کی خدمت اور آپ کی حفاظت کی سعادت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے راستہ میں رات گزارنے کے لیے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہر وقت تاک میں رہتے تھے، اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت ﷺ کے خیمہ کے پاس پہنچے۔ اتفاق سے آپ موجود نہ تھے، یہ تلاش میں نکلے، راستہ میں ایک صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے، مل گئے، دونوں

۱۔ مسند احمد ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۹۷ ۲۔ ابن سعد جز ۲۴ قسم اول ص ۳۹۷

۳۔ مسلم کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین ۴۔ ابن سعد قسم اول جز ۲۴ ص ۸۲

آگے بڑھے اتنے میں آنحضرت ﷺ آتے ہوئے دکھائی دیئے ان دونوں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دشمن کی زمین میں ہیں، آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے، اس لیے جب آپ کو کوئی ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دے دیا کیجئے، وہ ساتھ ہو جایا کرے۔<sup>۱</sup>

شرم و حیا:

الحیاء شعبۂ من الایمان حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں ایمان کا یہ عنصر بہت غالب تھا۔ رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت میں ستر نہ کھل جائے، ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہیں، تو بولے مجھ کو بار بار مرکز زندہ ہونا پسند ہے مگر یہ فعل پسند نہیں ہے۔<sup>۲</sup>

سادگی:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زندگی کے مختلف دور تھے، ابتدائی دور نہایت عسرت کا تھا، مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا، ان کی عسرت میں کمی آتی گئی، متعدد مہمیں ان کی ماتحتی میں سر ہوئیں، برسوں تک مختلف صوبوں کے حاکم رہے، لیکن ان دونوں حالتوں میں ان کی ظاہری زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، نہ مال و دولت جمع کیا، نہ نخوت و رعونت پیدا ہوئی، گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، ابو ذر رضی اللہ عنہ فقیر منش آدمی تھے، دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بھائی بھائی کہتے ہوئے دوڑ کر پلٹ گئے، لیکن ابو ذر رضی اللہ عنہ بار بار یہ کہہ کر ہناتے تھے، اب تم میرے بھائی نہیں ہو، اس منصب سے پہلے بھائی تھے، دوبارہ جب پھر ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لپکے انہوں نے کہا ابھی بٹے رہو پہلے میرے سوالات کے جوابات دو، پھر پوچھا تم نے لوگوں پر حکومت کی ہے؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، کہا عمارتیں تو نہیں بنوائیں، زراعت تو نہیں کی، جانور تو نہیں پالے؟ انہوں نے سب کی نفی کی تو پھر ان سے دل کھول کر ملے۔<sup>۳</sup>

۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۱۵ ۲ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۸۲

۳ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۶۹

اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا بکھتے تھے ابو بردہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم چھ آدمی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے ان چھ میں صرف ایک کے پاس اونٹ تھا اسی پر سب باری باری سوار ہوتے تھے پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤں پھٹ گئے اور ناخن گر گئے تو ہم لوگوں نے چیتھڑے لپیٹ لیے اسی لیے اس غزوہ کو ذات الرقاع ”چیتھڑے والا“ کہتے ہیں راوی کا بیان ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو بیان تو کر گئے مگر بعد میں اتنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا۔<sup>۱</sup>

### امتِ مسلمہ کی خیر خواہی:

امتِ مسلمہ کی خیر خواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا اس کے مقابلہ وہ بڑی سے منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے جب حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے میری بیعت کر لی ہے اگر تم بھی بیعت کر لو تو میں حلیفہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کروں گا اور تمہاری ضروریات کے لیے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا میں اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہوں امید ہے کہ تم بھی اپنے دست و قلم سے اس کا جواب دو گے اس خط کو پڑھ کر انہوں نے یہ جواب لکھا:

”تم نے امت محمدی (ﷺ) کے بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے جو چیز تم نے میرے سامنے پیش کی ہے اس کی مجھ کو حاجت نہیں ہے“۔<sup>۲</sup>

جنگِ جمل اور جنگِ صفین دونوں میں غیر جانبدار رہے اور دوسروں کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کریں تو ابو موسیٰ اور ابو مسعود رضی اللہ عنہما

۱۔ مسلم کتاب الجہاد والسر باب غزوہ ذات الرقاع

۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۸۳



نے ان سے جا کر کہا کہ:

”جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہیں کیا۔“

ان کے بھائی ابورہم بہت ہنگامہ پسند تھے اور شورشوں اور ہنگاموں میں نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فتنہ و فساد سے سخت متنفر تھے وہ ان کو برابر سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائیں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو دونوں جہنم میں جائیں گے۔ ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ثالث مقرر کیا اس وقت رفع فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشہ عزلت سے نکلتا پڑا اور نہایت نیک نیتی سے مصالح امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کر کے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا۔

امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتویٰ مسترد کر دیتے، وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہو چکے تھے آپ نے بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوادیا تھا آپ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے، ایک مرتبہ حج کے موقع پر لوگوں نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ فتویٰ دینے میں اتنی عجلت نہ کیجئے، امیر المومنین نے اس میں ترمیم کر دی ہے اگرچہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس فتویٰ میں حق بجانب تھے، مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کر دیا، لوگو! جس جس کو میں نے فتویٰ دیا ہو اس کو ابھی ٹھہر جانا چاہئے، امیر المومنین آتے ہیں ان کی اقتدا کرنی چاہئے۔

۱۔ بخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ امتی تموج کموج البحر ج ۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۴

۲۔ مسلم کتاب الحج باب فی نسخ التحمل من الاحرام والامر بانعام

### مخصوص فضائل:

ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لیے طفرائے امتیاز ہیں ایک بدوی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ محمد (ﷺ) جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دو آپ نے فرمایا 'بشر یعنی بشارت ہو اس نے کہا: "بشارت ہو چکی کچھ دلواد" اس جاہلانہ جواب سے چہرہ مبارک پر برہمی کے آثار نمایاں ہو گئے پھر حضرت بلال اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کر دیا تم دونوں قبول کر دو عرض کیا زہے نصیب پھر ایک برتن میں پانی منگا کر اس میں ہاتھ منہ دھویا اور کلی کر کے ان دونوں کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو اور سینہ اور چہرہ پر ملو انہوں نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں آواز دی توڑا میرے لیے بھی چنانچہ اس شراب طہور کے چند جرے ان کو بھی ملے۔ بظاہر یہ واقعہ نہایت معمولی ہے مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شراب طہور میں کیا نشہ تھا؟ ان کا جواب عشق و محبت کی زبان سے سننا چاہئے۔

غزوہ حنین کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابو عامر کو ایک دستہ کے ساتھ ادھاس روانہ کیا؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے قاتل کا تعاقب کر کے اس کو قتل کیا پھر لوٹ کر ابو عامر کے گھنٹے سے تیر نکالا زخم سے خون جاری ہو گیا زخم کاری تھا بچنے کی امید نہ تھی ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا میری طرف سے حضور انور ﷺ کی خدمت میں سلام کے بعد دعائے مغفرت کی درخواست کرنا یہ کہہ کر ابو عامر واصل بحق ہو گئے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے لوٹ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کا پیام پہنچا دیا آپ نے وضو کر کے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور (ﷺ) میرے لیے بھی دعا فرمائیں آپ نے دعا فرمائی 'خدا یا عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ) کے گناہوں کو بخش دے اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرمائے۔'

## حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

نام، نسب، خاندان:

عمار نام ابو الیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی۔  
حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود اخیوت بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں طرح اقامت ڈال دی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ نام سے شادی کر لی جس سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا۔

اسلام:

ابو حذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب ابن سنان رضی اللہ عنہما ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو کو ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا، ”تم کس ارادہ سے آئے ہو؟“۔  
وہ نے: ”پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو۔“ میں نے کہا: ”محمد (ﷺ) سے مل کر ان کی کچھ باتیں سنتا چاہتا ہوں۔“ بولے: ”میرا بھی مقصد یہی ہے۔“ غرض دونوں ایک ساتھ داخل

ہوئے اور ساقی اسلام ﷺ کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشہ توحید سے مخمور کر دیا حضرت  
عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔  
صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ جو جس وقت ایمان  
لائے تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو  
آنحضرت ﷺ کے ساتھ دیکھا۔ یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا  
تھا اور صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تمیں اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو  
چکے تھے جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔

حضرت عمارؓ کو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے دنیاوی وجاہت و  
طاقت بھی حاصل نہ تھی اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ بلینہؓ اس  
وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھی تاہم جوش ایمان نے ایک دن سے  
زیادہ تخی ہو کر رہنے نہ دیا مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر  
سب سے زیادہ مشت ستم بنا لیا طرح طرح کی اذیتیں دین ٹھیک دوپہر کے وقت تھی  
ہوئی ریت میں لٹایا۔ دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے  
لیکن جلوہ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود ان کو اسلام سے  
برگشتہ نہ کر سکے۔

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سیدہ بلینہؓ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقے  
پر اپنے نذرہ سے شہید کیا چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرت تک شہادت تھی جو استقلال و  
استقامت کے ساتھ راہ خدا میں واقع ہوئی ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی

۱ طبقات ابن سعد حصہ اول ج ۱، ص ۱۷۷

۲ بخاری باب فضائل الصدیقینؓ

۳ فتح الباری جلد ۱، ص ۱۷۷، اسد الغابہ جلد ۳، ص ۳۳

۴ ابن سعد حصہ اول ج ۱، ص ۱۷۷

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اسی گردابِ اذیت میں جان بحق ہوئے۔<sup>۱</sup>  
 ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوئے انکاروں پر لٹا دیا، آنحضرت ﷺ  
 ایک طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا: ”اے آگ! تو  
 ابراہیم علیہ السلام کی طرح عمار (رضی اللہ عنہ) پر ٹھنڈی ہو جا“ اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف  
 سے گذرتے اور خاندانِ یاسر کو جتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے ”اے آلِ عمار تمہیں  
 بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے“۔<sup>۲</sup>

ایک دفعہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی  
 ارشاد ہوا ”صبر کرو! صبر کرو“ پھر دعا فرمائی ”اے خدا! آلِ یاسر کو بخش دے“۔<sup>۳</sup>  
 ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو  
 گئے یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کر  
 لیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلو خلاصی ہو گئی، تاہم غیرت ملی نے عرقِ عرق کر دیا،  
 دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت ﷺ  
 نے پوچھا: ”عمار! کیا خبر ہے؟“ عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! نہایت ہی بری خبر ہے۔  
 آج مجھے اس وقت تک ٹھکسی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان  
 کے معبودوں کے حق میں کلماتِ خیر استعمال نہ کیے“۔ ارشاد ہوا: ”تم اپنا دل کیسا پاتے  
 ہو؟“ عرض کی ”میرا دل ایمان سے مطمئن ہے“ سرورِ کائنات ﷺ نے نہایت شفقت کے  
 ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے پونچھے، فرمایا: ”کچھ مضائقہ نہیں اگر یہ پھر  
 ایسا ہی کرو“ اس کے بعد ہی قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل ہوئی: <sup>۴</sup>

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (نحل: ۱۴)  
 ”جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا

۱ اصابت ذکرہ سمیہ ام عمار رضی اللہ عنہا ج ۲ مترک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۸

۲ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۱۸۷ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۱۸۷

دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)۔“

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ”کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟“ بولے ”خدا کی قسم ہاں! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت میں وہ جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے“۔<sup>۱</sup> غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی انہیں گرفتار ان مصائب میں تھے، جنہوں نے راہِ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ گونا گوں مصائب اور مظالم برداشت کیے، لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ بٹگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں تہتی ہوئی ریت اور دکھتے ہوئے انگاروں کے داغ کی ان کی پیٹھ پر موجود تھے۔<sup>۲</sup>

ہجرت:

ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق اربابِ سیر میں اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بھی اس سر زمین امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبدالمنزہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہ بن الیمان انصاری رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرا دیا، اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔<sup>۳</sup>

تعمیر مسجد:

مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد ڈالی گئی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جوش دلانے کے لیے خود کام میں حصہ لیا،

۱ اسد الغابہ تذکرہ عمار رضی اللہ عنہ ۲ ابن سعد حم اول جزمہ ثالث ص ۱۷۷

۳ طبقات ابن سعد حم اول جزمہ ثالث ص ۱۷۹

حضرت عمار رضی اللہ عنہما اینٹ گارالا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا:

نحن المسلمون نبتی المساجدا۔<sup>۱</sup>

”ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں۔“

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار رضی اللہ عنہما دو دو اینٹ اٹھاتے تھے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا افسوس عمار (رضی اللہ عنہما)! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ تم اسے خدا کی طرف دعوت دو گے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا۔<sup>۲</sup>

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لا دیا کہ لوگ چلا اٹھے ”آج عمار مرجائیں گے“ آج عمار مرجائیں گے۔“ وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالا یطاق کی شکایت کر چکے تھے آنحضرت ﷺ نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا اور افسوس! ابن مسیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا۔“<sup>۳</sup>

## غزوات

غزوہ بدر سے جو کہ تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے سب میں وہ جانبازی و شجاعت کے ساتھ حضرت خیر الانام ﷺ کے ہمراہ رہے، عہد صدیقی کی اکثر خوزیز جنگوں میں بھی خوب داد شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا ایک کان شہید ہو گیا، جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے اور جس طرف رُخ کرتے تھے صفیں کی صفیں تھو بالا کر دیتے تھے ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے، انہوں نے ایک بلند چٹان

۱ طبقات ابن سعد، ج ۱، جزء ثالث، ص ۱۷۹، ۲ مستدرک حاکم جلد ۳، ص ۳۸۷

۳ بخاری شریف جلد ۱، طبقات ابن سعد، ج ۱، جزء ثالث، ص ۱۸۱

پر کھڑے ہو کر لاکارا ”اے گروہ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں، آؤ میرے پاس آؤ“۔ اس صدائے سحر کا کام کیا اور جنت کے شیدائی کا ایک سنہیل کر ٹوٹ پڑے۔

کوفہ کی حکومت:

خلیفہ دوم نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا:

اما بعد فانی بعثت الیکم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ امیر او ابن مسعود رضی اللہ عنہ معلماً وزیراً وقد جعلت ابن مسعود رضی اللہ عنہ علی بیت مالکم و انہم لمن النجباء من اصحاب محمد من اهل بدر فاسمعوا لہما و اطیعوا و اقتدوا بہما و قد اشرتکم بابن ام عبد علی نفسی و بعث عثمان بن حنیف علی السواد و رزقتہم کل یوم شاة فاجعل شطرها و بطنها لعمار و الشطر الباقی بین ہولاء الثلاثة۔

”اما بعد! میں عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں، خزانہ کا اہتمام و انصرام بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک تھے، اس لیے ان دونوں کی فرمانبرداری اطاعت اور پیروی کرو، میں نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن حنیف کو عراق (کی پیمائش) پر مامور کر کے بھیجتا ہوں اور ان کے رسد کے لیے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لیے مخصوص رہے گا اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہوں گے۔“



حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزئی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثناء میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے۔

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربار خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا باسجد ان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کر دیا جائے، کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی کوفہ سے خواستگار ہوئے، کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں، کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت و امداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سردمہری کے ساتھ اس کو نال دیا، اور فرمایا: ”مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے؟“ اس پر ایک کوئی رئیس عطار نے غضبناک ہو کر کہا ”اے کن کئے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟“ حضرت عمار رضی اللہ عنہ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو رہے ”افسوس! تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی۔“ ۱

غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی، اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود رامہز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلوں میں ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا، اور امیر المومنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے، انجام کار دار الخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ ”تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟“ بولے ”جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو

پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں۔“<sup>۱</sup>  
تحقیقات پر مامور ہونا:

خلیفہ ثالث کے عہد حکومت میں تمام ملک شورش و فتنہ پردازی کی آماجگاہ ہو گیا۔  
۳۵ھ میں خلیفہ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لیے ایک تحقیقاتی  
کیشن مرتب کیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ  
پردازوں کے اصل مرکز صوبہ مصر کی طرف روانہ کئے گئے۔

خلیفہ ثالث سے اختلاف:

تحقیقاتی کیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آ  
کر قابل اطمینان رپورٹ پیش کر دی، لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر  
ہو گئی اور دار الخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے یہاں تک  
کہ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ والی مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کر دی، اس  
خط کے فقرے یہ ہیں:

ان عمار اقد استماله قوم بمصر وقد انقطعوا الیه منهم عبد اللہ بن

السوداء و خالد بن ملحوم و سودان بن حمران و کنانہ بن بشر۔

”عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنا لیا ہے اور ان میں سے عبداللہ بن السودا

اور خالد بن ملجم سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ان کی طرف جا ملے ہیں۔“

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات میں  
نمایاں تھا۔<sup>۲</sup> عام مجموعوں میں علانیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت اور اعمال کی بے  
اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرف داران خلافت  
سے جھڑپ بھی ہو گئی، ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ  
تمام جسم درم کر گیا، شکم میں خراش آ گئی اور پبلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، یعنی محزوم

۱ ابن سعد حم اول جزء ثالث ص ۱۸۳ ج ۲ تاریخ طبری ص ۲۹۳

نے جن سے جاہلیت میں حلف و موالات کا تعلق تھا یہ سن کر کاشانہ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس صدمہ سے جانبر نہ ہوں گے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔<sup>۱</sup> اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی یہاں تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کر دیں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔<sup>۲</sup> بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کارروائی میں شریک تھے۔

سفارتِ کوفہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کا بار گراں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان سے جو خاص انس و خلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہمات امور میں وہ ان کے دست و بازو ثابت ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریوں کے لیے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفہ چہارم کے حکم سے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ و حمایت پر آمادہ کریں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان فرما رہے تھے، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ”تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ“ اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پر جوش تقریر کی۔<sup>۳</sup> حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ”صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا اور آخرت میں سرور کائنات ﷺ کی حرم محترم ہیں، لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا عائشہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دیتے ہو۔“ حجر بن عدی نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی تائید

۱ استیعاب جلد ۲ ص ۲۳۳ ج طبری ج اخبار الغوال ص ۱۳۶

۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۵

کی اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گراں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئی۔<sup>۱</sup>

### جنگ جمل:

ماہ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں تو انہیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ حق عمار (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا اس کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اسی وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہو گئے۔

جمعرات کے روز جنگ ہوئی حضرت عمار رضی اللہ عنہ میرہ پر متعین تھے چونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں اس لیے غیر معمولی جوش سے لڑے یہاں تک کہ حامیان خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک جنگ کا خاتمہ ہوا۔<sup>۲</sup>

### جنگ صفین:

جنگ جمل کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صفین کا معرکہ پیش آیا حضرت عمار رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا لیکن حمایت حق کے جوش نے اکانوے برس کے بڑھے کو شجاعت و جانبازی کا مجسم پتلا بنا دیا تھا رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے صفین کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی تو بولے ”میں اسی علم بردار سے تین دفعہ رسول خدا ﷺ کی معیت میں لڑ چکا ہوں اب یہ چوتھی مرتبہ ہے خدا کی قسم اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام بجر تک بھی پسپا کر دیں جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم لوگ حق پر ہیں اور وہ غلطی پر“۔<sup>۳</sup>

۱ اخبار الطوال ص ۱۳۷ ج ۱ اخبار القول ص ۱۳۹

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵

## شہادت:

ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے ”رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لیے دنیا کا آخری توشہ ہے۔“ اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ ”آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا“ آج میں محمد ﷺ اور ان کے گردہ سے ملوں گا۔“ کچھ ایسے عزم و استقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پر صاف ہو گیا اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے لیکن اسی حالت میں ابن الغادیہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا۔ یہ دونوں قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے کیونکہ ان میں ہر ایک اس کا رنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حاضر دربار تھے انہوں نے کہا: ”خدا کی قسم یہ دونوں جہنم کے لیے جھگڑ رہے ہیں“ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر کہا: ”عمرو! تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لیے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں ان کو ایسا کہتے ہو۔“ بولے: ”خدا کی قسم ایسا ہی ہے، کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی۔“ ۱

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لیے تیار ہو گئے، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمار (رضی اللہ عنہ) کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدان جنگ میں لائی۔ ۲

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۰، مستدرک و حاکم جلد ۳ ص ۲۸۷

حضرت عمارؓ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہو گیا، حضرت خزیمہ بن ثابتؓ جنگ جمل اور معرکہ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمارؓ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرارؓ کا ساتھ دینا چاہیے چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر نوٹ پڑے اور شدید کشت و خون کے بعد شہادت حاصل کی۔ اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہؓ بھی جو پس و پیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کے طرفدار ہو گئے۔

تجھیز و تکفین:

حضرت علیؓ نے جب اپنے مونس و جانثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچ کر فرمایا: "خدا نے عمارؓ پر رحم کیا، جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے، اور خدا ان پر رحم کرے گا، جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہؓ کو اعلان ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا، عمار (ؓ) اور حق لازم و ملزوم تھے، اس لیے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا،" اس کے بعد تجھیز و تکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خود آلود پیراہن کے ساتھ 91 برس کی عمر میں اس حامی حق کو زیر زمین نہاں کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، کوفہ کی زمین کو صحابی رسول ﷺ کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔

### اخلاق:

حضرت عمارؓ کا معدن اخلاق گراں مایہ جواہر سے لبریز تھا۔ جفاکشی

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۷

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۷

۳۔ مستدرک جلد ۲ ص ۳۸۲

استقامت استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گزر چکے ہیں، ورع و تقویٰ کے باعث سکوت و کم‌سخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ و فساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنا دیا۔

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ فرشِ خاک ان کے لیے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوہٴ ذات العسیرہ کے موقع پر بنی مدینہ کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا: ”ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرشِ خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔“

عہد فاروقی میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جا کر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حضرت مطرف فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا اپنے چرمی پیراہن میں پوندنا تک رہا تھا، برہم ہو کر کہا: ”اے فاسق کیا تو امیر المؤمنین کی مذمت کر رہا ہے؟“ میرے دوست نے عفو خواہی کر کے کہا: ”ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں، اس وقت میں نے پہچانا کہ عمار بن یاسرؓ یہی ہیں۔“

حضرت عمارؓ کا ہر ایک قدم صرف خدائے پاک کی خوشنودی و رضا مندی کی راہ میں اٹھتا تھا، جنگِ جمل اور غزوہٴ صفین میں بھی درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علیؓ کے زیرِ علم لا کر کھڑا کیا، صفین کی فوج کشی میں ساحلِ فرات کی راہ سے میدانِ جنگ

۱ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳، ۱۸۳ ص

۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۶۳

۳ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳، ۱۸۴ ص

کی طرف بڑھ رہے تھے اور بار بار کہتے جاتے تھے ”اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا میں لڑنے جاتا ہوں، لیکن اس میں بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا۔“ آپ کی عظمت اور قوت ایمانی کا ضامن خود آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ ”عمار کے رگ و پے میں ایمان سرایت کیے ہوئے ہے“ اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے۔<sup>۱</sup>

مذہبی زندگی:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش میں خالص اطف حاصل ہوتا تھا۔ رات رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت:

﴿ اَمَّنْ هُوَ قَابَتْ اَنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةً رَبِّهِ ﴾

(زمر: ۶)

”کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے سجدہ کر کے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہو سکتا ہے)۔“

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کر کے بیٹھ رہے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ بولے ”اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی۔“ معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش پانی دستیاب نہ

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۳ ۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳

۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۸۷ ۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۱۳



ہوا چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لیے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی۔ جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا ”ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے“۔

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورہ یسین تلاوت فرماتے تھے۔ خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ ”رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے“۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، نرگسی آنکھیں، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گوان کی عمر نوے اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے۔



۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۶۳

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۲

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۶۳

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۹

## حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

نام و نسب:

عبداللہ نام ابو محمد اور ابو عبد الرحمان کنیت والد کا نام عمرو بن العاص اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا شجرۃ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن معبد بن سہم بن عمرو بن ہمیص بن کعب بن لوی القرشی۔

اسلام:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

مصاحبت رسول (ﷺ):

وہ دربار نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے اس کو لکھ لیتے تھے ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ حالت غیظ و انبساط میں خدا جانے کیا کچھ فرماتے ہیں آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے“۔

رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تریا دحت میں صرف ہوتا تھا دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی رفتہ رفتہ یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دربار نبوت میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا ”عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو نمازیں

پڑھو اور آرام کرو نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔“ ۱۔

## غزوات

عہد نبوت کے بعض غزوات میں شریک تھے جہاد و فوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و بار برداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا ”ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم و دینار کا چلن نہیں، مویشی اور جانور ہمارے مال و اسباب ہیں، ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ، گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید و فروخت کرتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟“ فرمایا تم ایک واقف کار شخص کے پاس آئے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو شتر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کر کے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جن کے پاس سواری نہ تھی، میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! تمام سواریاں تقسیم ہو گئیں، لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی۔“ ارشاد ہوا کہ ”ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹ خرید لو“ چنانچہ اس طرح میں نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کر لیے۔ ۲۔

جنگ یرموک:

یرموک کی عظیم الشان جنگ میں نہایت جانبازی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں اپنا علم قیادت ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ ۳۔

۱۔ مسند احمد جلد ۴ ص ۱۵۸ ۲۔ دارقطنی

۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳

## واقعہ صفین

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے اس لیے جب واقعہ صفین پیش آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا لیکن درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا اور بارہا اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا۔<sup>۱</sup>

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے سرگرم پیکار تھے وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی یاد آگئی اور اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا ”کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ افسوس! ابن سبیہ کو گروہ باغی قتل کرے؟“ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: ”آپ نہیں سنتے“ عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں“ امیر معاویہ نے تاویل کرتے کہا ”یہ ہمیشہ ایک نیا طرف لے کر آتے ہیں“ کیا عمار رضی اللہ عنہ کو ہم نے قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا۔<sup>۲</sup>

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر دو آدمیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا وہ دونوں جھگڑتے ہوئے امیر معاویہ کے دربار میں آئے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کا نامہ کو تنہا اپنی طرف منسوب کرتا تھا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حاضر دربار تھے انہوں نے کہا: ”تم میں سے کسی کو بخوشی اپنے کا دعویٰ تسلیم کر لینا چاہیے کیونکہ میں نے رسالت پناہ ﷺ سے سنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی قتل کرے گا۔“ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر ان کے والد سے کہا ”عمرو! تم اپنے اس مجنوں کو مجھ سے الگ نہیں کرو گے؟“ اور خود ان سے کہا ”اگر ایسا ہے تو تم کیوں میرے ساتھ ہو؟“ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”میں صرف اس لیے آپ کے ساتھ ہوں کہ رسول خدا ﷺ نے مجھے ہدایت فرمائی تھی

کہ جب تک زعمہ رہنا اپنے باپ کے مطیع و فرمان بردار رہنا۔<sup>۱</sup>۔  
 گو اس خانہ جنگی میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دامن قتل و خونریزی سے ملوث نہیں  
 ہوا تاہم وہ اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت نادم و پشیمان تھے نہایت حسرت و افسوس کے  
 ساتھ فرمایا کرتے تھے ”میں اور صفین میں اور مسلمانوں کی خونریزی کا شاکش! اس سے بیس  
 سال پہلے میں دنیا تانچ گیا ہوتا۔“<sup>۲</sup>۔

اعتذار:

حضرت رجاہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی (ﷺ) میں ایک مرتبہ میں ایک  
 جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے  
 عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے (حضرت امام) حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا ”کیا  
 تمہیں اس شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ  
 محبوب ہے؟“ لوگوں نے کہا ”کیوں نہیں؟“ فرمایا: ”وہ یہ ہے جو تمہارے سامنے ٹہل رہا  
 ہے واقعہ صفین کے بعد سے اس کی مجھ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی، حالانکہ اس کی خوشنودی  
 میرے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے“ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ”کیا آپ  
 ان سے مل کر عذر خواہی نہ کریں گے؟“ بولے ”کیوں نہیں؟“ دوسرے روز ابو سعید  
 خدری رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر عذر خواہی کے لیے تشریف لے گئے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ  
 کو ان سے ملنے میں پس و پیش تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اصرار کے بعد  
 اندر آنے کی اجازت حاصل کی اور واقعہ صفین میں اپنی شرکت کی عذر خواہی کرتے  
 ہوئے کہا ”رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق میں اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا،  
 لیکن خدا کی قسم! میں نے اس جنگ میں نہ تو اپنی تلوار برہنہ کی، نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا  
 اور نہ کوئی تیر چلایا۔“<sup>۳</sup>۔

۱۔ منہاج احمد جلد ۲ ص ۲۰۶ ج ۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳ ج ۲ ایضاً

وفات:

۶۱۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے ان کو گھری میں دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی، اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔

## علم و فضل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے علم و فضل کے لحاظ سے طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں خاص امتیاز رکھتے تھے، انہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور توریت و انجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبوی (ﷺ) کا جس قدر کثیر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک کو اعتراف تھا کہ ”عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔“

مجموعہ حدیث کے پہلے مدون:

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و ملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا، جس کا نام صادقہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انہیں زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو اس میں دیکھ کر جواب دیتے تھے ابو قبیل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ ”قطظنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟“ ان کو زبانی یاد نہ تھا، انہوں

نے صندوق منگا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے کہ کسی نے یہی سوال کیا 'ارشاد ہوا کہ "ہر قل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا"۔'

حضرت عبداللہؓ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا 'نہوں نے منع کیا' میں نے کہا: "آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے یہ کیا ہے؟" فرمایا "یہ وہ صحیفہ حق ہے جس کو میں نے تمہارے رسول اللہ ﷺ سے سن کر جمع کیا تھا" پھر فرمایا اگر صحیفہ اور قرآن اور دہظ کی جاگیر مجھ کو دے دی جائے تو پھر مجھ کو دنیا کی کچھ پروا نہ ہو"۔'

### مرویات کی تعداد:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے جس میں ۷ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں ان متفق علیہ حدیثوں کے علاوہ ۸ بخاری میں ہیں اور ۲۰ مسلم میں۔'

### حلقہ درس:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے تحصیل حدیث کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ جہاں پہنچ جاتے تھے شائقین علم کا ایک مجمع ان کے گرد و پیش ہو جاتا تھا ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ میں ایلیاء کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو میں آ کر کھڑا ہوا نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سٹ آئے دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) یہی ہیں"۔'

۱۔ مسند احمد جلد ۲ ص ۱۷۶ ۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳ ۳۔ تہذیب ص ۲۰۸

۴۔ مسند احمد جلد ۳ ص ۱۹۸

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا لوگوں نے روکا تو فرمایا "اس کو آنے دو" غرض وہ ان کے پاس آ کر بیٹھا اور بولا کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے" فرمایا: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ "مسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے خرمین علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوش نشینی کی کیونکہ ان کے حلقہ درس میں نسبتاً بصرہ والوں کا زیادہ جوم رہتا تھا۔

ارباب علم کی قدر شناسی:

وہ اپنے ذی علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کیا گیا تو بولے "تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا نام لیا۔"

اخلاق:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے زہد و تقویٰ اور کثرت عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے طبیعت فطرۃً رہبانیت کی طرف مائل تھی دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا: "عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت میں صرف کرو گے" بولے "ہاں! یا رسول اللہ (سہمی انت و امی) فرمایا



کہ ”تم اس کی طاقت نہیں رکھتے“ روزہ رکھو اور افطار کرو نماز پڑھو اور آرام کرو مہینہ میں صرف تین روزے رکھا کرو کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے، لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے۔“ عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔“ ارشاد ہوا کہ ”ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو“ بولے ”میں اس سے بھی زیادہ رکھ سکتا ہوں“ حکم ہوا کہ ”ایک دن روزہ اور ایک دن افطار داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزوں کی بہترین صورت ہے۔“ عرض کی ”میں اس سے بھی بہتر روزے رکھ سکتا ہوں۔“ ارشاد ہوا کہ ”اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں۔“

اسلام کا مطح نظر رہبانیت نہیں بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ بھی کبھی کبھی عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ شوق شہادت میں حقوق عباد کو بھول نہ جائیں، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں تشریف لا کر فرمایا کہ ”روزے رکھو اور افطار کرو نمازیں پڑھو اور آرام کرو کیونکہ تمہارے جسم کا تمہاری آنکھوں کا تمہارے اہل و عیال کا اور تمہارے دوستوں کا تم پر حق ہے۔“ میں نے عرض کی ”داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا ہے؟“ ارشاد ہوا کہ ”نصف عمر۔“

غرض انہوں نے تمام عمر روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے تھے، لیکن اخیر عمر میں جب کہ قوی مضحل ہو گئے تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گذرنے لگی، فرمایا کرتے تھے ”کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت قبول کر لیا۔“

ذریعہ معاش:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو اپنے والد سے وراثت میں بہت بڑی دولت اور بہت سے خدام و حشم ملے تھے، طائف میں وہبظ کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی جس کی

قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ عقبہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ دونوں طرف سے کشت و خون کی تیاریاں ہو گئی تھیں، خالد بن العاصؓ، حضرت عبداللہؓ کو سمجھانے کے لیے آئے تو انہوں نے جواب دیا ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔“



۱ تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶

۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳

۳ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۰۶

## حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

صہیب نام ابو یحییٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعید تھا پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

صہیب بن سنان بن مالک بن عبد عمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن جذیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس مناتہ بن النمری بن قاسط بن ہنب بن افضی بن دعی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار الربعی النمری۔

ابتدائی حالات:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا جو باختلاف روایات موصل کے قریب لب دجلہ یا الجزیرہ میں واقع تھا، ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے عامل تھے انہوں نے ابھی دنیا کی صرف چند بہاریں دیکھی تھیں کہ رومی فوجوں نے اُبلہ پر چڑھائی کی اور دوسرے مال و اسباب کے ساتھ اس نو نہال کو بھی ساتھ لے گئے، سنان کے چمن زار پر اس گل سرسبد کے فقدان سے خزاں آگئی، ان کی بہن امیہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش و جستجو میں دنیا کی خاک چھان ڈالی، تمام مجامع، میلوں اور موسیقی بازاروں کا جائزہ لیا لیکن اس یوسف گم گشتہ کا کہیں سراغ نہ لگا۔

وہ رومیوں ہی میں پرورش پا کر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا اور ان سے عبد اللہ بن جدعان نے لے کر آزاد کر دیا۔ لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے اور عبد اللہ سے صرف حلیفانہ تعلق تھا، غرض وہ مکہ میں اس کی

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳۰ ۲ اصحابہ جلد ۳ تذکرہ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۷

زندگی تک اس کے ساتھ رہے۔

اسلام:

مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش و تحقیق کے خیال سے آستانہ نبوت (ﷺ) پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خلل سے آرہے تھے انہوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے "پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو انہوں نے کہا "میں محمد (ﷺ) سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہوں۔" بولے "میرا بھی یہی مقصد ہے۔" غرض دونوں ایک ساتھ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنہوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا، رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے، آپ اس وقت ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے اور تم سے زیادہ صحابہ کرام مجسّمہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے جن میں سے اکثروں نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

ابتلا و استقامت:

حضرت صہیبؓ جو غریب الوطن تھے اور اس سر زمین کفر میں ان کا کوئی حامی و معاون نہ تھا، تاہم غیرت ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انہوں نے ابتداء ہی میں اپنے تبدیل مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہِ خدا میں گونا گوں مصائب و مظالم برداشت کیے لیکن استقامت صبر اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔

ہجرت:

حضرت صہیبؓ سب سے آخری مہاجر تھے، انہوں نے رخت سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سد راہ ہوئے اور بولے "تم

۱ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱، ثالث ص ۱۶۱

۲ اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عمار بن یاسرؓ

۳ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱، ثالث ص ۱۶۲

۴ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱، ثالث ص ۱۶۲

ہمارے یہاں مفلس و محتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت و ثروت جمع کی، اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لے جاتے ہو، خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا ”اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سے سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں، خدا کی قسم! جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے، اس کے پھر اپنی کموار سے مقابلہ کروں گا، ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے مال و متال کے عوض متاع ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے۔

حضرت خیر الانام رضی اللہ عنہم قباء میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مہمان تھے، حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی حاضر خدمت تھے، کھجوروں کا نقل ہو رہا تھا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا ”یا رسول اللہ! آپ صہیب رضی اللہ عنہ کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوب چشم کے باوجود کھجور کھا رہے ہیں۔“

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”صہیب! تمہاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو؟“ مزاج نہایت بذلہ سنج تھا، بولے ”میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ سے کھاتا ہوں۔“ اس حاضر جوابی سے رسول اللہ رضی اللہ عنہ بے اختیار ہنس پڑے۔

جب بھوک کی شدت کسی قدر دفع ہوئی تو شکوہ و شکایت کا دفتر کھلا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ آپ نے باوجود وعدہ مجھے شریک سفر نہ فرمایا، حضرت رسالت مآب رضی اللہ عنہم سے عرض کی یا رسول اللہ رضی اللہ عنہم! آپ نے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تنہا دیکھ کر روک رکھا، بالآخر تمام دولت و ثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا۔<sup>۱</sup> ارشاد ہوا ”ابو یحییٰ! تمہاری تجارت پر منفعت رہی، اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲ ح ۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۳۹

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۳

قربانی کی ان الفاظ میں داد دی۔<sup>۱</sup>

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ (بقرہ)

”لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں۔“

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ: مدینہ میں حضرت سعید بن خنیسہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے اور

حضرت حارث بن الصمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔<sup>۲</sup>

## غزوات

تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، غزوہ بدر احد، خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے، عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کر کے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے۔  
سہ روزہ خلافت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: ان سے حسن ظن رکھتے تھے اور خاموش لطف و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیب ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں، وہ امام کا فرض انجام دیں، چنانچہ انہوں نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا۔<sup>۳</sup>

وفات:

۳۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہو گیا، ۷۲ برس کی عمر میں وفات پائی اور بقیع کے

گورغریباں میں مدفون ہوئے۔<sup>۴</sup>

۱ ایضاً مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۸ ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲

۳ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳ ۴ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳

اخلاق:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سرچشمہ اخلاق سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے ہی مجھے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا۔<sup>۱</sup> اس بنا پر ان میں تمام اوصاف حسنہ مجتمع ہو گئے تھے، حسن خلق، فضل و کمال کے ساتھ حاضر جوابی بذلہ سخی اور لطفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پر لطف بنا دیا تھا۔<sup>۲</sup>

مہمان نوازی، سخاوت و غرباء پروری میں نہایت کشادہ دست تھے، یہاں تک کہ لوگوں کو اسراف کا دھوکا ہوتا تو ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ”صہیب تمہاری تین باتیں مجھے ناپسند ہیں، اول یہ کہ تم نے ابو یحییٰ کینیت قرار دی، جو ایک پیغمبر کا نام ہے اور اس نام کی تمہاری کوئی اولاد نہیں، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے کو عرب کہتے ہو۔“ بولے یہ کینیت میری نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو میں میرا اساس عمل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

خياركم من اطعم الطعام و رد السلام.

”یعنی تم لوگوں میں سب بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔“

امر سوم کا جواب یہ ہے کہ میں حقیقت میں عرب ہوں چونکہ رومیوں نے پچپن ہی میں مجھے غلام بنا کر اہل و عیال سے جدا کر دیا اس لیے میں اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا۔<sup>۳</sup>

حلیہ:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ تھا:

قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے بال گھنے، زمانہ پیری میں

۱۔ استیعاب تذکرہ صہیب، ج ۱، اسد القاہ جلد ۳ ص ۳۳

۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۶

مہندی کا خطاب کرتے تھے۔ زبان میں لکت تھی، ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ میں  
 'حسن غلام کو نیاس' نیاس کہہ کر پکار رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو تعجب سے  
 پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگوں کو پکار رہے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی  
 'وہ لوگوں کو نہیں پکارتے بلکہ اپنے غلام 'حسن کو پکار رہے ہیں، لیکن لکت کی وجہ سے  
 اس نام کو ادا نہیں کر سکتے۔





## حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

نام: نَب:

مصعب نام ابو محمد کنیت، والد کا نام عمیر اور والدہ کا نام خناس بنت مالک تھا پورا

سلسلہ نسب یہ ہے:

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی القرشی۔

ابتدائی حالات:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مکہ کے ایک نہایت حسین و خوشرونو جوان تھے ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت رکھتے تھے خصوصاً ان کی والدہ خناس بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز و نعمت سے پالا تھا چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں آسکتی تھی استعمال فرماتے تھے آنحضرت ﷺ کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے ”مکہ میں مصعب رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی حسین خوش پوشاک اور پروردہ نعمت نہیں ہے“۔

اسلام:

خدائے پاک نے حسن ظاہری، سلامت ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینہ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ توحید کے دلربا خط و خال نے شرک سے متفرک کر دیا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدا یوں میں داخل ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سر زمین تنگ ہو رہی تھی اس بنا پر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے

رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کر دی، انہوں نے سنا تو محبت نفرت سے مبدل ہو گئی اور مجرم توحید کے لیے شرک کی عدالت نے قید تہائی کا فیصلہ سنایا۔

ہجرت حبشہ:

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن زندان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترک وطن پر مجبور کر دیا، اور متلاشیان امن و سکون کے ساتھ سر زمین حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم و نازک کپڑوں کی حاجت تھی نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش و تمعم کی فکر تھی، صرف جلوۂ توحید کے ایک نظارہ نے تمام فانی ساز و سامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے۔ ہجرت کے مصائب سے رنگ و روپ باقی نہ رہا تھا، تو خود ان کی ماں کو اپنے نور نظر کی پریشان حالی پر رحم آ گیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آ گئی۔<sup>۱</sup>

تعلیم اور اشاعت اسلام:

اس اثناء میں خورشید اسلام کی ضیا پاش شعاعیں کوہ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادی یثرب تک پہنچ چکی تھیں اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا انہوں نے دربار نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم و تلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرور کائنات ﷺ کی نگاہ جوہر شناس نے اس خدمت کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔<sup>۲</sup>

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر فرود کش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیم قرآن و اشاعت اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح

۱ اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیر ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۲

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳

رفتہ رفتہ جب کلمہ گویوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تو نماز و تلاوت قرآن کے لیے کبھی حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے ایک روز حضرت مصعبؓ حسب معمول بنی ظفر کے گھر میں چند مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلہ عبدالاشہل کے سردار (حضرت) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے رفیق (حضرت) اسید بن حضیر (رضی اللہ عنہ) سے کہا ”اس داعی اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو جو یہاں آ کر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے اگر اسعد (میزبان حضرت مصعبؓ) سے مجھ کو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا۔“ یہ سن کر حضرت اسید نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعبؓ و اسعدؓ کے پاس آ کر خشم آلود لہجہ میں کہا ”تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والوں کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو بہتر یہ ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔“ حضرت مصعبؓ نے چند آیات کریمہ تلاوت کر کے اس خوبی کے ساتھ عقائد و محاسن اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی ہی دیر میں (حضرت) اسید (رضی اللہ عنہ) کا دل نور ایمان سے چمک اٹھا اور جیتاب ہو کر بولے ”کیسا اچھا مذہب ہے! کیسی بہتر ہدایت ہے! اس مذہب میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟“ حضرت مصعبؓ نے فرمایا: ”پہلے نہاد ہو کر پاک کپڑے پہنو پھر صدقہ دل سے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا اقرار کرو انہوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھ کر کہا ”میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہوگا“ اگر وہ اس دائرہ میں داخل ہو گیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اس کی پیروی کرے گا“ میں ابھی اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔“

حضرت اسید رضی اللہ عنہ غیظ و غضب کے عوض عشق و محبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ میں واپس آئے تو (حضرت) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا ”خدا کی قسم اس شخص کی حالت میں ضرور کچھ انقلاب آ گیا ہے“ اور جب قریب آئے تو پوچھا ”کہو کیا کر آئے؟“ بولے ”خدا کی قسم وہ دونوں ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے میں نے ان کو منع کیا تو وہ بولے کہ ہم وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے، لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی حارث اس وجہ سے اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہیں کہ وہ تمہارا خال زاد بھائی ہے۔“

تا کہ اس طرح تمہاری تہنیتیں بوز چوکندہ بنی حارثہ اور عبد الاشہل میں دیرینہ عداوت قہمی اس لیے حضرت اسید مجتہد کا افسوس کا رُک ہو گیا (حضرت) سعد بن معاذ (جو مجتہد) جوش غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مخالف مذہبی کے باوجود اسعد کی مدد کے لیے دوڑنے لگیں جب یہاں پہنچ کر بالکل سکون و اطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسید نے ان دونوں سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے لیے محض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے مبدل ہو گیا اور خشم گین لہجہ میں بولے "ابو امامہ خدا کی قسم اگر زشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ پیش آتا، تمہیں کیونکر ہمارے محلہ میں علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی جس کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں، حضرت مسعب نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئیں تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہو جائیں گے" (حضرت) سعد نے اس کو منکھور کر لیا، تو انہوں نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کی کہ (حضرت) سعد (جو مجتہد) کا چہرہ نور ایمان سے چمک اٹھا، اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ والوں کے پاس آئے اور باہگ بلند سوال کیا "اے بنی اشہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟" انہوں نے کہا "تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو" بولے خدا کی قسم تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ۔"

اس طرح بعد الاشہل کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذ (جو مجتہد) کے اثر سے اسلام کا

حلقہ بگوش ہو گیا۔

حضرت مصعب (جو مجتہد) ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہ (جو مجتہد) کے مہمان رہے لیکن جب بنی نجار نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذ (جو مجتہد) کے مکان پر اٹھ آئے اور یہیں سے اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ حطمہ، وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوامی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہو گئے۔

مدینہ میں جمعہ قائم کرنا:

مدینہ منورہ میں جب کلمہ گویوں کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہو گئی تو حضرت مسعب رضی اللہ عنہ نے دربار نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نماز جمعہ کی بنا ڈالی پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت موثر خطبہ دیا پھر خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادران اسلام کو باہم بغل گیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مسعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تحریک سے قائم کیا گیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ:

عقبہ کی پہلی بیعت میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مسعب رضی اللہ عنہ نے ایک ہی سال میں تمام اہل یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال تمبر اکابر و اعیان کی پر عظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول اللہ ﷺ کو مدینہ میں مدعو کرنے کے لیے روانہ ہوئی ان کے معلم دین حضرت مسعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے انہوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستان نبوت پر حاضر ہو کر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی آنحضرت ﷺ نے بہت دلچسپی کے ساتھ تمام اہم واقعات سنے اور ان کی محنت و جانفشانی سے بے حد متحفظ ہوئے۔

حضرت مسعب رضی اللہ عنہ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہا: بیٹا! اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں آئے گا جس میں میں موجود ہوں اور تو پہلے مجھ سے منے نہ آئے؟ انہوں نے جواب دیا: میں رسول خدا ﷺ سے پہلے کسی سے ملتے نہیں جاؤں گا

۱ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲، ص ۸۳

۲ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲، ص ۸۳

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ: جب رسول خدا ﷺ سے شرفِ ملاقات حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس آئے اس نے کہا ”میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے“ بولے ”میں رسول اللہ ﷺ کے دینِ برحق اور اس اسلام کا پیرو ہوں جس کو خدا نے خود اپنے لیے اور اپنے رسول کے لیے پسند کیا ہے۔“ ماں نے کہا: ”کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمینِ جہنم میں برداشت کرنا پڑی اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونوں دفعہ تم نے نعمِ خواری کا کچھ شکر یہ ادا نہ کیا۔“ حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھ کو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلا کر بولے ”کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا انشاء ہے کہ پھر مجھ کو قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا“ ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا ”بس تو میرے سامنے سے چلا جا“ اور یہ کہہ کر رونے لگی، حضرت مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے ”اے میری ماں! میں تجھے خیر خواہی و محبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کا بندہ اور رسولِ برحق ہے“ اس نے کہا ”چپکتے ہوئے تاروں کی قسم! میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤں گی، جا میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوئی ہوں اور اپنے مذہب سے وابستہ رہوں گی“۔

ہجرتِ مدینہ:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت ﷺ ہی کی خدمت میں برکے اور پہلی ربیع الاول کو سرد رہ کائنات ﷺ سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی۔

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳

## غزوات

۲ھ سے حق و باطل میں خونریز معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ میدان فصاحت کی طرح عرصہ دعا میں بھی نمایاں رہے، غزوہ بدر میں جماعت مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا، غزوہ اُحد میں بھی علمبرداری کا تمغائے شرف ان ہی کو ملا۔

شہادت:

اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی یہ علمبردار اسلام یکہ و تنہا مشرکین کے نزعہ میں ثابت قدم رہا، کیونکہ لوائے توحید کو پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لیے سخت عار تھا، غرض اسی حالت میں مشرکین کے شہسوار ابن قمرہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا، لیکن بائیں ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران ع ۱۵)

”اور محمد (ﷺ) صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔“

ابن قمرہ نے دوسرا وار کیا تو بائیں ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونوں بازوؤں نے حلقہ کر کے علم کو سینہ سے چمٹا لیا، اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اور اسلام کا سچا فدائی اس آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرشِ خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا تھا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونے کے لیے نہیں آیا تھا، ان کے بھائی ابوالروم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے۔

## تجہیز و تکفین:

لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ (الایة)

”مومنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا۔“

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال اُلجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے“ پھر ارشاد ہوا ”بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو گے“ اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتیبن راہِ خدا کی آخری زیارت کر کے سلام بھیجیں اور فرمایا ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزِ قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے۔“

اس زمانہ میں غربت و افلاس کے باعث شہیدانِ ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہن ہو جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈالی گئی۔<sup>۱</sup> اور ان کے بھائی حضرت ابوالرؤم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سوہب بن سعد رضی اللہ عنہ کی مدد سے پیرِ خاک کیا۔ (الایة) و انالیہ راجعون۔<sup>۲</sup>

۱ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۸۵ ۲ بخاری باب غزوة احد ص ۵۷۸

۳ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۸۶



## فضل و کمال:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نہایت ذہین، طباع اور خوش بیان تھے، یثرب میں جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے ان اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے، قرآن شریف جس قدر نازل ہو چکا تھا اس کے حافظ تھے، مدینہ میں نماز جمعہ کی ابتداء ان ہی کی تحریک سے ہوئی اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے۔<sup>۱</sup>

## اخلاق:

اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا، ظلم کے کتب نے مزاج میں صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، خصوصاً ملک حبش کی صحرا نوردیوں نے جفاکشی، استقلال و استقامت کے نہایت زریں اسباق دیئے تھے اور اچھی طرح سکھا دیا تھا کہ دشمنوں میں رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے نو مسلموں کی تعلیم و تربیت اور اشاعت اسلام جیسی اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا۔

مزاج قدرۃ نہایت لطافت پسند تھا، اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے، حضری جوتا جو اس زمانہ میں صرف امراء کے لیے مخصوص تھا وہ ان کے روز مرہ کے کام میں آتا، غرض ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش زیبائش اور زلف مشکیں کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شراب توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربار نبوت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لیے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جا بجا سے پیوند لگے ہوئے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا لیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "الحمد للہ! اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہئے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی ناز پروردہ نہ تھا لیکن نیکو کاری

کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا۔  
حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد میانہ، چہرہ حسین، نرم و نازک اور زلفیں نہایت خوبصورت تھیں۔

اہل و عیال:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا تھا جس سے زینب نام

ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔



۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۲

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۶

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۱

## حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

عثمان نام، ابوالسائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام خیلہ بنت العنسیس تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن محم بن عمرو بن مصعب ابن کعب بن لوی بن غالب القرشی الجمی۔

قبل اسلام:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، فطرۃ سلیم الطبع، نیک نفس و پاکباز تھے، ایام جاہلیت میں عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے نا آشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل میں فتور آ جائے ذلیل و کم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائیں اور نشہ کی حالت میں ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے۔

اسلام:

اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوح دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ و تلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کر دیا، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان لائے تھے۔ ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبیدہ بن الحارث، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابو سلمہ

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۸۶

۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

بن عبد الاسد اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ آحضرت ﷺ کے ساتھ ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پہلے ایک ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے۔<sup>۱</sup>

### ہجرت حبشہ و معاودت:

۵۔ نبوی میں بلاکشان اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمان بن مظعونؓ اس بے خانماں گروہ کے امیر تھے۔<sup>۲</sup> ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے، پھر واپس تشریف لائے، لیکن جب مکہ کے قریب پہنچ کر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف مکہ میں داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامنگیر ہوتا تھا، غرض اس حیرت میں جہاں تک پہنچے تھے وہیں رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے اپنے مشرک اعزہ و احباب کی پناہ میں پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔<sup>۳</sup>

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتوں سے محفوظ کر دیا تھا، تاہم وہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس اور دوسرے صحابہ کرامؓ کو بتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت و اطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت فرمائی ”افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں! خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔“ اس خیال نے بیتاب کر دیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا: ”اے ابو عبیدہؓ! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی، اس وقت تک میں تمہاری پناہ میں

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ۲۸۶ ج ۲ سیرت ابن ہشام جلد اباب المہجرۃ ابی العبدۃ

۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

تھا، لیکن اب خدا اور اس کے رسول کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں“ میرے لیے رسول خدا ﷺ اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے۔“ ولید نے کہا ”شاید تمہیں کسی نے اذیت پہنچائی!“ بولے ”نہیں، اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہیں، تم ابھی میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو اور جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کر دو“ غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام میں بیان کیا، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی اور فرمایا: ”صاحبو! میں نے ولید کو نہایت ہی با وفا اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہیں ہے، اس لیے میں خود ہے اس بار احسان سے سبکدوش ہوتا ہوں۔“

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس میں تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، اس لیے اس کے پہنچنے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی، اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرع پڑھا،  
 الا کل شیء ما خلقی اللہ باطل ”یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں۔“  
 تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بے اختیار داد دی کہ ”تم نے سچ کہا،“ لیکن جب اس نے دوسرا مصرع پڑھا۔

کل نعم لا محالہ زائل ”یعنی تمام نعمتیں یقیناً زائل ہو جائیں گی۔“

تو بول اٹھے کہ ”جھوٹ کہتے ہو“ اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب آلود ڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی، اس نے اعادہ کیا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر پہلے مصرع کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا: ”تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی،“ لبید نے خفیف ہو کر کہا ”گروہ قریش! خدا کی قسم تمہاری مجلسوں کا حال یہ نہ تھا۔“ اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع میں برہمی پھیل گئی، اور ایک بد کردار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگوں نے کہا ”عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت میں نہایت معزز تھے اور

تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی“ بولے ”خدا کی حمایت سب سے زیادہ با امن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے، وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے۔“ ولید نے کہا ”کیا اب بھی تم میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو؟“ فرمایا ”میرے لیے صرف خدا کی پناہ بس ہے۔“<sup>۱</sup>

### ہجرتِ مدینہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر و سکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نے عموماً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جس میں ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادہ سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ شامل تھے اس سرزمین امن میں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیئے گئے۔<sup>۲</sup>

### مواخات:

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائیوں کو مستقل سکونت کے لیے وسیع قطعات زمین مرحمت فرمائے اور ابو الہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرا دیا۔<sup>۳</sup>

### غزوہ بدر اور وفات:

حق و باطل کی اول کشمکش یعنی معرکہ بدر میں شریک تھے، میدانِ جنگ سے واپس آ کر اسی سال بیمار ہوئے، انصاری بھائی اور ان کی بیوی بچوں نے دسوزی کے ساتھ تیمار داری کی، لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا، ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی ۲ھ کے اخیر میں

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵، ۳۸۶ ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸

وفات پائی۔<sup>۱</sup>

حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا (جن کے گھر میں انہوں نے وفات پائی) فرماتی ہیں کہ جب تجخیر و تکفین کے بعد جنازہ تیار ہوا تو آنحضرت ﷺ تشریف لائے میں نے کہا: ”ابو السائب! تم پر خدا کی رحمت ہو میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تم کو معزز کیا“ ارشاد ہوا: ”تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ خدا نے معزز کیا؟“ میں نے عرض کی میرا باپ آپ پر فدا ہو یا رسول اللہ ﷺ پھر خدا کس کو معزز کرے گا؟“ فرمایا: ”عثمان کو درجہ یقین حاصل تھا اور میں اس کے لیے بہتری کی امید رکھتا ہوں لیکن خدا کی قسم میں رسول خدا ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا۔“<sup>۲</sup>

رسول اللہ ﷺ کا حزن و ملال:

آنحضرت ﷺ کو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی مفارقت کا شدید غم تھا آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پر نم ہوئے کہ اشک مبارک سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رخسارے تر ہو گئے۔ پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ”ابو سائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن ذرا بھی اس سے طوٹ نہ ہو۔“<sup>۳</sup>

قبر:

اس وقت تک مدینہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے مقام بقیع کو اس کے لیے منتخب فرمایا چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو اس گورغریباں میں مدفون ہوئے۔<sup>۴</sup> آپ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا اور قبر کے سرے پر کوئی چیز بطور علامت

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸ ۲ بخاری کتاب الجنائز جلد ۱ ص ۱۶۶

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸ ۴ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۷

۵ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۹

نصب کر کے فرمایا: ”اب جو مرے گا وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا۔“  
اخلاق:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع تھا شراب سے ایام جاہلیت ہی میں متفرق تھے صبر تحمل اور اسلامی حیثیت کے نمونے پہلے گزر چکے ہیں مزاج میں شرم و حیا کا عنصر غالب تھا ایک روز بارگاہ نبوت میں عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر عورت دکھانا پسند نہیں کرتا۔“ ارشاد ہوا: ”کیوں؟“ عرض کی ”حیا دامکیر ہوتی ہے“ فرمایا: ”خدا نے اس کو تمہارے لیے اور تم کو اس کے لیے بے پردہ بنایا ہے۔“ وہ جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا: ”عثمان بن مظعون نہایت ہی با حیا و پردہ پوش ہے۔“

رہبانیت کی طرف میلان طبع:

تجمل و رہبانیت کی طرف شدید میلان تھا ایک دفعہ انہوں نے چاہا کہ قوائے شہوانیہ کو فنا کر کے صبح انوردی اختیار کریں لیکن آنحضرت ﷺ نے باز رکھا اور فرمایا: ”کیا میری ذات تمہارے لیے اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ میں اپنی بیویوں سے ملتا ہوں گوشت کھاتا ہوں روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں بے شک میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے اس لیے جو شخص خصی کرے گا یا خصی بنے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔“

عبادت:

عبادت و شب زندہ داری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نہایت ہی پر لطف مشغلہ تھا رات رات بھر نمازیں پڑھتے دن کو عموماً روزے رکھتے انہوں نے اپنے گھر میں عبادت

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۹۱

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۷

۳ ایضاً صحیح بخاری کتاب الصوم و کتاب النکاح



کے لیے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا، جس میں رات دن مکلف رہتے تھے ایک روز آنحضرت ﷺ اس حجرہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی چوکھٹ پکڑ کر دو یا تین مرتبہ فرمایا:

”عثمان (رضی اللہ عنہ)! خدا نے مجھے رہبانیت کے لیے مبعوث نہیں کیا ہے، سہل اور

آسان دین صغیٰ خدا کے نزدیک تمام ادیان سے بہتر ہے۔“

شوقِ عبادت نے بیوی بچوں سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایک روز ان کی زوجہ محترمہ حرم نبوی (ﷺ) میں آئیں، اہمات المومنین رضی اللہ عنہم نے ان کو خراب حالت میں دیکھ کر پوچھا ”تم نے ایسی ہیئت کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہارے شوہر سے زیادہ تو قریش میں کوئی دولت مند نہیں“ بولیں ”مجھے ان سے کیا سروکار؟“ وہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، اہمات المومنین رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”عثمان بن مظعون! کیا میری ذات تمہارے لیے نمونہ نہیں ہے؟“ بولے ”میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں کیا بات ہوئی؟“

ارشاد ہوا ”تم رات بھر عبادت کرتے ہو، دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو؟“ عرض کی ”ہاں! ایسا کرتا ہوں“ حکم ہوا ”ایسا نہ کرو، تمہاری آنکھ کا، تمہارے جسم کا اور تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے، نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، غرض اس فہمائش کے بعد ان کی بیوی پھر اہمات المومنین رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں۔“

اہل و عیال:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا

سے دوڑ کے عبدالرحمن اور سائب یا داگار چھوڑے۔“

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۷ ۲ طبقات ابن سعد جزء ۳ ص ۲۸۷

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۶

## حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ

نام نسب:

ارقم نام ابو عبد اللہ کنیت والد کا نام عبد مناف ابو الارقم کنیت اور والدہ کا نام امیرہ تھا شجرہ نسب یہ ہے:

ارقم بن ابی الارقم بن اسد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت و اقتدار کا مالک

تھا ان کے دادا ابو جندب اسد بن عبد اللہ اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربر آوردہ رئیس تھے۔

اسلام:

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے اس وقت آنحضرتؐ اور تمام کلمہ گویوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی مشرکین قریش چاہتے تھے کہ اس تحریک کو با اثر ہونے سے پہلے معدوم کر دیں لیکن اسلام فنا ہونے کے لیے نہیں آیا حضرت ارقمؓ نے مہبط وحی والہام ﷺ اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپایا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی گھر میں اسلام لے آئے ان کے اسلام لانے کے وقت کم و بیش چالیس آدمی شرف اسلام سے مشرف ہو چکے تھے آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہو گئی اس وقت اس خطیرہ قدس کو چھوڑا۔

ہجرت:

بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت ارقم رضی اللہ عنہ بھی دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے یہاں حضرت ابو طلحہ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی

اور آنحضرت ﷺ نے مستقل سکونت کے لیے بنی زریق کے محلہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔<sup>۱</sup>

## غزوات

حق و باطل کی اول کشمکش یعنی غزوہ بدر میں شریک کارزار تھے اس جنگ میں حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی 'احد خندق' خیبر اور تمام دوسرے اہم معرکوں میں بھی پامردی و شجاعت سے لڑے۔<sup>۲</sup>

عہدہ:

زمانہ رسالت میں تحصیل زکوٰۃ کی خدمت پر مامور تھے۔<sup>۳</sup>

وفات:

۸۳ برس کی عمر پا کر ۵۳ھ رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنازہ کی نماز پڑھائی، لیکن وہ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام عقیق میں تھے ان کے آنے میں دیر ہوئی تو مروان بن حکم والی مدینہ نے کہا ایک شخص کے انتظار میں جنازہ کب تک پڑا رہے گا؟ اور چاہا کہ خود آگے بڑھ کر امامت کرے لیکن عبید اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اجازت نہ دی اور قبیلہ بنی مخزوم ان کی حمایت پر تیار ہو گیا، غرض بات بڑھ چلی تھی کہ اسی اثناء میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہوں نے نماز پڑھا کر بقیع کے گورستان میں دفن کیا۔<sup>۴</sup>

انا لله وانا اليه راجعون

اخلاق:

تقویٰ، تدین، زہد و راست بازی حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے نمایاں اوصاف تھے

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۴ ۲ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰

۳ ۴ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۷۴ ۵ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰

عبادت و شب و زندہ داری سے بے حد شوق تھا ایک دفعہ انہوں نے بیت المقدس کا قصد کیا اور رخت سفر درست کر کے رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہونے آئے آپ نے پوچھا کہ تجارت کے خیال سے جاتے ہو یا کوئی خاص ضرورت ہے؟ بولے ”میرے باپ ماں آپ پر نذا ہوں یا رسول اللہ ﷺ! کوئی ضرورت نہیں ہے صرف بیت المقدس میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔“ ارشاد ہوا کہ میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی بیٹھ گئے اور ارادہ فرما لیا۔  
ذریعہ معاش:

مختلف جاگیروں کے علاوہ اصلی ذریعہ معاش تجارت تھی۔

مکہ کا تاریخی مکان:

ہجرت کے بعد مدینہ وطن ہو گیا تھا اس لیے انہوں نے مکہ کے مکان کو جو اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے مرجع زائرین تھا وقف الاولاد کر دیا تاکہ بیع و وراثت کے جھگڑوں سے محفوظ رہے۔<sup>۱</sup>

یہ مکان کوہ صفا کے نیچے ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج میں صفا و مردہ کے درمیان سعی کرتے تھے وہ ٹھیک اس کے دروازے پر سے ہو کر گذرتے تھے ۱۴۰ھ میں خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک وہ بجنسہ اپنی حالت پر موجود تھا لیکن اسی سال محمد بن عبد اللہ بن حسن (نفس زکیہ) نے مدینہ میں خروج کیا چونکہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے پوتے عبد اللہ بن عثمان ان کے معاونین میں تھے اس لیے منصور نے والی مدینہ کو لکھ کر ان کو گرفتار کرایا اور اپنے ایک خاص معتمد شہاب بن عبد رب کو بھیج کر اس مکان کو فروخت کرنے کی ترغیب دی ۱۰۰ ہزار دینار سے پہلے انکار کیا لیکن پھر قید سے مخلصی پانے کی بشارت اور گراں قدر صلہ سے تمع نے بیچنے پر راضی کر دیا غرض منصور نے سترہ ہزار دینار پر ان کا حصہ خرید لیا رفتہ رفتہ دوسرے شرکاء بھی راضی ہو گئے لیکن ان کا زر معاوضہ اس کے علاوہ ہے۔

ابو جعفر منصور کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنی جا رہ خیزران کو دے دیا، جس نے منہدم کر کے نئے سرے سے ایک محل تعمیر کرایا، پھر گردشِ ایام نے اس میں گونا گوں تغیرات پیدا کیے اور اس طرح آغازِ اسلام کی وہ پر عظمت یادگار جو عرصہ تک مطلعِ انوار الہی و مہبطِ ملائکہ آسمانی رہی تھی، صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئی۔

اولاد:

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے دو لڑکے عبید اللہ، عثمان اور تین لڑکیاں امیہ، مریم اور صفیہ یادگار چھوڑیں۔



## حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

مقداد نام، ابو الاسود کنیت، عمرو کندی کے لخت جگر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود انہرانی۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ دراصل بہراء کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان

کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی اس لیے انتقام کے خوف سے کندہ چلے

آئے تھے، لیکن یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آ کر آباد ہوئے اور اسود بن

عبدیوث کے خاندان سے حلیفانہ تعلق پیدا کر لیا جس نے محبت سے ان کو اپنا حتمی کر لیا

تھا، چنانچہ عمرو کے بجائے اسود ہی کے انتساب سے مشہور ہوئے۔<sup>۱</sup>

اسلام:

وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح توطن گزین بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید

کانوں میں آئی اور رسالت مآب ﷺ کی دعوت و تبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنا دیا، یہ

وہ پر آشوب زیادہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا قلم و شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا

تھا، لیکن حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اپنی بے بسی و غریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارا نہ

کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف میں نظر آتے ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں اپنے

حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔<sup>۲</sup>

ہجرت:

اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گونا گوں

مظالم کا نشانہ بنا لیے گئے، یہاں تک کہ پیمانہ صبر و تحمل لبریز ہو گیا اور مکہ چھوڑ کر عازم

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ ۲۔ اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ

جش ہوئے۔<sup>۱</sup>

کچھ دنوں کے بعد سرزمین جش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریوں کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے، یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے اور کفر و اسلام میں فوجی چھیڑ چھاڑ کر آغاز ہوا، تو یہ اور حضرت عقبہ بن غزوٰ ان رضی اللہ عنہما ایک قریشی متجسس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مد بھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہما اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں سے مل گئے اور مدینہ پہنچ کر حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہما کے مہمان ہوئے۔<sup>۲</sup>

رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنی عدیلہ کے محلہ میں مستقل سکونت کے لیے زمین مرحمت فرمائی، کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کی دعوت پر انہوں نے اسی حصہ میں رہنا پسند کیا تھا۔<sup>۳</sup>

## غزوات

۲ھ سے شرک و توحید میں باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور مشرکین قریش کا ایک خوفناک سیلاب میدان بدر کی طرف امنڈ آیا، چونکہ جان نثاران رسول ﷺ کے لیے یہ اولین آزمائش تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے پہلے مشورہ طلب کر کے اس قلیل لیکن اولوالعزم جماعت کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے اپنی صداقت شعاری کا جوہر دکھایا، پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ایک تقریر میں اپنے خلوص و وفا شعاری کا اظہار کیا، لیکن حضرت مقداد رضی اللہ عنہما نے جس جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جاں نثاری کا ثبوت دیا، اس نے یکا یک تمام فدائیوں کے

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۳ ح اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہما

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۳

جذبہ سرفروشی میں بیجان پیدا کر دیا، انہوں نے عرض کی ”ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ ”تو اور تیرا خدا جا کر لڑے“ بلکہ ہم آپ کے داہنے بائیں آگے اور پیچھے اپنی جانبازی کے جوہر دکھائیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جا کر لڑیں گے۔ اس سادہ لیکن پر جوش اظہارِ فدویت سے آنحضرت ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ فرط انبساط سے چہرہ مبارک چمک اٹھا۔ ۳

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ: تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے، جنگ بدر میں صرف یہی یکہ و تنہا شہسوار تھے جو اپنے سبہ صبارتار کو مہمیز کر رہے تھے، محدثین و اصحاب سیر کا عام طور پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، غزوہ بدر کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پامردی و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے۔ ۴

### فتح مصر:

۲۰ھ میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر عسکر نے دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس ہزار سپاہی اور چار افسرجن میں سے ایک حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے، چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچنے ہی جنگ کی حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام سر زمین فرعونہ فرزند ان تو حید کا ورثہ بن گئی۔ ۵

۱ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر ۲ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۳۵۲

۳ بخاری باب غزوہ بدر ۴ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۳۸

۵ مقریزی جلد ۱ ص ۶۵



## وقات:

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ عظیم البطن تھے ایام پیری میں یہ مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تو ان کے ایک رومی غلام نے اس پر عمل جراحی کیا، جو غلطی سے ناکام رہا، بالآخر وہ خوف و ندامت کے باعث روپوش ہو گیا اور انہوں نے اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں داعی جنت کو لبیک کہا، یہ ۳۳ھ میں خلیفہ ثالث کا عہد تھا، خود امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور لاش مدینہ لا کر بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کی گئی، انہوں نے کم و بیش ستر برس کی عمر پائی۔<sup>۱</sup>

## اخلاق:

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ گونا گوں محاسن اخلاق کے مظہر اتم تھے، انہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر جس فدویت کا اظہار کیا وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے باعث رشک تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے ”کاش! میں اس وقت جنگ میں شریک ہونے کے لائق ہوتا، اور یہ جملے میری زبان سے ادا ہوتے“۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں جنگ بدر میں مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ تھا، حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس جنگ میں ان کے ساتھ ہونا اس قدر محبوب ہے کہ تمام دنیا اس کے آگے بیچ ہے۔“<sup>۲</sup>

سپاہیانہ سادگی، صاف گوئی اور ملتساری کے ساتھ زندہ دلی اور حاضر جوابی نے ان کی صحبت کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ایک دفعہ وہ کسی صراف کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان کے بلغمی تن و توش پر طعنہ زن ہو کر کہا ”ابوالاسود! خدا نے تم کو جہاد میں شریک ہونے سے معاف کر دیا ہے“۔ برجستہ بولے ”نہیں، انفروا اخفافا و ثقالا کا حکم اس سے منکر ہے۔“<sup>۳</sup>

وہ نہایت صاف گو اور صلہ مزاج تھے، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

۱۔ اسبابہ جلد ۳ ص ۳۵۵ ۲۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۱۵

نے ان سے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ سادگی کے ساتھ بولے "تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو"۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہما اس جہا کی وصاف گوئی پر سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہنے لگے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے ان کی اس برہمی کی شکایت دربار نبوت میں پیش کی تو ارشاد ہوا "اگر کسی کو انکار ہے تو ہونے دو میں تم کو اپنی بنت عم سے بیاہ دوں گا چنانچہ اس کے بعد ہی حضرت ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما ان کے عقد نکاح میں آئیں۔

آغاز اسلام کی عمرت و ناداری نے ان کو حد درجہ جفاکش و قانع بنا دیا تھا فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ آیا تو یہاں میرے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا، بھوک سے حالت تباہ تھی، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو اپنے میزبان کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہما کے گھر میں جگہ دی، آپ کے پاس اس وقت صرف چار بکریاں تھیں، جن کے دودھ پر ہم لوگوں کا گزارا تھا، ایک دفعہ رات کے وقت آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک تشریف نہ لائے، میں نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری نے دعوت دی ہوگی اور آپ آسودہ ہو کر تشریف لائیں گے، اس خیال کے آتے ہی میں نے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہو تو بڑی ندامت ہوگی، غرض میں اس شش و پنج میں تھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے، دیکھا تو پیالہ خالی تھا، مجھے اس غلطی پر سخت ندامت ہوئی، خصوصاً جب کہ آپ نے کچھ کہنے کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میرے خوف و ہراس کی کوئی انتہا نہ تھی اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آنحضرت ﷺ کی بددعا سے ہماری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

اللّٰهُمَّ اطعمہ من اطعمسی واسق من سقاسی۔

"یعنی خدایا! جو مجھے کھلائے اس کو کھلا اور جو مجھے سیراب کرے اس کو سیراب کر۔"

اس دعا سے کچھ ہمت بڑھی، اٹھ کر بکریوں کے پاس گیا کہ شاید کچھ دودھ نکل آئے۔

لیکن خدا کی قدرت جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا، غرض کافی مقدار میں دودھ کی خدمت بابرکت میں پیش کیا، آپ نے پوچھا ”کیا تم لوگ پی چکے ہو؟“ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ پہلے نوش فرمائیں تو پھر مفصل واقعہ عرض کروں۔ آنحضرت ﷺ نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا تو مجھے اپنی گذشتہ غلطی و ندامت پر بے اختیار ہنسی آگئی، آپ نے پوچھا ”ابا لاسود! یہ کیا ہے؟“ میں نے تمام واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا:

”یہ خدا کی رحمت تھی، تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں بیدار نہ کر دیا کہ وہ بھی اس سے مستفیض ہوتے۔“

خوشامدانہ مداحی سے سخت متغیر تھے، ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دربار میں چند آدمیوں نے ان کے روبرو تعریف و توصیف شروع کی، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اس حتملق اور چالپوسی پر اس قدر برہم ہوئے کہ ان کے منہ پر خاک ڈالنے لگے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مقداد! یہ کیا ہے؟“ بولے ”رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ خوشامدیوں کے منہ میں خاک بھر دو۔“

ایک دفعہ ایک تابعی نے ان کے پاس آ کر کہا ”مبارک ہیں آپ کی آنکھیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے، کاش! میں بھی اس زمانہ میں ہوتا۔“ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ان پر سخت برہم ہوئے، لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ برہمی کی کیا بات تھی، بولے ”حاضر کو غائب کی تمنا عبث ہے، جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے، ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کو ایمان نہ لانے کے باعث خدا نے جہنم واصل کر دیا، اس کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت کس گروہ میں ہوتا؟ تم لوگوں کو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ بغیر امتحان و آزمائش رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے مستفیض ہوئے۔“

کسی شخص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں نہایت محتاط تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف نتائج پر نظر رکھتا ہوں، خصوصاً جب سے رسول اللہ ﷺ نے یہ

فرمایا ہے کہ انسان کا دل نہایت تغیر پذیر ہے۔  
جاگیر و ذریعہ معاش:

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو خیبر میں جاگیر بھی مرحمت فرمائی تھی، جس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں ان کے ورثاء سے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا تھا۔

حلیہ:

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ: طویل القامت، عظیم البطن و فربہ اندام تھے سر کے بال گھنے، ابرو پیوستہ اور ڈاڑھی نہایت موزوں و خوبصورت تھی۔

اولاد:

حضرت ضباعہ بنت زبیر بن عیینہ سے ایک لڑکی کریمہ نام یادگار چھوڑی۔



۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۵

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۵

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۵

## حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما

نام نسب:

عبدالرحمن نام ابو عبداللہ کنیت خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ تھے والدہ کا نام ام رومان تھا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور یہ دونوں حقیقی بھائی بن تھے۔

ابتدائی حالات:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تمام خاندان ابتدا ہی میں حلقہ گموش اسلام ہوا لیکن حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اس سے مستثنیٰ تھے وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے غزوہ بدر میں مشرکین قریش کے ساتھ تھے اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر "ہل من مبارز" کا نعرہ لگایا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا انہوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی۔  
غزوہ احد میں بھی وہ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔

اسلام:

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچ کر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ و غضب کو برداشت کرتے تھے ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے یہاں مہمان تھے انہوں نے حضرت عبدالرحمن کو ہدایت فرمائی کہ:

"میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں۔ تم میرے واپس آنے سے

پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جاتا۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے حسب ہدایت وقت پر مہمانوں کے سامنے ماحضر پیش کیا لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا اتفاق سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہنا ”خدا کی قسم! اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا۔“ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے وہ کسی قدر جرأت کر کے سامنے آئے اور ”آپ مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لیے اصرار کیا تھا“ انہوں نے تصدیق کی اور کہا ”واللہ! جب تک آپ عبدالرحمن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے“ غرض اسی طرح ان کا غصہ فرو ہوا اور دسترخوان بچھایا گیا حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ میں اس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا جس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحاب نے تناول فرمایا۔

## غزوات

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فطرتاً نہایت شجاع و بہادر تھے خصوصاً تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے واقعہ حدیبیہ کے بعد عبد نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے وہ ان میں سے اکثر میں جاننازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔

### جنگ یمامہ:

یمامہ کی خونریز جنگ میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اپنی قادر اندازی کا غیر معمولی کمال دکھایا انہوں نے اس جنگ میں غنیم کے سات بڑے جانناز افسروں کو نشانہ بنا کر

واصل جہنم کیا۔

قلعہ یرامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہو گئی تھی، مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے، لیکن دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل نہایت جان بازی کہ ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا حضرت عبدالرحمنؓ نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک تیر مارا کہ وہیں تڑپ کر ڈھیر ہو گیا اور مسلمان اس کے ساتھیوں کو ریلٹے ہوئے اندر گھس گئے۔<sup>۱</sup>

یزید کی بیعت سے انکار:

امیر معاویہؓ نے یزید کی جانشینی کے لیے اپنی زندگی ہی میں کوشش شروع کر دی تھی، ایک دفعہ ان کی ایما سے مروان بن حکم والی مدینہ نے مسجد نبوی (ﷺ) میں لوگوں کو جمع کر کے یزید کے لیے بیعت لینا چاہی، اس وقت جن لوگوں نے مخالفت میں صدا بلند کی ان میں ایک حضرت عبدالرحمنؓ بھی تھے، انہوں نے مروان سے غضب آلود لہجہ میں کہا ”کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنا دینا چاہتے ہو؟“ مروان نے برہم ہو کر کہا ”صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن میں آیا ہے:

﴿ وَالَّذِي قَالَ لِبَوْلَانِهِ أَفِ لَكُمَا ﴾

”یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے ان کی مذمت کی ہے۔“

ام المومنین عائشہؓ بیسیا اپنے حجرہ میں یہ گفتگو سن رہی تھیں، وہ غضبناک ہو کر بے اختیار بول اٹھیں ”نہیں! واللہ نہیں!! یہ آیت عبدالرحمنؓ کے متعلق نہیں ہے، اگر چاہو تو میں اس کا نام لے سکتی ہوں جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔“<sup>۲</sup>

امیر معاویہؓ کو حضرت عبدالرحمنؓ کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو خوش کرنے کے لیے ان کے پاس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھیج دیئے، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ نے غایت بے نیازی کے ساتھ واپس کر دیا اور فرمایا ”واللہ! میں دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کر سکتا۔“<sup>۳</sup>

۱ اسبابہ جلد ۲ ص ۱۶۸ ۲ اسد الغابہ جلد ۳ یہ واقعہ بخاری میں بھی مذکور ہے۔

۳ استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۵

## وفات:

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور شہر سے تقریباً ۱۰ میل کے فاصلہ پر 'جبشی' نام ایک مکان میں اقامت پذیر ہوئے یہاں تک کہ ۵۳ھ میں ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشہ عزالت میں واصل بحق ہوئے بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے کہ پھر نہ اٹھ سکے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دے کر مار ڈالا لیکن کچھ دنوں کے بعد ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئی بظاہر توانا و تندرست تھی ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اٹھایا اس واقعہ کے بعد ان کا شک جاتا رہا۔<sup>۱</sup>

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو دوحج کی نیت سے مکہ آئیں اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر بے اختیار روئیں اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

وکنالندمانی جذبة حقة من الدهر حتى قيل لن يتصدعا

فلما نفرقنا کافی و مالکا لطول اجتماع لم بنت ليلة معا

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہو کر بولیں: "بخدا! اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اس جگہ دفن نہ کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی"۔<sup>۲</sup>



۱ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۲۶

۲ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۲۶



## حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

حاطب نام ابو محمد یا ابو عبد اللہ کنیت اور والدہ کا نام ابو بلتعہ تھا، سلسلہ نسب میں اختلاف ہے، بعض قحطانی النسل قرار دیتے ہیں اور بعض بنو لخم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہیں جو ایام جاہلیت میں قبیلہ بنو اسد کے حلیف تھے، تاہم اصحاب سیر کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کا آبائی وطن ملک یمن تھا، مکہ میں غلامی یا حلیفانہ تعلق کے باعث سکونت پذیر تھے۔<sup>۱</sup>

قبل از اسلام:

ایام جاہلیت میں شاعری و شہسواری کے لحاظ سے مخصوص شہرت کے مالک تھے۔<sup>۲</sup>

اسلام:

قبل از ہجرت ایمان لائے اور جب مدینہ اسلام کا مرکز قرار پایا تو وہ بھی اپنے غلام حضرت سعد بنی ہاشمی کے ساتھ واردِ یشرب ہوئے، یہاں حضرت منذر بن محمد انصاری بنی ہاشمی نے ان کو اپنا مہمان بنا لیا اور حضرت خالد بن زحیلہ بنی ہاشمی سے مواخات ہوئی۔<sup>۳</sup>

## غزوات

غزوہ بدر، احد، خندق اور تمام مشہور معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔<sup>۴</sup>

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ بنی ہاشمی

۲۔ اصحاب جلد ۱ ص ۳۱۳

۳۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳ ص ۸۰

۴۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳ ص ۸۰

## در بار مصر میں تبلیغ اسلام:

غزوة حدیبیہ سے واپس آ کر ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔ رقعہ دعوت کا مضمون یہ تھا:

اما بعد فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم و اسلم يوتك الله اجرک  
مرتين فان توليت فان عليك اثم اهل القبط يا اهل الكتاب تولوا الى  
كلمة سواء بيننا وبينكم ان الا نبعذ الا الله ولا تشرك به شيئا ولا يتخذ  
بعضنا بعضا اربابا من دون الله ب

”میں تم کو دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کرو گے تو تم محفوظ رہو گے اور خدا تم کو دوتا اجر دے گا اور اگر روگردانی کرو گے تو تمام قبطیوں کا گناہ تم پر عائد ہوگا۔ اے اہل کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں باہم مساوی ہے، یعنی ہم لوگ صرف ایک خدا کی پرستش کریں، کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض اپنے بعض کو خدا کے آگے پروردگار نہ بنائے۔“

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مصر پہنچ کر مقوقس کے دربار میں نامہ مبارک پیش فرمایا اور حسب ذیل مکالمہ سے اس کو اسلام کی ترغیب دی۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ: تم سے پہلے یہاں ایک ایسا فرماں روا گذرا ہے جو بزرگم خود اپنے آپ کو خدائے برتر سمجھتا تھا، لیکن حق سبحانہ نے اس کو دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار کر کے عبرتناک انتقام لیا، تم کو غیروں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ تم خود مرقع عبرت بن جاؤ۔

مقوقس: ہم ایک مذہب کے پابند ہیں جس کو اس وقت تک تم نہیں چھوڑتے، جب تک کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر ثابت نہ ہو جائے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ: ہم تم کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو تمام مذاہب میں سب سے

زیادہ مکمل ہے اس نبی نے جب لوگوں کو اس کی دعوت دی تو قریش نے سخت مخالفت کی اس طرح یہودیوں نے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کی، لیکن نصاریٰ نسبتاً قریب تر تھے، قسم ہے کہ موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے جس طرح عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ کی بشارت دی، اسی طرح عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے محمد ﷺ کی بشارت دی ہے اور جس طرح تم یہودیوں کو انجیل کی طرف بلا تے ہو اسی طرح ہم تم کو قرآن کی دعوت دیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے زمانہ بعثت میں جو قوم موجود ہوتی ہے وہ ان کی امت ہوتی ہے اور اس پر ان کی اطاعت فرض ہے چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے اس لیے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، ہم تم کو دین مسیح سے پھرتے نہیں، بلکہ اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں۔!

مقوس: کیا درحقیقت محمد ﷺ نبی ہیں؟

حضرت حاطب: کیوں نہیں!

مقوس: قریش نے جب ان کو اپنے شہر سے نکال دیا تو انہوں نے بددعا

کیوں نہ کی؟

حضرت حاطب: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم عَلَيْهِ السَّلَامُ رسول خدا ہیں؟ اگر ایسا ہے تو انہوں نے صلیب پر کیوں نہیں اپنی قوم کے لیے بددعا فرمائی۔

اس دلنشین جواب پر مقوس نے بے اختیار صدائے تحسین و آفرین بلند کی اور

بولا بیشک تم حکیم ہو اور ایک حکیمہ کی طرف سے آئے ہو۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے یہ نبی کسی لغو کام کا حکم نہیں دیتا، اور نہ پسندیدہ امور سے باز رکھتا ہے، میں نہ تو اس کو گمراہ جا دوں کہہ سکتا ہوں، اور نہ جھوٹا کہتا ہوں، اس میں نبوت کی بہت سی نشانیاں ہیں، میں عنقریب اس پر غور کروں گا۔ اس کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ کا نام مبارک لے کر ہاتھی کے دانت کے ایک ڈبہ میں بند کیا، اور مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کینز کی حفاظت میں دیا۔

موقوف نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا اور آنحضرت ﷺ کے لیے گراں قدر تحائف ساتھ کر دیئے جن میں ماریہ و سیرین دو اونڈیاں و دلدل نام ایک فخر اور بہت سے قیمتی کپڑے تھے۔

غزوہ فتح مکہ:

۸ھ میں فتح مکہ کی تیاریاں ہوئیں اور غنیم کو بے خبر رکھنے کے لیے تمام احتیاطی تدبیریں عمل میں لائی گئیں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ گو مکہ کے رہنے والے تھے تاہم ایام جاہلیت میں قریش سے جو تعلقات پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو احباب قدیم کی مواسات پر برا بھینٹے کیا انہوں نے ان تیاریوں کے متعلق خط لکھ کر ایک عورت کی معرفت مکہ کی طرح روانہ فرمایا لیکن کشف غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ روضہ خانہ کے پاس جا کر اس عورت سے خط چھین لائیں۔

غرض خط گرفتار ہو کر آیا اور پڑھا گیا تو آپ نے تعجب سے فرمایا ”حاطب! یہ کیا ہے؟ عرض کی:

”یا رسول اللہ ﷺ! میرے معاملہ میں عجلت نہ فرمائیے میں قریشی نہیں ہوں تاہم ایام جاہلیت میں ان سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے چونکہ تمام مہاجرین اپنے کی اعزہ و اقارب کی حمایت و مساعت کرتے رہتے ہیں اس لیے میں نے بھی چاہا کہ اگر نسبی تعلق نہیں ہے تو کم سے کم اس احسان کا معاوضہ ادا کر دوں جو قریش میرے رشتہ داروں کے ساتھ مرعی رکھتے ہیں میں نے یہ کام مذہب سے مراد ہو کر یا کفر کو اسلام پر ترجیح دے کر نہیں کیا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی اس نے ظاہر کر دی اس لیے اس کو کوئی برائے نہ کہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ!

یہ خدا اور رسول اور مسلمانوں کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں۔“ ارشاد ہوا ”کیا معرکہ بدر میں شریک نہ تھا؟ خدا نے تمام اہل بدر کو اجازت دے دی ہے کہ تم جو چاہو کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔“ رحمت للعالمین ﷺ کی اس شانِ درگزر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔<sup>۱</sup> اس واقعہ کے بعد اعدائے اسلام سے الفت و مودت کی ممانعت کی گئی اور قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔<sup>۲</sup>

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ ﴾ (ممتحنہ ع ۱)

”اے وہ لوگو! جو کہ ایمان لائے ہو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ“ تم ان کی طرف محبت سے پیش آتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو (مذہب) حق آیا ہے اس کا انہوں نے انکار کیا ہے۔

### مصر کی سفارت:

آنحضرت ﷺ کے بعد خلیفہ اول نے ان کو دوبارہ مقوقس کے دربار میں بھیج کر ان کی وساطت سے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حملہ مصر تک طرفین کا معمول بہ تھا۔<sup>۳</sup>

### وفات:

۶۵ برس کی عمر پا کر ۳۰ھ میں رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور مسلمانوں کو ایک بڑے مجمع نے سپردِ خاک کیا۔<sup>۴</sup>

### اخلاق:

وفا شعاری، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف ہیں، احباب اور

۱ بخاری باب فضل من شہد بدر ۲ بخاری کتاب الفیہ باب تفسیر سورۃ الممتحنہ

۳ استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵ ۴ استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵

رشتہ داروں کا بے حد خیال رکھتے تھے فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے مشرکین کو جو غلط لکھا وہ درحقیقت ان ہی جذبات پر مبنی تھا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس نیت خیر و صاف گوئی کو ملحوظ رکھ کر ان سے درگزر فرمایا۔

مزاج میں ذرا سختی تھی چنانچہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے آنحضرت ﷺ اور خلفائے وقت ان کی اصلاح کر کے دباتے تھے ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے دربار نبوت میں تشدد کی شکایت پیش کر کے کہا "یا رسول اللہ ﷺ! حاطب (بنی شیبہ) یقیناً جہنم میں جائے گا" ارشاد ہوا "تو جھوٹ کہتا ہے جو شخص بد رو حدیبیہ میں شریک ہوا ہے وہ جہنم میں نہیں جا سکتا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی بارہا غلاموں کے ساتھ ان کے تشدد کی شکایتیں سنیں گئیں ایک دفعہ ان کے غلام نے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کا اونٹ ذبح کر دیا تو انہوں نے اس کی پاداش میں نہایت سخت سزا مقرر کی یہاں تک کہ خود خلیفہ وقت نے ان کو بلا کہ کہا:

"معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے غلاموں کو بھوکا رکھتے ہو۔"

اور تنبیہ و تادیب کے خیال سے ان کے معاوضہ میں دو چند قیمت پیش کی۔<sup>۱</sup>

### ذریعہ معاش:

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی انہوں نے کھانے کی ایک دکان (ریسٹورنٹ) سے نہایت کثیر نفع حاصل کیا چنانچہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت سے مکانات چھوڑے۔<sup>۲</sup>

### حلیہ:

حلیہ یہ تھا 'موزوں اندام چہرہ خوبصورت انگلیاں موٹی اور قد کسی قدر چھوٹا۔<sup>۳</sup>

۱ استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵

۲ استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵

۳ طبقات ابن سعد جلد اول جز ۲ ص ۸۰ ج ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۸۰

## حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

عبداللہ نام، ابو سہیل کنیت، والد کا نام سہیل اور والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا، شجرہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن جبل ابن

عامر بن لوی۔

اسلام:

مکہ میں ایمان لائے اور سرزمین حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے۔  
 حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر لیا اور سخت اذیت پہنچائی،  
 بالآخر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان جفاکاریوں سے تنگ آ کر جمال تو حید کو شرک کے پردہ میں  
 چھپانے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے والدین اور مشرکین قریش نے ان کی ظاہری  
 حالت سے یقین کر لیا کہ وہ ہندگان تو حید کے دائرہ سے باطل پرستوں کے حلقہ میں پھر  
 واپس آ گئے اور غزوہ بدر میں شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انہیں کیا خبر تھی  
 کہ جو دل نور ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے وہ کبھی تاریک نہیں ہو سکتا؟ غرض  
 میدان بدر میں جب حق و باطل کے فدائی ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو  
 حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغاز جنگ سے پہلے لوائے تو حید  
 کے نیچے آ کھڑے ہوئے۔

## غزوات

اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیض و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، انھوں نے ملت کی پشت پناہی اور ہادی دین کے سایہ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا، نہایت بہادری سے لڑے یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔<sup>۱</sup>

غزوہ بدر کے علاوہ تمام مشہور معرکوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، مکہ فتح ہوا تو انہوں نے دربار نبوت میں اپنے والد کے لیے امان طلب کی، آپ نے امان دے کر حاضرین سے فرمایا:

”سہیل بن عمرو کو کوئی ننگ و حقارت سے نہ دیکھے، قسم ہے کہ... وہ نہایت ذی عزت و دانشمند ہے، ایسا شخص محاسن اسلام سے ناواقف نہیں ہو سکتا، اور اب تو اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ جس کا حامی تھا اس میں کوئی منفعت نہ تھی۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے پاس آ کر رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے صاحبزادہ کی سعادت مندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہو گیا، بولے ”خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادت مند و نیکو کار ہے۔“<sup>۲</sup>

### شہادت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تقریباً ۳۸ برس کی عمر پا کر ۱۲ھ میں یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔<sup>۱</sup> انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حج کے لیے مکہ آئے تو ان کے والد سہیل کے پاس تعزیت کے لیے گئے، صابر و شکر باپ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ شہید اپنے ۷۰ اہل خاندان کی شفا کرتے گا، مجھ کو امید ہے کہ میرا لڑکا اس وقت مجھ کو فراموش نہ کرے۔<sup>۲</sup>

۱ طبقات ابن سعد، قسم اول، ج ۳، ص ۲۹۵۔ ۲ استیعاب جلد ۱ ص ۳۹۵۔ ۳ ایضاً

۴ طبقات ابن سعد، قسم اول، ج ۳، ص ۲۹۶۔



## حضرت عتبہ بن غزو ان رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

عتبہ نام ابو عبد اللہ کنیت 'غزو ان بن جابر کے لخت جگر تھے پورا سلسلہ نسب یہ ہے:  
عتبہ بن غزو ان بن جابر بن وہب بن نسیب بن زید بن مالک بن الحارث بن  
مازن بن منصور بن عکرمہ بن نضفہ بن قیس عیلان بن مضر ایام جاہلیت میں ان  
کا خاندان بنی نوفل بن عبد مناف کا حلیف تھا!

اسلام:

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی توحید کو  
لیکھ کہا تھا، چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے اثنائے تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ سابقین اسلام  
میں ان کا ساتواں نمبر ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حلقہ اس سے  
زیادہ وسیع ہو چکا تھا۔

ہجرت:

کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے  
لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت ﷺ اس وقت تک مکہ میں موجود تھے  
رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام میں باہم  
فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ایک قریشی متحسب دستہ فوج کے ہمراہ  
مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی  
ایک جماعت سے ٹکرائے ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ اس کے افسر تھے، یہ دونوں

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴۔ ح۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۰۔

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴۔ ح۔ ایضاً

موقع پاکر مسلمانوں سے مل گئے اور مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے مہمان ہوئے یہاں حضرت عتبہ اور حضرت ابودجانہ انصاریؓ میں باہم مواخات ہوئی۔<sup>۲</sup>

## غزوات

تیر اندازی کے لحاظ سے ان کا شمار کاملین فن میں<sup>۳</sup> تھا، بڑا اُحد اور ان تمام معرکوں میں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس حصہ لیا، شجاعت و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔<sup>۴</sup>

۱۳ھ میں خلیفہ دوم نے ان کو بندرگاہ ابلہ یسان اور اس کے ملحقہ مقامات کی فتح پر مامور فرمایا، فرمان کے الفاظ یہ تھے:

”خدا کی نوازش و برکت پر اعتماد کر کے عرب کے انتہائی حدود اور مملکت عجم کے قریب ترین حصہ کی طرف اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ، جہاں تک ممکن ہو توئی کو اپنا شعار بناؤ اور خیال رکھو کہ تم دشمن کی سرزمین میں جا رہے ہو مجھے امید ہے کہ خدا تمہاری مدد فرمائے گا۔“

میں نے علاء بن الحضرمی کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمہ کو بھیج کر تمہاری مدد کریں۔ وہ دشمن کے مقابلہ میں ایک نہایت سرگرم مجاہد اور صاحب تدبیر شخص ہیں تم ان کو اپنا مشیر بناؤ اور اہل عجم کو خدا کی دعوت دو جو قبول کرے اس کو پناہ دو اور جو اس سے انکار کرے وہ محکومانہ عاجزی کے ساتھ جزیہ دے، ورنہ تلوار سے فیصلہ کر لو، پھر راہ میں جن عربی قبائل سے گزرو ان کو جہاد اور دشمن سے لڑنے پر برا بھلا کہو اور ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو۔<sup>۵</sup>

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱، ۳، ص ۶۹

۳۔ مستدرک جلد ۳ ص ۳۶۰ ۴۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

۵۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے حسب فرمان اس مہم کو نہایت خوش خوش اسلوبی سے انجام دیا، یعنی دریائے دجلہ کا تمام ساحلی علاقہ جو ابلہ، ابرقباذ اور میسان وغیرہ جیسے اہم مقامات پر مشتمل تھا، اسلام کے زیر نگیں کر دیا۔<sup>۱</sup>

تعمیر بصرہ:

اسی سال ان کو بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں خلیج فارس کے ذریعہ سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے، ایک شہر بسانے کا حکم دیا گیا، حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ اس کف دست میدان میں تشریف لائے اور شہر کی داغ بیل ڈالی، ہر قبیلہ کے ساتھ ایک ایک محلہ مخصوص کر دیا۔ اور حضرت مجن بن الادرع رضی اللہ عنہ کو جامع مسجد کی تعمیر پر مامور فرمایا، عمارتیں اولاً گھاس پھوس سے چھاتی گئی تھیں، چنانچہ جامع مسجد کی عمارت بھی بانس اور پھوس سے بنائی گئی تھی۔<sup>۲</sup>

### ولایت:

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ اس نئے شہر کے سب سے پہلے والی مقرر ہوئے اور چھ مہینے تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیتے رہے، لیکن زہد و بے نیازی نے اس سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کر دیا، ۱۵ھ میں حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جاشین بنا کر فرات کی طرف فوج کشی کا حکم دیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو امامت کی خدمت سپرد کر کے حج کے خیال سے مکہ معظمہ تشریف لائے، یہاں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے، ان کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کیا، لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمایا، اور بصرہ واپس جانے کی ہدایت کی۔<sup>۳</sup>

### وفات:

حضرت عتبہ دل سے کنارہ کشی کے متنی تھے، خلیفہ وقت کے حکم سے مجبور ہو کر

۱ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۳ ۲ فتوح البلدان بلاذری ذکر تعمیر البصرہ ۳ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳

۴ طبقات ابن سعد نم اول جزء ثالث ص ۶۹ ۵ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳

بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ”خدا یا مجھے بصرہ نہ پہنچا“ دعا مقبول ہوئی۔ اتفاقاً راہ میں اونٹ سے گر کر واصل بحق ہوئے اور ۵۷ برس کی مفارقت کے بعد خاک کا پتلا خاک سے مل گیا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

### اخلاق:

ان کا چمن اخلاق گل ہائے رنگا رنگ سے آراستہ ہے تقویٰ زہد جفا کشی اور خاکساری اس باغ کے سب سے خوش آئند پھول ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت رسول خدا ﷺ کو لیبک کہا تھا جب کہ صرف چھ آدمیوں کو اس کی توفیق عطا ہوئی تھی اور عسرت و ناداری کے باعث درخت کے پتوں پر گزارہ کرنا پڑتا تھا۔ جس سے آنٹوں میں زخم پڑ جاتے تھے۔

زہد و بے نیازی نے منصب امارت جیسے پر فخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا تکبر و غرور سے قطعی نفرت تھی فرمایا کرتے تھے ”میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ لوگوں کی نظروں میں حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں“۔ انہوں نے بصرہ کی جامع مسجد میں ایک خطبہ دیا تھا یہاں اس کے چند فقرے نقل کیے جاتے ہیں ان سے ان کے خوف قیامت زہد اور خاکساری کا اندازہ ہوگا۔

”صاحبو! دنیا رفتی و گزشتنی ہے اس کا بڑا حصہ گذر چکا ہے اور اب صرف ریش باقی ہے جس طرح کسی ظرف کا پانی پھینک دینے کے بعد آخر میں کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے ہاں! تم یقیناً اس دنیا سے ایک جگہ منتقل ہونے والے ہو جس کو کبھی زوال نہیں تو پھر کیوں نہیں بہتر سے بہتر تحائف اپنے ساتھ لے جاتے ہو؟ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر پتھر کا کوئی ٹکڑا جہنم کے کنارہ سے لڑھکایا جائے تو ستر برس میں بھی وہ اس کی گہرائی کو طے نہیں کر سکتا لیکن خدا کی

قسم تم اس کو بھرو گے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے اس قدر وسیع ہوں گے کہ چالیس سال میں اس کی مسافت طے ہو سکتی ہے، لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ ان پر سخت اثر دام ہوگا۔

میں جب ایمان لایا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے، عسرت و ناداری کی یہ حالت تھی کہ درخت کے پتوں پر گزارہ تھا، جس سے آنٹوں میں زخم پڑ جاتے تھے، مجھے ایک دفعہ ایک چادر مل گئی جس کو چاک کر کے میں نے اور سعد نے تہہ بند بنایا لیکن ایک دفعہ ایک دن وہ بھی آیا جب ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ خدا کے نزدیک حقیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں۔ نبوت ختم ہو چکی ہے، انجام کار بادشاہت قائم ہوگی، اور تم عنقریب ہمارے بعد امیروں کو آزماؤ گے۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد طویل، مجموعی حیثیت سے حسین و خوبرو۔



۱۔ مسند ابن فضال جلد ۳ ص ۱۷۴

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۶۹

## حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

نام نسب:

عامر نام، ابو عمرو کنیت، والد کا نام فہیرہ تھا، یہ طفیل بن عبد اللہ کے غلام تھے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیانی بھائی اور قبیلہ ازد کے ایک ممبر تھے۔

اسلام:

حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے ابتداء ہی میں دعوتِ توحید کو آویزہ گوش و ہوش بنایا تھا، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے، غلامانہ بے بسی کے ساتھ اس حق پسند نے قدرۃ ان کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کیا، طرح طرح کی ذیتیں پہنچائی گئیں، لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دستِ کرم نے قیدِ غلامی سے نجات دلائی۔

ہجرت:

ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما غارِ ثور میں پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن بھر مکہ کی چراگاہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں چراتے، شام کو غار کے پاس لے آتے، یہاں ان کا دودھ دوہ کر استعمال کیا جاتا، صبح کے وقت حضرت عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما (جو عموماً شب کے وقت حاضر ہو کر مکہ کی سرگزشت سنایا کرتے تھے) واپس جاتے تو بکریوں کو ان کے نشانِ قدم پر لے چلتے کہ مشرکین کو کچھ شبہ نہ ہو۔ غرض جب یہ قافلہ غارِ ثور سے آگے

۱ کتاب المغازی باب غزوة الرجیع الخ ۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۹۱

۳ بخاری کتاب المغازی باب غزوة الرجیع

بڑھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا، مدینہ پہنچ کر وہ حضرت سعد بن خیشمہ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے۔<sup>۱</sup>  
ابتداءً مدینہ کی آب و ہوا جن لوگوں کو اس نہ آئی ان میں سے ایک حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ اس قدر سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے یاس ہو گئی، شدتِ بحران کے وقت یہ اشعار ورد زبان تھے۔<sup>۲</sup>

انسی وجدت الموت قبل ذوقہ ان الحبان حنفا من فوقہ  
”میں نے موت سے پہلے اس کا مزہ چکھ لیا“ بے شک بزدل کی موت اوپر ہی سے ہے۔“

کل امرء محامد بطوقہ کالشور یحمی انفہ بروقہ  
”ہر شخص اپنی طاقت سے کوشش کرتا ہے، جس طرح تیل اپنی ناک کو سیٹنگ سے محفوظ رکھتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کو جب مہاجرین کرام رضی اللہ عنہم کی علالت کی خبر ملی تو آپ نے دعا فرمائی:  
”اے خدا تو مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ہمارے لیے پسندیدہ بنا اور اس کو بیماریوں سے پاک کر۔“

## غزوات

غزوہ بدر واحد میں شریک تھے ۳ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ستر قاریوں کی ایک جماعت کو مشرکین پیر معونہ کی تبلیغ و تلقین پر مامور فرمایا، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔ قبائل رعل و ذکوان وغیرہ نے غدار کیساتھ اس تمام جماعت کو شہید کر دیا، صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ زندہ گرفتار ہوئے، عامر بن طفیل

۱ طبقات ابن سعد قم اول جزء ثالث ص ۱۶۶۔ ۲ اصحابہ تذکرہ ابن فہیرہ رضی اللہ عنہ

۳ بخاری باب ہجرت النبی واصحابہ الی المدینہ

نے ان سے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بولے ”عامر بن فہیرہ (رضی اللہ عنہ)“ اس نے کہا میں نے ان کو مقتول ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھالیے گئے یہاں تک کہ آسمان و زمین کے درمیان بالکل معلق نظر آئے پھر زمین پر رکھ دیئے گئے۔<sup>۱</sup>

### تعجب و حیرت انگیز شہادت:

حضرت عامر بن فہیرہ (رضی اللہ عنہ) کے سینے سے جس وقت جہار بن سلمیٰ کا نیزہ پار ہوا تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا:

”خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا“

لاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی ملائکہ نے تجھیز و تکفین کی اور روح اقدس کے لیے اعلیٰ علیین کے دوزاواے کھول دیئے جہار بن سلمیٰ (رضی اللہ عنہ) کو اس کرشمہ قدرت نے سخت تعجب کیا اور وہ متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔<sup>۲</sup>

### اخلاق:

حضرت عامر بن فہیرہ (رضی اللہ عنہ) صورت ظاہری کے لحاظ سے گویاہ قام حبشی تھے ذاتی وجاہت کا یہ حال تھا کہ ۳۴ سالہ زندگی کا بڑا حصہ ستم پیشہ آقاؤں کی غلامی میں بسر کیا، نیکن فطری جوہر اخلاق ان ظاہری فریب آرائشوں کا محتاج نہیں، وہ حلاہ شہمی و خرقہ گدائی میں ہمیشہ یکساں اپنی چمک دکھاتا ہے، انہوں نے گونا گوں مصائب و مظالم کے مقابلہ میں جس طرح استقلال و استقامت کا اظہار فرمایا وہ یقیناً ان کے دستار فضل کا ایک نہایت خوشنما طرہ ہے۔

۱ بخاری کتاب المغازی باب غزوة الرجیع

۲ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۷



راز داری کا یہ حال ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے تازک سے تازک موقع پر ان کو اپنا معتمد علیہ بنایا، شوق شہادت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، چنانچہ غزوہ بدر معونہ میں جب برجھی جگر سے پار ہو گئی تو یہ کلمہ زبان پر تھا۔

فزت واللہ یعنی ”خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا“۔



## حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

عبداللہ نام ابوسلمہ کنیت والد کا نام عبدالاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومی۔  
ان کی والدہ حضرت برہ بیٹی آئحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی نیز بروایت صحیح رضاعی بھائی تھے۔

اسلام:

آنحضرت ﷺ کے ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں بناؤ گزین ہونے سے پہلے حلقہ مومنین میں داخل ہوئے ان کی بیوی حضرت ام سلمہ بیٹی نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ، حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔

ہجرت:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے ان کی بیوی حضرت ام سلمہ بیٹی بھی رفیق سفر تھیں پھر حبش سے واپس آ کر عازم مدینہ ہوئے ہجرت کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے۔ لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا حضرت سعید بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس ہے۔ علامہ ابن حجر ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

” (حضرت) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدفِ اذیت بنایا، اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے (حضرت) مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا، اس لیے ان دونوں روایتوں میں باہم مخالف نہیں ہے۔“

بہر حال حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی، خاندان عمرو بن عوف نے ان کو کامل دو ماہ یعنی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا۔

مواعیات:

آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن خنیسہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مواعیاتِ کراچی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔

## غزوات

غزوۂ بدر واحد میں سرگرم پیکار تھے، معرکہ احد میں ابو اسامہ جشمی کے ایک تیر نے ان کا بازو زخمی کر دیا جو کامل ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہو گیا، لیکن غیر محسوس طور پر اندر ہی اندر زہر پھیلتا رہا۔ اسی اثناء میں وہ سریہ قطن پر مامور ہوئے جس کی تاریخ یہ ہے۔

سریہ قطن

اف میں قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنو اسد بن خزیمہ کا بیٹا کوخبر ملی کہ طلحہ اور اسد بن خویلد یہاں اپنی قوم اور دوسرے زبیر

اثرِ قبائل کو جنگ کے لیے ابھارا ہے ہیں اس بنا پر اوائلِ محرم ۳ھ میں حضرت ابوسلمہؓ کے زیرِ سیادت تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت جس میں مہاجرین و انصار دونوں شریک تھے قبل از وقت اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور ہوئی آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ کو علم دے کر فرمایا:

”روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ بنو اسد کی سر زمین میں پہنچی کر ان کی جمعیت کے فراہم ہونے سے پہلے ان کا شیرازہ منتشر کر دو۔“

حضرت ابوسلمہؓ جو مجتہد فیر معروف راست سے یلغار کرتے ہوئے یکا یک بنو اسد پر جا پڑے۔ وہ اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تو انہوں نے اپنی جماعت کو تین دستوں پر منقسم کر کے ان کے تعاقب پر مامور فرمایا چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھاگا کر نہایت کثرت کے ساتھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے جن کو حضرت ابوسلمہؓ نے مدینہ پہنچی کر بطور مالِ نصیحت دربارِ نبوت میں پیش کیا۔

### وفات:

حضرت ابوسلمہؓ جو مجتہد اس مہم سے واپس آئے تو زخمِ پھر مودر آیا اور ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳۳ جمادی الآخر ۳ھ میں واصلِ جنت ہوئے اتفاق سے آنحضرت ﷺ بین حالتِ نزع میں عیادت کے لیے تشریف لائے تھے روح دیدارِ جمال کی منتظر تھی اور آپ تشریف لائے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا:

”انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں۔“

ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتیں معروف ماتم تھیں آنحضرت ﷺ نے ان کو اس سے روک کر فرمایا کہ یہ دعاءِ خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکہ آسمانی جو میت کے پاس

موجود ہوتے ہیں وہ دعا گویوں کی دعا میں آمین کہتے ہیں پھر خود اس طرح دست بدعا ہوئے:

”خدا یا! اس کی قبر کو کشادہ و روشن کر اس کو پر نور بنا اس کے گناہوں کو بخش دے اور ہدایت یاب جماعت میں اس کا درجہ بلند فرمایا۔“<sup>۱</sup>

تجہیز و تکفین:

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ میں وفات پائی کیونکہ وہ قباء سے منتقل ہوئے تو یہیں آ کر سکونت پذیر ہوئے تھے بنی امیہ بن زید کے کنویں یسیرہ<sup>۲</sup> کے پانی نے غسل دیا اور مدینہ کی خاک پاک نے اپنے دامن میں چھپالیا۔<sup>۳</sup>

ان اللہ وانا الیہ راجعون

فضائل و محاسن:

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا پایہ فضل و کمال نہایت بلند ہے وہ بیمار ہوئے تو آنحضرت ﷺ اکثر ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔<sup>۴</sup>

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ابو سلمہ رضی اللہ عنہ دربار نبوت سے خوش گھر واپس آئے اور کہنے لگے کہ آج مجھے رسول خدا ﷺ کے ارشاد نے بے حد محظوظ کیا آپ نے فرمایا ہے کہ جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت میں خدا کی طرف رجوع کر کے کہتا ہے: ”اے خدا! اس مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما“ تو خدا اس کی دعا قبول فرماتا ہے چنانچہ ابو سلمہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات نے جب مجھے صدمہ پہنچایا تو میں نے خدا کی طرف رجوع کر کے کہا ”اے خدا! میری مدد کر اور تلافی بالخیر فرما“ لیکن

۱ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۷ء ثالث ص ۱۷۲ ح ایام جاہلیت میں یہ کنواں بیئر میر کے نام سے مشہور تھا آنحضرت ﷺ نے اس کو بدل کر بیئر یسیرہ نام رکھا۔ ح ایضاً ص ۱۷۲۔

۲ ح ایضاً ص ۱۷۱۔ ح اسبابہ ذکرہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ

گزرا کہ میرے لیے ابو سلمہ رضی اللہ عنہما کا نعم البدل کون ہو سکتا ہے؟ عدت گزرنے کے بعد جب خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیام بھیجا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا نے تلافی بالخیر صورت پیدا کر دی۔

### اولاد:

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما نے دو لڑکے سلمہ و عمر اور دو لڑکیاں زینب اور درہ یادگار چھوڑیں ان کی تمام اولاد حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہما سے ہوئی تھی جو ان کے بعد امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم میں داخل کی گئیں۔



## حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

نام نسب:

عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن جحش بن رباب بن یسر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ امیہ کی عبدالمطلب ایک صاحبزادی اور آنحضرت ﷺ کی چھوٹی تھیں، ایام جاہلیت میں وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، بعضوں نے قبیلہ بنی بکر کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ زب بن امیہ اسی قبیلہ کا ایک ممبر تھا۔

سلام:

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین نہ ہوئے تھے۔

ہجرت:

مشرکین قریش کے دستِ ظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انہوں نے دو دفعہ رزمین حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخری سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابو احمد عبید اللہ اور تین بہنیں زینب، ام حبیبہ، آمنہ بنت جحش نیز عبداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ماتھ تھیں۔

عبداللہ نے حبش میں نصرانیت اختیار کر لی اور وہیں پیوند خاک ہوا، حضرت عبداللہ ابن حبش رضی اللہ عنہ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے اور یہاں سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم میں دودان کے تمام ممبروں کو جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے ساتھ لے کر مدینہ پہنچے انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ محلہ بے محلہ بے رونق ہو گیا اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے۔

مدینہ میں حضرت عاصم بن ثابت بن ابی الیٰ فلاح انصاری رضی اللہ عنہ نے ان کے تمام قبیلہ کو اپنا مہمان بنایا، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں بھائی چارہ کر دیا تھا۔

## غزوات

ماہِ رجب ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی اور سر بہر فرمان دے کر حکم دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں کو اپنا طرز عمل بنائیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حسب ارشاد دو منزلوں کے بعد کھول کر پڑھا، اس میں حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت اور دوسری ضروری حالات کا پتہ چلائیں، انہوں نے نہایت ادب کے ساتھ اس حکم پر سمعاً و طاعتاً کہا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولے:

”صاحبو! میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو پورا کر کے رہوں گا، تم لوگوں میں سے جو شہادت کا آرزو مند ہو ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہو وہ لوٹ جائے، میں کسی کو مجبور نہیں کرتا۔“

اس تقریر میں سب نے جوش کے ساتھ رفاقت و جان نثاری کی حامی بھری اور نخلستان پہنچ کر قریش کے تجسس میں مصروف ہوئے اتفاقاً اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ گذرا، گو ماہِ رجب میں مراسم جاہلیت کے مطابق قتل و خونریزی ناجائز تھی، تاہم مسلمانوں نے ان پر حملہ آور ہونے کی رائے قائم کر لی اور یکا یک ٹوٹ پڑے، عمرو بن حفص جو اس قافلہ کا سرگروہ تھا مارا گیا، عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے، بہت سا مال



غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس میں سے ایک فہم نکال کر باقی بہ حصہ مساوی تمام شرکائے جنگ میں تقسیم فرمادیا، اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہیں ہوا تھا، لیکن حضرت عبداللہ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا، اور قرآن میں اسی کے مطابق فہم کی آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مال غنیمت کا فہم لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس کے لینے میں پس و پیش کیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو ماہِ حرام میں خوزیزی کا حکم نہیں دیا تھا، مسلمانوں نے بھی اس جسارت پر ملامت کی، قریش نے اس واقعہ کو زیادہ شہرت دی، اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب نے ماہِ محرم کو حلال کر لیا، اور قتل و خوزیزی کر کے اس کی بے حرمتی کی، لیکن وحی الہی نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ان جگر دوز طعنوں سے بری کر دیا۔

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَ صَدٌّ عَن  
سَبِيلِ اللَّهِ وَ كُفْرٌ بِهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ إِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَ  
الْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (بقرہ: ۲۷)

”لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز) ہے، کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجدِ حرام سے (باز رکھنا) اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے اور فساد کشت و خون سے زیادہ برا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ غزوہ بدر واحد میں شریک تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ احد کے ایک روز پہلے میں نے اور عبداللہ نے ایک ساتھ دعا مانگی تھی میرے الفاظ یہ تھے:

”اے خدا! کل جو دشمن میرے مقابلہ میں آئے وہ نہایت بہادر اور غضبناک

ہوتا کہ میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں۔“

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آمین کہا پھر دست بدعا ہوئے:

”خدا یا! مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سر بیع الغضب ہو، میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے ناک کان کاٹ ڈالے، جب میں تجھ سے ملوں گا اور تو فرمائے گا اے عبداللہ! یہ تیرے کان، ناک کیوں کاٹے گئے؟ تو عرض کروں گا تیرے لیے اور تیرے رسول کے لیے، ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کھا کر کہتے تھے، ”خدا یا! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں دشمن سے لڑوں گا، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے میرا مثلہ کر لے گا۔“<sup>۱</sup>

### شہادت:

غرض ۷ شوال ۳ھ سنہ ۶۲۷ء کے روز معرکہ کارزار گرم ہوا، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس جوش سے لڑے کہ تلوار کھڑے کھڑے ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جس نے ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیا، دیر تک لڑتے رہے بالآخر اس حالت میں ابوالحکم ابن افضل ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کر دی۔ مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بولے:

”خدا کی قسم عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔“<sup>۲</sup>

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پائی، اپنے ماموں سید الشہداء حضرت امیر حمزہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے۔<sup>۳</sup>

انا لله وانا اليه راجعون

### اخلاق:

گذشتہ واقعات سے ان کے مذہبی جوش و وارفتگی کا اندازہ ہوا ہوگا، جفاکشی ان

کی فطرت میں داخل تھی چنانچہ نخلستان کی مہم پر مامور کیے گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا:

”گو عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہے تاہم بھوک پیاس کی سختیوں کو زیادہ برداشت کر سکتا ہے“۔<sup>۱</sup>

خدا اور رسول کی محبت نے ان کو تمام دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا انہیں اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جان عزیز کسی طرح راہِ خدا میں نثار ہو جائے چنانچہ یہ آرزو پوری ہوئی اور ”المجدع فی اللہ“ یعنی گوش بریدہ راہِ خدا ان کے نام کا فضل امتیازی ہو گیا۔<sup>۲</sup>

حلیہ:

حلیہ یہ تھا قدمیانا سر کے بال نہایت گھنے۔<sup>۳</sup>

اولاد:

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ازواج و اولاد کی تفصیل معلوم نہیں غالباً ایک لڑکا تھا آنحضرت ﷺ اس کے ولی تھے اور آپ نے اس کے لیے خیبر میں جائیداد بھی خرید فرمائی تھی۔<sup>۴</sup>



۱ اصابت تذکرہ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۲

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۳

۴ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۳

## حضرت عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

عکاشہ نام ابو محسن کنیت، محسن بن حرثان کے نور نظر تھے پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عکاشہ بن محسن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔

ایام جاہلیت میں بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔

اسلام و ہجرت:

مکہ میں قبل ہجرت بادہ ایمان سے مخمور ہوئے، ساقی اسلام ﷺ نے جب یشرب کا رخ کیا تو یہ بھی قدح خوارانِ توحید کے ساتھ کے ساتھ مدینہ پہنچے۔

### غزوات

غزوہ بدر میں غیر معمولی جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، ان کی تیغ دووم ریزے ریزے ہو کر اڑ گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی جس نے خنجر خارا شکاف بن کر دشمن کا صفایا کر دیا، وہ آخروقت تک اس سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا۔

اس معرکہ کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسری مشہور جنگوں میں جوش و پامردی کے ساتھ نبرد آزما تھے، ماہ ربیع الاول ۶ھ میں چالیس آدمیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ بنو اسد کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ کی راہ میں چشمہ غمر پر خیمہ لگن تھے، حضرت عکاشہ نہایت تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن وہ خائف ہو کر پہلے ہی بھاگ گئے تھے، اس لیے کوئی جنگ پیش نہ آئی، صرف دو سوانٹ اور بھیڑ بکریاں گرفتار

کر کے لے آئے۔<sup>۱</sup>

شہادت:

۱۲ھ میں خلیفہ اول نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو طلیحہ کی بیخ کنی پر مامور فرمایا جس نے آنحضرت ﷺ کے بعد علم نبوت بلند کیا تھا، حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اپنے رہوار رزام اور حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے بحر پر سوار ہو کر اس فوج کے آگے آگے طلیحہ کی خدمت انجام دے رہے تھے، اتفاقاً راہ میں غنیم کے سواروں سے ٹک بھیز ہو گئی، جس میں خود طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد شامل تھے، طلیحہ نے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور سلمہ حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ پر جا پڑا، وہ شہید ہوئے تو طلیحہ نے پکار کر کہا: ”سلمہ! جلدی میری مدد کو آؤ، یہ مجھے قتل کیے ڈالتا ہے۔“

وہ فارخ ہو چکا تھا، اس لیے یکا یک ٹوٹ پڑا اور دونوں نے اس شیر کو زخم میں

لے کر شہید کر دیا۔<sup>۲</sup>

تجہیز و تکفین:

اسلامی فوج ظفر موج جب ان دونوں شہیدانِ ملت کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پاروں کے فقدان کا سب کو نہایت شدید قلق ہوا، حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر نہایت خوفناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیرِ عسکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو روک کر اسی خون آلودہ پیراہن کے ساتھ زیر زمین نہاں کیا۔<sup>۳</sup>

انا لله وانا اليه راجعون

فضل وکمال:

فضل و منقبت کے لحاظ سے اکابر و ساداتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار تھا، صاحب

۱ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۱ ۲ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲

۳ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲

اسد الغابہ لکھتے ہیں ہیں: کان من سادات الصحابة و فضلائهم۔<sup>۱</sup>

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخش دیئے جائیں گے انہوں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ عرض کی ”یا رسول اللہ! میں“ فرمایا ”تم بھی ان ہی میں ہو“۔ اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا ”عکاشہ تم پر سبقت لے گیا“ اس واقعہ کے بعد سے یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے ”فلاں عکاشہ کی طرح سبقت لے گیا“۔<sup>۲</sup>



۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳

۲۔ بخاری

## حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ

نام: نسب:

ہشیم نام ابو حذیفہ کنیت والد کا نام عتبہ اور والدہ کا نام ام صفوان تھا پورا سلسلہ

نسب یہ ہے:

ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔

اسلام:

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد عتبہ ان ذی اثر و سائے قریش میں تھے جنہوں

نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی، لیکن ارادہ خداوندی میں کون

مانع ہو سکتا ہے؟ خود عتبہ کے لخت جگر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت داعی اسلام کو

لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اور فرزندان

توحید کی ایک نہایت مختصر جماعت کم پرسی کے ساتھ اسیر پنجہ ظلم و جفا تھی، آنحضرت ﷺ

اس وقت تک رقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت:

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سر زمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے ان کی

بیوی سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا بھی رفتی سفر تھیں، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہ حبش ہی میں پیدا

ہوئے تھے۔

حبش سے مکہ واپس آئے یہاں ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس بنا پر اپنے

۱ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۱ ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹

۳ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰

غلام حضرت سالم رحمہ اللہ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کے مہمان ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں باہم مواخات کرا دی۔

## غزوات

عہد نبوی ﷺ کے تمام اہم مشہور معرکوں میں جوش و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، خصوصاً غزوہ بدر میں کیسا عبرت انگیز منظر تھا، جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ جو ہر شجاعت دکھا رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش و بیگانہ کی تمیز اٹھا دی تھی انہوں نے اپنے والد کو مقابلہ کے لیے لٹکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت قبیہ (رضی اللہ عنہا) نے اشعار ذیل میں ملامت کی۔

الاحول الانفل طائرہ ابو حذیفۃ شر الناس فی الدین  
 "احول بڑے دانت والا جس کا طائر بخت شوم ہے یعنی ابو حذیفہ جو مذہب میں نہایت برا ہے۔"

اماشکرت انا ربناک من صغر حتی نبت شاما غیر محبون  
 "کیا تو اپنے باپ کا مشکور نہیں جس نے بچپن سے تیری پرورش کی، یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی۔"

معرکہ بدر میں قبیہ بن ربیعہ اور اکثر رؤسائے قریش بے تقہ ہوئے اور ایک عار میں ذال دیئے گئے تھے آنحضرت ﷺ نے فردا فردا نام لے کر "اے قبیہ! اے شیر! اے امیہ بن خلف! اے ابو جہل! کیا تو نے وعدہ الہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا۔" ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کا چہرہ نہایت اداں تھا آپ نے غمگین دیکھ کر پوچھا: "ابو حذیفہ! شاید تم کو اپنے باپ کا کچھ افسوس

۱ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲، ص ۵۹ ج ۱، اعتباراً کرا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما

۲ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲، ص ۵۹ ج ۱، بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶



ہے۔ عرض کی ”خدا کی قسم نہیں! مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے، لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل پختہ کار و صاحب رائے شخص تھا، اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولت ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جب کہ حضور نے حالت کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلا دیا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہے۔“

### شہادت:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں مسیلہ کذاب نے یمامہ میں علم نبوت بلند کیا، دار الخلافت سے جو فوج اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئی اس میں شریک ہوئے اور دادِ شجاعت دے کر ۵۴ برس کی عمر میں واصلِ جنت ہوئے۔  
انا لله وانا اليه راجعون

### اخلاق:

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی اخلاقی بلند کے لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کی صف میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں، حق پسندی، جفاکشی و جوش ایمان کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوا ہوگا، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت سالم رضی اللہ عنہ ان کی بیوی حضرت ثبیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے، انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی محنتی بنالیا، چنانچہ وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے۔

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نہایت غیور تھے، قرآن پاک نے جب اس کی تصریح کر دی کہ منہ بولا بیٹا محرم نہیں ہوتا تو ان کو حضرت سالم رضی اللہ عنہ کا زنان خانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نے دربار نبوت میں

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۶۹

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۰

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۰

حاضر ہو کر عرض کی:

”یا رسول اللہ ﷺ! سالم اپنے لڑکے کی طرح گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن ابو حذیفہ (رضی اللہ عنہ) کو ناگوار گذرتا ہے۔“

ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا تو تو تمہارا محرم ہو جائے گا۔ غرض اسی طرح حنیئ ہونے کے ساتھ وہ رضاعی فرزند بھی ہو گئے۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا۔ قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت، چشمِ احوں، سامنے کی طرف ایک دانت زیادہ۔

ازواج:

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، سہلہ بنت سہیل، آمنہ بنت عمرو، شبیبہ بنت یعار، انصاریہ۔<sup>۱</sup>

اولاد:

محمد بن ابی حذیفہ، حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حبش میں پیدا ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، طرفدارانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مصر میں مقتول ہوئے، عاصم بن ابی حذیفہ، آمنہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے، چونکہ یہ دونوں لا ولد فوت ہوئے، اس لیے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔<sup>۲</sup>



## حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

نام نسب:

سالم (رضی اللہ عنہ) نام ابو عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) کنیت والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل ہیں، اصطرخان کا آبائی مسکن تھا، حضرت ثبیبہ بنت یعار انصاریہ رضی اللہ عنہا کی غلامی میں مدینہ پہنچے انہوں نے آزاد کر دیا، تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا حتمی کر لیا، اس لحاظ سے ان میں انصار و مہاجر کی دونوں حیثیتیں مجتمع ہیں۔

وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے، اور اپنی بیٹی فاطمہ بنت ولید سے بیاہ دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی "ادعوہم لابائہم" یعنی لوگوں کو اپنے نسبی آباء کے اتساب سے پکارا کرو تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ بھی ابن کے بجائے مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت سالم رضی اللہ عنہ جو ان ہوئے اور قرآن نے خود ساختہ ابوت و نبوت کے تعلق کو کالعدم کر دیا تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کا زنان خانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے، اور وہ ہمیشہ گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن اب ابو حذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے"۔ ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ لادو تو وہ تمہارا محرم ہو جائے گا، غرض اس طرح وہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے رضاعی فرزند ہو گئے، لیکن ام المؤمنین

حضرت ام سلمہؓ بیٹھا فرماتی ہیں کہ یہ سالمؓ کے لیے مخصوص اجازت تھی ورنہ جوانی کی حالت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔<sup>۱</sup>

اسلام و ہجرت:

حضرت سالمؓ غالباً مکہ میں حضرت ابو حذیفہؓ کے ساتھ مسکن گزین تھے دعوتِ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو انہوں نے ابتدا ہی میں لیک کہا "آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے مواخات کرا دی۔<sup>۲</sup>

ہجرت کے موقع پر حضرت ابو حذیفہؓ کے ہمراہ تھے مدینہ پہنچ کر حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت معاذ بن ماعض انصاریؓ سے مواخات ہوئی۔<sup>۳</sup>

## غزوات

غزوہ بدر احد خندق اور عہد نبوی کی تمام جنگوں میں معرکہ آرا تھے عہد صدیقی میں یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ میں تھا ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا "ہم کو تمہاری طرف سے اندیشہ ہے اس لیے ہم کسی دوسرے کو علمبردار بنائیں گے" بولے "اگر میں بزدلی دکھاؤں تو میں سب سے زیادہ بد بخت حامل قرآن ہوں" یہ کہہ کر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور درحقیقت انہوں نے اپنے کو بہترین حامل قرآن ثابت کیا اثنائے جنگ میں داہنا ہاتھ قلم ہوا تو بائیں ہاتھ سے قائم مقامی کی وہ بھی شہید ہوا تو دونوں بازوؤں نے حلقہ میں لے کر لوٹے تو حید کو سینہ سے چمٹا دیا زبان پر یہ نعرہ جاری تھا۔<sup>۴</sup>

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ... وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيِّ قَتَلَ مَعَهُ رِثْيُونٌ كَثِيرٌ﴾ (ال عمران ع ۱۵)

"محمد (ﷺ) صرف ایک رسول ہیں..... اور کتنے انبیاء ایسے ہیں جن کے ساتھ

۱ ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم ۲ طبقات ابن سعد اول جزء ثالث ص ۶۱

۳ طبقات ابن سعد اول جزء ثالث ص ۶۱ ۴ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۳۶

بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے۔“

شہادت:

زخموں سے چور ہو کر گرے تو پوچھا ”ابو حذیفہ (رضی اللہ عنہ) نے کیا کیا؟“ لوگوں نے کہا ”شہید ہوئے“ بولے ”اس شخص نے کیا کیا جس نے مجھ سے اندیشہ ظاہر کیا؟“ جواب دیا کہ ”وہ بھی شہید ہوئے“ فرمایا: ”مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کرنا۔“

ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگ یمامہ کے موقع پر جب مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے کہا ”افسوس! رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا“ وہ اپنے لیے ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑے ہو گئے اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحہ حیات تک جاننا زانہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہید ملت کا سراپے منہ بولے باپ (حضرت) ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر تھا۔

انا لله وانا اليه راجعون

## فضل وکمال

حضرت سالم رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں تھے جو طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں فن قراءت کے امام سمجھے جاتے تھے آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو یعنی ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سالم مولیٰ ابی حذیفہ (رضی اللہ عنہ) ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے۔ خدائے پاک نے خوشی گلو اس قدر بتایا تھا کہ جب آیات قرآنی تلاوت فرماتے تو لوگوں پر ایک عام محویت طاری ہو جاتی اور راہ گیر ٹھنک کر سننے لگتے ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہونے میں دیر ہوئی آپ نے توقف کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اس کے سننے میں دیر ہو گئی اور خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت ﷺ خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف

لے آئے دیکھا تو سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ ہیں! آپ نے خوش ہو کر فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے جیسے شخص کو میری امت میں بنایا۔"

حضرت سالمؓ اپنی خوش الحانی و حفظ قرآن کے باعث صحابہ کرامؓ میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے (حضرت) سالمؓ جو مسجد قبا میں ان کی امامت کرتے تھے۔

و مسجد قبا کے امام تھے مہاجرین اذہلین جن میں حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اکثر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ غرض قرآن کریم کی برکت اور علم و فضل نے ان کو غیر معمولی عظمت و شرف کا مالک بنا دیا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ ان کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ جب دم داہیں کے وقت انہوں نے منصب خلافت کے متعلق وصیت فرمائی تو کہا "اگر سالم موجود ہوتے تو میں اس مسد کو مجلس شوریٰ میں پیش ہونے نہ دیتا۔" یعنی وہ ان کو اپنا جانشین بناتے۔

### اخلاق:

حضرت سالمؓ کے قبائے فضل پر محاسن اخلاق کا طغرا نہایت خوشنما ہے گذشتہ واقعات سے ان کی استقامت و فاشعاری و پارسائی کا اندازہ ہوا ہوگا اہل حاجت کے لیے دست کرم کشادہ تھا چونکہ کوئی اولاد نہ تھی اس لیے انہوں نے اپنے مترہ کے مال اسباب میں سے ایک ایک ٹمٹ مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کی گلو خلاصی کے لیے اور ایک ٹمٹ اپنے سابق آقاؤں کے لیے وصیت فرمائی تھی حضرت ابو بکرؓ نے

۱۔ اصابت ذکرہ سالمؓ ج ۲ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الملتہ العبد والمولیٰ

۲۔ بخاری کتاب الاحکام ج ۲ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۳۶

ان کی سابق مالکہ حضرت حمیہ بنت یحار رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا حصہ بھیجا تو انہوں نے لینے سے انکار کیا اور بولیں میں نے بغیر امید صلہ آزاد کیا تھا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس کو بیت المال میں داخل فرما دیا۔



## حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

عبیدہ نام ابو الحارث یا ابو معاویہ کنیت والد کا نام حارث اور والدہ کا نام خلیلہ تھا سلسلہ نسب یہ ہے:

عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن عبدمناف بن قصی القرشی۔

اسلام:

حضرت عبیدہؓ حضرت ابوسلمہ بن اسدؓ حضرت عبداللہ بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے آنحضرت ﷺ اس وقت ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے۔ مکہ میں حضرت بلالؓ ان کے اسلامی بھائی قرار پائے۔

ہجرت:

مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہؓ اور ان کے دونوں بھائی حضرت طفیلؓ حضرت حصینؓ اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ ایک ساتھ روانہ ہوئے اتفاقاً راہ میں حضرت مسطحؓ کو بچھو نے ڈنگ مارا اس لیے وہ پیچھے چھوٹ گئے لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل و حرکت سے بالکل مجبور ہیں تو پھر واپس آئے اور ان کو اٹھا کر مدینہ لائے یہاں حضرت عبدالرحمن بن سلمہؓ نے خوش آمدید کہا اور لطف و محبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا آنحضرت ﷺ نے تشریف لانے کے بعد حضرت عمیر بن



حام انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس میں ان کا تمام خاندان آباد ہوا۔<sup>۱</sup>

## غزوات

ہجرت کے آٹھ مہینے بعد ماہ شوال میں ساٹھ مہاجرین کے ایک دستہ پر افسر مقرر ہو کر مشرکین قریش کی دید بانی کے لیے وادی رابغ کی طرف بھیجے گئے، تاریخ اسلام میں یہ دوسرا لوئے امارت تھا جو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا۔

وہ رابغ کے قریب پہنچے تو ابوسفیان کی زیر امارت دو سو مشرکین کی ایک جماعت سے ٹکرائے ہوئی لیکن جنگ و خونریزی کی نوبت نہ آئی، صرف معمولی طور سے چند تیروں کا تبادلہ ہوا۔<sup>۲</sup>

غزوة بدر:

اس مہم کے بعد حق و باطل کی پہلی کشمکش یعنی غزوة بدر میں شریک ہوئے، صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عقبہ شیبہ اور ولید نے نکل کر ”هل من مبارز“ کا نعرہ بلند کیا، لشکر اسلام سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لیے بڑھے تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ”محمد (ﷺ)! ہم نا جنسوں سے نہیں لڑ سکتے، ہمارے مقابل والوں کو بھیجو“۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جنبش لب کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہو، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی، یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے دشمنوں سے فارغ ہو چکے تھے اس لیے وہ ایک ساتھ ولید پر ٹوٹ پڑے اور اس کو تہ تیغ کر کے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں اٹھالائے۔<sup>۳</sup>

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک پاؤں شہید ہو گیا تھا اور تمام بدن زخموں سے چور تھا۔ آنحضرت ﷺ نے تسکین خاطر کے لیے ان کے زانو پر سر مبارک رکھ دیا، انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ" اگر ابوطالب مجھے دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ میں ان سے زیادہ اُن کے اس قول کا مستحق ہوں۔

و نسلّمہ حتی نصرع حوله و نذهل عن بسائنا و الحلالل

"ہم محمد (ﷺ) کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے ارد گرد مارے جائیں گے اور اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے۔"

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہو سکے، تریسٹھ برس کی عمر میں داعی جنت کو لبیک کہا اور مقام صفراء کی خاک پاک نے ان کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔ انا لله و انا اليه راجعون۔  
فضل و کمال:

ان کو دربار نبوت میں غیر معمولی رفعت حاصل تھی، آنحضرت ﷺ ان کی نہایت قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ مقام صفراء میں خیمہ اٹکن ہوئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ یہاں مشک کی لپٹ آتی ہے" فرمایا "یہاں ابو معاذ یہ کی قبر موجود ہوتے ہوئے تمہیں اس پر تعجب کیوں ہے؟"۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا۔ قدمیانہ رنگ گندم گوں اور چہرہ خوبصورت۔

اولاد:

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے متعدد بیویوں سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ شمعاد یہ، عون، منقذ، حارث، محمد، ابراہیم، ریط، خدیجہ، بنجیلہ، صفیہ۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۷ ج ایضاً ج استیعاب تذکرہ عبیدہ بن الحارث بن مرثد

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۳۵ ج ایضاً

## حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

شماس نام والد کا نام عثمان اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:  
شماس بن عثمان بن الشریذ بن ہرمی بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی۔

ہشام کلبی کی روایت ہے کہ ان کا اصلی نام عثمان تھا، شماس اس لیے نام پڑا کہ ایک دفعہ ایام جاہلیت میں ایک نہایت حسین و جمیل نصرانی جس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا مکہ آیا، لوگ اس کے غیر معمولی حسن و جمال پر سخت متعجب تھے، عقبہ بن ربیعہ نے (جو حضرت شماس رضی اللہ عنہ کا ماموں تھا) دعویٰ کیا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ بہتر شماس یعنی رخ تاباں موجود ہے، اور مقابلہ میں حضرت ابن عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کیا، چنانچہ اس دن سے ان کا نام ہی شماس ہو گیا۔<sup>۱</sup>

اسلام:

حضرت شماس رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت ربیعہ رضی اللہ عنہا نے بھی ابتدا ہی میں دعوتِ توحید پر صدائے لبیک بلند کیا تھا۔<sup>۲</sup>

ہجرت:

مشرکین کے ظلم سے مجبور ہو کر راہی حبش ہوئے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں، وہاں سے واپس آ کر پھر مدینہ کی راہ لی اور حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت حذلولہ ابن ابی عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔<sup>۳</sup>

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷۵ ج ۱ استیعاب تذکرہ شماس رضی اللہ عنہ

۲ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱ ص ۱۷۵

## غزوات

غزوہ بدر و احد میں جاننازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، معرکہ احد میں جب کہ اتفاقاً جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، غازیان اسلام کی فتح شکست سے مبدل ہو گئی اور صرف چند جاں نثار میدان میں رہ گئے تو حضرت شامؓ بھی ان ہی پر دانوں میں تھے جو شمع نبوت کے ارد گرد فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے، آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں شام کے لیے ”سپر“ کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا، آپ چپ و راست جس طرف دیکھتے، حضرت شامؓ ہی سر بکف نظر آتے، غرض انہوں نے اپنے آپ کو مہبط وحی و الہام ﷺ کے لیے پر بنا دیا، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر گئے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو دم واپس کے چند انفاس باقی تھے، آنحضرت ﷺ کے حکم سے مدینہ انھا کر لائے گئے، حضرت ام سلمہؓ ہی سوا ان کی تیمارداری پر مامور ہوئیں، لیکن اس فدائے ملت کا فرض پورا ہو چکا ہے، دربار خداوندی سے حصول انعام کی دعوت آچکی تھی، ایک شبانہ روز توقف کے بعد انہوں نے داعی حق کو لبیک کہا۔

انا لله وانا اليه راجعون.

آنحضرت ﷺ نے ان کو اسی خونین پیراہن کے ساتھ بغیر نماز جنازہ و احد کے گور شہیداں میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ غرض چونتیس برس کی عمر میں پرد خاک ہوئے۔  
انا لله وانا اليه راجعون.

حلیہ:

حضرت شامؓ جمہور نہایت حسین و خوبرد تھے چنانچہ اس تابانی رخ نے ان کو شام کے نام سے مشہور کیا۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴ طبعات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۷۶

۲۔ ایضاً ص ۱۷۵

اولاد:

ایک لڑکا عبد اللہ اور ایک لڑکی ام حبیب یادگار چھوڑی، لیکن یہ دونوں لا ولد فوت ہوئے اس لیے سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔



## حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

شجاع نام ابو وہب کنیت والد کا نام وہب تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:  
شجاع ابن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن  
دودان بن خزیمہ۔ ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنو عبد شمس کا حلیف تھا۔<sup>۱</sup>  
اسلام و ہجرت:

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو  
لبیک کہا تھا، اور مشرکین کے دستِ تعظم سے مجبور ہو کر سر زمین حبش کی دوسری ہجرت میں  
شریک ہوئے تھے۔<sup>۲</sup>

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے  
گردن اطاعت خم کر دی ہے تو وطن کی محبت ان کو پھر مکہ کھینچ لائی، لیکن یہاں پہنچ کر افواہ  
غلط ثابت ہوئی اس لیے چند روز قیام کے بعد متلاشیان امن کے ساتھ مدینہ پہنچے یہاں  
حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔<sup>۳</sup>

### غزوات

بدراً احد اور تمام دوسرے مشہور غزوات میں شریک تھے۔<sup>۴</sup> ماہ ربیع الاول ۸ھ  
میں بنو ہوازن کی ایک جماعت کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۶ ۲۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۱۳۸

۳۔ استیعاب تذکرہ شجاع رضی اللہ عنہ ۴۔ استیعاب تذکرہ شجاع رضی اللہ عنہ

پر مقام رسی میں خیمہ اٹکن تھی، حضرت شجاع رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ چوبیس جانباز مجاہدین کی ایک جمعیت لے کر دن کو چھتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان پر جا پڑے اور شکست دے کر بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے، مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے دیگر اسباب و سامان اس کے علاوہ تھا۔

سفارت:

غزوہ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اکثر سلاطین عالم کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے، اسی سلسلہ میں حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ بھی حارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس (جو دمشق کے قریب مقام غوطہ کا رئیس تھا) سفیر بنا کر بھیجے گئے، خط کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

من محمد رسول اللہ (ﷺ) الی الحارث ابن ابی شمر سلام علی من اتبع الهدی و امن به و صدق و انی ادعوك الی ان تو من باللہ و وحدہ لا شریک له یبقی لك ملکک .

”نام خدا کے ساتھ جو بڑا مہربان و رحیم ہے۔

محمد (ﷺ) رسولِ خدا کی طرف سے حارث بن ابی شمر کو سلام ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، ایمان لائے اور تصدیق کرے، بیشک میں تم کو اس خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں (اسی صورت میں) تمہاری سلطنت باقی رکھی جائے گی۔“

حارث کو خدا نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق نہ دی لیکن اس کے وزیر ”مری“ نے اسلام قبول کیا اور حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کی معرفت بارگاہِ نبوت میں پیامِ دسلام

بھیج کر پوشیدہ طور سے دین ضیف پر قائم رہنے کی خبر دی۔

شہادت:

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

انا لله وانا اليه راجعون

حلیہ:

حلیہ یہ تھا۔ طویل القامت لاغر اندام اور بال نہایت گھنے۔





## حضرت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

محرز نام اور ابو نضلہ کنیت ہے لیکن عموماً اخرم اسدی کے لقب سے مشہور تھے پورا سلسلہ نصب یہ ہے:

محرز بن نضلہ بن عبد اللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی یہ ایام جاہلیت میں بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔

اسلام و ہجرت:

قبول اسلام کا زمانہ متعین نہیں تاہم مومنین سابقین میں ہیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو انصار کے قبیلہ عبد الاشہل نے ان کو اپنا حلیف بنا لیا اور حضرت عمار بن حزم رضی اللہ عنہ سے اسلامی بھائی چارہ ہوا۔

## غزوات

غزوہ بدر، احد اور خندق میں جان بازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے غزوہ ذی قرد کی معرکہ آرائی ان کا سب سے شاندار اور آخری کارنامہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

شہادت:

۱۷ھ میں بنو فزارہ نے مدینہ کی چراگاہ میں آنحضرت ﷺ کے اونٹوں پر چھاپے مارا اور گلہ بان کو قتل کر کے اونٹوں کو اپنے ساتھ لے چلے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ موقع واردات کے قریب موجود تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے غلام حضرت رباح رضی اللہ عنہ کو گھوڑے پر سوار کر کے اطلاع کے لیے مدینہ بھیجا اور خود پہاڑ پر چڑھ کر یا صباہاہ کانعرہ

بلند کیا اور دیر تک تہمتیوں اور پتھروں سے ان عارت گروں کا مقابلہ کرتے رہے اسی اثنا میں درختوں کے جھنڈ سے آنحضرت ﷺ کے سوا نکلنے ہوئے نظر آئے سب سے آگے حضرت اخرم اسدی رضی اللہ عنہ یعنی محرز بن نسطلہ اور ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا "اخرم! آگے نہ بڑھو مجھے ڈر ہے کہ غنیم تم کو گھیر کر آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب سے ملنے نہ دے گا"۔ بولے "سلمہ! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو میری شہادت میں حائل نہ ہو"۔ یہ جملہ کچھ ایسے جوش میں ادا ہوا تھا کہ حضرت سلمہ نے باگ چھوڑ دی اور وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبدالرحمن فرازی کے سامنے جا کھڑے ہوئے انہوں نے ایک ایسا وار کیا کہ عبدالرحمن کا گھوڑا اکت کر ڈھیر ہو گیا لیکن اس کا نیزہ بھی خالی نہ گیا حضرت محرز رضی اللہ عنہ شہید ہو کر فرش خاک پر آئے اور وہ اچھل کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا تاہم ابو قتادہ رضی اللہ عنہ پیچھے موجود تھے انہوں نے اس کو داخل جہنم کر کے ان کا انتقام لیا۔

شہادت کے وقت محرز بن نسطلہ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً ۳۷ یا ۳۸ سال تھی۔

## فضل و کمال

گذشتہ واقعہ سے ان کے غیر حزر ل ایمان و شوق شہادت کا انداز ہوا ہوگا شہادت سے چند دن پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے گئے اور وہ عالم بالا کی سیر کرتے ہوئے ساتویں آسمان اور سدرة المنتہی تک پہنچ گئے ہیں یہاں ان سے کہا گیا کہ یہی تمہارا مسکن ہے۔

دوسرے روز انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو تعبیر رویا میں کمال رکھتے تھے اس خواب کو بیان فرمایا انہوں نے فرمایا: "اخرم! تمہیں شہادت کی بشارت

ہو۔ چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد اس بشارت نے واقعہ کی صورت اختیار کی اور غزوہ ذی قرد کی شہادت نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے دائمی مسکن میں پہنچا دیا۔  
حلیہ:

رنگ سپید اور مجموعی حیثیت سے حسین و خوبصورت تھے۔<sup>۱</sup>



## حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

صالح نام، شقران لقب اور والد کا نام تھا، یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حبشی نژاد غلام تھے، لیکن اس غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے خدمت گزاری کے لیے پسند فرمایا اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو قیمت دے کر ان سے خرید لیا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بلا معاوضہ نذر کیا تھا۔  
غزوات میں عموماً مالِ غنیمت اور قیدیوں کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے اور غنیمت میں حصہ پانے کے بجائے جن کے قیدیوں کی نگرانی کرتے تھے وہ بطور خود معاوضہ دیتے تھے چنانچہ غزوہ بدر میں ان کو اس قدر معاوضہ ملا کہ مالِ غنیمت میں حصہ پانے والوں سے بھی زیادہ نفع میں رہے۔

غزوہ بدر میں انہوں نے اس احتیاطی و مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے کہ آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر آزاد فرمادیا۔

غزوہ مرتسیع میں شکست خوردہ غنیم کے مال و اسباب، سامان جنگ، بھیڑ، بکریاں اور ان کے ذریعات کو جمع کرنے پر مامور ہوئے۔

آنحضرت ﷺ ان کے خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وفات کے وقت آپ نے مخصوص طور سے ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت شقران رضی اللہ عنہ:

۱۔ اسبابہ جلد ۲ ص ۱۵۳ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۳۳

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۳۳

حضرت خیر الانام ﷺ کی تجھیز و تکفین میں اہل بیت کے ساتھ شریک تھے۔ لغرض یہ آخری خدمت تھی جو اس غلام جانثار نے اپنے شفیق آقا کے لیے انجام دی۔

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت شقران رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں سکونت اختیار کی یا بصرہ میں توطن گزریں ہوئے، کیونکہ ان کا ایک مکان بصرہ میں بھی تھا۔ اسی طرح جائے وفات اور زمانہ بھی متعین نہیں۔



## حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمیر نام والد کا نام ابو وقاص اور والدہ کا نام حنہ بنت سفیان تھا یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے حقیقی بھائی تھے پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عمیر بن ابی وقاص بن وہیب ابن سفیان بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی

القرشی۔<sup>۱</sup>

اسلام:

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے برادر اکبر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما ان روشن ضمیر بزرگوں میں تھے جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی اسلام کو لیکر کہا تھا اس زمانہ میں حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو نہایت کسن تھے تاہم فطری سلامت طبع و خرد و حق شناس عمر کی قید و بند سے آزاد ہوتی ہے انہوں نے اس عہد طفولیت میں بھائی کا ساتھ دیا اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام نے ان کو نشہ توحید سے مخمور کر دیا۔<sup>۲</sup>

ہجرت:

۱۳ برس کا سن تھا کہ عام بلا کشان اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے آنحضرت ﷺ نے ان کی دل بستگی کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس قبیلہ عبد الاشہل کے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرادیا یہ دونوں تقریباً ہم سن تھے۔<sup>۳</sup>

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما ج ۲ اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۲۶

## غزوہ بدر:

۲ھ میں مجاہدین اسلام غزوہ بدر کے خیال سے علم نبوی کے نیچے جمع ہوئے تو یہ بھی اس جمع میں پہنچ گئے، ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہ وہ مضطرب قرار ادا کر رہے تھے پھرتے ہیں پوچھا ”جانِ برادر یہ کیا ہے؟“ بولے ”بھائی جان! میں بھی اس جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید خدا شہادت نصیب کرے، لیکن خوف ہے کہ رسول خدا ﷺ مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادیں گے۔“

آنحضرت ﷺ کے سامنے جب تمام جانثار کیے بعد دیگرے معائنہ کے لیے پیش ہوئے تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا خوف درحقیقت نہایت صحیح ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے ان کے صغیر سنی کا خیال کر کے فرمایا ”تم واپس جاؤ“ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بے اختیار رونے لگے، اس طفلانہ گریہ و بکا کے ساتھ ان کے دُور جوش اور شوق شہادت نے حضور انور ﷺ کے دل پر خاص اثر کیا اور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی اور آنحضرت ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے ان کے تلوار باندھی۔

## شہادت:

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت صرف ۱۶ سال کی تھی، اچھی طرح اسلحہ سے آراستہ ہونا بھی نہ جانتے تھے، بھائی نے میان میں تلوار باندھ دی، اور دُور جوش نے کفار کے زغہ میں گھسا دیا، دیر تک شجاعانہ لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں خورشید تمنا جلوہ گر ہوا، یعنی عمرو بن عبدود کی تلوار نے شہادت کی آرزو پور کر دی۔

انا لله وانا اليه راجعون



## حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

### نام، نسب:

عامر نام، ابو عبد اللہ کنیت اور والد کا نام ربیعہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عامر ابن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن عبد اللہ بن الحارث بن رفیدہ بن عنز بن وائل۔

ان کے سلسلہ نسب میں سخت اختلاف ہے تاہم ارباب سیر عام طور پر ان کو عنزی لکھتے ہیں، عنز وائل کے لڑکے اور بکر و تغلب کے بھائی تھے جن کی خونریز معرکہ آرائیاں اب تک زبان زد خاص و عام ہیں۔<sup>۱</sup>

ان کا خاندان حضرت عمرؓ کے والد خطاب کا حلیف تھا جنہوں نے فرط محبت سے حضرت عامرؓ کو جینی کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے عامر بن الخطاب کے نام سے مشہور تھے لیکن جب قرآن شریف نے ہر ایک کو اپنے اصلی آباء و اجداد کی طرف انتساب کا حکم دیا تو اس زمانہ سے حضرت عامر بن خطاب کے بجائے اپنے نسبی والد ربیعہ کی نسبت سے زبان زد ہوئے۔<sup>۲</sup>

اس حلیفانہ تعلق کے باعث حضرت عامرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں بھی آخر وقت تک نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے، حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو یہ ہمرکاب تھے اس طرح جس سال حضرت عثمانؓ کو اپنا جانشین کر کے حج کے لیے تشریف لے گئے تو اس سفر میں بھی ان کو اپنا رفیق بنایا۔<sup>۳</sup>

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۰ ج ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۸۱

۲ اصابہ جلد ۲ ص ۳۳۶



اسلام:

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔<sup>۱</sup>

ہجرت:

شُرک و توحید کی کشاکش اور کفار کے دستِ تعظم نے ان کو بھی مکہ میں چھین سے رہنے نہ دیا، دو دفعہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حمزہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر امن و اطمینان کی تلاش میں ملک حبش تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آ کر سرزمینِ شرب کی راہ لی، ان کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے پہلے چند اور اصحاب بھی پہنچ چکے تھے، البتہ ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔<sup>۲</sup>

## غزوات

بدر احد خندق اور تمام دوسرے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مہمات میں بھی شریک ہوئے، اور نہایت جفاکشی و جان کا ہی سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض انجام دیا، اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عامر سے اکثر فخر و مباہات کے ساتھ ان شاندار کاموں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، ایک روز اثنائے گفتگو میں بولے کہ ”رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عسرت و ناداری کے باعث سامانِ رسد میں صرف تھوڑی سی کھجوریں ساتھی کر دیتے جو پہلے ایک ایک مٹھی سب کو ملتی تھی، اس کے بعد کم ہوتے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آ جاتی تھی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۱

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۱

نے متعجب ہو کر پوچھا "ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلنا ہو گا؟" فرمایا "جان پورا ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجوریں ختم ہو جاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لیے بھی ترس جاتے تھے"۔!

شورش سے کنارہ کشی اور وفات:

حضرت عثمانؓ کے آخری عہد خلافت میں جب فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو حضرت عامر بن ربیعؓ نے عاقبت تقویٰ کے باعث عزت نشینی اختیار کر لی۔ دن رات روزہ نماز اور درود و وظائف میں مشغول رہے۔ ایک رات دیر تک مصروف عبادت رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو خواب میں بشارت ہو "انھو خدا سے دعا کرو وہ تجھے اس فتنہ سے بچائے" جس سے اس نے اپنے دوسرے نیک بندوں کو محفوظ رکھا ہے۔ حضرت عامرؓ اسی وقت انھو بیٹھے اور دو گنا ادا کر کے نہایت خشوع و خضوع سے بارگاہ رب العالیات میں دست بدعا ہوئے۔ فرض اس بشارت نبی نے ان کی گوشہ نشینی کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا اور اس کے بعد ان کو کسی نے گھر سے باہر نکلتے بھی نہ دیکھا یہاں تک کہ اسی حالت میں بیمار ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چند دنوں بعد وفات پائی۔ عزت نشینی کے باعث لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کب بیمار ہوئے؟ اور کب وفات پائی؟ ایک جنازہ پر نظر پڑی تو سب متحیر رہ گئے۔!

اخلاق:

قد امت ایمان اور رسول خدا ﷺ کے شرف صحبت نے ان کو اخلاق کریمانہ سے آراستہ کر دیا تھا۔ گزشتہ بالا مختصر واقعات سے ان کی جہت نشینی تقویٰ اور زہد کا اندازہ ہوا۔

ہوگا۔



# سِيرُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ

## مہاجرین (حصہ دوم)

جس میں

بقیہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی و دینی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور ہجرت کی۔

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

سابق رفیق دارالمصنفین

ناشر

042 - 7223506

فون

فضل الہی مارکیٹ  
چوک اردو بازار لاہور

اسلامی مکتبہ

# تہذیب و تمدن

اسمائے مہاجرین : (بہ ترتیب کتاب)

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
247	حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ	9	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
250	حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ	58	حضرت ابو ہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ
253	حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ	79	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
256	حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	100	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
260	حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ	116	حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما
263	حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما	130	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
266	حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ	168	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
269	حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ	195	حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ
272	حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ	203	حضرت خالد بن سعید العاص
275	حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ	209	حضرت شریح بن حبشہ رضی اللہ عنہ
278	حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ	213	حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ
280	حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ	218	حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ
282	حضرت معقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ	224	حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ
284	حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	229	حضرت بريدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ
287	حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ	234	حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ
290	حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ	239	حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ
293	حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ	243	حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
335	حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ	295	حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
336	حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ	298	حضرت ابواحمد بن جحش رضی اللہ عنہ
337	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ	300	حضرت عمرو بن سعید بن العاص
338	حضرت نحیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	302	حضرت مطیع بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
339	حضرت عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	304	حضرت مرثد بن ابی (مرثد) غنوی
340	حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ	306	حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ
341	حضرت سنان بن ابی سنان رضی اللہ عنہ	309	حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ
342	حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ	312	حضرت ابان بن سعید بن العاص
342	حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ	315	حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ
343	حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ	317	حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
344	حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	319	حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ
344	اللہ عنہ	321	حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ
246	حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ	322	حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ
346	حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ	323	حضرت نعیم النحام رضی اللہ عنہ
347	حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ	325	حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
348	حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ	326	حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ
349	حضرت اسود بن نوفل رضی اللہ عنہ	329	حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ
349	حضرت ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ	330	حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
350	حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ	331	حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
351	حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ	332	حضرت ابوقیس بن حارث رضی اللہ عنہ
352	حضرت حمیہ بن جزہ رضی اللہ عنہ	333	حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ
352	حضرت عدی بن نھلہ رضی اللہ عنہ	334	حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
361	حضرت ربیعہ بن اسلم رضی اللہ عنہ	353	حضرت یزید بن زعمہ رضی اللہ عنہ
362	حضرت عمیر بن رباب رضی اللہ عنہ	354	حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ
362	حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ	355	حضرت ابوسنان بن محسن رضی اللہ عنہ
363	حضرت خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ	356	حضرت فراس بن نضر رضی اللہ عنہ
363	حضرت عاقل بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ	356	حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ
365	حضرت عبداللہ الاصفہانی رضی اللہ عنہ	357	حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ
365	حضرت قیس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	357	حضرت ابورہم اشعری رضی اللہ عنہ
366	حضرت مالک بن زعمہ رضی اللہ عنہ	358	حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ
366	حضرت حاطب بن عمر رضی اللہ عنہ	358	حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ
367	حضرت اربد بن حمیر رضی اللہ عنہ	359	حضرت عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ
367	حضرت جہم بن قیس رضی اللہ عنہ	360	حضرت خباب مولیٰ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
368	حضرت ہاشم بن ابی حدیفہ رضی اللہ عنہ	361	حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ

# اسمائے صحابہ

(بہ ترتیب حروف تہجی)

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
304	حضرت ابومرشد غنویؓ		( الف )
58	حضرت ابوہریرہ دوسیؓ	342	حضرت آنسہؓ
367	حضرت اربد بن حمیرؓ		حضرت ابان بن سعید ابن العاص
116	حضرت اسامہ بن زیدؓ	312	رضی اللہ عنہ
349	حضرت اسود بن نوفلؓ	224	حضرت ابن ام مکتومؓ
	( ب )	298	حضرت ابواحمد بن جحشؓ
229	حضرت بریدہ بن حصیبؓ	358	حضرت ابو بردہؓ
	( ث )	290	حضرت ابو بزرہ اسلمیؓ
349	حضرت ثمامہ بن عدیؓ	79	حضرت ابوذر غفاریؓ
269	حضرت ثوبانؓ	250	حضرت ابورافعؓ
	( ج )	357	حضرت ابورہم اشعریؓ
367	حضرت جہم بن قیسؓ	306	حضرت ابورہم غفاریؓ
	( ح )	337	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ
358	حضرت حارث بن خالدؓ	355	حضرت ابوسنان بن محسنؓ
356	حضرت حاطب بن حارثؓ	321	حضرت ابو فکیہہؓ
366	حضرت حاطب بن عمروؓ	332	حضرت ابو قیس بن حارثؓ
287	حضرت حجاج بن علاطؓ	333	حضرت ابوکبشہؓ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
341	حضرت سان بن ابی سان رضی اللہ عنہ		(خ)
330	حضرت سہل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	203	حضرت خالد بن سعید ابن العاصؓ
331	حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	168	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
	(ش)	213	حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ
209	حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ	360	حضرت خباب مولى عقبہ بن غزوانؓ
	(ص)	363	حضرت خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ
340	حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ	338	حضرت خمیس بن حدافہ رضی اللہ عنہ
	(ط)		(ذ)
342	حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ	336	حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ
234	حضرت طفیل بن عمرو وی رضی اللہ عنہ		(ر)
266	حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ	361	حضرت ربیعہ بن اسلم رضی اللہ عنہ
	(ع)		(ز)
363	حضرت عاقل بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ	247	حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ
344	حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ		(س)
365	حضرت عبداللہ الاصفہر رضی اللہ عنہ	343	حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ
346	حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ	350	حضرت سعید بن خولہ رضی اللہ عنہ
284	حضرت عبداللہ بن حدافہ رضی اللہ عنہ	253	حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ
348	حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ	354	حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ
280	حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ	100	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
9	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	218	حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ
322	حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ	278	حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ
339	حضرت عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	334	حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
352	حضرت حمیہ بن جزاء رضی اللہ عنہ	329	حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ
304	حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی	352	حضرت عدی بن نھلہ رضی اللہ عنہ
302	حضرت مسطح بن اثاثہ (عوف)	239	حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ
361	حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ	256	حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
351	حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ	309	حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ
357	حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ	347	حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ
325	حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ	300	حضرت عمرو بن سعید ابن العاص
	حضرت معقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ	130	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
282	اللہ عنہ	272	حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ
195	حضرت منیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	362	حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ
	(ن)	326	حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ
315	حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ	362	حضرت عمیر بن رباب رضی اللہ عنہ
323	حضرت نعیم الحامی رضی اللہ عنہ	243	حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ
260	حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ	319	حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ
	(و)	359	حضرت عیاض بن زبیر رضی اللہ عنہ
317	حضرت واقد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ		(ف)
275	حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ	356	حضرت فراس بن نصر رضی اللہ عنہ
346	حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ	263	حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما
	(ہ)		(ق)
368	حضرت ہاشم بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ	295	حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
293	حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ	365	حضرت قیس بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
	(ی)		(م)
353	حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ	366	حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ عنہ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

نام و نسب:

عبداللہ نام، ابو عبدالرحمن کنیت، آبائی سلسلہ نسب یہ ہے:  
عبداللہ بن عمر بن خطاب ابن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن قرط بن زراح  
بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر ماں کا نام زینب تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے،  
زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن حح بن عمرو بن حصین۔

ولادت:

یہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غزوہ احد میں جو ۳ھ  
میں پیش آیا، چودہ برس کے تھے، اس حساب سے اُن کی پیدائش کا تخمینہ زمانہ بعثت کا دوسرا  
سال ہے اور ۶ھ نبوی میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہما مشرف بہ اسلام ہوئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما  
کا سن تقریباً پانچ برس کا ہوگا۔

اسلام:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ہوش سنبھالا ہی تھا کہ اپنے گھر کے درو دیوار پر  
اسلام کو پرتو لگن دیکھا اور اسلام ہی کے دامن میں ان کی نشوونما ہوئی، بعض روایتوں میں  
ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ انہوں نے  
اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اس طرح اسلام قبول کیا تھا، جس طرح خاندان کے بڑے  
بزرگ کے تبدیل مذہب کے گھر کے کس نچے بھی غیر شعوری طور سے اپنے مذہب کو بدل  
ڈالتے ہیں، جن غیر معتبر راویوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام کا واقعہ نقل کیا ہے،  
درحقیقت ان کو بیعت رضوان کے واقعہ کے ساتھ التباس ہوا ہے، صحیح بخاری میں خود

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زبانی منقول ہے کہ جب میرے باپ مسلمان ہوئے تو میں چھوٹا بچہ تھا۔ لہذا ہر ہے کہ ایک چھوٹا بچہ حق و باطل کی تمیز کی وہ دقت نگاہ نہیں رکھتا جو اس زمانہ میں اس کو کسی مذہب کے بذات خود رد و قبول پر آمادہ کر سکے۔

ہجرت:

انوار اسلام کی چمک کے ساتھ مشرکین کے قلم و طغیان کی گرج بھی برابر بڑھتی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کا خاندان بھی ان کی ستم کیشیوں سے محفوظ نہ رہا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی۔

بدر:

ہجرت کے بعد حق و باطل کی پہلی آویزش غزوہ بدر ہے، اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر کل ۱۳ سال کی تھی، تاہم جانبازی کے شوق میں شرکت کی درخواست کی، صغیر السن ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے قبول نہ فرمائی۔<sup>۱</sup>

احد:

اس کے ایک سال بعد دوسرا معرکہ احد میں ہوا، اس میں بھی انہوں نے اپنا نام پیش کیا مگر چونکہ چودہ (۱۴) سال سے متجاوز نہیں ہوئے تھے اس لیے اس مرتبہ بھی ان کی درخواست مسترد ہو گئی۔<sup>۲</sup>

خندق:

احد کے دو سال بعد ۵ھ غزوہ خندق میں ان کی عمر پندرہ سال پوری ہو چکی تھی چنانچہ یہی وہ سب سے پہلا معرکہ ہے جس میں ان کو سرکار رسالت سے شرکت کی اجازت ملی۔<sup>۳</sup>

۱ صحیح بخاری باب اسلام عمر رضی اللہ عنہما ۲ ابن سعد ج ۳ ق ۱ اول تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

۳ بخاری کتاب المغازی جلد ۲ ص ۵۸۸ ج ۲ ایضاً باب غزوہ خندق

## بیعت رضوان:

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ہوئے اور بیعت رضوان کا بھی شرف حاصل کیا اور حسن اتفاق یہ کہ یہ شرف اپنے پدر عالی قدر سے پہلے حاصل کر لیا، اس کی صورت یہ پیش آئی کہ حدیبیہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے پاس گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تھا کہ جہاد میں وہ اس پر سوار ہو سکیں، عبداللہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لے رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے پہنچ کر پہلے خود بیعت کی اور اس کے بعد گھوڑا لے کر گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی، انہوں نے بھی جا کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

## خیبر:

اس کے بعد غزوہ خیبر میں بھی وہ مجاہدانہ شریک ہوئے اور اس سفر میں آنحضرت ﷺ نے حلال و حرام کے جو بعض خاص احکام جاری فرمائے وہ ان کے راوی ہیں۔

## فتح مکہ:

قریش اور اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ فتح مکہ تھا، اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر ۲۰ سال کی تھی، پورے جوان ہو چکے تھے اور ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے دوسرے مجاہدین کے دوش بدوش تھے، سامان جنگ میں ایک تیز رفتار گھوڑا اور ایک بھاری نیزہ تھا، جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی اور خود اپنے ہاتھ سے گھوڑے کے لیے گھاس کاٹ رہے تھے اس حالت میں آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو تعریف کے لہجہ میں فرمایا کہ ”عبداللہ ہے عبداللہ“ فتح کے بعد خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے داخل ہوئے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ اونٹ پر سوار مکہ کے بالائی حصہ کی طرف سے داخل ہوئے تھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سوار تھے، عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ جلو میں تھے، خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر کنجیاں منگائیں اور کعبہ کھول کر تینوں

ایک ساتھ داخل ہوئے ان لوگوں کے بعد سب سے پہلا داخل ہونے والا میں تھا۔  
غزوہ حنین:

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں بھی صف آرا تھے چنانچہ حنین کی واپسی کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جب ہم غزوہ حنین سے لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اع تکاف کی نذر کے متعلق پوچھا جو جاہلیت کے زمانہ میں مانی تھی آنحضرت ﷺ نے اس کے پورا کرنے کا حکم دیا۔  
محاصرہ طائف:

اس کے بعد طائف کا محاصرہ ہوا اس محاصرہ میں بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما پیش تھے چنانچہ اس محاصرہ کے واقعات بیان کرتے تھے کہ جب محاصرہ میں مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ کل محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائیں گے یہ ارشاد لوگوں پر گراں گزرا انہوں نے عرض کی کیا بغیر فتح کیے ہوئے لوٹ چلیں؟ آپ نے فرمایا اچھا کل پھر لڑو چنانچہ دوسرے دن لڑے اور فتح کے بجائے الٹے زخمی ہوئے آپ نے پھر فرمایا کہ ان شاء اللہ کل واپس جائیں گے اس مرتبہ لوگوں نے بخوشی منظور کر لیا اس پر آپ مسکرائے۔

### حجۃ الوداع:

حجۃ الوداع آنحضرت ﷺ کا آخری حج تھا اس میں مسلمانوں کا جم غفیر آپ کے ہمراہ تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس شرف میں شریک تھے چنانچہ حجۃ الوداع کے واقعات میں ان کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بال منڈائے تھے اور بعضوں نے صرف ترشوانے پر اکتفا کی تھی۔

۱ بخاری کتاب المغازی باب فتح مکہ ۲ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حنین

۳ بخاری کتاب المغازی غزوہ طائف ۴ بخاری جلد ۲ باب حجۃ الوداع

## غزوہ تبوک:

۹ھ میں غزوہ تبوک پیش آیا، اس میں آنحضرت ﷺ نے ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لیے تبوک کا رخ کیا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس میں بھی شریک تھے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ حجرہ کی طرف گزرے تو فرمایا ان لوگوں کے مسکن میں داخل نہ ہو جنہوں نے (خدا کی نافرمانی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کہ مبادا تم بھی اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے، اگر گزرنا ہے تو خشیت الہی سے روتے ہوئے گزر جاؤ۔<sup>۱</sup>

غرض غزوہ خندق سے لے کر آخر تک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں کوئی ایسی بڑی مہم نہ تھی جس میں انہوں نے شرکت کی عزت حاصل نہ کی ہو۔  
عہد فاروقی:

ابن عمر رضی اللہ عنہما عہد صدیقی میں کہیں نہیں نظر آتے۔

## عہد فاروقی:

البتہ عہد فاروقی کے بعض فتوحات میں شریک رہے، لیکن محض ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے۔ نافع کا بیان ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نہاوند کی جنگ میں شریک ہوئے اور بیمار پڑ گئے تو پیاز کوتا گے میں پرو کر دوا میں پکاتے تھے، جب اس میں پیاز کا مزہ آ جاتا تھا تو اس کو نکال کر دوا پی لیتے تھے۔ شام اور مصر کی فتوحات میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے لیکن ان فتوحات میں ان کا کوئی نمایاں کارنامہ نہیں ہے اور اس زمانہ میں سلطنت کے انتظامی امور میں بھی انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما اپنے عزیزوں کو اس میں پڑنے نہ دیتے تھے، تاہم جہاں امت کے نفع و نقصان کا کوئی سوال پیش آ جاتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد بزرگوار کی سخت گیری کے خطرہ کو برداشت

۱۔ قدیم اقوام عاد و ثمود کی آبادیاں ۲۔ بخاری کتاب المغازی غزوہ تبوک

۳۔ ابن سعد جزو ۴، قسم اول ص ۱۱۸

بھی کر لیتے تھے چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقت آخر ہوا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا خیال نہیں رکھتے جس سے ان کے خیال میں آئندہ مشکلات پیش آنے کا خطرہ تھا تو ڈرتے ڈرتے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں یہ جرأت تو کر گیا مگر مارے خوف کے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اٹھا رہا ہوں میں پہنچا تو پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات پوچھتے رہے پھر میں نے جرأت کر کے عرض کی کہ میں لوگوں کی چہ میبذیائیاں گوش گزار کرنے حاضر ہوا ہوں ان کا خیال ہے کہ آپ کسی کو اپنا جانشین منتخب نہ فرمائیں گے فرض کیجئے کہ وہ چرواہا جو آپ کی بکریوں اور اونٹنوں کو چراتا ہے اگر گلہ کوچھوڑ کر آپ کے پاس چلا جائے تو شر کا کیا حشر ہوگا؟ ایسی حالت میں انسانوں کی گلہ بانی کا فرض تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معقول استدلال کو پسند کیا پھر کچھ سوچ کر بولے خدا خود اپنے گلہ کا تمبھان ہے اگر میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کروں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی نامزد نہیں فرمایا تھا اور اگر کر جاؤں تو بھی کوئی حرج نہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نامزد کر گئے تھے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہما کا نام لیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر کسی کو ترجیح نہ دیں گے اور کسی کو اپنا جانشین خود نہ بنا جائیں گے۔ لہذا چنانچہ انہوں نے اپنے بعد اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا جس میں متعدد اکابر صحابہ شامل تھے۔

عہد عثمانی:

ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد سب سے پہلے انتخاب خلیفہ کی مجلس شوریٰ میں نظر آتے ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں عبد اللہ بحیثیت مشیر شریک ہوں مگر صرف مشورہ دے سکتے ہیں خلیفہ نہیں نامزد

کے جاسکتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کا موقع ملا، مگر انہوں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قضاء کا عہدہ پیش کیا، انہوں نے معذرت کر دی کہ ”میں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور نہ دو شخصوں کی امامت کرتا ہوں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک جاہل جس کا ٹھکانا دوزخ ہے، دوسرا عالم مائل الی الدنیا، اس کا مستقر بھی دوزخ ہے، تیسرا جو اجتہاد کرتا ہے اور صحیح رائے قائم کرتا ہے اس کے لیے نہ عذاب ہے نہ ثواب، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے باپ تو فیصلے کرتے تھے بولے یہ صحیح ہے، لیکن جب ان کو کسی پیچیدہ بات میں دشواری پیش آتی تھی تو آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ کو دشواری ہوتی تھی تو جبرئیل سے دریافت فرماتے تھے میں کس طرف رجوع کروں گا؟ کیا آپ نے آنحضرت ﷺ سے نہیں سنا کہ جس نے خدا کی پناہ مانگی اس نے پناہ کی جگہ پناہ مانگی، اس لیے خدا راجھ کو کہیں کا عامل نہ بنائے۔ ان کے انکار پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زیادہ اصرار نہیں کیا، البتہ یہ عہد لے لیا کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔

مگر ملکی انتظام سے اس کنارہ کشی کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک ہوتے رہے چنانچہ ۲۷ھ میں افریقہ (تونس، الجزائر، مراکش) کی مہم میں شریک ہوئے۔ ۲۸ھ پھر ۳۰ھ میں خراسان اور طبرستان کے معرکوں میں سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ جب فتنہ و فساد شروع ہوا تو بالکل کنارہ کش ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہیں لیا، اسی احتیاط کی بنا پر خلافت کے اعزاز سے بھی انکار کر دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو آمادہ ہیں، فرمایا جہاں تک میرے امکان میں ہے اپنے لیے ایک

۱ طبری ص ۲۷۷۹ ج ۱ ابن سعد جزء ۳، قسم اول ص ۱۸

۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۳ ج ۱ ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۳



بچنے کے برابر بھی خون نہ بہنے دوں گا لوگوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ اس بار گراں کو نہیں سنبھالتے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے لیکن انہوں نے اس دھمکی کی بھی مطلق پروا نہ کی اور خلافت جیسے رفیع اعزاز سے جو اس وقت فتنوں کا مرکز بن گیا تھا اپنے کو بچائے رکھا۔<sup>۱</sup>

البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ابن عمرؓ نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں سے کس کی خلافت تسلیم کی، ابن حجر کا بیان ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ جو بیعت کی خلافت کے بارہ میں مسلمانوں کا اختلاف تھا اس لیے ابن عمرؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، کیونکہ ان کی رائے تھی کہ جب تک کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے اس وقت اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنی چاہیے۔<sup>۲</sup>

لیکن مستدرک نے غسان بن عبد الحمید کی روایت نقل کی ہے کہ ابن عمرؓ نے اس شرط پر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی کہ وہ ان کے ساتھ خانہ جنگی میں نہ شریک ہوں گے اور جناب امیر نے ان کو اس کی اجازت بھی دے دی تھی۔<sup>۳</sup> ہمارے نزدیک مستدرک کی روایت زیادہ صحیح ہے اور قرین قیاس ہے کیونکہ ابن حجر نے جس اصول کی بنا پر ابن عمرؓ کا حضرت علیؓ کی خلافت سے دست کش ہونا بتایا ہے اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، گو حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا، تاہم اسلام کے ارباب حل و عقد یعنی مہاجرین و انصار کی اکثریت حضرت علیؓ کے ساتھ تھی اور ان کی نہایت ہی مختصر جماعت آپ سے الگ رہی، البتہ یہ مسلم ہے کہ انہوں نے جنگ و جدل اور صفین میں کسی کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کا ایک قطرہ خون نہیں گرا لیکن ضمیر حق پرست تھا اس لیے جنگ میں حضرت علیؓ کے ساتھ نہ دینے پر آخروں تک متاسف رہے، فرماتے تھے کہ گو میں نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا، لیکن حق پر مقاتلہ افضل ہے۔<sup>۴</sup>

۱ ابن سعد ج ۳، قسم اول ص ۱۱۱ ج ۲ فتح الباری جلد ۵ ص ۱۸

۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۸ طبع حیدرآباد ج ۲ استیعاب جلد اول ص ۳۸۱

جنگ صفین کے بعد جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم بتایا گیا تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا نام پیش کیا تھا۔<sup>۱</sup> مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا۔ حکم کے فیصلہ سنا تے وقت آپ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ امت مسلمہ کی قسمت کا فیصلہ سنتے گئے دوامۃ البند ل آئے تھے۔

ان واقعات کے بعد مسلمانوں میں دو نئے فرقے پیدا ہو گئے ایک وہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا سمجھتا تھا دوسرا وہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برائیاں بیان کرتا تھا کہ وہ احد میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے اس بارہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے پوچھی تو فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ نے معاف کیا (قرآن پاک میں اس کی آیت ہے) مگر تم معاف کرنا نہیں چاہتے اور علی رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی اور آپ کے داماد تھے اور دیکھو کہ وہ گھران کا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کر لی اور اس عہد کے بعض معرکوں میں شریک ہوئے چنانچہ قسطنطنیہ کی مہم میں شریک تھے۔<sup>۲</sup>

### خلافت یزید:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے محض اختلاف امت کے فتنہ سے بچنے کے لیے اس کی بیعت کر لی اور فرمایا اگر یہ خیر ہے تو ہم اس سے راضی ہیں اور اگر شر ہے تو ہم نے صبر کیا۔<sup>۳</sup>

کچھ دنوں کے بعد جب مدینہ والوں نے فسخ بیعت کیا تو آپ نے اسی فتنہ سے بچنے کے خاطر اپنے اہل و عیال کو بلا کر فرمایا کہ میں نے اس شخص کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی بیعت کی ہے اور میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر دم کو کہ باز کا ایک ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ یہ فلاں کی فریب کاری ہے اور سب سے

۱ ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۷۷ ج صحیح بخاری کتاب التفسیر و قاتلوہم حتی لا تکنون فتنۃ.

۲ ابن اثیر حالات حملہ قسطنطنیہ ج ابن سعد جز ۳، قسم اول تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

بڑا فریب یہ ہے کہ خدا کے ساتھ شرک کیا جائے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر خدا اور رسول کے لیے بیعت کر لے اور پھر اس کو فسخ کر دے اس لیے تم میں سے کوئی شخص فسخ بیعت میں حصہ نہ لے اگر کسی نے حصہ لیا تو میرے اور اس کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

یزید کی بیعت آپ نے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر نہیں کی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس ان کا عندیہ لینے کے لیے بھیجا تھا انہوں نے جا کر دبی زبان سے اس کا اظہار کیا اور اس کے عوض ایک رقم خلیفہ پیش کرنا چاہی، رشوت کا نام سن کر غصہ سے کانپ اٹھے اور اسی وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کھڑے کھڑے نکال دیا۔

معاویہ بن یزید، مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی خلافت:

یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوا، مگر اس کی خلافت صرف تین مہینہ رہی، اس کے بعد وہ خود خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اب اس کی وفات کے بعد ایک طرف مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور عراق حجاز و یمن کے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اور دوسری طرف شام میں مروان نے اپنی بیعت لی، گوا اکثر اسلامی ممالک ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف مائل تھے، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے دعوائے خلافت کو باز بچا اطفال سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ چنانچہ ان ہی کے زمانہ میں جب فریقین میں جنگ برپا تھی تو ایک شخص نے ان سے آ کر کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ فتنہ کو روکنے کے لیے لڑو، انہوں نے جواب دیا تھا کہ جب فتنہ تھا تو ہم لڑے، فتنہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے خدا کی عبادت کر سکیں، اب یہ خانہ جنگی جہاد نہیں بلکہ بادشاہی کے لیے لڑائی ہے، مگر با ایں ہمہ جب عبدالملک کی طرف سے حجاج

۱ ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۳، تھورے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳ میں بھی مذکور ہے۔

۲ ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۱۲۱ ح ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ مصر

۳ ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۱۲۱، تھورے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری کتاب التفسیر باب حنی لا تکفرون فتنہ

ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے مکہ معظمہ گیا اور خانہ کعبہ کے ایک حصہ کو اپنے گولوں کا نشانہ بنایا تو وہ سخت برہم ہوئے اور اپنی برہمی کو قابو میں نہ رکھ سکے یا  
خلافت عبد الملک:

مردان کے بعد جب عبد الملک کی خلافت پر بیعت ہوئی تو آپ نے بھی تحریری بیعت نامہ بھیج دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”خدا اور رسول ﷺ کی سنت پر میں اور میرے لڑکے امیر المؤمنین عبد الملک کی سب سے طاعت کا بقدر استطاعت عہد کرتے ہیں۔ عبد الملک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بڑا احترام کرتا تھا اور مذہبی معاملات میں ان کی اقتدا کرتا تھا اور حج کے موقع پر ارکان میں آپ کی اقتدا کا فرمان جاری کرتا تھا۔“  
علالت اور وفات:

۷۷ھ میں تراسی چوراسی برس کی عمر میں وفات پائی، وفات کا واقعہ یہ ہے کہ حج کے زمانہ میں ایک شخص کے نیزہ کی نوک جو زہر میں بھیجی ہوئی تھی ان کے پاؤں میں چھ گئی یہ زہر ان کے جسم میں سرایت کر گیا اور یہ زخم ان کی موت کا باعث ہوا، عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ حجاج کے اشارہ سے اس طرح زخمی کیے گئے تھے البتہ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے، مستدرک کی روایت ہے کہ حجاج نے جب خانہ کعبہ میں منیخیق نصب کرائی اور ابن زبیر کو شہید کرایا تو اس کا یہ فعل شنیع ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بہت ناپسند ہوا، آپ نے اس کو بہت برا بھلا کہا، حجاج برا فروختہ ہو گیا اور اس کے اشارے سے شامیوں نے زخمی کر دیا۔“

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عبد الملک نے حجاج کو ہدایت کی تھی کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہ کرے، یہ حکم اس پر بہت شاق گزرا لیکن عدول حکمی بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور آپ کو زخمی کرادیا۔“

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۸۸۷ حیدرآباد ۲۔ بخاری جلد ۴ باب کیف ینایع الامام الناس

۳۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۲۵ ح ۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۷

۴۔ تہذیب العقبہ جلد ۵ ص ۳۳۰ مطبوعہ دارۃ المعارف حیدرآباد

ابن سعد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا اس میں اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر یہ اتہام لگایا کہ انہوں نے نعوذ باللہ کلام اللہ میں تحریف کی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی اور فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے نہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ میں اتنی طاقت ہے نہ تجھ میں یہ مجال ہے۔ مجمع عام کے سامنے ان کی یہ ڈانٹ اس کو بہت ناگوار ہوئی لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ علانیہ کوئی برا برتاؤ نہیں کر سکتا تھا اس لیے خفیہ انتقام لیا۔<sup>۱</sup>

ابن خلکان اور اسد الغابہ میں اس کے علاوہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا اس کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت نکل ہو گیا آپ نے فرمایا کہ آفتاب انتظار نہیں کر سکتا حجاج نے کہا جی میں آتا ہے کہ تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں فرمایا تجھ کو تاہ مین سے یہ بھی کچھ بعید نہیں دوسری روایت یہ ہے کہ عبد الملک نے فرمان جاری کیا کہ تمام حجاج مناسک حج میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کریں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حجاج کے عرفات اور دوسرے مواقع سے بغیر حجاج کا انتظار کیے بڑھ جاتے تھے حجاج کی فرعونیت کب اس کو گوارا کرتی مگر عبد الملک کے حکم سے مجبور تھا اس لیے آپ کی جان کا خواہاں ہو گیا۔<sup>۲</sup>

ابن عبد البر نے استیعاب میں بھی یہی دونوں روایتیں نقل کی ہیں اگرچہ ان روایتوں کی صورت واقعہ میں اختلاف ہے مگر تضاد نہیں اس لیے ان میں سے کسی کو غلط نہیں کہا جاسکتا ہو سکتا ہے کہ یہ تمام واقعات یکے بعد دیگرے آتے رہے مگر حجاج ضبط کرتا رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کی پیش نہیں چلتی اور وہ اس کو مطلق دھیان میں نہیں لاتے تو اخیر میں آپ کا قصہ ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن علی الاعلان وہ آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا اس لیے یہ صورت نکالی کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا کہ وہ حج کے موقع پر جب لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے مسوم نیزہ سے

۱ ابن سعد مکرر ابن عمر رضی اللہ عنہ

۲ ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۳۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۰

آپ کے پاؤں میں خراش دے دیں، اس اثر دہام میں زخمی کرنے والا گرفتار بھی نہ ہو سکے گا، اور زہر کے اثر سے آپ کا کام بھی تمام ہو جائے گا اور یہی ہوا، جب آپ بیمار ہوئے تو حجاج عیادت کو آیا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ کاش مجھ کو ملزم کا پتہ چل جاتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا، آپ نے فرمایا تم ہی نے یہ سب کچھ کیا اور پھر کہتے ہو کہ میں مجرم کو قتل کر دیتا، نہ تم حرم میں اسلحہ باندھنے کی اجازت دیتے نہ یہ واقعہ پیش آتا۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مدینہ منورہ میں وفات پانے کی تمنا بہت تھی، چنانچہ جب آپ کی حالت نازک ہوئی تو دعا کرتے تھے کہ خدایا مجھ کو مکہ میں موت نہ دے، اور اپنے صاحبزادہ سالم سے وصیت بھی کی کہ اگر میں مکہ ہی میں مر جاؤں تو حد و حرم کے باہر دفن کرنا کیونکہ جس زمین سے ہجرت کی پھر اس میں پیوند خاک ہوتے اچھا نہیں معلوم ہوتا، وصیت کے چند دنوں بعد سفر آخرت کیا۔ اور علم و عمل کا یہ آفتاب تاباں ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

تجہیز و تکفین:

وفات کے بعد وصیت کے مطابق لوگوں نے حرم کے باہر دفن کرنا چاہا، مگر حجاج نے مداخلت کی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھائی، مجبوراً ”مغ“ مہاجرین کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

فضل و کمال:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت ﷺ کی صحبت، آپ کی بارگاہ کی دائمی حاضر باشی، سفر و حضر کی ہر کابلی، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت اور خود ان کی تلاش و جستجو نے مذہبی

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۷ ۲۔ ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۳۶

۳۔ ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۳۸ ۴۔ تلخیص مستدرک جلد ۳ و ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

علوم کا دریا بنا دیا تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کا بحر بے کراں تھے، آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اس زمرہ میں تھا، جو علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔  
تلاوت و تفسیر قرآن:

تلاوت قرآن کے ساتھ آپ کو غیر معمولی شغف تھا، اس کی سورت و آیات پر فکر و تدبر میں عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کیا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف بقرہ پر ۱۴ برس صرف کیے۔ اس غیر معمولی شغف نے آپ میں قرآن کی تفسیر و تاویل کا غیر معمولی ملکہ پیدا کر دیا تھا، فہم قرآن کا ملکہ آپ میں عنقوان شباب ہی میں پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی علمی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی اس مثال

﴿الْم تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ

فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أَكْثَلَهَا كُلَّ حِينٍ بِأُذُنٍ رَّبَّهَا﴾ (ابراہیم)

”تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی اچھی مثال دی ہے، کہ وہ پاک درخت کی مثل ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان تک ہیں، وہ اپنے خدا کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے۔“

کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ وہ درخت کون سا ہے، جو مرد مسلم کی طرح سدا بہار ہے اس کے پتے کبھی خزاں رسیدہ نہیں ہوتے اور ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے، اس سوال کے جواب میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تک خاموش رہے، تو آپ ﷺ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے ہی سمجھ چکے تھے، لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاموشی کی وجہ سے چپ رہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد۔

۲ مؤطا امام مالک مطبع احمدی دہلی

انہوں نے کہا کہ تم نے جواب کیوں نہ دیا، تمہارا جواب دینا مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

قرآن کے الفاظ کے معنوں پر بہت غائر نظر تھی، وہ ان کے ایسے جامع معنی اختیار کرتے تھے جو مفہوم پر پورے طور سے حاوی ہوتے تھے چنانچہ ”اقم الصلوٰۃ لذئوک الشمس الی غسق اللیل“ میں دلوک کے معنی ڈھلنے کے لیتے تھے۔

”دلوک“ لغت میں ڈھلنے، زرد ہونے، غروب ہونے، تینوں معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے معنی مطلق ڈھلنے کے لیتے تھے۔ اس معنی سے ظہر، عصر اور مغرب تینوں کے اوقات متعین ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ میل یا زوال کی تین منزلیں ہیں ایک متعارف جس میں سمت الہ اس سے زوال ہوتا ہے، جو ظہر کا وقت ہے، دوسرا جس میں سمت نظر سے ڈھلتا ہے، یہ عصر کا وقت ہے، تیسرا وہ جس میں سمت افق سے ڈھل کر غروب ہو جاتا ہے، یہ مغرب کا وقت ہے۔

بعض اوقات آیات کے شان نزول اور تاسخ و منسوخ کی لاعلمی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی فہم قرآنی سے اس قسم کے شکوک کا ازالہ کر دیتے تھے، ایک شخص کو قرآن پاک کی اس آیت

﴿ وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ  
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾

”جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے، اس کو عذاب الیم کی بشارت دے دو“۔

کے بارہ میں یہ شبہہ پیدا ہوا کہ زکوٰۃ دینے کے بعد کیوں انفاق فی سبیل اللہ کا مطالبہ ہے اور عدم انفاق کی صورت میں عذاب الیم کی وعید کیوں ہے، اس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا،

۱۔ بخاری و فتح الباری کتاب التفسیر سورۃ ابراہیم و کتاب العلم باب الفہم  
۲۔ موطا امام مالک مطبع احمدی دہلی باب ما جاء فی دلوک الشمس و غسق اللیل



آپ نے بتایا کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو سونا چاندی جمع کر کے زکوٰۃ نہیں دیتا، وہ قابل افسوس ہے اور یہ آئیہ زکوٰۃ کے نزول کے قبل کی ہے، زکوٰۃ تو خود ہی مال کو ظاہر کر دیتی ہے۔<sup>۱</sup>

اسی آئیہ میں ایک شخص نے "کنز" کے معنی پوچھے، آپ نے ایسے لطیف معنی بتائے کہ اگر یہ آئیہ نزول زکوٰۃ کے بعد کی بھی ہوتی، تب بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا، کنز کے لغوی معنی مال مدفونہ کے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ کنز جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اس معنی سے لا ینفقون کا مفہوم صرف یکنزون سے ادا ہو جاتا ہے اور ینفقونہا سے مزید تاکید ہو جاتی ہے اور کنز کے لغوی معنی بھی نہیں جاتے، کیونکہ زکوٰۃ نہ دی جائے گی، تو خواہ مخواہ جمع ہی ہوگا، ورنہ پھر زکوٰۃ کا مطالبہ اور عذاب الیم کی وعید کیوں ہوتی اور جمع بمنزلہ دفن کے<sup>۲</sup> ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک اصل مفہوم و منشاء اور اس کے انداز بیان کو سمجھنے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کیسا ملکہ حاصل تھا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فتنہ میں قتال کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، قرآن کا حکم ہے کہ

﴿ قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ﴾

"ان لوگوں سے مقاتلہ کرو یہاں تک فتنہ باقی رہے۔"

یہ سوال مسلمانوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں کیا گیا تھا، انہوں نے فرمایا تم فتنہ کے معنی کیا سمجھتے ہو، یہاں قتال علی اللہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بادشاہت کے لیے لڑو، بلکہ قتال سے وہ قتال مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے مشرکین کے ساتھ فرمایا تھا، کہ ان کے دین میں داخل ہونا مسلمانوں کے لیے فتنہ تھا۔<sup>۳</sup>

صحیح بخاری میں اس واقعہ کے متعلق جو روایت ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے کہ

۱ بخاری جلد ۱۸، ۱۸۸، کمرز پریس دہلی ج ۲، موطا امام مالک ص ۱۰۹

۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۹۳



اپنی غیر حاضری کے اقوال اور افعال نبوی (ﷺ) ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں حاضر رہے یا پھر آپ کے پاس سے گزرے اور ان کو یاد رکھتے تھے یا اگر کوئی ایسی حدیث یا ایسا مسئلہ سنتے جو ان کے علم میں نہ ہوتا تو فوراً خود آنحضرت (ﷺ) یا حدیث کے راوی کے پاس جا کر اس کی تصدیق کرتے ایک مرتبہ کسی نے ایک مسئلہ بیان کیا جو ان کے علم میں نہ تھا فوراً خدمت نبوی (ﷺ) میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق کی۔ ایک مرتبہ ایک لیشی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت (ﷺ) نے سونا چاندی کی بیع صرف اس صورت میں جائز رکھی ہے کہ برابر ہوں گا اس کا علم نہ تھا اس لیے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اس کی تصدیق کی۔

حدیث کی اشاعت و تعلیم:

اس تلاش و جستجو نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حدیث کا دریاب بنا دیا تھا جس سے ہزاروں لاکھوں مسلمان سیراب ہوئے ان کی ذات سے حدیث کا دافر حصہ اشاعت پذیر ہوا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت (ﷺ) کے بعد ساٹھ سال سے زیادہ زندہ رہے اس میں آپ کا مشغلہ صرف علم کی اشاعت تھا۔ اسی لیے آپ نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا کہ اس سے یہ مبارک سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ مدینہ میں مستقل حلقہ درس تھا اس کے علاوہ اشاعت کے لیے سب سے بہترین موقع حج کا تھا جس میں تمام اسلامی ملکوں کے مسلمان جمع ہوئے تھے چنانچہ آپ اس موقع پر فتویٰ دیتے تھے اس سے بہت جلد مشرق سے مغرب تک احادیث پھیل جاتی تھیں۔ یہ لوگوں کے گھروں پر جا کر حدیث سناتے تھے زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ عبداللہ بن مطیع کے یہاں گئے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خوش آمدید کہا اور ان کے لیے فرش بچھایا انہوں نے کہا میں اس وقت تمہارے پاس صرف ایک حدیث سنانے کی غرض سے آیا ہوں رسول اللہ (ﷺ)

۱۔ اسباب جلد ۳ ص ۱۰۹ ج صحیح مسلم کتاب صلوة المسافرین و قصرہا جلد ۱ ص ۲۷۵ مطبوعہ مصر

۲۔ ایضاً ص ۱۳۰ باب الربا ج استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۱ ۳۔ اسد الخبا جلد ۳ ص ۲۲۸

فرماتے تھے کہ جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے دستبرداری کی وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مرادہ جاہلیت کی موت مرا لے

ان کی تعلیم کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا، علی بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حالت نماز میں کنکریوں سے شغل کر رہا تھا، نماز تمام کر چکا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ٹوکا اور کہا جس طریقہ سے رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے، اس طریقہ سے پڑھا کر، پھر خود ہی طریقہ بتایا۔<sup>۱</sup>

ایک مرتبہ سعید بن یسار رضی اللہ عنہ مکہ کے راستہ میں آپ کے ساتھ تھے صبح ہونے کے قریب ہوئی تو سعید نے سواری سے اتر کر وتر پڑھی اور پڑھ کر پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مل گئے، انہوں نے پوچھا کہاں تھے، کہا صبح ہو جانے کے خوف سے سواری سے اتر کر و تر ادا کی، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی ذات تمہارے لیے اسوۂ حسنہ نہیں ہے، سعید نے کہا خدا کی قسم ضرور ہے، کہا رسول اللہ ﷺ اونٹ ہی پر بیٹھے بیٹھے وتر پڑھتے تھے۔<sup>۲</sup>

خود آپ کی ذات گرامی اوصاف نبوی (ﷺ) کی ایسی زندہ تصویر اور ایسا جامع مرقع تھی جو سینکڑوں درس اور ہزاروں تلقینات سے زیادہ کار آمد تھی، جس کا صرف ایک نظر دیکھ لینا اور چند ساعتیں آپ کی صحبت اٹھا لینا برسوں کی درس و تدریس کے برابر ہوتا ہے، آپ کے صحیفہ زندگی میں تمام احادیث عملاً بعنوان جلی قوم تھیں وہ تمام صحابہ اور تابعین جنہوں نے ان کو دیکھا تھا، بالاتفاق ان کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے تھے، حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، مگر عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ نہیں بدلے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ عہد نبوی کی حالت و کیفیت کا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی پابند نہیں رہا، حضرت نافع جو عبدال

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۴ ۲۔ موطا امام مالک العمل فی الجبوس فی الصلوٰۃ ص ۴۰

۳۔ موطا امام مالک باب الامر بالدیہ ص ۴۳

بن عمرؓ کے خادم اور شاگرد خاص تھے اور جوان کی خدمت میں تیس برس رہے تھے وہ تابعین اور اپنے شاگردوں سے کہتے کہ اگر اس زمانہ میں ابن عمرؓ جیسے ہوتے تو ان کو آثار نبویؐ کی شدت سے اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم یہی کہتے کہ یہ دیوانہ ہے۔<sup>۱</sup>

آپ کی ذات دوسروں کے لیے نمونہ تھی لوگ دعا کرتے تھے کہ "خدا یا ہماری زندگی میں ابن عمر (جیسے) کو زندہ رکھ کہ ان کی اقتداء فیض یاب ہوتے رہیں ان سے زیادہ عہد رسالت کا کوئی واقف کار نہیں۔<sup>۲</sup>

اکابر علماء مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے سعید بن جبیرؓ جو خود بھی تابعی تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے لعان کے متعلق مجھ سے سوال کیا مجھ کو معلوم نہ تھا میں نے ابن عمرؓ سے جا کر دریافت کیا۔ ابن شہاب زہری جن سے بڑا کوئی محدث تابعین میں نہیں گذرا کہا کرتے تھے کہ ابن عمرؓ وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد ساٹھ برس تک افادہ خلق میں مصروف رہے ان سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات چھپی نہ تھی۔<sup>۳</sup> چونکہ آپ ایک عالم کے مقتدا تھے آپ کا ہر قول و فعل دوسروں کے لیے نمونہ بن جاتا تھا اس لیے اپنے ان امور و اعمال کی جن کو سنت سے تعلق نہ ہوتا بلکہ طبعاً یا بدرجہ مجبوری سرزد ہوتے تصریح فرمادیتے تھے آپ مردہ میں بال بنوارہے تھے لوگ گرد و پیش جمع ہو کر دیکھنے لگے فرمایا یہ سنت نہیں ہے بلکہ بال تکلیف دے رہے تھے اس لیے بنوادیئے۔<sup>۴</sup>

ایک شخص آپ کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا چوتھی رکعت میں پالتی مار کر بیٹھا اور دونوں پاؤں موڑ لیے آپ نے اس کو مذموم بتایا اس نے کہا آپ ایسے بیٹھے ہیں فرمایا مجبوری سے کرتا ہوں۔ آپ کا بدن بھاری تھا اس لیے مسنون طریقہ سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

۱. مستدرک جلد ۳ ص ۵۶۱ و ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ ج ۱ ابن سعد جزء ۲، قسم اول ص ۱۰۶

۲. مسلم کتاب اللعان جلد اول ص ۵۹۲ ج ۱ تذکرہ الحفاظہ تذکرہ ابن عمرؓ

۳. ابن سعد جزء ۳، قسم اول ص ۳۳ ج ۱ موطا امام مالک العمل فی الجلس فی الصلوٰۃ ص ۳۰

## احتیاط فی الحدیث :

لیکن اس فضل و کمال، اس وسعت علم اور اس وقت نظر کے باوجود حدیث بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے، محمد بن علی راوی ہیں کہ صحابہ کی جماعت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں کوئی محتاط نہ تھا، وہ حدیث میں کمی و بیشی سے بہت ڈرتے تھے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں کمی و زیادتی سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے، سعید اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حدیث نبوی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ محتاط میری نظر سے کوئی نہیں گزرا، اس لیے آپ عام طور پر حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ مدینہ کے راستہ میں میرا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ساتھ ہوا، اس درمیان میں انہوں نے صرف ایک حدیث بیان کی، امام شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث نہیں بیان فرمائی، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ روایت حدیث کو برا سمجھتے تھے یا کم بیان کرتے تھے بلکہ بلا ضرورت نہیں بیان کرتے تھے۔

وہ احادیث کو آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں روایت کرنا ضروری سمجھتے اور اس میں تغیر پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ حدیث سنا رہے تھے کہ "قال رسول اللہ ﷺ مثل المنافق كشاة من بين ربيصتين اذا اتت هاء لاء نطحتها" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فوراً ٹوک دیا کہ یہ حدیث اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے "مثل المنافق بين غنمين" عبید بن عمیر رضی اللہ عنہما عمر میں آپ سے بڑھے تھے، اس لیے ان کو غیرت آگئی، بہت برہم ہوئے، ان کے اس بے جا غصہ کا یہ جواب دیا کہ اگر میں نے آنحضرت ﷺ سے اس طریقہ سے نہ سنا ہوتا تو تردید نہ کرتا۔ ۵

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۳ ج ۲ متدرک جلد ۳ ص ۵۶۰

۲ اصابہ جلد ۳ ص ۱۰۹ ج ۲ بخاری باب الفہم فی العلم جلد اول ص ۱۶

۳ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۲

اس احتیاط کی بنا پر اکابر علماء آپ کی مرویات کو اتنی قابل اعتماد سمجھتے تھے کہ پھر کسی مزید توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی، امام شعبی فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ کی روایت بہت درست ہوتی تھی۔ ابن شہاب زہریؒ بھی ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسری رائے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، موطا امام مالک جس کو امت نے کتاب اللہ کے بعد صداقت اور وثوق میں دوسرا درجہ دیا ہے زیادہ تر ان ہی کی روایات پر مشتمل ہے، خصوصاً وہ روایات جو حضرت ابن عمرؓ سے ان کے خادم و شاگرد نافع نے بیان کی ہیں اور ان سے امام مالک نے سنا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ آئیں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں تقریباً پندرہ برس رہے، پھر شینین بنی سہم کا پورا زمانہ دیکھا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں گویا تیس برس رہے، پھر حضرت نافع ابن عمرؓ کی صحت میں تیس برس رہے پھر امام مالک حضرت نافعؓ کے حلقہ درس میں دس بارہ برس بیٹھے، اس طرح مالک عن نافع عن ابن عمرؓ کا سلسلہ محدثین کے نزدیک سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ

ایں سلسلہ از طلائے تاب است      ایں خانہ تمام آفتاب است

ذات نبوی کے علاوہ آپ کے شیوخ میں حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، بلالؓ، صہیبؓ، رافع بن خدیجؓ، عائشہؓ اور حفصہؓ بزرگوار جیسے اکابر امت میں۔

تلاذہ:

آپ کے علم کی کثرت اور فیضان نے آپ کے تلاذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، صحابہ اہل بیتؓ میں بلالؓ، حمزہؓ، زید بن مسعودؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمرؓ، ابو بکرؓ، محمدؓ، عبداللہ بن عباسؓ، نافعؓ، اسلمؓ، جعیبوں میں انسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابو بکرؓ، زید بن خالدؓ، عمروؓ، ابن زبیرؓ، موسیٰ بن طلحہؓ، ابوسلمہ بن عبدالرحمنؓ، مرثد بن عبدالرحمنؓ، سعید ابن مسیبؓ، عون بن عبداللہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ، مصعب بن سعدؓ، ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعریؓ، انس بن سیرینؓ

بسر بن سعید، بکر بن عبداللہ المرزوقی، ثابت البنانی، جلد بن حکیم، حرملہ، حکم بن عینا، حکم بن ابی جرحہ، حمید بن عبدالرحمن حمیری، ابوصالح الصمان، ذاذان ابو عمر، زبیر بن عربی، زیاد بن نبیر، ابو عقیل زہرہ بن معبد، سالم بن ابی لجد، زید بن جبیر، حشمی، سعد بن عبیدہ، سعید ابن حارث، سعید بن عمرو، صفوان بن محرز، طاؤس، عطاء، عکرمہ، مجاہد، سعید ابن کیسان، عبید بن جریح، عبداللہ بن مقسم، عکرمہ بن خالد مخزومی، علی بن عبداللہ البارقی، علی بن عبدالرحمن وغیرہم۔<sup>۱</sup>

فقہ:

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے کہ اس پر تشریح اسلامی کا دار و مدار ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فقہ فی الدین میں درجہ کمال حاصل تھا، آپ کی ساری عمر علم و افتاء میں کئی مدینہ کے ان مشہور صاحب فتاویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جن کا فتاویٰ کی تعداد زیادہ ہے، ایک ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، فقہ مالکی جو ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کی فقہ ہے، اس کا تمام تر دار و مدار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ پر ہے۔ اس بنا پر امام مالک فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ائمہ دین میں تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ کبار کی رائے ہے کہ تنہا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال اسلامی مسائل کے استقصاء کے لیے کافی ہے۔

احتیاط فی الفتاویٰ:

مگر اس فقہ کے باوجود حدیث کی طرح فتاویٰ میں بھی بہت محتاط تھے، جب تک کسی مسئلہ کے متعلق پورا یقین نہ ہوتا، فتویٰ نہ دیتے، حافظ ابن عبدالبر نے احتیاط میں لکھا ہے کہ وہ اپنے فتوؤں میں اور اعمال میں نہایت سخت محتاط تھے اور خوب سوچ سمجھ کر کہنے والے اور کرنے والے تھے۔<sup>۲</sup>

اگر کوئی مسئلہ نہ معلوم ہوتا تو اپنی کسر شان کا لحاظ کیے بغیر نہایت - غنائی کے ساتھ

۱۔ تہذیب العہد، تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ج ۱، اعلام الموقعین ابن قیم جلد اول ص ۱۳

۲۔ مقدمہ موسیٰ شرح موطا شاہ ولی اللہ صاحب ج ۱، تہذیب العہد، جلد ۵ ص ۲۲۱

۳۔ اعلام الموقعین ابن قیم جلد اول ص ۱۳، احتیاط جلد اول ص ۳۸۰



اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے، ایک مرتبہ کسی نے مسئلہ پوچھا، آپ کو علم نہ تھا، فرمایا ”مجھے نہیں معلوم“ اس کو ان کی صاف بیانی پر تعجب ہوا، کہنے لگا ”ابن عمرؓ بھی خوب آدمی ہیں جو چیز معلوم نہ تھی اس سے صاف لاعلمی ظاہر کر دی۔ عقبہ بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، فرمایا مجھ کو نہیں معلوم، تم میری پیٹھ کو جنم کا پل بنانا چاہتے ہو کہ تم یہ کہہ سکو کہ ابن عمرؓ نے مجھ کو ایسا فتویٰ دیا تھا۔ ابن عباسؓ کو آپ کا یہ طرز عمل تعجب انگیز معلوم ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھ کو ابن عمر (رضی اللہ عنہما) پر تعجب آتا ہے کہ جس چیز میں ان کو ذرا بھی شک ہوتا ہے خاموش رہتے ہیں اور مستفتی کو لوٹا دیتے ہیں۔ اگر کبھی فتویٰ دینے کے بعد غلطی معلوم ہوتی تو بلا پس و پیش پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیتے اور مستفتی کو صحیح فتویٰ سے آگاہ کر دیتے، ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی ہریرہ نے آبی مردار کے متعلق استفتاء کیا کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، آپ نے ناجائز بتایا، بعد میں قرآن منگا کر دیکھا تو یہ حکم ملا ”احل لکم صید البحر و طعمامہ“ چنانچہ انہوں نے عبدالرحمن کے پاس کہلا بھیجا کہ اس کے کھانے میں کوئی ہرج نہیں ہے، دوسرے عام مفتیوں کو بھی اپنے رائے و قیاس سے فتویٰ دینے سے منع فرماتے تھے، حضرت جابرؓ بصرہ کے مفتی تھے، ابن عمرؓ ان سے ملے تو پہلی ہدایت یہی فرمائی کہ ”تم بصرہ کے مفتی ہو، لوگ تم سے استفتا کرتے ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بغیر فتویٰ نہ دیا کرو“۔ آپ کے نزدیک کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی تیری قسم تھی ہی نہیں۔

قیاس و اجتہاد:

تاہم اس احتیاط کے باوجود بعض مسائل میں قیاس و اجتہاد ناگزیر ہے کیونکہ کتاب و سنت میں تمام مسائل کا استقصا نہیں ہے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو

۱ ابن سعد قسم ۳ ص ۱۲۵ ج ۱ اصابہ جلد ۳ ص ۱۰۹

۲ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۳ ج ۲ موطا امام مالک باب ماجاء فی صید البحر ص ۱۸۳

۳ اعلام الموقعین جلد اول ص ۶۷ ج ۱ ایضاً

جائے گا، ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ ﷺ یعنی رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں اور عملی مثالوں کی طرف رجوع کرتے تھے، جب مقصد حاصل ہوتا تو اجتہاد کرتے۔ لیکن مستفتی سے کہہ دیتے کہ یہ میرا قیاس ہے، طاؤس کا بیان ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا، جس کے بارہ میں کتاب اور سنت میں کوئی حکم نہ ہوتا، تو پوچھنے والوں سے کہتے کہ ”اگر کہو تو اپنے قیاس سے بتا دوں“۔

لیکن قیاس و اجتہاد میں بھی آپ کو ایسا خدا دالہ ملکہ حاصل تھا اور آپ کی رائے بھی اتنی صائب اور فیصلہ کن سمجھی جاتی کہ بڑے بڑے ائمہ اس کے بعد پھر کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے، امام ابن شہاب زہری نے اپنے شاگرد امام مالک کو ہدایت کی تھی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو ترجیح نہ دینا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے، اس لیے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوئی بات ان سے چھپی نہ تھی۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ابن عمر بڑے صائب الرائے تھے۔ بڑے بڑے مشائخ کہا کرتے تھے کہ ”جس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو اختیار کیا اس نے پھر تلاش و تفرص کے لیے کچھ نہیں چھوڑا“۔

بعض فتاویٰ:

ایک شخص نے حاملہ عورت کے روزہ کی نسبت پوچھا کہ اگر حاملہ کو روزہ سخت معلوم ہو یا اس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو وہ روزہ رکھے یا افطار کر لے فرمایا، افطار کر لے اور روزہ کے عوض روزانہ ایک مد گیہوں مسکین کو دے دیا کریں۔ قرآن پاک کی آیت ﴿وَالَّذِينَ يُطِيفُونَ فِدْيَةَ طَعَامِ مَسْكِينٍ﴾ کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کی دو جمعائیں ہیں، ایک اس حکم کو منسوخ سمجھتی ہے ہے اور دوسرے اس کو حاملہ دودھ پلانی والی اور کبیر

۱ تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول ص ۳۳ ۲ اعلام الموقعین جلد اول ص ۶۷

۳ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۳ ۴ مستدرک جلد ۳ ص ۵۶۰ ۵ تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳

۶ موطا امام مالک ص ۹۶ فدیۃ من افطرنی رمضان

اسن بوزحوں کے لیے مخصوص کرتی ہے، حضرت ابن عمرؓ کا یہ فتویٰ دوسرے فریق کی تائید کرتا ہے۔

عورتوں کے استعمالی زیوروں کی زکوٰۃ کے بارہ میں صحابہؓ اور مجتہدین کا اختلاف ہے، ایک گروہ اس کی بھی زکوٰۃ واجب ٹھہراتا ہے، جو حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرا گروہ زیور میں زکوٰۃ کے وجوب کا قائل نہیں، حضرت ابن عمرؓ کا عمل دوسرے گروہ کا مؤید ہے چنانچہ اپنی لڑکیوں کو سونے کے زیورات پہناتے تھے اور ان کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔  
اس سے حضرت ابن عمرؓ کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ استعمالی زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے کہ وہ ایک طرح سے عملاً عورت کے ضروریات میں سے ہیں ہاں البتہ اگر کوئی زیور کو سرمایہ کے طور پر یا تجارت کی غرض سے رکھے تو بے شبہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، صحابہؓ میں حضرت عائشہؓ کا بھی یہی مسلک ہے اور مجتہدین میں امام شافعی وغیرہ اس طرف گئے ہیں۔

سکھائے ہوئے کتے کے شکار کی حلت کا مسئلہ تو خود قرآن پاک میں مذکور ہے، مگر اس کی بعض تفصیلات میں لوگوں کا اختلاف ہے، حضرت ابن عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ اگر کتے نے شکار کا کوئی حصہ خود نہیں کھایا ہے وہ خواہ وہ شکار مردہ ملے یا زندہ دونوں صورتوں میں کھایا جاسکتا ہے۔

اگرچہ غلام کے افعال عموماً آقا کی مرضی کے تابع ہیں، تاہم اس کے کچھ فطری حقوق ایسے ہیں جن میں اس کو مکمل اختیار ہے اور آقا کی مرضی اور منشا کو کوئی دخل نہیں، ابن عمرؓ غلام کے ان حقوق کے بڑے محافظ تھے، فرماتے تھے کہ اگر غلام کو آقا نے شادی کی اجازت دے دی تو پھر طلاق دینے نہ دینے کا کام اختیار اسی غلام کو ہوگا، آقا کو اس میں کوئی دخل نہ ہوگا، یعنی اگر آقا طلاق دلاتا ہے تو غلام طلاق دینے پر مجبور نہیں ہے۔

۱۔ موطا امام مالک ص ۱۰۶ املار کے ذبیحہ من العسی والنسر والعبر

۲۔ موطا امام مالک، جاری فی سید الصحابہ ص ۱۸۳ ح ایضاً ما جاء فی طلاق العبد ص ۲۰۵

اسی طرح آپ عورتوں کے حقوق کے بھی بڑے محافظ تھے کہ ان کے شوہران کو باز پچہ اطفال نہ بنالیں کہ جب تک چاہا کھیلا اور جب چاہا بگاڑ دیا، ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ ابو عبدالرحمنؓ میں نے اپنی بیوی کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا، یعنی طلاق اس کی مرضی پر محول کر دی تھی اس نے طلاق لے لی، آپ کا کیا فتویٰ ہے، فرمایا عورت نے جو کچھ کیا صحیح کیا (یعنی طلاق پڑ گئی) اس نے کہا ایسا نہ کیجئے فرمایا میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے خود کیا۔

رہا (سود) کے معاملہ میں بہت سخت تھے، اگر رہا کا خفیہ شاہیہ بھی نکلتا، تو اس کو ناجائز سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ایک سنا رہنے پوچھا کہ میں سونے کی چیزیں بنا کر اس سے زیادہ وزن کے سونے کے ساتھ بیچتا ہوں، اور یہ زیادتی میری محنت کا صلہ ہوتی ہے، آپ نے منع کیا، سنا رہا بار بار پوچھتا تھا اور آپ منع کرتے تھے، آخر میں فرمایا کہ دینار سے دینار اور درہم سے درہم کے تبادلہ میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہونا چاہیے، اس کا مجھ سے عہد لیا گیا ہے اور میں تم سے عہد لیتا ہوں۔

اس تشدد کی بنا پر آپ قرض کے معاملہ میں کسی جانب سے بھی رعایت پسند نہ کرتے تھے چنانچہ یہ صورت بھی آپ کے نزدیک ناپسندیدہ تھی کہ ایک شخص مدت معینہ کے لیے قرض لے پھر قرض خواہ مدت معینہ سے پہلے روپیہ لینا چاہے، اور اس کے عوض میں رقم کا کچھ حصہ چھوڑ دے۔ گوربا کا فائدہ قرض خواہ کو ملتا ہے، اس لیے عام معنی میں یہ شکل ربا کے تحت میں نہیں آتی، لیکن چونکہ قرض کے سلسلہ میں رعایت ہے اور اس سے ایک فریق کو فائدہ پہنچتا ہے، اس لیے اس میں ان کو ربا کا شاہیہ نظر آیا۔

ابن عمرؓ کے فضل و کمال کی جستجو میں جہاں تک ہم اندازہ کر سکتے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مرچہ علوم شاعری، نسابی اور

۱ ایضاً ماجا، فی الخلیفۃ البریہ و اشباہ ذالک ص ۲۰۰

۲ ایضاً بیع الذہب والورق ص ۲۶۰ شرح مواعظ ص ۱۴۱ مطبوعہ معر

خطابت کو آپ کی بارگاہِ علم میں بار نہ تھا اس کا ایک کھلا ہوا سبب یہ ہے کہ آپ زہد و اتقا کے سبب سے مذہبی علوم کے علاوہ دوسرے علوم میں وقت صرف کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ اس لیے جو وقت بھی ملتا تھا وہ اس علمی جہاد میں صرف ہوتا تھا دوسرا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے جاہلانہ جذبات سے آپ کا دامن اخلاق ہمیشہ پاک رہا، حسن و عشق حسب و نسب، غلط تبورو شجاعت آپ کے نزدیک بے معنی الفاظ تھے اس لیے آپ شاعر اور نساب نہ بن سکے کہ یہی چیزیں عرب کی شاعری کے عناصر اور اس کی مایہ نغیر ہیں۔

سیاست کے خارزار سے ہمیشہ دامن کشان رہے اس لیے تنق زبانی کے جوہر نہ کھلے چنانچہ انہوں نے خطیب کی حیثیت سے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی تاہم آپ کے مختصر کلمات اور حکیمانہ اقوال پر زور خطبوں سے زیادہ و قیغ زیادہ پر اثر اور زیادہ مفید تھے۔ اہل علم کے بارے میں فرماتے تھے کہ "آدمی اس وقت اہل علم کے زمرہ میں شمار ہونے کے قابل ہوگا جب وہ اپنے سے بلند آدمی پر حسد نہ کرے گا اور اپنے سے کمتر کو حقیر نہ سمجھے گا اور اپنے ہم کی قیمت نہ لے گا"۔ ایمان کے متعلق فرماتے تھے کہ بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ مذہب کے اس بلند مقام پر نہ پہنچ جائے جہاں سے عوام اس کے مذہب میں اس کو احمق نظر آئیں" یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "کوئی بندہ خواہ وہ خدا کے نزدیک برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو مگر جب دنیا کا کچھ حصہ اس کو مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے"۔ انہی کے بارے میں ارشاد تھا کہ نیکی بہت آسان شے ہے خندہ چینی اور شیریں کلامی۔  
فضائل اخلاق:

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسلام کے سایہ میں نشوونما پائی، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت اور آنحضرت ﷺ کی صحبت بابرکت نے اس پر اور جلا دے دی تھی اس لیے وہ خلقِ نبوی (ﷺ) کا مکمل نمونہ بن گئے تھے اگرچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خلقِ نبوی کا پرتو پڑا

تھا، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ایسا گہرا اثر تھا کہ ان کی ہر ادا سے شان نبوی (ﷺ) آشکارہ تھی اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ کام اسی طرح کرتے تھے جس سے آنحضرت ﷺ کو کرتے دیکھتے تھے اس کی مثالیں حدیث کی کتابوں میں بکثرت مذکور ہیں۔

### خشیتِ الہی:

خشیتِ الہی تمام اعمالِ صالحہ کی بنیاد ہے، خشیت یہ ہے کہ خدا کے ذکر سے انسان کے قلب میں گداز پیدا ہو، قرآن پاک میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں ہے اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم کہ جب خدا یاد آتا ہے تو ان کے دل بل جاتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما میں یہ کیفیت بڑی نمایاں تھی چنانچہ وہ قرآن پاک کی یہ آیت

﴿الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبہم لذكر اللہ﴾ (آیہ)

”کیا مسلمانوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد سے ان کے دل میں

خشوع پیدا ہو“۔

پڑھتے تھے تو ان پر بے انتہا رقت طاری ہوتی۔<sup>۱</sup> ایک مرتبہ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے فَکَیْفَ اِذَا جُنُنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَہِیدِ سَلَاوَتِ کِی تو آپ اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان آنسوؤں سے تر ہو گئے اور پاس بیٹھنے والے پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ بہ مشکل برداشت کر سکے۔<sup>۲</sup> فتنہ کے زمانہ میں جب ہر حوصلہ مند اپنی خلافت کا خواب دیکھتا تھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے فضل و کمال، زہد و اتقا، لوگوں میں اپنی عام و اعزیزی اور مقبولیت بلکہ اکثریوں کی خواہش کے باوجود خدا کے خوف سے محتر ز رہے، نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا کانوں سے سنا، ایک دن ابن عمر رضی اللہ عنہما خانہ کعبہ میں سر بسجود ہو کر کبہ رہے تھے کہ خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے حصولِ دنیا میں قریش کی مزاحمت صرف تیرے خوف سے نہیں کی۔<sup>۳</sup>

۱۔ اصابہ جلد ۳ ص ۱۰۹ مطبع شرنیہ مصر

۲۔ ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۱۶۹

۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۹

آپ بڑے عبادت گزار و شب زندہ دار تھے، اوقات کا بیشتر حصہ عبادت الہی میں صرف ہوتا، نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، صبح کے قریب مجھ سے پوچھتے کہ سپیدہ صبح نمودار ہوا؟ اگر میں ہاں کہتا تو پھر طلوع سحر تک استغفار میں مشغول ہو جاتے اور اگر نہیں کہتا تو بدستور نماز میں مشغول رہتے۔ روزانہ کا معمول تھا کہ مسجد نبویؐ سے دن چڑھے نکلنے بازار کی ضروریات پوری کرتے۔ پھر نماز پڑھ کر گھر جاتے، محمد بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رات بھر میں چار پانچ مرتبہ اٹھ اٹھ کر نمازیں پڑھتے تھے، ابن سیرین کا بیان ہے کہ رات کو جتنی مرتبہ آنکھ کھلتی تھی اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ تلاوت قرآن سے بڑا شغف تھا، ایک رات میں پورا قرآن ختم کر لیتے، حج کسی سال ناغہ نہیں ہوا حتیٰ کہ فتنہ کے زمانہ میں بھی جب مکہ بالکل غیر مامون حالت میں تھا، انہوں نے حج نہ چھوڑا، چنانچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کی جنگ کے زمانہ میں جب انہوں نے حج کا قصد کیا تو لوگوں نے روکا کہ یہ حج کا موقع نہیں، فرمایا اگر کسی نے روک دیا تو اسی طرح رک جاؤں گا، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے روکا تھا (صلح حدیبیہ کے زمانہ میں) تو آپ رک گئے تھے اور اگر نہ روکا تو سعی و طواف پورا کروں گا، چنانچہ صرف اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کی نیت کی تھی، انہوں نے اس موقع پر عمرہ کی نیت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ سے مشابہت ہو جائے۔ وہ یوں بھی تمام مسائل کے بڑے واقف کار تھے اور بکثرت حج کیے تھے، اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں مناسک حج کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ معمولی سے معمولی عبادت بھی نہ چھوٹی تھی، چنانچہ ہر نماز کے لیے

۱۔ اصابہ جلد ۳ ص ۱۰۹ ح ابن سعد، کہہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ح اصابہ جلد ۳ ص ۱۰۹

۲۔ صحیح بخاری کتاب المناسک باب اذا حضر المحرم ح ابن خلیکان جلد اول ص ۳۳۱

تازہ وضو کرتے تھے۔ مسجد جاتے وقت نہایت آہستہ آہستہ چلتے کہ جتنے قدم زیادہ پڑیں گے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔

پابندی وقت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی حیات نبوی (ﷺ) کا عکس اور پرتو تھی، لوگ کہا کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پابندی سنت کا واہبانہ جنون تھا۔ صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے اتفاقی اور بشری عادات کی بھی وہ پوری پیروی کرتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ حج کے لیے سفر میں نکلتے تھے تو آنحضرت ﷺ اس سفر میں جن مقامات پر اترتے تھے وہاں وہ بھی منزل کرتے تھے، جن مقامات پر حضور ﷺ نے نمازیں پڑھی تھیں وہاں یہ بھی پڑھتے تھے۔ حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے جن راستوں سے آنحضرت ﷺ گزرا کرتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ جس مقام پر حضور نے کبھی طہارت کی تھی اس پر پہنچ کر وہ بھی طہارت کر لیا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ مسجد قبا میں سوار اور پیادہ دونوں طریقوں سے تشریف لے گئے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہ عمل تھا، آنحضرت ﷺ ذوالحلیفہ میں اتر کر نماز پڑھتے، ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی کرتے تھے۔

عام دعوت خصوصاً ولیمہ قبول کرنا مسنون ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روزہ کی حالت میں بھی دعوت ولیمہ رد نہ کرتے تھے، اگرچہ اس حالت میں کھانے میں شریک نہ ہو سکتے تھے، مگر داعی کے یہاں حاضری ضرور دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہونے کے قبل بطحا میں تھوڑا سولیتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہمیشہ اس پر عامل رہے۔ عبادات کے علاوہ وضع قطع اور لباس وغیرہ میں بھی اسوۂ نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھتے تھے

۱ ابوداؤد جلد اول ۲ ابن سعد قسم اول جزء ۴ ص ۱۱۳

۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۶۱ ۳ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۷

۴ اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۹ ۵ صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰۶ مسلم جلد اول باب التعریس بذی الحلیفہ

۶ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۷۸ باب اجابۃ الداعی فی العرس وغیرہا ۷ ابوداؤد جلد اول ص ۲۰۰



چنانچہ ارکان میں صرف رکن یمانی کو چھوڑتے تھے، ترویہ کے دن احرام کھولتے تھے، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے، چپل پہنتے تھے، لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، فرمایا آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے، یا غرض آنحضرت ﷺ کے وہ تمام حرکات و سکنات جو آپ نے برسبل سنت کیے یا طبعاً صادر ہوئے، ابن عمر رضی اللہ عنہما ان سب کی اقتداء کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

### زہد و ورع:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی زہد و تقویٰ کا نمونہ تھی، لوگوں کا اس پر اتفاق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں ان کے جیسے بہت سے لوگ تھے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ عام طور پر لوگوں میں آخر عمر میں جب قوی کا انحطاط ہوتا ہے، تو زہد و تقویٰ کا میلان ہوتا ہے، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی پیشانی پر عنفوان شباب ہی میں زہد و ورع کا نور چمکتا تھا اور جوانان قریش میں آپ کی ذات دنیا کی ہوا و ہوس اور نفس کی خواہشوں میں سب سے زیادہ قابو رکھنے والی ذات تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم میں سوائے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کوئی ایسا نہ تھا جس کو دنیاوی دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، البتہ ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہیں ہوا۔ اس سے بڑھ کر ان کے زہد و تقویٰ کی کیا سند ہو سکتی تھی، کہ خود زبان رسالت نے ان کو ”رجل صالح“ کی سند عطا کی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نو عمری کے زمانہ میں اکثر مسجد میں سویا کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے دوزخ کے فرشتوں کو خواب میں دیکھا، جا کر اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عبد اللہ ”جوان صالح“ ہے، اس کے بعد وہ اکثر نمازوں میں

۱ بخاری جلد ۱ ص ۲۸، باب غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین.

۲ اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۰۹ اسی مفہوم کی حدیث متدرک جلد ۳ صفحہ ۵۵۹ میں بھی ہے۔

۳ تہذیب الجندی جلد ۵ ص ۳۳۰ ج تہذیب الجندی جلد ۵ ص ۳۳۰

مشغول رہے۔ اور آخر عمر تک یہی زندگی قائم رہی، ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ جو آنحضرت ﷺ کے ایسے اصحاب کو دیکھنا چاہتا ہو، جن میں آپ کے بعد بھی کوئی تغیر نہیں ہوا، تو وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھے، ان کے علاوہ ہم سے ہر شخص کو حادثہ زمانہ نے کچھ نہ کچھ بدل دیا ہے۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما زہد و تقویٰ اور اصابت رائے میں ہم سب پر فائق تھے۔ ان کی پوری زندگی بزرگوں کے بیانات کی لفظ بہ لفظ تصدیق کرتی ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی تقویٰ اور پابندی سنت کا خیال رکھتے تھے، ایک مرتبہ پانی مانگا، کسی نے شیشہ کے گلاس میں لاکر پیش کیا، انہوں نے انکار کر دیا، جب دوبارہ وہ لکڑی کے پیالہ میں لایا تو پانی پی لیا، پانی پی کر وضو کے لیے برتن مانگا، انہوں نے طشت و آفتابہ پیش کیا، آپ نے انکار کر دیا، اور لوٹے سے وضو کیا۔

مال و دولت کی آپ کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں تھی اور بڑی سے بڑی دولت کو ٹھکرا دیتے تھے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عندیہ کے لیے بھیجا، انہوں نے آ کر کہا کہ آپ صحابی اور امیر المؤمنین کے لڑکے ہیں، لوگ بھی آپ کی بیعت پر آمادہ ہیں، پھر کیوں نہ ہم لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لیں، انہوں نے پوچھا کیا سب آمادہ ہیں! کہاں وہاں محدودے چند اشخاص کے بوا سب تیار ہیں، کہا اگر تمہیں آدمی بھی میرے مخالف ہیں تو مجھے خلافت کی ضرورت نہیں ہے، جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ وہ کشت و خون کو ناپسند کرتے ہیں تو دبے لفظوں میں کہا ”پھر آپ ایسے شخص کے ہاتھ پر کیوں نہ بیعت کر لیں جس پر سب متفق ہو جائیں گے، اس کے عوض آپ کو اس قدر زمین اور نقد و مال دیا جائے گا کہ آپ کی پشتپا پشت کے لیے کافی ہوگا، یہ سن کر آپ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا تمہاری یہ مجال، ابھی میرے یہاں سے نکل جاؤ اور پھر کبھی صورت نہ دکھانا، میرا دین

۱ بخاری کتاب الروایا جلد ۲ ص ۱۰۳۰ ۲ متدرک جلد ۳ ص ۵۹۰

۳ ایضاً ۴ ابن سعد جزء ۲، قسم اول ص ۱۱۳

تمہارے درہم و دینار کے عوض فروخت نہیں ہو سکتا' مجھ کو امید ہے کہ جب دنیا سے جاؤں گا تو میرے ہاتھ ان آلائشوں سے پاک ہوں گے۔

انہ و اتوری کی اصل آزمائش کا دو وقت ہوتا ہے جب دنیا اپنے تمام ساز و سامان اور دلفریبوں کے ساتھ دعوت دہتی ہے مگر انسان اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بارہا ایسے موقعے ملے کہ اگر آپ چاہتے تو دنیاوی جاہ و جلال اور شان و شوکت کے بند سے بلند مرتبہ پر فائز ہو سکتے تھے مگر انہوں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے خلافت قبول کرنے کی خواہش کی اور اس پر سخت اصرار کیا مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور ان فتنوں میں پڑنا گوارا نہ کیا۔ اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ قابل ذکر ہے جس سے ان کی اصلی نظر کا پتہ چلتا ہے سنیاں ثوری رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مصعب بن زبیر، عبدالملک بن مروان اور ابن عمر رضی اللہ عنہم چاروں آدمی خانہ کعبہ میں جمع تھے سب کی رائے ہوئی کہ ہر شخص رکن یمانی پکڑ کر اپنی اپنی دلی تمناؤں کے لیے دعا مانگے پہلے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اٹھے اور دعا مانگی کہ "خدا یا تو بڑا ہے اور تجھ سے بڑی ہی چیزیں مانگی جاتی ہیں اس لیے میں تجھ کو تیرے عرش تیرے حرم تیرے نبی اور تیری ذات کی حرمت کا واسطہ دلا کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت زندہ رکھ جب تک کہ حجاز پر میری حکومت اور عام خلافت نہ تسلیم کر لی جائے"۔ اس کے بعد مصعب بن زبیر اٹھے اور رکن یمانی پکڑ کر دعا مانگی کہ "تو تمام چیزوں کا رب ہے آخر میں سب کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے میں تیری اس قدرت کا واسطہ دے کر جس کے قبضہ میں تمام عالم ہے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک کہ میں عراق کا والی نہ ہو جاؤں اور سیکھنے میرے نکاح میں نہ آجائے"۔ اس کے بعد عبدالملک نے کھڑے ہو کر دعا کی کہ "اے زمین و آسمان کے خدا! میں تجھ سے ایسی چیزیں مانگتا ہوں جس کو تیرے

اطاعت گزار بندوں نے تیرے حکم سے مانگا ہے، میں تجھ سے تیری ذات کی حرمت، تیری مخلوقات و بیت الحرام کے رہنے والوں کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھا، جب تک کہ مشرق و مغرب پر میری حکومت نہ ہو جائے اور اس میں جو شخص رخصت اندازی کرے اس کا سر قلم نہ کر دوں، جب یہ لوگ دعا مانگ چکے تو وہ بادۂ حق کا سرشار اٹھا، جس کے نزدیک دنیاوی طمطراق کی حقیقت سراب سے زیادہ نہ تھی اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ”تو رحمن و رحیم ہے، میں تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے کہ تو مجھے آخرت میں رسوا نہ کر، اور اس عالم میں مجھے جنت عطا فرما“۔<sup>۱</sup>

براء روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی لاعلمی میں ان کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا وہ چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ لوگ کندھوں پر تلواریں رکھتے، آپس میں کٹلتے مرتے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہاتھ لاؤ بیعت کریں۔<sup>۲</sup> عموماً پیٹ بھر کھانا نہ کھاتے تھے، ایک شخص چورن لایا، آپ نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا اگر کھانا ہضم نہ ہو تو اس سے ہضم ہو جاتا ہے، فرمایا ”اس کی مجھ کو کیا ضرورت ہے میں نے تو مہینوں سے شکم سیر ہو کر کھانا ہی نہیں کھایا۔“<sup>۳</sup>

**مشتبہات سے اجتناب:**

شدت ورع کی بنا پر ہمیشہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز فرماتے تھے، مروان نے اپنے زمانہ میں میل کے نشان کے پتھر نصب کرائے تھے ابن عمر رضی اللہ عنہما ادھر رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے،<sup>۴</sup> کہ اس میں پتھر کی پرستش کا خیالی شائبہ ہے اس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ عہد رسالت اور اس کے بعد خلفائے اربعہ کے وقت تک کھیتوں کا لگان لیا کرتے تھے، لیکن ایک مرتبہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ

۱ ابن خلکان جلد ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ ج ابن سعد جز ۴ ص ۱۱۱ ج ایضاً ص ۱۱۰

۲ ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۹۰ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔

نے کھیتوں کے کرایہ سے منع کیا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سنا تو جا کر ان سے تصدیق چاہی، رافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں منع کیا ہے۔ کہا تم کو معلوم ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں زمین کا لگان لیا جاتا تھا، اگرچہ ان کو اس کا یقین نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا حکم دیا ہوگا، مگر محض اس احتمال کی بنا پر لگان لینا چھوڑ دیا کہ شاید بعد میں آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرما دی ہو اور مجھے علم نہ ہوا ہو۔<sup>۱</sup>

گکڑی اور خر بوزہ صرف اس لیے نہ کھاتے تھے کہ اس میں گندی چیزوں کی کھاد دی جاتی ہے۔<sup>۲</sup>

ایک مرتبہ کسی نے کھجور کا سرکہ ہدیہ بھیجا، پوچھا کیا چیز ہے، معلوم ہوا کھجور کا سرکہ ہے، انہوں نے اس خیال سے پھینکوا دیا کہ سکر نہ پیدا ہو گیا ہو۔<sup>۳</sup>

اگرچہ غنا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، تاہم احتیاط کا اقتضا یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے چنانچہ جب اپنے صاحبزادے کو گنلتا ہوئے سنتے تو تنبیہ فرماتے۔<sup>۴</sup>

اگر کسی چیز میں صدقہ کے شائبہ کا بھی وہم ہوتا تو اس کو استعمال نہ کرتے، ایک دن بازار گئے وہاں ایک دو دھاری بکری بک رہی تھی، اپنے غلام سے کہا لے لو، اس نے اپنے دام سے خرید لیا، آپ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے، اس لیے افطار کے وقت اس بکری کا دودھ پیش کیا گیا، فرمایا کہ یہ دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی خریدی ہوئی ہے اور غلام صدقہ کا ہے اس لیے اس کو لے جاؤ، مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے۔<sup>۵</sup>

ایک مرتبہ کہیں دعوت میں تشریف لے گئے، وہاں پھولدار فریض بچھا ہوا تھا، کھانا چنا گیا تو پہلے ہاتھ بڑھایا، پھر کھینچ لیا اور فرمایا کہ دعوت قبول کرنا حق ہے، مگر میں روزہ سے ہوں، یہ عذر پھولدار فریض کی وجہ سے تھا۔<sup>۶</sup>

۱ بخاری جلد ۱ ص ۳۱۵ باب ما کان اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم بعضاً فی الزراعة والنحر.

۲ ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۱۳۰ ۳ ابن سعد جز ۲ قسم ۱ ص ۱۲۲ ۴ ایضاً ص ۱۱۳

۵ ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۱۸ ۶ ایضاً ص ۱۲۷

ایک مرتبہ احرام کی حالت میں سردی معلوم ہوئی، فرمایا مجھ اُڑھا دو، آنکھ کھلی تو چادر کی نجاف اور پھول بوٹوں پر نظر پڑی جو ابریشم سے کڑھے ہوئے تھے، فرمایا اگر اس میں یہ چیز نہ ہوتی تو استعمال میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔<sup>۱</sup>

صدقات و خیرات:

صدقہ و خیرات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا نمایاں وصف تھا، ایک ایک نشست میں بیس بیس ہزار تقسیم کر دیتے تھے، دو دو تین تین ہزار کی رقمیں تو عموماً خیرات کیا کرتے تھے۔<sup>۲</sup> بسا اوقات یکشت ۳۰ ہزار کی رقم خدا کی راہ میں لٹا دی۔<sup>۳</sup> قرآن پاک میں نیکو کاری کے لیے محبوب چیز خدا کی راہ میں دینے کی شرط ہے، لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کی عملی تفسیر تھے، آپ ہمیشہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو راہ خدا میں دے دیتے تھے، چنانچہ جو غلام آپ کو پسند ہوتا اس کو راہ خدا میں آزاد کر دیتے اور آپ کی نظر میں وہ غلام پسندیدہ ہوتا جو عبادت گزار ہوتا، غلام اس راز کو سمجھ گئے تھے، اس لیے وہ مسجدوں کے ہو رہتے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے ذوق عبادت کو دیکھ کر خوش ہوتے اور آزاد کر دیتے، آپ کے احباب مشورہ دیتے کہ آپ کے غلام آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور صرف آزادی کے لیے یہ دینداری دکھاتے ہیں، آپ فرماتے "مَنْ خَدَعَنَا بِاللَّهِ اَنَحَدَعُنَا" جو شخص ہم کو خدا کے ذریعہ سے دھوکہ دیتا ہے، ہم اس کا دھوکہ کھا جاتے ہیں۔<sup>۴</sup> آپ کو ایک لونڈی بہت محبوب تھی، اس کو راہ خدا میں آزاد کر کے اپنے ایک غلام کے ساتھ بیاہ دیا، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، لڑکے کو آپ چومتے اور فرماتے اس سے کسی کی بو آتی ہے۔<sup>۵</sup> اس طریقہ سے ایک دوسری چاہتی لونڈی کو آزاد کر دیا اور فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔<sup>۶</sup> آپ اس کثرت سے غلام آزاد کرتے تھے کہ آپ کے آزاد کردہ غلاموں

۱ اصابت ذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ج ۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۹

۲ ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۱۱۰ ج ۱ ابن سعد ج ۳ قسم اول ص ۱۲۳

۳ اصابت جلد ۳ ص ۱۰۹ ج ۱ ایضاً ص ۱۰۸

کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے نہایت عمدہ اونٹ خریدے اور سوار ہو کر حج کو چلے اتفاق سے اس کی چال بہت پسند آئی فوراً اتر پڑے اور حکم دیا کہ سامان اتار لو اور اس کو قربانی کے جانوروں میں داخل کر دو۔<sup>۱</sup>

**مسکین نوازی:**

مسکین نوازی آپ کا نمایاں وصف تھا خود بھوکے رہتے، لیکن مسکینوں کی شکم سیری کرتے۔ عموماً بغیر مسکین کے کھانا نہ کھاتے تھے۔

آپ کی اہلیہ آپ کی غیر معمولی فیاضی سے بہت نالاں رہتی تھی اور شکایت کیا کرتی تھیں کہ جو کھانا میں ان کے لیے پکاتی ہوں وہ کسی مسکین کو بلا کر کھلا دیتے ہیں! فقراء اس کو سمجھ گئے تھے اس لیے مسجد کے سامنے آپ کی گزرگاہ پر آ کر بیٹھتے تھے جب آپ مسجد سے نکلتے تو ان کو لیتے آتے تھے بیوی نے عاجز ہو کر ایک مرتبہ کھانا فقراء کے گھروں میں بھجوا دیا اور کہا بھجھا کہ راستہ میں نہ بیٹھا کریں اور اگر وہ بلائیں تو بھی نہ آئیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد سے واپس ہو کر حسب معمول گھر آئے اور غصہ میں حکم دیا کہ فلاں فلاں محتاجوں کو کھانا بھجوا دو! کیا تم چاہی ہو کہ میں رات فاقہ میں بسر کروں چنانچہ بیوی کے اس طرز عمل پر رات کو کھانا نہ کھایا۔<sup>۲</sup>

اگر دسترخوان پر کسی فقیر کی صداکانوں میں پہنچ جاتی تو اپنے حصہ کا کھانا اس کو اٹھا دیتے اور خود روزہ سے دن گزار دیتے، ایک مرتبہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی آپ کی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی ابھی دسترخوان چنایا گیا تھا کہ ایک فقیر نے صدا لگائی فرمایا فقیر کو دے دو بیوی کو عذر ہوا پھر دوبارہ فرمایا کہ نہیں دے دو مجھ کو یہی پسند ہے، لیکن چونکہ بیوی نے آپ کی فرمائش سے پکائی تھی اس لیے اس کو نہ دیا اور کھانے کے عوض نقدی فقیر کو دے کر واپس کیا تب آپ نے تناول فرمایا۔<sup>۳</sup>

۱۔ تہذیب البنہدیب جلد ۵ ص ۳۳۰ ۲۔ بخاری جلد ۲ ص ۳ ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۱۳۲

۳۔ ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۱۳۲

ایک مرتبہ بیمار پڑے کھانے کے لیے انگور کے چند دانے خریدے گئے، ایک سائل آیا، حکم دیا انگور دے دو، لوگوں نے عرض کی آپ اس کو کھا لیجئے اس کو دوسرے دے دیئے جائیں گے فرمایا نہیں یہی دے دو، مجبوراً وہی دینے پڑے اور دے کر پھر اس سے خریدے گئے۔ آپ کا یہ سلوک ان ہی لوگوں کے ساتھ تھا جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے تھے چنانچہ جب دسترخوان پر بیٹھتے اور کوئی خوش پوش اور مرفہ الحال دکھائی پڑتا، تو نہ بلاتے، لیکن آپ کے بھائی اور لڑکے وغیرہ اس کو بیٹھا لیتے اور اگر کوئی خستہ حال اور مسکین نظر آتا تو اس کو فوراً بلاتے اور فرماتے یہ لوگ شکم سیر اشخاص کو بلاتے ہیں اور جو بھوکے اور کھانے کے حاجت مند ہوتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔

### فیاضی اور سیر چشمی:

فقراء و مساکین کے علاوہ آپ کے ہم چشم اور ہم رتبہ اشخاص پر بھی آپ کا ابر کرم برستا تھا، اگر کبھی بھولے سے کوئی چیز کسی کے پاس چلی جاتی تو پھر اس کو واپس نہ لیتے تھے، عطا کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے دو ہزار درہم قرض لیے، جب ادا کیے تو دو سو زیادہ آگئے میں نے واپس کرنا چاہا تو کہا تمہیں لے لو، اسی طریق سے ایک مرتبہ ایک اور رقم کسی سے قرض لی جب واپس کی تو مقروضہ درہم سے زیادہ کھرے درہم ادا کیے، قرض خواہ نے کہا یہ درہم میرے درہموں سے زیادہ کھرے ہیں، فرمایا عمداً ایسا کیا تھا۔ آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بیس ہزار درہم ایک وقت تقسیم کر دیتے تھے، تقسیم ہو جانے کے بعد جو لوگ آتے ان کو ان لوگوں سے قرض لے کر دیتے جن کو پہلے دے چکے تھے، اقامت کی حالت میں بھی اکثر روزہ رکھتے تھے، لیکن اگر کوئی مہمان آجاتا تو افطار کرتے کہ مہمان کی موجودگی میں روزہ رکھنا فیاضی سے بعید ہے۔ جہاں مہمان جاتے تین دن کی مسنون مہمانی کے بعد اپنا سامان خود کرتے، جب مکہ جاتے تو عبد اللہ

۱ ابن سعد جز ۳ جلد اول ص ۱۱۶ ج ایضاً ص ۱۰۹ ج ایضاً ص ۱۳۲ ج ایضاً

۲ ابن سعد جز ۳ ص ۱۰۹ ج ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما



بن خالد کے گھرانے میں اترتے تھے لیکن تین دن کے بعد اپنی جملہ ضروریات بازار سے پوری کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں ایک اعرابی ملا حضرت ابن عمرؓ نے سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دے دیا ابن دینار ساتھ تھے یہ فیاضی دیکھ کر بولے خدا آپ کو صلاحیت دے یہ اعرابی تو معمولی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں یعنی اتنی فیاضی کی ضرورت نہ تھی۔ فرمایا ان کے والد میرے والد کے دوست تھے میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے احباب کے ساتھ صدقہ دہی ہے۔

استغناء

اس فیاضی کے ساتھ وہ نہ مستثنیٰ امران واقع ہوئے تھے ابھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا لوگ خدمت بھی نہ چاہتے تو آپ قبول نہ کرتے مہاجر بن ہارون نے ایک مرتبہ لکھو بھیجا کہ آپ اپنی ضروریات کی اطلاع مجھ کو دیا کیجئے ان کے جواب میں لکھو بھیجا کہ جن کی پرورش تمہارے ذمہ ہے ان کی امداد کرو اور اوپر کا ہاتھ نیچے سے ہاتھ سے بہتر ہے اوپر کے ساتھ سے مراد دینے والا اور نیچے کے ہاتھ سے مراد لینے والا۔

مگر اسی کے ساتھ کسی کا ہر یہ بھی واپس نہیں کرتے تھے چنانچہ مختار اکبرؓ مال و متاع بھیجا کرتا تھا آپ قبول نہ لیتے اور فرماتے کہ میں کسی سے مانگتا نہیں لیکن جو ضلہ ادا ہے اس کو روکنا بھی نہیں آتا۔ آپ کی پھوپھی رومہ نے دو سو دینار بھیجے انہوں نے شکر یہ آپ کے ساتھ قبول کر لیا۔ معاویہؓ نے آپ کے سامنے ایک لاکھ کی رقم اس خیال سے پیش کرنی چاہی کہ آپ بڑی نیکی کی مخالفت پر راضی ہو جائیں آپ نے فرمایا میرا ایمان اتنا

ارزاں نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

محبت نبوی (ﷺ):

آنحضرت ﷺ کی محبت ان کا سرمایہ حیات اور جان حزین کی تسکین کا باعث تھی، آپ کی وفات کے بعد ایسے شکستہ دل ہوئے کہ اس کے بعد نہ کوئی مکان بنایا اور نہ باغ لگایا۔ وفات نبوی کے بعد جب آپ کا ذکر آتا تو بے اختیار رو پڑتے۔ جب سفر سے لوٹتے تو روضہ نبوی ﷺ پر حاضر ہو کر سلام کہتے۔ ذات نبوی ﷺ کے ساتھ اس شیفنگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ آل اطہار بیستہ سے بھی وہی تعلق تھا، ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مجھر کے خون کا کفارہ پوچھا، آپ نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا عراقی، فرمایا لوگو! ذرا اس کو دیکھنا، یہ شخص مجھ سے مجھر کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے، حالانکہ ان لوگوں نے نبی کے جگر گوشہ کو شہید کیا ہے، جن کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ یہ دونوں میرے باغ دنیا کے دو پھول ہیں۔<sup>۲</sup>

یہ محبت آل اطہار بیستہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ جس چیز کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی قسم کی نسبت ہوتی، اس سے آپ کو وہی شغف تھا، آنحضرت ﷺ کبھی ایک درخت کے نیچے اترتے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ اس کو پانی دیتے تھے کہ خشک نہ ہو جائے۔<sup>۳</sup> مدینہ الرسول ﷺ سے اس درجہ محبت تھی کہ تنگی کی حالت میں بھی وہاں سے ٹکنا گوارا نہ تھا، ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے تنگ حالی کی شکایت کی اور مدینہ سے جانے کی اجازت چاہی، کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا، قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا۔<sup>۴</sup>

۱ ابن سعد قسم اول جزو اول ص ۱۳۳۔ ح ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۸۹ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ

۲ ابن سعد مدکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ص ۱۱۱ ایضاً

۳ بخاری جلد ۲ ص ۸۸۶ باب رحمۃ الولد و تہلیلہ و معانفتہ

۴ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۷ بے مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۳

## اختلافِ امت کا لحاظ:

حضرت ابن عمرؓ سے اس کام سے جس میں امت مسلمہ کے اختلاف و افتراق کا ادنیٰ خطرہ بھی نکلتا ہو احتراز فرماتے تھے ان کی حق پرستی مسلم ہے، لیکن امت کے ضرر کے خیال سے بعض مواقع پر خاموش ہو جاتے تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے دعویٰ سے کہا کہ خلافت کا ہم سے زیادہ حقدار کون ہے میرے دل میں خیال آیا کہ جو اب دوں کہ تم سے زیادہ وہ حقدار ہے جس نے تم کو اور تمہارے باپ کو اس پر مارا تھا، مگر فساد کے خیال سے خاموش رہا! اختلافِ امت سے بچنے کا ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں خیال رکھتے تھے، منیٰ میں آنحضرت ﷺ عصر کی نماز میں قصر کرتے تھے آپ کے بعد حضرت ابو بکر و عمرؓ کا بھی یہی طریقہ رہا، حضرت عثمانؓ بھی ابتدا میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے، مگر کچھ دنوں کے بعد پوری چار پڑھنے لگے، حضرت ابن عمرؓ بھی تفریق کے خیال سے امام کے پیچھے چار پڑھتے، لیکن اکیلے ہوتے تو قصر کرتے اور فرماتے کہ "الخلافت مسکرة"۔ اختلافِ ناپسندیدہ ہے فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری خلافت پر دو شخص کے علاوہ پوری امت محمدی متفق ہو جائے تو بھی میں ان سے نہ لڑوں گا، لوگوں کو نصیحت کرتے کہ ہم دوسروں سے اس لیے لڑتے تھے کہ دینِ فساد کا ذریعہ نہ بنے اور خالص خدا کے لیے ہو جائے اور تم لوگ اس سے لڑتے ہو کہ دینِ غیر خدا کا ہو کہ فتنہ و فساد کی بنیاد بن جائے، ایک شخص نے کہا کہ آپ سے زیادہ فتنہ پر داز امت محمدی ﷺ میں کوئی نہیں، فرمایا یہ کیسے خدا کی قسم نہ میں نے ان کا خون بہایا، نہ ان کی جماعت میں اختلاف ڈالا، نہ ان کی مجتمع قوت منتشر کی، اس نے برسبیلِ مبالغہ کہا کہ اگر آپ چاہتے تو دو شخص بھی آپ کی خلافت میں اختلاف نہ کرتے، آپ نے فرمایا میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ ایک شخص کہے کہ میں تمہاری خلافت سے راضی ہوں، دوسرا کہے کہ میں راضی نہیں ہوں۔ براء روایت

۱۔ طبقات ابن سعد، جزء ۳، قسم اول ص ۱۳۳، بخاری

۲۔ ابوداؤد جلد ۱ ص ۹۶، مسلم جلد ۱ باب قصر الصلوٰۃ یعنی

کرتے ہیں کہ میں ایک دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی لاعلمی میں ان کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا وہ فرماتے جاتے تھے کہ لوگ کمواریں لیے آپس میں کئے مرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ ابن عمر بیعت کے لیے ہاتھ بڑھاؤ۔<sup>۱</sup>

اسی اختلاف امت سے بچنے کے لیے ہر خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیے تھے کہ مبادا انکار کسی نئے فتنہ کی بنیاد نہ بن جائے چنانچہ فتنہ کے زمانہ میں ہر امیر کے پیچھے نماز پڑھ لیتے اور زکوٰۃ ادا کر دیتے خود فرماتے تھے کہ میں دو رفتن میں جنگ و جدل سے الگ رہتا ہوں اور ہر غالب کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں۔<sup>۲</sup> مگر یہ اطاعت اسی حد تک تھی جہاں تک مذہب اجازت دیتا اور اگر اس سے مذہبی پابندی میں کوئی خلل پڑتا تو اطاعت ضروری نہیں سمجھتے تھے چنانچہ ابتداء حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے لیکن جب اس نے نماز میں تاخیر شروع کی تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی بلکہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔<sup>۳</sup>

اس احتیاط کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد اور افتراق و انشقاق کا جو طوفان اٹھا جس میں بہت کم ایسے مسلمان تھے جن کا ہاتھ ایک دوسرے کے خون سے رنگین نہ ہوا ہو ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کمال احتیاط کے باعث اس ہنگامہ عام میں بھی بچے رہے چنانچہ محمد کہتے ہیں کہ ”اگر ہم میں سے کوئی شخص مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے تو وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔“

اظہار حق میں جرأت و بے باکی:

اس مصالمانہ اور مرنج و مرنجان زندگی کے باوجود دینی اور مذہبی معاملات میں ان کی حق گوئی مصالحت امت کے خیال پر غالب آ جاتی تھی چنانچہ بنی امیہ کے جابر انہ طرز عمل پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے حجاج کے مظالم سے دنیائے اسلام تنگ آ گئی تھی

۱ ابن سعد جزء ۳ قسم اول ص ۱۱۱ ج ۱ ایضاً ص ۱۱۰

۲ طبقات جزء ۳ قسم اول ص ۱۱۱ ج ۱ ابن عمر رضی اللہ عنہما

مگر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خوف و خطر اس کے منہ پر کبہ لپیٹے۔ ایک دفعہ تاج خطبہ دے رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے آپ نے فرمایا یہ خدا کا دشمن ہے اس نے حرم الہی کو رسوا کیا بیت اللہ کو تباہ کیا اولیاء اللہ کو قتل کیا یہ ایک مرتبہ تاج نے دوران خطبہ میں کہا کہ عبد اللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) نے کلام اللہ میں تغیر و تبدل کیا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جھلا کر فرمایا کہ "تو جھوٹ بکتا ہے نہ ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) میں اتنی طاقت ہے اور نہ تیری یہ مجال ہے" یہ مرض الموت میں جب تاج عیادت کو آیا اور انجان بن کر کہا کاش زخمی کرنے والے کا مجھ کو علم ہو جاتا تو بگڑ کر کہا کہ وہ تمہارا نیزہ تھا تاج نے پوچھا یہ کیسے؟ کہا "تم نے ایام حج میں میں لوگوں کو مسلح کیا اور حرم محترم میں ہتھیاروں کو داخل کیا پھر پوچھتے ہو کس نے زخمی کیا" یہ ایک مرتبہ تاج مسجد میں خطبہ دے رہا تھا اس کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت آخر ہو گیا آپ نے آواز دی کہ نماز کا وقت جا رہا ہے تقریر ختم کرو" اس نے نہ سنا دوبارہ پھر کہا اس مرتبہ بھی اس نے خیال نہ کیا تیسری مرتبہ پھر کہا تم مرتبہ کہنے کے بعد حاضرین سے فرمایا اگر میں اٹھ جاؤں تو تم بھی اٹھ جاؤ لوگوں نے کہا ہاں۔ چنانچہ یہ کہہ کر کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو نماز کی ضرورت نہیں ہے اٹھ گئے اس کے بعد تاج منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا کہا کہ ہم لوگ نماز کے لیے مسجد میں آتے ہیں اس لیے جس وقت نماز کا وقت آ جائے اس وقت فوراً تم کو نماز پڑھنی چاہیے نماز کے بعد جس قدر تمہارا دل چاہے بنا کر وہی اسی وجہ سے خلفائے بنو امیہ اپنی رعونت کے باوجود ان کا بہت لحاظ کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے غلط لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ کا تب بسم اللہ کے بعد اپنا نام لکھتا پھر مکتوب الیہ کا نام لکھتا کہ منجانب فلاں الی فلاں لیکن خلفائے بنی امیہ نے جہاں اور بدعات رائج کیں وہاں اس طریقہ کو بھی بدل دیا اور اظہار ترفع کے لیے یہ طریقہ رائج کیا کہ خط

۱۔ تذکرہ اہل بیت جلد اول ص ۳۲ ج ابن سعد جز ۳، قسم اول ص ۱۳۵

۲۔ بخاری جلد اول ص ۱۳۲ ج ابن سعد قسم اول ص ۱۱۷

میں پہلے خلیفہ کا نام لکھا جائے، پھر بھیجنے والا اپنا نام تحریر کرے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خودداری اس کو گوارا نہیں کر سکتی تھی، اس لیے انہوں نے جو بیعت نامہ لکھا، اس میں اسی سابق طریقہ پر من عبد اللہ بن عمر الی عبد الملک بن مروان لکھا اس تحریر کو دیکھ کر درباریوں نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور سے پہلے اپنا نام لکھا ہے، عبد الملک نے کہا کہ ابو عبد الرحمن کی ذات سے اتنا بھی بہت غنیمت ہے!

### مساوات:

اسلام نے ان تمام امتیازات کو جن سے ایک انسان کی تحقیر اور دوسرے کی بیجا عظمت ظاہر ہو مٹا دیا، ابن عمر رضی اللہ عنہما اس مساوات کا عملی نمونہ تھے، وہ ان تمام امتیازات کو جن سے مساوات میں فرق آتا ہوتا پسند فرماتے تھے، چنانچہ جہاں لوگ آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے وہاں نہ بیٹھتے، اپنے غلاموں کو بھی مساوات کا درجہ دے دیا تھا اور ان کو عزت نفس کی تعلیم دیتے تھے، دستور تھا کہ غلام تحریر میں پہلے آقا کا نام لکھتا، پھر اپنا، انہوں نے اپنے غلاموں کو ہدایت کر دی کہ جب مجھ کو خط لکھو تو پہلے اپنا نام لکھو۔ غلاموں کو دسترخوان پر ساتھ بٹھاتے ایک مرتبہ دسترخوان بچھا ہوا تھا، ادھر سے کسی کا غلام گزرا تو اس کو بھی بلا کر ساتھ بٹھایا۔ غلاموں کے کھانے پینے کا خیال بال بچوں کی طرح رکھتے تھے، ایک مرتبہ ان لوگوں کے کھانے میں تاخیر ہو گئی، خانہ ماں سے پوچھا غلاموں کو کھانا کھلا دیا، اس نے نفی میں جواب دیا، برہم ہو کر فرمایا جاؤ ابھی کھلا دو، انسان کے لیے یہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے خورد و نوش کا خیال نہ رکھے۔ غلاموں کو نہ کبھی برا بھلا کہتے تھے اور نہ کبھی ان کو مار پیٹ کرتے تھے، اگر کبھی غصہ کی حالت میں ایسا کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو اس کو کفارہ کے طور پر آزاد کر دیتے، سالم کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ

۱ ابن سعد قسم اول ص ۱۱۲ ج ۱ ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۱۲۰

۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۲۸ ج ۲ مسلم جلد ۱ ص ۳۶۹ باب فضل النفقہ علی العیال والمملوک الخ

۳ اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۸

کے علاوہ کبھی کسی غلام کو لعنت ملامت نہیں کی ایک مرتبہ غصہ میں کہنے پائے تھے کہ زبان روک لی اور فرمایا ”میں ایسی بات زبان سے نکال رہا ہوں جو نہ نکالنی چاہئے“۔ ایک مرتبہ ایک غلام کو کسی بات پر مار بیٹھے مارنے کے بعد اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کو آزاد کر دیا۔<sup>۱</sup>

### تواضع و انکسار:

اس مساوات کا دوسرا پہلو انکسار و تواضع ہے جب تک یہ صفت نہ ہوگی اس وقت تک مساوات کا جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا ابن عمر رضی اللہ عنہما میں یہ صفات بھی بدرجہ اتم موجود تھیں اپنی تعریف سننا خود پرستی کا پہلا زینہ ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی تعریف سننا سخت ناپسند کرتے تھے ایک شخص ان کی تعریف کر رہا تھا انہوں نے اس کے منہ میں مٹی جمویک دی اور کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک ڈالا کرو۔ اپنے لیے معمولی انسانوں سے زیادہ شرف گوارا نہ کرتے تھے ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا تم سبٹ ہو تم وسط ہو فرمایا سبحان اللہ سبٹ بنی اسرائیل تھے اور امت وسط پوری امت محمدی ہے ہم تو مضر کے درمیانی لوگ ہیں اس سے زیادہ اگر کوئی رتبہ دیتا ہے تو جھوٹا ہے بلا امتیاز ہر کس و ناکس کو سلام کرتے بلکہ اسی ارادہ سے گھر سے نکلتے تھے طفیل بن کعب جو روزانہ صبح و شام ان کے ساتھ بازار جایا کرتے تھے بیان کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بلا امتیاز تاجر مسکین اور خستہ حال سب کو سلام کرتے تھے ایک دن میں نے ان سے پوچھا آپ بازار کیوں جاتے ہیں حالانکہ نہ خرید و فروخت کرتے ہیں نہ کسی جگہ بیٹھتے ہیں فرمایا صرف لوگوں کو سلام کرنے کی غرض سے اتفاق سے اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے۔<sup>۲</sup> تواضع کا ایک مظہر حلم بھی ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو پیچیم گالیاں دینی شروع کیں آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں اور میرے بھائی عالی نسب ہیں پھر خاموش ہو گئے۔<sup>۳</sup>

۱۔ مسلم جلد ۲ ص ۲۵ ج مسند ابن فضال جلد ۲ ص ۹۳ ج موطا امام مالک ص ۳۸۰ باب جامع السلام

۲۔ ابن سعد ج ۳ قسم اول ص ۱۳۲ ج ۵ اسما جلد ۳ ص ۱۰۸

## ہر دل عزیز می:

اس مسادات تو واضح اور علم کا یہ نتیجہ تھا کہ عام طور پر لوگوں میں آپ کو محبوبیت حاصل تھی، مجاہد کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلا، لوگ بکثرت ان کو سلام کر رہے تھے انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگ مجھ سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ اگر چاندی سونے کے عوض بھی محبت خریدنا چاہوں تو اس سے زیادہ نہیں مل سکتی۔

## سادگی:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تصویر حیات تکلفات کے آب و رنگ سے یکسر پاک تھی، گو آپ بہت فارغ البالی تھے اور پر گزر چکا ہے کہ ۲۰،۲۰ ہزار ایک ایک نشست میں لوگوں کو دے ڈالتے تھے لیکن خود ان کی زندگی یہ تھی کہ کل اثاث الیبت ۱۰۰ درہم سے زیادہ کا نہ تھا، مہران کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثاث الیبت کا جائزہ لیا، تو فرش اور بستر ملا کر بھی اس کی قیمت سو درہم (یعنی تقریباً بیس روپے) تک نہیں پہنچی تھی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بیٹا اور یہ مسکت اللہ اکبر، ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں معمم کی بو ہوتی، چنانچہ جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں خوشبو کا استعمال بھی پسند خاطر نہ تھا، ایک مرتبہ کپڑے بخورات میں بسائے گئے، ان کو جمعہ کے دن استعمال کیا، پھر اتار کر رکھ دیا، اتفاق سے دوسرے دن ستر پیش آیا، منزل کے قریب پہنچ کر کپڑے مانگے تو وہی جوڑا پیش کیا گیا، لیکن اس میں خوشبو کا اثر تھا اس لیے واپس کر دیا۔ یہ طریقہ طعام بھی نہایت سادہ تھا اگر دسترخوان نہ بچھتا تو بڑے برتن میں کھانا رکھ دیا جاتا، سب مع اہل و عیال اس کے گرد بیٹھ کر کھا لیتے، اس کش کش میں کھانے والے کو کبھی کھڑے ہو کر کھانا پڑتا۔

دعوت وغیرہ میں عام طور پر معمول سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما کا دسترخوان اس دن بھی تکلفات سے خالی ہوتا تھا، آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک دن ایک اونٹنی ذبح کی اور مجھ سے کہا مدینہ والوں کو مدعو کر آؤ، میں نے عرض کیا



”کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، روٹی تک تو ہے نہیں“ فرمایا بس خدا تم کو بخشے، گوشت موجود ہے، شوربہ موجود ہے، جس کا دل چاہے گا، کھائے گا، جس کا دل نہ چاہے گا نہ کھائے گا۔

اسی سادگی کی بناء پر تمام کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جو کام خود کر سکتے تھے، وہ دوسروں سے نہ کراتے تھے، حتیٰ کہ اونٹنی وغیرہ بٹھانے میں بھی دوسروں سے نہ مدد لیتے تھے۔ گھر بھی اپنے ہاتھ سے بناتے تھے، خود فرماتے تھے کہ میں نے بلا کسی اعانت کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا تھا۔

ذریعہ معاش:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب صحابہؓ کے وظیفے مقرر کیے گئے، تو ڈھائی ہزار ان کا وظیفہ بھی مقرر ہوا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ۳ ہزار مقرر ہوا، انہوں نے اعتراض کیا کہ جب میں کسی چیز میں ان سے اور آپ ان کے والد سے پیچھے نہ رہے تو پھر اس تفریق کا کیا سبب ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سچ کہتے ہو، مگر آنحضرت ﷺ ان کے والد کو تمہارے والد سے اور ان کو تم سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، یہ جواب سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے علاوہ لگائی زمینیں بھی تھیں۔

لباس:

لباس بہت معمولی پہنتے تھے، عموماً قیص، ازار اور سیاہ عمامہ استعمال کرتے تھے، چپل پہنتے تھے، ازار نصف ساق تک ہوتا تھا، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے تھے، نافع کہتے ہیں کہ میں نے ان کو پانسو تک کی چادر اوڑھے دیکھا ہے، انگوٹھی بھی رکھتے تھے، جس میں عبد اللہ بن عمر کندہ تھا، مگر وہ صرف مہر وغیرہ کے وقت کام آتی تھی، پہنتے نہ تھے۔

۱ ابن سعد جز ۳، قسم اول ص ۱۲۱ ج ۲ بخاری جلد ۲ ص ۹۳۲ ج ۳ متدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۹

۲ بخاری جلد ۲ باب گراء المزارع ج ۵ ابن سعد جز ۳، قسم اول ص ۱۲۰ ابن عمر رضی اللہ عنہما

حلیہ:

شکل و صورت میں وہ اپنے والد بزرگوار سے بہت مشابہ تھے دراز قامت اور بھاری بھر کم تھے رنگ گندمی تھا۔ کندھوں تک کا کلین تھیں، کبھی کبھی مانگ بھی نکالا کرتے تھے۔ داڑھی بقدر ایک مشت رکھتے تھے، مونچھیں اس قدر گہری کترواتے تھے کہ لبوں کی پسیدی نمایاں ہو جاتی تھی، زرد خضاب کرتے تھے۔

ازدواج و اولاد:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متعدد بیویاں تھیں، جن سے بارہ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں، ابو بکر، ابو عبیدہ، واقد، عبداللہ، عمر حفصہ اور سودہ صفیہ بنت ابی عبیدہ کے بطن سے تھے، عبدالرحمن ام علقمہ بنت علقمہ کے بطن سے تھے، سالم، عبید اللہ، ابوسلمہ اور قلابہ مختلف لونڈیوں کے بدن سے تھے۔



## حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

### نام و نسب:

عمیر نام ابو ہریرہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمیر بن عامر بن عبد ذی الشریٰ بن طریف بن غیاث بن لہیعہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس۔<sup>۱</sup>  
اصل خاندانی نام عبد شمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عمیر رکھا، کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ”ہرہ“ بلبی پالے تھا، شب میں اس کو ایک درخت میں رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہا شروع کیا۔<sup>۲</sup> دوس کا قبیلہ یمن میں آباد تھا۔

### قبل از اسلام:

بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لیے فقر و افلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے، برہ بنت غزدان کے پاس محض روٹی کپڑے پر ملازم تھے اور خدمت یہ پرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگتے تو یہ پاجادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلیں اتفاق سے بعد میں یہی عورت اُن کے نکاح میں آ گئی۔<sup>۳</sup>

### اسلام و ہجرت:

ابو ہریرہ ہجرت کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمرو دوسی ہجرت عظمیٰ کے قبل مکہ ہی میں قرآن کے مجزائے سحر سے مسح ہو چکے تھے اور قول اسلام کے بعد اس کی تبلیغ کے لیے یمن لوٹ آئے۔ ان ہی کی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوہ خیبر کے زمانہ

۱۔ ابن سعد ج ۲ ص ۵۲ ۲۔ ترمذی مناقب ابو ہریرہ ہجرت ۳ ابن سعد ترجمہ ابو ہریرہ دوسی

میں یہ یمن کے اسی خانوادوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں مدینہ حاضر ہوئے، لیکن آپ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے اس لیے یہ لوگ مدینہ سے خیبر پہنچے۔ اسی قبیلہ کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور راستہ میں بڑے شوق و ولولہ کے ساتھ شعر

باللبلة من طولها وعنائها على انها من دار الكفر نحت

پڑھتے جاتے تھے اسی ذوق و شوق کے ساتھ خیبر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر شرف باسلام ہوئے ان کا ایک غلام راستہ میں گم ہو گیا تھا اتفاق سے اسی وقت وہ دکھائی دیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ تمہارا غلام آ گیا، عرض کیا خدا کی راہ میں آزاد ہے۔ بیعت اسلام کے بعد دامن نبوی (ﷺ) سے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔

غزوات:

غزوات میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، مگر اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں جن جن لڑائیوں میں شریک رہا غزوہ خیبر کے علاوہ ان سب میں مال غنیمت ملا، کیونکہ اس کا مال حدیبیہ والوں کے لیے مخصوص تھا۔

ماں کا اسلام:

دولت اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد فکر ہوئی کہ بوڑھی ماں کو بھی جو زندہ تھیں اس سعادت میں شریک کریں، مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں، ایک دن حسب معمول ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے شان نبوت میں کچھ ناروا الفاظ استعمال کیے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کر کے ماں

۱۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۷۵ ح بخاری جلد ۱ باب الشرك باب اذا قال بعده هو معہ ونزی

العق خیبر جانے کا واقعہ ابن سعد سے ماخوذ ہے۔ ح اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۱۶

ح طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۳

کے اسماء کے لیے غالب دعا ہوئے۔ رحمت عالم ﷺ نے دعا فرمائی، واپس ہوتے تو دعا قبول ہو چکی تھی، والدہ اسلام کے لیے نہاد ہو کر تیار ہو رہی تھیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما گھر پہنچے تو ان کو اندر بایا اور انہیں ان لا الہ الا اللہ و انہذ ان منحذ عنذہ و رسولہ کے سامعہ نواز قرآن کے ساتھ ان کا استقبال کیا، یہ فوراً ان کے پاؤں فرط مسرت سے روتے ہوئے کاشانہ نبوی ﷺ پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ ﷺ! بشارت ہو آپ کی دعا قبول ہوئی، خدا نے میری ماں کو اسلام کی ہدایت بخشی، یا

عہد خلافت:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا، اس لیے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے، اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے حدیث کی اشاعت میں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی خاموشی کے ساتھ مصروف رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، انہوں نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا، اس دن سے ان کا فقر و افلاس ختم ہوا، چنانچہ جب وہاں سے واپس ہوئے تو وہیں ہزار روپیہ پاس تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باز پرس کی کہ اتنی رقم کہاں سے ملی؟ عرض کی گھوڑیوں کے بچوں، عطیوں اور غلاموں کے ٹیکس سے، تحقیقات سے ان کا بیان صحیح نکلا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ان کے عہدہ پر واپس کرنا چاہا، مگر انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کو امارت قبول کرنے میں کیوں عذر ہے، اس کی خواہش تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کی جو تم سے افضل تھے، عرض کی وہ نبی اور نبی زادہ تھے، میں بے چارہ ابو ہریرہ امید کا بیٹا ہوں، میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں، ایک یہ کہ بغیر ہم کے کچھ کہوں، دوسرے یہ کہ بغیر حجت شرعی کے فیصلہ کروں، تیسرے یہ کہ مارا جاؤں، میری آبروریزی کی جائے اور میرا مال چھینا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت خاموشی میں بسر کیا، البتہ آخر میں حضرت عثمان

کے محصور ہونے کے بعد لوگوں کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتے تھے اور محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمان جویشہ کے گھر میں موجود تھے، کچھ اور لوگ بھی تھے، ان سب کو خطاب کر کے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ”تم لوگ میرے بعد فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اس وقت ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہیے۔ فرمایا: ”تم کو امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔“ اس سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا پتہ چلتا ہے اس کے بعد آپ کی شہادت، جنگ، جمل اور جنگ صفین وغیرہ میں کہیں نہیں نظر آتے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنہ عام کے زمانہ میں اکثر محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم گوشہ نشین ہو گئے تھے بہتوں نے نو آبادی چھوڑ کر بادہ نشینی اختیار کر لی تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں رو پوش ہو گئے تھے، ان فتنوں کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مروان کبھی کبھی ان کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بناتا تھا۔

علالت:

۱۵ھ میں مدینہ میں بیمار ہونے، بڑے بڑے لوگ عیادت کو آتے تھے، خود مروان بن حکم بھی آتا تھا، بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی، اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جلد سے جلد یہ دارالافتاء چھوڑ کر دارالبقا میں داخل ہو جائیں، ابو سلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ عیادت کو آئے، رواج کے مطابق ان کی صحت کے لیے دعا کی، انہوں نے کہا خدایا اب دنیا میں نہ لو، پھر ابو سلمہ کو مخاطب کر کے بولے ”وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے، جب انسان موت کو سونے کے ذخیرہ سے زیادہ پسند کرے گا۔“ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی قبر پر گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش بجائے اس کے وہ اس میں دفن ہوتا۔

۱۔ مندا بن ضبل جلد ۲ ص ۳۳۵

۲۔ مسلم جلد ۱ ص ۱۵۳ باب انبات النکیر فی کل حفص فی الصلوۃ الخ

۳۔ ابن سعد جز ۳ ص ۱۶۲

بستر مرگ پر پیش آنے والی منزل کے خطرات کو یاد کر کے بہت روتے تھے لوگ رونے کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ میں اس دنیا کی دلقریوں پر نہیں روتا بلکہ سفر کی طوالت اور زادِ راہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں اس وقت میں دوزخِ جنت کے نشیب و فراز کے درمیان ہوں معلوم نہیں ان میں سے کس راستہ پر جانا ہوگا۔

وصیت:

آخرت وقت میں تجھیز و تکفین کے متعلق ہدایتیں دیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مجھ کو امامہ اور قیص پہنانا اور عرب کے پرانے دستور کے مطابق میری قبر پر نہ خیمہ نصب کرنا اور نہ جنازہ کے پیچھے آگ لے چلنا اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا کہ اگر میں صالح ہوں گا تو جلد اپنے رب سے ملوں گا اور اگر بد قسمت ہوں گا تو ایک بوجھ تمہاری گردن سے دور ہوگا۔

وفات اور تجھیز و تکفین:

انتقال کے بعد اس وصیت کی پوری تعمیل کی گئی ولید نے نماز جنازہ پڑھائی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ موجود تھے نماز کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں نے کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور مہاجرین کے گورِ غریباں میں اس مخزنِ علم کو سپردِ خاک کیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ۔ انتقال کے وقت ۷۸ سال کی عمر تھی۔

ترکہ:

انتقال کے بعد ولید حاکمِ مدینہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی خبر دی تو انہوں نے ترکہ کے علاوہ بیت المال سے دس ہزار درہم آپ کے ورثاء کو دلوائے اور ولید کو ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔

حلیہ:

رنگ گندم گون، شانے کشادہ، دانت آبدار تھے اور آگے دو دانتوں کے درمیان جگہ خالی تھی، زلیفیں رکھاتے تھے اور بالوں میں زرد خضاب کرتے تھے۔

لباس:

عموماً سادہ ہوتا تھا، یعنی صرف دو رنگین کپڑے استعمال کرتے تھے، کبھی کبھی کتان وغیرہ کے بیش قیمت لباس بھی استعمال کر لیتے تھے۔

فضل و کمال:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں آپ بالاتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سب سے زیادہ حافظ حدیث تھے، اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما بھی حفاظ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کثرت روایت میں ان پر بھی تفوق حاصل تھا، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ علم کا طرف ہیں۔!

ذوقِ علم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو علم کی بڑی جستجو تھی، ان کا ذوق علم حرص کے درجہ تک پہنچ گیا تھا، ان کی علمی حرص کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ ”قیامت کے دن کون خوش قسمت آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا“ فرمایا کہ ”تمہاری حرص علی اللہ حدیث کو دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہ کرے گا۔“

عام طور پر لوگ آنحضرت ﷺ سے زیادہ سوال کرتے ہوئے جھجکتے تھے لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہایت دلیری سے پوچھتے تھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا کہ ”ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ سے کثرت سے روایت کرتے ہیں۔“ انہوں نے



جواب دیا پناہ بخدا ان کی روایات میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ کرنا اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پوچھنے میں بہت جری تھے اس لیے وہ ایسے ایسے سوالات کرتے تھے جن کو ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے۔

وہ خود جیسے علم کے شائق تھے چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلب علم کا یہی جذبہ پیدا ہو جائے۔ ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کس شے سے؟ کہا وہاں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو لوگوں نے پوچھا کہاں؟ کہا مسجد میں چنانچہ سب دوڑ کر مسجد آئے لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی اس لیے لوٹ گئے اور کہا وہاں کچھ بھی تقسیم نہیں ہوتا البتہ کچھ لوگ نمازیں پڑھ رہے تھے کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے کچھ حلال و حرام پر گفتگو کر رہے تھے بولے تم لوگوں پر افسوس ہے یہی تمہارے نبی کی میراث ہے۔

حدیث میں ان کا پایا:

اس تلاش و جستجو نے ان کو حدیث کا بحر بے کراں بنا دیا تھا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جو خود بھی بڑے حافظ حدیث تھے فرماتے تھے کہ ”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ حدیث جانتے تھے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ہم عصر حفاظ میں سب سے بڑے حافظ تھے۔ امام ابو صالح سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے علامہ ذہبی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ“ علم کا ظرف تھے اور صاحب فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ“ اپنے ہم عصر رواۃ میں سب سے بڑے حافظ تھے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ نہیں فراہم کیا۔“

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰ ج ۲ جمع الفوائد کتاب العلم بحوالہ طبرانی الاوسط جلد ۱ ص ۲۴۱

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰ ج ۲ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۱ ج ۵ ایضاً ص ۲۸

۳۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۲۶۶

کمال کی آخر حد یہ تھی کہ آپ کو خود اپنی ہمہ دانی کا یقین واثق تھا چنانچہ ایک موقع پر اپنی زبان سے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ مجتہد میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد ہوں۔ ترمذی کی روایت میں صرف عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا استثناء ہے۔<sup>۱</sup>

کثرتِ روایت کا سبب:

بہت سے اکابر اور علمائے صحابہ مجتہد کے مقابلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کثرتِ علم اور وسعتِ معلومات کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس قسم کے مواقع حاصل تھے جو دوسرے صحابہ مجتہد کو حاصل نہ تھے یہ خود اپنی کثرتِ روایت کے وجوہ و اسباب بیان کرتے تھے کہ ”لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے حالانکہ مہاجرین و انصار ان حدیثوں کو نہیں بیان کرتے مگر معترضین اس پر غور نہیں کرتے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور انصار اپنی زراعت کی دیکھ بھال میں سرگردان رہتے تھے میں محتاج آدمی تھا میرا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گزرتا اور جن اوقات میں وہ موجود نہ ہوتے تھے اس وقت بھی میں موجود رہتا تھا دوسرے جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے میں ان کو یاد رکھتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس توجیہ کی تصدیق کبار صحابہ مجتہد کرتے تھے چنانچہ ابو عامر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آ کر کہا ”ابو محمد آج تک ہم کو نہ معلوم ہو سکا کہ یہ یعنی (ابو ہریرہ) اقوال نبوی (ﷺ) کا بڑا حافظ ہے یا تم لوگ“ انہوں نے جواب دیا کہ ”بلاشبہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں اور بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ دولت و جائیداد والے تھے ہمارے گھر بار اور اہل و عیال تھے ہم ان میں پھنسے رہتے تھے صرف صبح و شام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر لوٹ آتے تھے اور

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ح ترمذی مناقب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

۲۔ ابن سعد ج ۳، ص ۲۵۶، مسلم جلد ۲ فضائل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) مسکین اور مال و متاع کی رحمتوں اور بال بچوں کی ذمہ داری سے سبکدوش تھے اس لیے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے ہم سب کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث نبوی (ﷺ) سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ اتہام نہیں لگایا کہ وہ بغیر آنحضرت ﷺ سے سنے ہوئے ان کو بیان کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ”ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ)“ ہم سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی خدمت کے حاضر باش تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بلا کر پوچھا تم یہ کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو حالانکہ جو کچھ میں نے (فعل نبوی ﷺ) دیکھا اور (قول نبوی ﷺ) سنا وہی تم نے بھی سنا اور دیکھا، عرض کی ”آپ آنحضرت ﷺ کی خاطر زیب و زینت میں مصروف رہتی تھیں اور خدا کی قسم میری توجہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی چیز نہیں ہناتی تھی۔“

ایک مرتبہ مروان کو ان کی کوئی بات ناگوار ہوئی، اس نے غصہ میں کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے کچھ ہی دنوں پہلے مدینہ آئے تھے، بولے ”جب میں مدینہ آیا تو آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے اس وقت میری عمر تیس ۳۰ سال سے کچھ اوپر تھی اور آپ کی وفات تک سایہ کی طرف آپ کے ساتھ رہا، آپ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں جاتا تھا، آپ کی خدمت کرتا تھا، آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہتا تھا، آپ کی معیت میں حج کرتا تھا، اس لیے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثیں جانتا ہوں خدا کی قسم وہ جماعت جو مجھ سے قبل آپ کی صحبت میں تھی، وہ میری حاضر باشی کی معترف تھی اور مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتی تھی، ان پوچھنے والوں میں عمر، عثمان، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔“

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۲ و ترمذی مناقب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۱۔ ج ۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۹

۳۔ اصحابہ جلد ۷ ص ۲۰۵

آپ دعا بھی از دیا علم ہی کی مانگتے تھے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) اور ایک دوسرا شخص مسجد میں بیٹھے دعا اور ذکر خدا میں مشغول تھے اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی تشریف لائے ہم لوگ خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا اپنا کام جاری رکھو اس ارشاد پر میں اور دوسرا شخص ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے قبل دعا کرنے لگے اور آنحضرت ﷺ آمین کہتے جاتے تھے اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ خدایا جو کچھ میرے ساتھ مجھ سے قبل مانگ چکے ہیں وہ بھی مجھے دے اس کے علاوہ ایسا علم عطا فرما جو پھر فراموش نہ ہو اس پر آنحضرت ﷺ نے آمین کہی اس کے بعد ہم دونوں شخصوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ) ہم کو بھی ایسا علم عطا ہو جو فراموشی کی دست برد سے محفوظ رہے۔ فرمایا وہ دوسری نوجوان کے حصہ میں آچکا۔ اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نسیان حدیث کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا چادر پھیلاؤ انہوں نے چادر پھیلا دی آپ نے اس میں دست مبارک ڈالے پھر فرمایا کہ اس کو سینے سے لگاؤ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں پھر کبھی نہ بھولا۔“

حدیث کی تحریر و کتابت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثوں کے بارہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے چنانچہ بھولنے یا الفاظ کے رد و بدل کے ڈر سے جو کچھ سنتے تھے اس کو قلمبند کر لیتے تھے فضل بن حسن اپنے والد حسن بن عمرو کا ایک واقعہ خود ان کی زبان سے سنا ہوا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک حدیث سنائی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی حسن نے کہا میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے فرمایا کہ اگر مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہوگی چنانچہ ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور ایک کتاب دکھائی جس میں تمام حدیثیں درج تھیں اسی میں وہ حدیث بھی تھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو وہ ضرور لکھی ہوگی۔ ۲

۱ تہذیب الحدیث جلد ۲ ص ۲۶۶ ۲ صحیح بخاری کتاب العلم

۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۱

لیکن صحاح کی ایک اور روایت میں ہے جو خود ان ہی سے مروی ہے کہ "عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مجھ سے زیادہ حدیث اس لیے جانتے تھے کہ وہ آپ کی باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں گو نہیں لکھ لیتے تھے، مگر بعد کو ان کو بھی لکھنا ضروری معلوم ہوا۔

امتحان:

ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت کی وجہ سے بعض اشخاص کے دل میں ان کی روایات کی جانب سے شکوک و شبہات پیدا ہوئے، چنانچہ ایک مرتبہ مردان نے امتحان کی غرض سے ان کو بلوایا اور اپنے کاتب کو تخت کے نیچے بٹھا کر ان سے حدیثیں پوچھنا شروع کیں، یہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب چھپا ہوا ان کی لاعلمی میں لکھتا جاتا تھا، دوسرے سال پھر اسی طریقہ سے امتحان لیا، اس مرتبہ بھی انہوں نے بلا کم و کاست وہی جوابات دیئے جو ایک سال قبل دے چکے تھے، حتیٰ کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔

اشاعت حدیث:

حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ خاص امتیاز ہے کہ خدا نے آپ کو جس فیاضی سے علم کی دولت عطا کی، اسی فیاضی سے آپ نے اس کو مسلمانوں کے لیے وقف عام کیا، چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے ان کے کانوں تک اقوال نبوی ﷺ پہنچا دیتے، جمعہ کے دن، نماز کے قبل کا وقت حدیث کے لیے مخصوص تھا، چنانچہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے لوگوں کے سامنے حدیثیں بیان کرتے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک مقصورہ کا دروازہ نہ کھلتا اور امام برآمد نہ ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے علم و عرفان کی بارش سے عورتیں بھی سیراب ہوتی تھیں، گو اس طبقہ کو وہ باقاعدہ تعلیم نہیں دیتے تھے، لیکن اگر کسی عورت سے کوئی فعل خلافِ ادکام نبوی ﷺ سرزد ہو جاتا تو فوراً نوک دیتے اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم

اس کو بتا دیتے، ایک مرتبہ ایک عورت سے ملے، اس کے پیرا بہن سے خوشبو کی لپٹ آتی تھی، پوچھا تو مسجد سے آتی ہے اس نے کہا ہاں پھر پوچھا مخصوص مسجد جانے کے لیے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے کہا ہاں، فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز جو مخصوص مسجد جانے کے لیے خوشبو لگاتی ہے اس وقت تک مقبول نہ ہوگی، جب تک کہ وہ غسل نہ کر ڈالے، یعنی اس کی خوشبو دھل نہ جائے، کیونکہ وہ فتنہ بن جاتی ہے، غرض اس عہد مبارک کی خواتین بھی ان کے خرم علم کی خوش چمن تھیں، چنانچہ آپ کے زمرہ روات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی نظر آتا ہے۔

آپ کے دامن کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے، سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے، لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں اور جن کو آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خود فتنہ کی بنیاد بن جاتیں، فرماتے تھے کہ ”میں نے احادیث نبوی ﷺ دو طرف میں محفوظ کی ہیں“ ایک طرف کی پھیلائیں، اگر دوسرے کی پھیلا دوں تو زرخرہ کاٹ ڈالا جائے، صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرار توحید کی امانت تھے، مشکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرار دین تھے، لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حدشیں تھیں۔

اشاعت علم فریضہ مذہبی اور عمل خیر ہے، لیکن اگر اس میں مذہبی خدمت کے جذبہ کے بجائے نمود و نمائش کا شائبہ شامل ہو جائے تو یہی عمل شر بن جائے گا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جس جذبہ کے تحت اس فرض کو انجام دیتے تھے، اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ اگر سورہ بقرہ کی یہ آیت

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ

أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾

”ان لوگوں پر جو ہمارے نازل کیے ہوئے کھلے ہوئے احکام اور ہدایت کی

باتوں میں جن کو ہم نے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے  
چھپاتے ہیں، خدا بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔  
نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے، ان میں ۳۲۵  
متفق علیہ ہیں اور ۷۹ میں بخاری اور ۹۳ میں مسلم منفرد ہیں۔ احادیث نبوی ﷺ کے عظیم  
الشان ذخیرہ کی مناسبت سے آپ کے روادۃ ثلاثہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، اکابر صحابہ کرام  
میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما،  
ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، جابر  
بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عام صحابہ و تابعین میں ابورافع وائلہ،  
جابر مروان ابن حکم، قبیصہ بن ذویب، سعید بن مسیب، سلیمان الاغر، قیس بن ابی حازم،  
مالک بن ابی عامر اصبحی، ابواسامہ بن اہل بن حنیف، ابو ادریس خلوانی، ابو عثمان نہدی،  
ابورافع صالح، ابو زرعہ بن عمرو، ابو مسلم ابن قاری، بشر بن سعید، بشر بن نہیک، عجمہ جعفی،  
ثابت بن عیاض، حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب، حمید و ابوسلمہ ایما عبدالرحمن بن عوف،  
حمید بن عبدالرحمن حمیری، حنظلہ بن علی اسلمی، جناب صاحب مقصورہ، خلاص بن عمرو، حکم بن  
میناء، خالد بن غلاق، ابوقیس زیاد بن رباح، سالم بن عبداللہ زرارہ بن ابی اوفی، سالم ابوالغیث،  
سالم مولیٰ شداد، سعید بن ابی سعید، ابوسعید مقبری، حسن بصری، محمد بن سیرین و سعید بن عمرو بن  
سعید بن العاص، سلیمان بن یسار، ابوالحباب، سعید بن یسار، ستان بن ابی ستان، عامر بن سعید  
بن ابی وقاص، شرح ابن ہانی، شفی بن ماتح، طاؤس، عکرمہ، مجاہد، عطاء، عامر شعسی، عبداللہ بن  
رباح انصاری، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن ثعلبہ، ابوالولید عبداللہ بن حارث، سعید بن  
حارث، سعید بن سمان، سعید بن مرجانہ، عبداللہ بن عبدالرحمن، عبدالرحمن بن سعید المقعد،  
عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاری، عبدالرحمن بن یعقوب، عبدالرحمن بن ابی نعیم الجبلی،

عبدالرحمن بن مہران، اعرج، عبید اللہ بن عبداللہ، عبید اللہ بن سفیان حضرمی، عطاء بن یناء، عطاء بن یزید لیشی، ابوسعید مولیٰ بن کریر، عجلان بن مولیٰ قاطمہ، عراق بن مالک، عبید بن حنین، عبید اللہ بن ابی رافع، عطاء بن یسار، عمرو بن ابی سفیان، عنبہ بن سعید بن العاص، محمد بن قیس بن مخزوم، موسیٰ عیسیٰ انباطلمہ بن عبید اللہ، عروہ بن زبیر، محمد بن عباد، جعفر، محمد بن ابی عائشہ، محمد بن زیاد حنظل، محمد بن عبدالرحمن، موسیٰ بن یسار، نافع بن جبیر بن مطعم، نافع مولیٰ ابن عمر، نافع مولیٰ ابی قتادہ، یوسف ابن مالک، تیم بن ابی سنان، یزید بن ہرمل، ابو حازم الاشجعی، ابو بکر بن عبدالرحمن، ابوتیمہ کھیمی، یزید بن اصم، موسیٰ بن دروان، ابو الشعثاء المحاربی، ابوصالح السمان، ابو غطفان بن طریف المری، یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے روایت کی نہایت مختصر فہرست ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین ملا کر ان کے روایت کی تعداد ۸۰۰ سے متجاوز ہو جاتی ہے۔  
**ایک اعتراض اور اس کا جواب:**

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی مرویات پر اعتراض کرتے تھے، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ ان کی روایتوں پر شک کرتے تھے، بلکہ ان کے تفقہ پر انہیں اعتراض تھا، ان کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مختلف حالات و واقعات کے لحاظ سے بعض باتیں ارشاد فرمائی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما موقع و محل کا لحاظ کیے بغیر ان حدیثوں کا بیان کر دیتے ہیں، جن سے ان احادیث کا اصل منشا فوت ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے ان کا اعتراض صحیح تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فقہ الحدیث کا لحاظ نہیں کرتے تھے، فقہ میں ان کا کوئی امتیازی درجہ نہیں تھا، تاہم آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت منصب افتاء پر فائز تھی اس میں ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔  
**عام تعلیم:**

عام تعلیمی لحاظ سے وہ صحابہ کی جماعت میں بہت نمایاں تھے، عربی مادری زبان تھی اس کے علاوہ فارسی بھی جانتے تھے، ایک مرتبہ ایک ایرانی عورت استغاثہ لے کر آئی کہ



شوہر نے مجھ کو طلاق دے دی ہے اور لڑکا لینا چاہتا ہے یہ عورت فارسی میں گفتگو کرتی تھی اور ابو ہریرہؓ اسی زبان میں جواب دیتے تھے! اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے چنانچہ توراہ کے مسائل سے کافی واقفیت تھی! لکھنے میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے چنانچہ احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

اخلاق و عادات:

حضرت ابو ہریرہؓ غزوہ خیبر میں دارالاسلام آئے اس حساب سے ان کو کل چار سال صحبت نبوی ﷺ سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا اگرچہ بظاہر یہ مدت کم معلوم ہوتی ہے لیکن اس حیثیت سے کہ اس مدت میں سفر و حضر، خلوت و جلوت میں ایک لمحہ کے لیے بھی خدمت اقدس سے جدا نہ ہوئے اور اس قلیل مدت میں جو لمحات بھی میسر آئے ان سے پورا فائدہ اٹھایا یہ چھوٹی مدت کیفیت کے اعتبار سے بڑی طویل مدت کے برابر ہو جاتی ہے اس ملازمت رسول ﷺ کا یہ نتیجہ تھا کہ آپس پر تعلیمات نبوی کا بہت گہرا رنگ چڑھا تھا اور آپ اسلامی تعلیمات کا مکمل ترین نمونہ بن گئے تھے۔

### خوفِ قیامت:

خشیت الہی اور خوفِ قیامت صحابہ اکرامؓ کا خاص وصف تھا ابو ہریرہؓ اس سے لرزہ بر اندام رہتے تھے خوفِ خدا اور قیامت کے احوساب کے ذکر سے چیخ کر بیہوش ہو جاتے تھے۔

ایک بار سفیا امحی مدینہ آئے دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا ابو ہریرہؓ (بھیڑ) چنانچہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے اس وقت ابو ہریرہؓ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے جب حدیث سنا چکے اور مجمع چھنا تو انہوں نے ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنائیے جس کو آپ نے ان سے سنا ہو سمجھا ہو جانا ہو ابو ہریرہؓ نے کہا ایسی ہی حدیث بیان کروں گا یہ کہا اور چیخ

مار کر بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا، جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی، اور اس وقت میرے اور آپ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا، اتنا کہہ کر پھر زور سے چلائے اور بے ہوش ہو گئے، افاقہ ہوا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہ تھا یہ کہا اور چیخ مار کر غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے، سفیا اٹھی نے تمام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے، ہوش آیا تو کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لیے اترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کیے جائیں گے عالم قرآن، راہِ خدا میں مقتول اور دولت مند، پھر خدا عالم سے پوچھے گا کیا میں نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی، وہ کہے گا ہاں خدا یا۔ فرمائے گا تو نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا ”رات دن اُس کی تلاوت کرتا تھا“ خدا فرمائے گا ”تو جھوٹا ہے تو اس لیے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کا خطاب دیں“۔ چنانچہ خطاب دیا پھر دولت مند سے سوال کرے گا ”کیا میں نے تجھ کو صاحبِ مقدرت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ وہ کہے گا ہاں خدا یا۔ فرمائے گا تو نے کیا کیا، وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا، خدا فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے اور لوگوں نے کہا، پھر وہ جس کو راہِ خدا میں اپنی جان دینے کا دعویٰ تھا پیش کیا جائے گا، اس سے سوال ہوگا، تو کیوں مار ڈالا گیا وہ کہے گا تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا، میں تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا، خدا فرمائے گا ”تو جھوٹ کہتا ہے، بلکہ تو چاہتا تھا کہ تو دنیا میں جری اور بہادر کہلائے تو یہ کہا جا چکا“ یہ حدیث بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ان ہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ (ترمذی ابواب البرہ باب ماجاء فی الریاء والسمہ)

عبادت و ریاضت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عبادت سے خاص ذوق تھا، شب بیداری آپ کا محبوب مشغلہ تھا، خود بھی شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں سے بھی شب بیداری

کراتے تھے آپ کا کنبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا ایک خود دوسری بیوی اور تیسرا خادم یہ تینوں بالاتزام باری باری سے اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے ایک ختم کر کے دوسرے کو جگا ۲ اور دوسرا تیسرے کو۔ اسی طریقہ سے تینوں مل کر پوری رات نماز میں گزار دیتے۔<sup>۱</sup>

ہرمہینہ کے شروع میں تین روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے اگر کسی سبب سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو آخر میں پورے کرتے۔ اراکان عبادت کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرتے تھے بلکہ شدت احتیاط کے باعث اس میں مبالغہ سے کام لیتے تھے نعیم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد کی چھت پر وضو کرتے تھے اس نے دیکھا کہ ہاتھ اٹھا کر شانوں تک دھوتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے وہ اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں چمکیں گے اس لیے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے اس کی چمک کو بڑھاؤ۔<sup>۲</sup> عکرمہ راوی ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بارہ ہزار تسبیحیں روزانہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ بقدر گناہ تسبیح کرتا ہوں مضارب بن جزء بیان کرتے ہیں کہ رات کو میں نکلا کرتا تھا ایک دن نکلا تو تکبیر کی آواز سنی قریب جا کر دیکھا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو کہا خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا کہ میں بسرہ بنت غزدان کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا اس کے بعد خدا نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں آگئی۔<sup>۳</sup> آپ تسبیح و جلیل میں مصروف رہتے تھے ایک تھیلی میں کنکریاں اور گھٹلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے جب تھیلی ختم ہو جاتی تو لونڈی کو حکم دیتے وہ بھرتی۔<sup>۴</sup>

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳ ج ایضاً

۲۔ ایضاً ص ۲۳۳ ج اصابہ جلد ۷ ص ۲۰۶

۳۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ من اذا کر الرجل ما یکرہ من اصابۃ اہلہ

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۹۳

### محبت رسول ﷺ:

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی محبت شیفنگی کے درجہ تک تھی، ایک لمحہ کے لیے بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے، تمام مہاجرین و انصار اپنے اپنے کاروبار میں لگے رہتے، لیکن ان کا کام صرف یہ تھا کہ جمال نبوی ﷺ کے دیدار سے شوق کی آگ بجھائیں، ایک موقع پر اس کا اظہار بھی کیا، ”یا رسول اللہ (ﷺ) حضور کا مشاہدہ جمال میری جان کا سرمایہ راحت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔“<sup>۱</sup>

آنحضرت ﷺ کے بعد لطیف غذا کھانے سے محض اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ حضور نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو بھنی ہوئی بکری کی دعوت دی، انہوں نے محض اس لیے قبول کرنے سے انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے اس حال میں سدھارے کہ کبھی جو کی روٹی بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی۔<sup>۲</sup>

### محبت آل رسول ﷺ:

ذات نبوی ﷺ کے ساتھ اس والہانہ تعلق کا فطری اقتضایہ تھا کہ آل اطہار کے ساتھ بھی یہی شیفنگی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بلا کر گود میں بٹھایا اور ان کے منہ میں منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا کہ ”خدا میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، اس لیے تو بھی محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ“ اس کے بعد سے جب یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں پر نم ہو جاتی تھیں۔<sup>۳</sup> عمیر بن اسحاق راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے تو کہا کہ ”اپنے شکم مبارک کا وہ حصہ کھول لے جو آنحضرت ﷺ کا بوسہ گاہ تھا، آپ نے کپڑا ہٹا دیا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی مقام پر بوسہ عقیدت ثبت کر دیا۔“<sup>۴</sup>

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۹۳

۲۔ بخاری جلد ۲ کتاب الاطعمہ باب ما کان النبی ﷺ واسماہ یا کلون

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۳۲ ج ۲ ایضاً ص ۳۸۸

## والدہ کی خدمت گزاری:

حق العباد میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ انسان تا بمقدور ان ضعیف اور سب سے بڑے محسن والدین کی خدمت گزاری کو باعث فخر اور ذریعہ نجات سمجھے جنہوں نے اس کو بچہ سے جو ان بنایا، اسلام نے خاص طور پر ان کے اعزاز و احترام اور خدمت گزاری کی تعلیم دی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس فریضہ کا یہاں تک لحاظ رکھا کہ ماں کی تنہائی کے خیال سے ان کی زندگی بھرج نہیں کیا۔

اظہار حق میں بے باکی:

حق گوئی اور راست بازی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خاص جوہر تھا، اعلان حق میں وہ اس قدر جری اور دلیر تھے کہ بڑے بڑے شخص کو اس کی لغزش پر فوراً نوک دیتے تھے، آپ کا قیام مدینہ میں تھا، مروان یہاں کا حاکم تھا، اس لیے اکثر اس سے سابقہ پڑتا تھا، ایک مرتبہ اس کے یہاں گئے، تو تصویریں آویزاں دیکھیں، فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے، جو میرے مخلوق کی طرف مخلوق بناتا ہے، اگر دعوائے تکلیف ہے تو کوئی ذرہ غلہ یا جو پیدا کر کے دکھائے۔

مردان کے زمانہ امارت میں مدینہ میں چک (ہنڈی) کا رواج ہو چلا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو مدینہ جا کر مروان سے کہا تم نے ربا حلال کر دیا، مروان نے اس سے برأت ظاہر کی، فرمایا تم نے چکون کو رائج کیا، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اشیاء خوردنی کی بیع کی اس وقت تک ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا بائع اس کو ناپ نہ لے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس تنبیہ سے مروان نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی (ﷺ) میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے

۱۔ مسلم جلد ۲، باب ثواب العبد و اجرہ اذا نصح لسيده و احسن و امن سجدۃ کرہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱۲، حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

۳۔ مسلم جلد ۱، کتاب البیوع، باب بیع المبيع قبل القبض مطبوعہ معرود مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۹

تھے مروان بھی موجود تھا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے سنایا کہ میں نے صادق صدوق رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لوٹنوں کے ہاتھوں ہوگی۔<sup>۱</sup>  
تفر وغنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دو دور تھے پہلا افلاس، تنگدستی اور فقر و فاقہ میں بسر ہوا دوسرے میں جاہ و ثروت اور فارغ البالی نصیب ہوئی، فقر و فاقہ کا دور نہایت درد انگیز تھا، مسلسل فاقوں سے غش پر غش آتے تھے، لیکن رحمۃ العالمین کے سوا کوئی پوچھنے والا نہ تھا اس زمانہ میں آپ نے سخت تکلیفیں برداشت کیں، لیکن زبان کبھی سوال سے آلودہ نہ ہوئی ایک مرتبہ بھوک کی شدت سے بہت بے قرار ہوئے تو راستہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، ان سے ایک آیت پوچھی، وہ بتا کر گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا، تو آپ اس حسن طلب کو سمجھ گئے اور ساتھ لے جا کر ان کو اور تمام اصحاب صفہ کو کھانا کھلایا۔<sup>۲</sup>  
جب فقر و فاقہ کا دور ختم ہوا اور خدا نے فارغ البالی کیا، اس وقت فقیرانہ سادگی کو قائم رکھتے ہوئے کبھی کبھی فارغ البالی کا بھی اظہار کیا، چنانچہ ایک مرتبہ کتان کے دو رنگے ہوئے کپڑے پہنے اور ایک سے ناک صاف کر کے کہا واہ واہ ابو ہریرہ آج تم کتان سے ناک صاف کرتے ہو، حالانکہ کل منبر نبوی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان غش کھا کر گرتے تھے اور گزرنے والے تمہاری گردن پر پیر رکھ کر کہتے تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جنون ہو گیا ہے، حالانکہ تمہاری یہ حالت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔<sup>۳</sup>  
سادگی:

لیکن امارت کی حالت میں بھی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی جب شہر سے

۱ بخاری جلد ۲ کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ هلك امتي على ايدي اعيلمه معناه

۲ ترمذی ابواب الزہد باب جاء معيہ اصحاب النبی ﷺ

۳ بخاری کتاب الاعتصام باب ما ذكر النبي ﷺ و حصر على انفاق اهل العلم

نکلنے تو سواری میں گدھا ہوتا، جس پر معمول نمدہ کسا ہوتا، چھال کی رسی کی لگام ہوتی، غرض اس سادگی سے نکلنے کہ کسی کو امارت کا اندازہ بھی نہ ہوتا، جب کوئی سواری کے سامنے آ جاتا تو (مذاق سے) خود کہتے کہ راستہ چھوڑ دو، امیر کی سواری آ رہی ہے۔  
**فیاضی:**

فقر و غنا دونوں حالتوں میں بلند حوصلہ اور فیاض رہے، لوگوں کو کھلانے پلانے میں بڑی سیرچشی سے کام لیتے تھے، عبداللہ بن ربیع راوی ہیں کہ ایک مرتبہ چند آدمیوں کا وفد امیر معاویہؓ بھیجے، بھیجے تھے رمضان کا زمانہ تھا، ہم لوگوں کا معمول تھا کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے، ان سب میں سب سے زیادہ ”ابو ہریرہ“ دعوت کرتے تھے۔  
 گو مہمان نوازی صحابہ کرامؓ بخیر کا عام وصف تھا، تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ مہمان نواز کم صحابی تھے۔



## حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

جندب نام ابوذر کنیت ”مسح الاسلام“ لقب سلسلہ نسب یہ ہے جندب بن جنادہ ابن قیس بن عمرو بن ملیل بن صعیر بن حزام بن غفار بن ملیل بن حمزہ بن بکر بن عبدمناتہ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ غفاری ماں کا نام رملہ تھا اور قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتی تھی۔

قبل از اسلام:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو غفار رہزنی کیا کرتا تھا جاہلیت میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی پیشہ تھا اور وہ نہایت مشہور رہزن تھے تنہا نہایت جرأت اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں دفعۃً انقلاب ہوا اور ایسا سخت ہوا کہ رہزنی یکنخت ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے چنانچہ ظہور اسلام کے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا وہ خدا کی پرستش کرتے تھے ابو معشر راوی ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ جاہلیت ہی سے موحد تھے خدا کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی چنانچہ جس شخص نے ان کو پہلے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع دی اس کے الفاظ یہ تھے کہ ”ابوذر مکہ میں تمہاری طرح ایک شخص لالہ الا اللہ کہتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدا پرستی صرف اعتراف توحید تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح بن پڑتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے وہ خود کہتے تھے کہ میں آنحضرت ﷺ سے ملنے کے تین سال قبل سے نماز پڑھتا تھا لوگوں نے پوچھا کس کی نماز پڑھتے تھے کہا خدا کی پھر پوچھا ”کس طرف رخ کرتے تھے“ جواب دیا



”جس طرف خدا پھیر دیتا“۔ لایمما تولوا فثم وجه اللہ. ع  
 ہر جا کہ ہم سجدہ باں آستان رسید  
 اسلام کی تلاش میں پہلی آزمائش:

چونکہ ابو ذر رضی اللہ عنہ جاہلیت ہی سے راہ حق کے متلاشی تھے اس لیے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا اور اس وقت دعوتِ حق کا جواب دیا جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں اس اعلانِ حق سے خاموش تھیں اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے ان کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے یہ دلچسپ داستان خود ان کی زبان سے مروی ہیں ان کا بیان ہے کہ جب میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لیے بھیجا وہ واپس آئے تو میں نے پوچھا کہ کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا ”خدا کی قسم یہ شخص نیکوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اس قدر مجمل بیان سے میری تفسی نہیں ہوئی اس لیے میں خود سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ چل کھڑا ہوا وہاں پہنچا تو یہ وقت پیش آئی کہ میں رسول اکرم ﷺ کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی مصلحت نہ تھی اس لیے خانہ کعبہ میں جا کر ٹھہر گیا اور زمزم کے پانی پر بسر کرنے لگا اتفاق سے ایک دن علی رضی اللہ عنہ گزرے انہوں نے پوچھا تم مسافر معلوم ہوتے ہو میں نے کہا ہاں وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے لیکن مجھ سے ان کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی صبح اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیوں کہ ابھی تک آنحضرت ﷺ کے حالات سے بے خبر تھا اتفاق سے پھر علی رضی اللہ عنہ گزرے اور پوچھا کہ ”اب تک تم کو اپنا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا“ میں نے کہا نہیں وہ پھر دوبارہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے اس مرتبہ انہوں نے پوچھا کیسے آتا ہوا؟ میں نے کہا اگر آپ اس کوراز میں رکھیں تو عرض کروں فرمایا مطمئن رہو میں نے کہا میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے پہلے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات

دریافت کرنے کے لیے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا مگر وہ کوئی توفیق بخش خبر نہ لایا، اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا تم نے نیکی کا راستہ پایا، سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ جس مکان میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا، راستہ میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا، تو میں جوتا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا اور تم بڑھے چلے جانا، چنانچہ میں حسب ہدایت ان کے ساتھ ہولیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میرے سامنے اسلام پیش کیجئے، آپ نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا، قبول اسلام کے بعد آپ نے فرمایا، ابو ذر! بھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاؤ، میرے ظہور کے بعد واپس آنا، میں نے قسم کھا کر کہا میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا، ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا، یہ کہہ کر مسجد میں آیا، یہاں قریش کا مجمع تھا، میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ قریشو! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں، یہ سن کر ان لوگوں نے لاکرا کہ اس بے دین کو لینا، اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا، یہ دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) سے ضبط نہ ہو سکا، وہ مجھ کو بچانے کے لیے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کی گذرگاہ ہے، یہ سن کر سب ہٹ گئے، لیکن اسلام کا وہ نشہ نہ تھا جس کا خمار قریش کے غیظ و غضب کی ترشی سے اتر جاتا، دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر نعرہ مستانہ تھا۔

در عجبائے طور عشق حکم جہاکم است عشق ربا مصلحت اندیشی مجنوں چہ کار اور پھر وہی مسجد تھی، وہی صنادید قریش کا مجمع تھا اور وہی ان کی ستم آرائی تھی۔

مسلم فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ میں ان کے اسلام کے بارہ میں دو روایتیں ہیں، ایک

یہی مذکورہ بالا روایت، اس روایت کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، دوسری روایت خود ان سے مروی ہے، لیکن دونوں روایتوں کے واقعات باہم مختلف ہیں، ان کی زبانی جو روایت منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اپنے وطن سے اپنے بھائی انیس رضی اللہ عنہما اور امنا کو لے کر اپنے ماموں کے یہاں گئے، کچھ دنوں کے بعد ان سے خفا ہو کر چلے گئے، اتفاق سے ایک مرتبہ انیس رضی اللہ عنہما کسی ضرورت سے مکہ گئے وہاں سے لوٹ کر ابو ذر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کے واقعات بیان کیے، آپ نے اوصاف سن کر وہ خود تحقیقات کے لیے مکہ پہنچے اور ایک شخص سے آپ کا پتہ پوچھا، پوچھتے ہیں ہر طرف سے مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا، لیکن یہ نہ بنے، تیسرے دن آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی، وہ ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور یہ مشرف باسلام ہوئے، ہم نے جو صورت واقعہ نقل کی ہے وہ چونکہ بخاری، مسلم اور مستدرک تینوں میں ہے اس لیے اس کو ترجیح دی۔

**مراجعت وطن:**

کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا، اور فرمایا کہ عنقریب یشرب ہجرت کرنے والا ہوں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو، شاید خدا ان کو فائدہ بخشے اور اس صلہ میں تمہیں بھی اجر ملے، انہوں نے آپ کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی اور وطن کا سفر کرنے کے قبل اپنے بھائی انیس سے ملے، انہوں نے پوچھا کیا کر کے آئے، جواب دیا، اعتراف صداقت کر کے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا ہوں، سن کر وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، یہاں سے دونوں تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے، وہ بھی مشرف باسلام ہوئے، اس کے بعد تینوں وطن پہنچے اور دعوت حق میں اپنا وقت صرف کرنے لگے، آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد مسلمان ہوا۔

**ہجرت و مواخاۃ:**

آنحضرت ﷺ کی مدینہ کی تشریف آوری کے بعد بھی عرصہ تک ابو ذر رضی اللہ عنہما

بنی غفار میں رہے اور بدر احد خندق وغیرہ کے غزوات ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے اسی بناء پر مواخاۃ میں اختلاف ہے محمد بن اسحاق راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابوذر اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی لیکن واقدی کا قول ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ آیت میراث کے نزول کے بعد مدینہ آئے اور اس آیت کے بعد مواخاۃ کا طریقہ باقی نہ رہا تھا۔

مدینہ کا قیام:

مدینہ کے قیام میں ان کا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گزرتا تھا اور ان کا محبوب مشغلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت تھی خود کہتے ہیں کہ میں پہلے آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتا تھا اس سے فراغت کے بعد پھر آ کر مسجد میں آرام کرتا تھا۔

چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس لیے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی غزوات میں شرکت کی تفصیل نہیں ملی صرف غزوہ تبوک کی شرکت کا پتہ چلتا ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے نکلے تو بہت سے لوگ بچھڑنے لگے (کیونکہ یہ قحط سالی کا زمانہ تھا) جب کوئی شخص بچھڑتا تو لوگ آنحضرت ﷺ کو بتاتے کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص نہیں آیا آپ فرماتے جانے دو اگر اس کی نیت اچھی ہے تو عنقریب خدا اس کو تم سے ملا دے گا ورنہ خدا نے اس کو تم سے چھڑا کر اس کی طرف سے راحت دے دی یہاں تک کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا کہ وہ بھی بچھڑ گئے واقعہ یہ تھا کہ ان کا اونٹ ست ہو گیا تھا اس کو پہلے چلانے کی کوشش کی جب نہ چلا تو اس پر سے ساز و سامان اتار کر پیٹھ پر لادا اور پیادہ آنحضرت ﷺ کے عقب سے روانہ ہو گئے اور اگلی منزل پر جا کر مل گئے ایک شخص نے دور سے آتا دیکھ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ راستہ پر کوئی شخص آ رہا ہے آپ نے فرمایا ابوذر (رضی اللہ عنہ) ہوں گے لوگوں نے بغور دیکھ کر پہچانا اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) خدا کی قسم ابوذر (رضی اللہ عنہ) ہیں آپ نے فرمایا خدا ابوذر (رضی اللہ عنہ) پر رحم کرے وہ تنہا چلتے ہیں تنہا

میں گے اور قیامت کے دن تمہا انھیں گے۔<sup>۱</sup>

آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشین گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی، آئندہ واقعات میں اس کی تفصیل آئے گی، اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دو قحط کے زمانہ میں بھی جب بہتوں کے ارادے متزلزل ہو گئے پیچھے نہ ہٹے اور اپنا سامان پیٹھ پر لا کر پابادہ میدان جہاد میں پہنچے تو ان غزوات میں جن میں اس قسم کی دشواریاں نہ تھیں، یقیناً شریک ہوئے ہوں گے پھر وہ آنحضرت ﷺ کے خدام میں تھے، اس لیے ان لڑائیوں میں جن میں آپ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہوگی، ان میں ابوذر رضی اللہ عنہ بھی یقیناً ہمراہ رہے ہوں گے، خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہے کہ ان کو جہاد کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ جب تمام مسلمانوں کی تلواریں اپنے جوہر دکھا رہی ہوں، اس وقت ان کی تلوار نیام میں رہی، فوج مکہ کے بعد جب اسلامی افواج کا مظاہرہ ہو رہا تھا تو سب سے آگے ان ہی کے قبیلہ کا پرچم تھا۔

عہد شخین:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فطرۃ فقیر منس، زہد پیشہ تارک الدنیا اور عزالت پسند تھے، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو "مسح الاسلام" کا لقب دیا تھا، آنحضرت ﷺ کے بعد انہوں نے دنیا سے ہی قطع تعلق کر لیا، لیکن قیام دیا، محبوب ہی میں رہا، وفات نبوی سے دل ٹوٹ چکا تھا، اس لیے عہد صدیقی میں کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات نے اور بھی شکست خاطر کر دیا، گلشن مدینہ ویرانہ نظر آنے لگا، اس لیے مدینہ چھوٹ کر شام کی غربت اختیار کر لی۔<sup>۲</sup>

عہد عثمانی:

اسلام کی اصل سادگی شخین رضی اللہ عنہ کے عہد تک قائم رہی، پھر جب فتوحات کی کثرت

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ۲۔ تذکرہ الصحابہ جلد ۱ ص ۱۵

۳۔ استیعاب جلد اول ص ۸۳

کے ساتھ مال و دولت کی فراوانی ہوئی تو قدرۃ سادگی کی جگہ تمدنی تکلفات شروع ہو گئے چنانچہ عہد عثمانی میں ہی امراء میں شاہانہ شان و شوکت کی ابتدا ہو چکی تھی ان کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا اور ان میں عہد نبوت کی سادگی کے بجائے عیش و سہم کے تکلفات پیدا ہونے لگے شام میں رومیوں کے اثر نے ان کو اور زیادہ فروغ دیا دولت و ثروت نے خزانوں کی صورت اختیار کی جبکہ قصر و ایوان بننے لگے زرق برق پوشاکیں پہنی جانے لگیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ لوگوں میں وہی عہد نبوت کی سادگی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دلوں کو مال و دولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لیے آج اٹھا رکھنا جائز نہ تھا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی مسلمان کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو بھوکا اور ننگا دیکھ کر بھی اپنے لیے دولت کا خزانہ جمع کرے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ امراء شام یہ سمجھتے تھے کہ خدا نے اہل دولت پر زکوٰۃ کا جو فرض عائد کیا ہے اس کو ادا کرنے کے بعد دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے اس اختلاف رائے نے بڑھتے بڑھتے نزاع کی صورت اختیار کر لی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نہایت بے باکی کے ساتھ ان امراء پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے طعناقیق دولت و حشمت اور ساز و سامان پر نکتہ چینی کرتے تھے اور ان کے زائد از ضرورت دولت جمع کر لینے پر ان کو قرآن پاک کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے:

﴿ وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ النَّهْبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ  
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾ (توبہ)

”جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔“

اس آیت پاک کے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اس آیت کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس کو مسلمانوں اور غیر مسلم.... دونوں سے متعلق سمجھتے تھے دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خدا کی راہ میں نہ دینے کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنا کل مال راہ خدا میں نہیں دیتے اور امیر معاویہ وغیرہ کا

خیال تھا کہ وہ حکم صرف زکوٰۃ کے متعلق ہے، بہر حال حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال کے مطابق بڑی سختی سے طعن و تشنیع شروع کر دی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو، اس لیے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال کی اطلاع دی اور کہا، بھجھا کہ ان کو مدینہ بلا لیا جائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ بلا لیا اور ایک دن ان کے سامنے حضرت کعب بن زہیر سے پوچھا کہ اس شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جو مال جمع کرتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ بھی دیتا ہے، اس کو خدا کی راہ میں بھی خرچ کرتا ہے، کعب بن زہیر نے کہا ایسے شخص کے بارہ میں مجھ کو بھلائی کی امید ہے، یہ سن کر ابو ذر رضی اللہ عنہ بگڑ گئے اور کعب بن زہیر پر ڈنڈا اٹھا کر بولے، یہودی عورت کے بچے تو اس کو کیا سمجھ سکتا ہے، قیامت کے دن ایسے شخص کے قلب تک کو بچھو ڈسیں گے۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آخر میں مجبور ہو کر آپ سے کہا کہ آپ میرے پاس رہیے، دودھ والی اونٹنیاں صبح شام دروازہ پر حاضر کی جائیں گی، لیکن اس بے نیاز نے جواب دیا کہ مجھ کو تمہاری دنیا کی مطلق ضرورت نہیں، یہ کہہ کر واپس چلے آئے۔

### ربذہ کا قیام:

لیکن اب مدینہ بھی پہلا مدینہ باقی نہیں رہ گیا تھا، لوگ آ آ کر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو تعجب سے دیکھتے تھے، جہاں وہ جاتے ہر جگہ ہجوم ہو جاتا، اس سے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو تکلیف ہوتی، مکہ کے قریب ربذہ نام ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، یا انہوں نے خود ربذہ میں قیام کرنے کی خواہش کی، بہر حال اپنی بیوی کو لے کر ربذہ چلے گئے، یہاں کے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور بنو ثعلبہ کے شیخ اور اس کی بیوی نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا، عراقیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر عرض کیا کہ اس شخص (عثمان رضی اللہ عنہ) نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے، اگر آپ اس کے خلاف علم بلند

کریں تو ہم لوگ آپ کی حمایت پر تیار ہیں، آپ نے فرمایا کہ مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو، اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو، کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اگر عثمان (رضی اللہ عنہ) مجھ کو سولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا، اور میں اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا، اگر وہ ربذہ کے بجائے ایک افق سے دوسرے افق یا مشرق سے مغرب میں بھیج دیتے تب بھی میں سر تسلیم خم کر دیتا اور اس میں اپنی اچھائی سمجھتا اور اگر وہ کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی میں لوٹا دیتے تو بھی مجھ کو کوئی عذر نہ ہوتا اور اس میں بھی میں اپنی سعادت سمجھتا۔

### وفات:

حضرت ابو ذر (رضی اللہ عنہ) کی وفات کا واقعہ بھی نہایت حسرت انگیز ہے، ۳ھ میں ربذہ کے ویرانہ میں وفات پائی ان کی حرم محترم وفات کے حالات بیان کرتی ہیں کہ جب ابو ذر (رضی اللہ عنہ) کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں رونے لگی، پوچھا کیوں روتی ہو، میں نے کہا کہ تم ایک صحرا میں سفر آخرت کر رہے ہو، یہاں میرے اور تمہارے استعمالی کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو تمہارے کفن کے کام آئے، فرمایا رونا موقوف کرو، میں تم کو ایک خوشخبری سنانا ہوں، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہوں وہ آگ سے بچانے کے لیے کافی ہیں، آپ نے چند آدمیوں کے سامنے جن میں ایک میں بھی تھا، یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص صحرا میں مرے گا اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچ جائے گی، میرے علاوہ ان میں سب آبادی میں مر چکے ہیں، اب صرف میں باقی رہ گیا ہوں، اس لیے وہ شخص یقیناً میں ہی ہوں اور مختلف کہتا ہوں کہ نہ میں نے تم سے جھوٹ بیان کیا ہے اور نہ کہنے والے نے جھوٹ کہا ہے، اس لیے گذرگاہ پر جا کر دیکھو یہ غیبی امداد ضرور آتی ہوگی، میں نے کہا اب تو حجاج بھی واپس جا چکے اور راستہ بند ہو چکا، فرمایا نہیں جا کر دیکھو، چنانچہ میں ایک طرف دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ کر



دیکھنے جاتی تھی اور دوسری طرف بھاگ کر ان کی تیار داری کرتی تھی اسی دوز دھوپ اور  
سماش و انتھار کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے کچھ سوار آتے دکھائی دینے میں نے اشارہ کیا  
وہ لوگ نہایت تیزی سے آ کر میرے پاس ٹھہر گئے اور ابوذر (جو حضرت) کے متعلق دریافت  
کیا کہ یہ کون شخص ہے میں نے کہا ابوذر جو حضرت پوچھا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں؟ میں  
نے کہا ہاں وہ لوگ فد یہ بانی و امی کہہ کر ابوذر جو حضرت کے پاس گئے پہلے ابوذر جو حضرت نے  
آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی سنا کی پھر وصیت کی کہ اگر میری بیوی یا میرے پاس کفن بھر  
کا کپڑا اٹکے تو اسی کپڑے میں مجھ کو کفناؤ اور قسم دلائی کہ تم میں سے جو شخص حکومت کا ادنیٰ  
مہدہ دار بھی ہو وہ مجھ کو نہ کفنائے اتفاق سے ایک انصاری نوجوان کے علاوہ ان میں سے  
ہر شخص کسی نہ کسی خدمت پر مامور رہ چکا تھا چنانچہ انصاری نے کہا کہ بچا میرے پاس ایک  
چادر ہے اس کے علاوہ وہ کپڑے اور ہیں جو خاص میری والدہ کے ہاتھ کے کتے ہوئے  
ہیں ان ہی میں آپ کو کفناؤں گا فرمایا ہاں تم ہی کفناؤ۔

اس وصیت کے بعد وفات پائی متحدہ روحوں کے باہم ملانے سے ظاہر ہوتا  
ہے کہ یہ لوگ یعنی تھے اور کوفہ سے آ رہے تھے ان ہی کے ساتھ مشہور صحابی عبد اللہ بن  
مسعود جو حضرت بھی تھے جو عراق جا رہے تھے بہر حال اس انصاری نوجوان نے ان کو کفنا یا  
اور عبد اللہ بن مسعود جو حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی تھی اور پھر مسجوں نے مل کر اسی صحرا کے  
ایک گوشہ میں ان کو بیچند خاک کیا۔

طیبت

قد دراز رف سیاسی مائل، ازمی گھنی سر اور دازمی دونوں کے بال سفید۔

ترکبہ

فقیروں کے کلبہ احزان میں کیا تھا صرف تین گدھے دو ماہو اور ایک نر چنہ

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۳۵، مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۶

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۳۶، سنن ابن سعد ج ۲ ص ۱۶۹

بکریاں کچھ سواریاں یہ ساری کائنات تھی۔  
**فضل و کمال:**

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی (ﷺ) کے بڑے حاضر باش تھے ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے اور آپ سے استفادہ اور تحصیل علم میں بڑے حریص تھے اور ہر چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے چنانچہ تمام اصول و فروع ایمان اور احسان رویت باری خدا کے نزدیک پسندیدہ کلمات لیلۃ القدر وغیرہ ہر چیز حتیٰ کہ نماز میں کنکری چھونے تک کے بارہ میں پوچھا۔ اسی ذوق و شوق اور تلاش و جستجو نے آپ کو علم کا دریا بنا دیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ جو علم و عمل کے مجمع البحرین تھے فرماتے تھے کہ ”ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے اور اس تعلیمی کو اس طرح سے بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب کمال آپ کو علم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتے تھے جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے حبر الامۃ کہلاتے تھے۔

**جنت اللہ:**

کلام حبیب ہونے ہونے کی حیثیت سے قدرۃ آپ کو حدیث سے خاص ذوق تھا آپ کی مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے ان میں ۱۲ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں۔ یہ تعداد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی مرویات کے مقابلہ میں بہت کم ہے اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ خاموش تنہائی پسند اور کم آمیز تھے اس لیے ان کے علم کی اشاعت نہ ہو سکی ورنہ صحابہ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے عام رواۃ میں خالد بن وہبان زید بن وہب جنہی خرشہ بن حر جبیر بن اصف بن قیس عبداللہ بن صامت زید بن ذبیان عبداللہ بن شقیق

۱ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ص ۱۶۹ ۲ استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۵ و تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابو ذر رضی اللہ عنہ

۳ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵ ۴ تہذیب الکمال ص ۳۳۹

عمرو بن میمون، عبداللہ بن غنم، قیس بن عباد، مرثد بن مالک بن زبید وغیرہم نے ان سے روایتیں کی ہیں۔<sup>۱</sup>

### افتا میں صداقت:

آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم وافتاتھی، اس میں ان کا نام نامی بھی تھا۔ مگر ان کے فتاویٰ کی تعداد بہت کم ہے، فتویٰ میں وہ کسی کی مطلق رو رعایت نہ کرتے اور بلا کسی خوف و ہراس کے جو سچی بات ہوتی وہ کہہ دیتے تھے، عہد عثمانی میں بعض مصلین صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرتے تھے، ایک شخص نے آ کر کہا ان سے فتویٰ پوچھا کہ ”عثمان (رضی اللہ عنہ) کے مصلوں نے صدقہ میں اضافہ کر دیا ہے، ایسی حالت میں کیا ہم بقدر زیادتی مال چھپا سکتے ہیں؟“ فرمایا نہیں ”ان سے کہو کہ جو واجبی ہو اس کو لے لیں اور جو ناجائز ہو اس کو واپس کر دیں، اگر اس کے بعد بھی وہ زیادہ لیں تو قیامت کے دن وہ زیادتی تمہاری میزان میں کام آئے گی، ان کا یہ فتویٰ ایک قریشی نوجوان کھڑا نہ رہا تھا، وہ بولا آپ کیوں فتویٰ دیتے ہیں؟ کیا آپ کو امیر المؤمنین نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا ہے؟ فرمایا کیا تم میرے نگہبان ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھ کو یقین ہو جائے کہ گردن کٹنے کے قبل جو کچھ آنحضرت ﷺ سے سنا ہے سنا سکوں گا تو یقیناً سنا دوں گا۔<sup>۲</sup>

### اخلاق و عادات:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان مہاجرین خاص میں تھے، جن کو بارگاہ نبوت میں خاص تقرب حاصل تھا، اس لیے آپ کے ہر فعل و عمل پر خلق نبوی (ﷺ) کا بہت گہرا پرتو پڑا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جنہوں نے دین و دنیا دونوں کو پوری طرح حاصل کیا، دوسرے وہ جنہوں نے دنیا کو ٹھکرا دیا، اور محض آخرت کی نعمتوں پر قناعت کی،

۱ تفصیل کے لیے دیکھو تہذیب المجذیب جلد ۲ ص ۹۰ ۲ اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۱۳

۳ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۲

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اسی دوسری صنف میں تھے وہ زہد و ورع، حق گوئی و حق پرستی، توکل و قناعت، استغناء و بے نیازی میں تمام صحابہ سے ممتاز تھے یہ وہ وقت تھا جب قیصر و کسریٰ کے خزانے دار الحلافہ میں لدے چلے آ رہے تھے، جگہ جگہ قصر و ایوان بن رہے تھے، عیش و تنعم کے سامان ہو رہے تھے مگر ان میں سے کوئی چیز بھی رضوان الہی کے اس طالب کو اپنی طرف متوجہ کرنے سکی، زرد جو اہر کے ڈیھران کی نگاہ میں خرف ریزوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے، زرف نقد کبھی جمع نہیں کیا، ضرورت سے جو فاضل بچتا، اس کو اسی وقت خرچ کر دیتے تھے، چار ہزار وظیفہ مقرر تھا، جب وہ ملتا تو خادم کو بلاتے اور ایک سال کے اخراجات کا اندازہ لگا کر چیزیں خرید لیتے اس سے جتنی رقم فاضل بچتی اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے، اور فرماتے کہ جو شخص سونا چاندی تھیلیوں میں محفوظ رکھتا ہے، وہ گویا انگارے رکھتا ہے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے دوست رضی اللہ عنہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص بھی سونا چاندی تھیلیوں میں محفوظ کرتا ہے، وہ جب تک اس کو خدا کی راہ میں نہ خرچ کر دے، اس کے لیے آگ کا انگارہ رہے گا۔ اس پر نہ صرف خود عاملی تھے، بلکہ چاہتے تھے کہ دنیا اسی رنگ میں رنگ جائے اور اس عقیدے میں یہاں تک کہ تشدد تھے کہ بڑے لوگوں سے ملنا تک گوارا نہ کرتے، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو بڑے رتبہ کے صحابی اور مرتبہ میں آپ سے کم نہ تھے، جب عراق کی گورنری کے زمانہ میں ان سے ملے تو قدیم تعلقات کی بنا پر ان سے چٹ گئے، انہوں نے کہا ”دور رہو“ وہ بھائی بھائی کہہ کر لپکتے تھے اور وہ یہ کہہ کر ہناتے تھے کہ تم اس عہدہ کے بعد میرے بھائی نہیں رہے، اس کے بعد پھر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ملے تو پھر محبت کے جذبہ سے مجبور ہو کر بھائی بھائی کہہ کر دوڑے، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا پھر وہی جواب تھا ”ابھی دور رہو“۔ اس کے بعد سوالات شروع کیے کہ تم لوگوں کے عامل بنائے گئے ہو، انہوں نے کہا ہاں، پوچھا تم نے بڑی عمارت تو نہیں بنائی، زراعت تو نہیں کرتے، گلے تو نہیں رکھتے، انہوں نے کہا نہیں، بولے ہاں اب تم میرے بھائی ہو۔ ۱

۱ ابن سعد جز ۴، قسم ۱ ص ۱۶۹ ح ۲ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ج ۱ ص ۱۶۳

۲ ابن سعد جز ۴، قسم ۱ ص ۱۶۹

ایک مرتبہ ابو ذر رضی اللہ عنہ حضرت ابودرداء انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ گھر بنا رہے ہیں یہ دیکھ کر کہا ابودرداء تم لوگوں کی گردنوں پر پتھر اٹھواتے ہو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں گھر بنا رہا ہوں ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی فقرہ دہرایا حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا برادرم شاید اس سے آپ کو کچھ ناگواری پیدا ہو گئی ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں تم کو اس کے بجائے تمہارے گھر کے پاخانہ میں بھی دیکھتا تو اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا!

سادگی:

اس فقیرانہ زندگی کے باعث ان کی زندگی بالکل سادہ تھی اور ان چند چیزوں کے علاوہ جو ایک جاندار کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں کبھی کوئی ساز و سامان نہیں رکھا ابو مروان نے ان کو ایک پشینہ کی چادر باندھے نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کیا اس چادر کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی کپڑا نہیں؟ فرمایا اگر اور کوئی کپڑا ہو تو میرے پاس دیکھتے انہوں نے کہا کچھ دن ہوئے تمہارے پاس دو کپڑے تھے فرمایا ہاں مگر وہ دونوں اپنے سے زیادہ حاجت مند کو دے دیئے انہوں نے کہا تم کو خود اس کی حاجت تھی فرمایا خدا تم کو معاف کرے تم دنیا کو بڑھانا چاہتے ہو تم کو نظر نہیں آتا کہ ایک چادر میں باندھے ہوئے ہوں دوسری مسجد کے لیے ہے میرے پاس کچھ بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں کچھ خچر ہیں جو بار برداری کے کام آتے ہیں ایک خادم کھانا پکا کر کھلا دیتا ہے اس سے زیادہ اور کیا نعمتیں درکار ہیں۔<sup>۲</sup>

عبداللہ بن خراش کا بیان ہے کہ میں نے ربذہ میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ سایہ میں ایک صوف کے نمڈے پر بیٹھے تھے ان کی بیوی بڑی سیاہ قام تھیں ان سے ایک شخص نے کہا کہ آپ کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی انہوں نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس دار الفنا میں اولاد کو لے کر دار البقا میں اس کو ذخیرہ آخرت بنایا لوگوں نے کہا کہ

کاش آپ کوئی دوسری بیوی کر لیتے، انہوں نے جواب دیا کہ ایسی عورت سے شادی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے جو مجھ میں تواضع پیدا کرے، بہ نسبت اس کے کہ جو مجھ میں ترفع پیدا کرے۔<sup>۱</sup>

جعفر بن زبرقان کہتے ہیں کہ مجھ سے غالب بن عبدالرحمن بیان کرتے تھے کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھا کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا پورا اثاثاں الیبت جمع کیا جاتا تو بھی اس شخص (ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے) کی چادر کی قیمت کے برابر نہ نکلتا، جعفر نے اس کو مہران بن میمون سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں ان کا کل اثاثہ دودرہم سے زیادہ کا نہ تھا۔<sup>۲</sup>

لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے، مگر وہ اس کو قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ والی شام نے ان کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں کہ وہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف کریں، انہوں نے اسی وقت واپس کر دیا اور کہا کہ ان کو میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص خدا کے معاملہ میں دھوکہ کھانے والا نہیں ملا، ہم کو صرف سرچھپانے کے لیے سایہ دودھ پینے کے لیے بکریاں اور خدمت کے لیے ایک لونڈی چاہیے، اس کے ماسوا جو کچھ ہو گا وہ زائد از ضرورت ہے۔<sup>۳</sup>

آپ فرماتے تھے کہ لوگ موت کے لیے پیدا ہوتے ہیں، ویران ہونے کے لیے آبادیاں بساتے ہیں، فنا ہونے والی چیزوں کی حرص و طمع کرتے ہیں اور باقی اور پائندہ چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں، وہ ناپسندیدہ چیزیں موت اور فقر میرے لیے کس قدر خوش آئند ہیں۔<sup>۴</sup>

زہد و تقویٰ:

ان کی زندگی شروع سے آخر تک سر تا پا زہد و تقویٰ تھی، جس پہلو پر نظر ڈالی جائے زہد و تقویٰ کا عجیب و غریب نمونہ نظر آئے گا، اس فقیرانہ زندگی کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ

۱ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم جلد اول ص ۱۶۳ ۲ ابن سعد جز ۳ ص ۱۷۰

۳ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ج ۱ ص ۱۶۲ ۴ ایضاً ص ۱۶۲

فرماتے تھے کہ ”میری امت میں سے ابوذر (رضی اللہ عنہ) میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جیسا زہد ہے۔ یہی زہد کی زندگی آخر دم تک قائم رہی۔ آنحضرت ﷺ کے عہد نبوت کے بعد سے لوگوں میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ شروع سے اخیر تک ایک رنگ پر قائم رہے۔“

جب عہد رسالت ﷺ کا مقدس دور ختم ہوا اور لوگ دنیا سے ملوث ہونے لگے تو تنہا نشینی اختیار کر لی، عمران بن حطان راوی ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے، میں نے کہا ابوذر (رضی اللہ عنہ) تنہائی کیوں اختیار کر لی، فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ تنہائی برے ہم نشین سے بہتر ہے۔ اسی وجہ سے وہ دنیا سے بہت دور بھاگتے تھے، ابی اسماء رجبی راوی ہیں کہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس رہ رہ گیا، ان کی بیوی کو سخت خستہ حال دیکھا۔ فرمانے لگے کہ یہ عورت مجھ سے کہتی ہیں کہ عراق جاؤ، اگر میں عراق جاؤں تو عراق والے میرے سامنے دنیا پیش کریں گے اور میرے دوست (آنحضرت ﷺ) نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جہنم کے پل کے سامنے پیر پھسلانے والا راستہ ہے، اور تم لوگوں کو اس پر سے گزرتا ہے، اس لیے بوجھ کی گراں باری سے ہلکا رہنا چاہئے۔“

فرمان رسول ﷺ کا پاس:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی ﷺ کو ہر لمحہ پیش نظر رکھتے تھے اور اس سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، بات بات میں فرماتے تھے کہ عہد الی خلیلی رسول اللہ ﷺ یا سمعت خلیلی رسول اللہ ﷺ۔ میرے دوست رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے یہ وعدہ لیا ہے یا میں نے اپنے دوست ﷺ کو یہ کہتے سنا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے امارت کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا تم ناتواں ہو اور امارت ایسا بار امانت ہے کہ اگر اس کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کی جائے تو آخرت میں اس کے لیے رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔<sup>۵</sup>

۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۸۷، استیعاب تذکرہ ابوذر رضی اللہ عنہ ج ۲ اصابع ج ۷ ص ۶۲

۲۔ مستدرک ج ۳ ص ۳۳۳ ج ۲ ابن سعد ج ۳ ص ۱۴۲ ص ۱۴۲ ۵ ایضاً ص ۱۷۰

اس فرمان کے بعد پھر انہوں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی، ان کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں، انہوں نے ایک کا ازار بنایا اور ایک چھوٹی کملی اوزھ لی اور دوسری غلام کو دے دی، گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا، فرمایا یہ صحیح ہے، لیکن میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو تم کھاتے پیتے ہو وہی اپنے اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ۔<sup>۱</sup>

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے اوپر ایسے امراء حکمران ہوں گے جو اپنا حصہ زیادہ لیں گے، اس وقت تم کیا کرو گے؟ عرض کی، تلوار سے کام لوں گا۔ فرمایا، میں تم کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہوں، ایسے وقت صبر کرنا، یہاں تک کہ مجھ سے مل جاؤ۔<sup>۲</sup> اس مشورہ پر انہوں نے اس سختی سے عمل کیا کہ جب وہ زمانہ آیا تو تہاشنی اختیار کر لی، اور کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

ایک مرتبہ وہ مسجد میں لیٹے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا، ابوذر رضی اللہ عنہ: جب تم اس سے نکالے جاؤ گے تو کیا کرو گے؟ عرض کی، مسجد نبوی (ﷺ) یا اپنے گھر چلا جاؤں گا۔ اگر اس سے بھی نکالے گئے تو کیا طریقہ اختیار کرو گے؟ عرض کی، تلوار نکالوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا کہ، ابوذر! خدا تمہاری مغفرت کرنے، تلوار نہ نکالنا، بلکہ جہاں وہ لے جانا چاہیں چلے جانا۔ چنانچہ جب ربذہ میں رہنے کا حکم ملا تو اس فرمان کے مطابق بلا کسی عذر کے چلے گئے اور وہاں حبشی غلام کے پیچھے نماز پڑھی، ہر چند اس نے آپ کو بڑھانا چاہا مگر آپ نے جواب دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔<sup>۳</sup>

حسب رسول ﷺ:

ابوذر رضی اللہ عنہ: کو ذات نبوی ﷺ کے ساتھ جو شیفتگی تھی، اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا، ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آدی کسی ایک

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۷۰۔ ۲ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۶۶۔

۳ مسند ابن فضال ج ۵ ص ۳۳ و ابن سعد۔



جماعت سے محبت کرتا ہے، لیکن اس کے جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا:

”ابو ذر (رضی اللہ عنہ) تم جس شخص سے محبت رکھتے ہو اس کے ساتھ ہو۔“ عرض کیا میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، فرمایا تم یقیناً اسی کے ساتھ ہو، جس سے محبت رکھتے ہو۔<sup>۱</sup>

آنحضرت ﷺ کے بعد جب آپ کا نام زبان پر آ جاتا تو آنسوؤں کا دریا مانند آتا، انحف بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسلسل سجدے کر رہا ہے، جس سے میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا، جب میں دوبارہ لوٹ کر گیا تو پوچھا کہ آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے جنت نماز پڑھی یا طاق، اس نے کہا اگر میں لاعلم ہوں تو خدا ضرور جانتا ہے، اس کے بعد کہا کہ ”میرے دوست ابو القاسم ﷺ نے مجھ کو خبر دی ہے۔“ صرف اس قدر زبان سے نکلا تھا کہ رونے لگے، پھر کہا کہ ”میرے دوست ابو القاسم ﷺ نے مجھ کو خبر دی ہے۔“ انہی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ پھر آنسو مانند آئے، آخر میں سنہل کر کہا کہ ”میرے دوست ابو القاسم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ خدا کا سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا ایک درجہ بلند کر کے اس کی بدی کو مٹا کر نیکی لکھتا ہے، میں نے پوچھا آپ کون ہیں، فرمایا ”ابو ذر رسول اللہ ﷺ کا صحابی“ یہ سن کر میں اپنی تقصیر پر بہت تادم ہوا۔<sup>۲</sup>

بارگاہِ نبوی ﷺ میں پذیرائی:

حریمِ نبوت میں ان کی یہ نیاز مندیاں بہت مقبول تھیں، جب یہ مجلس میں موجود ہوتے تو سب سے پہلے ان ہی کو مخاطب کا شرف حاصل ہوتا اور اگر موجود نہ ہوتے تو تلاش ہوتی، جب ملاقات ہوتی تو آنحضرت ﷺ مصافحہ فرماتے۔<sup>۳</sup>

یہ محبت و یگانگت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ اپنے اسرار تک ان سے نہ چھپاتے تھے اور یہ بھی رازداری کا پوری طرح فرض ادا کرتے تھے ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کی بعض باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا ”اگر

آپ کا کوئی راز ہوگا تو نہ بتاؤں گا“۔<sup>۱</sup>

یہی یگانگت آنحضرت ﷺ کے آخری لمحہ حیات تک قائم رہی چنانچہ مرض الموت میں آپ نے ان کو بلوا بھیجا یہ جب حاضر خدمت ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ لینے ہوئے تھے ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کے اوپر جھک گئے اور محبوب عالم ﷺ نے ہاتھ بڑھا کر چٹالیا۔<sup>۲</sup> نہ معلوم یہ نگاہ واپس کیا کام کر گئی کہ آخر دم تک دار فقی کا عالم طاری رہا۔

آنحضرت ﷺ جو چیز اپنے لیے پسند فرماتے تھے وہی ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی پسند فرماتے تھے کہ یہی آئین محبت ہے ایک مرتبہ انہوں نے امارت کی خواہش کی آپ نے فرمایا کہ ”ابوذر رضی اللہ عنہ تم تا تو اں ہو اور میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں“۔<sup>۳</sup>

خلیفہ کی اطاعت:

اگرچہ ابوذر رضی اللہ عنہ حق پسند طبیعت رکھتے تھے پھر بھی اختلاف امت کے خیال سے کسی چیز میں خلیفہ وقت کے حکم سے سرتابی نہ کرتے تھے اوپر گزر چکا ہے کہ ربذہ کے قیام کے زمانہ میں عراقیوں کی خواہش کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر مجھ پر حبشی بھی امیر بنایا جائے تو بھی اس کی اطاعت کروں گا اور اس کو عملاً کر کے دکھایا چنانچہ جب وہ ربذہ جا کر مقیم ہوئے تو اتفاق سے اس وقت یہاں کا امیر ایک حبشی تھا جب ابوذر رضی اللہ عنہ پہنچے اور نماز کے وقت جماعت کھڑی ہوئی تو وہ ان کے ادب کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا انہوں نے فرمایا ”تم ہی نماز پڑھاؤ تم گو حبشی غلام ہو لیکن مجھ کو حکم ملا ہے کہ خواہ حبشی ہی امیر کیوں نہ ہو مگر اس کی اطاعت کرنا“ خلیفہ وقت کا عمل خواہ ان کے نزدیک غلط ہی کیوں نہ ہوتا اس کی مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ خود بھی وہی کرتے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حج کو گئے کسی نے آ کر اطلاع دی کہ منیٰ میں عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں نماز پڑھیں آپ کو بہت ناگوار ہوا اور درست الفاظ

استعمال کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی ہے یہ سب دو رکعت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے امامت کی مگر خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں لوگوں نے کہا آپ نے امیر المؤمنین پر اعتراض کیا، لیکن خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں۔ فرمایا کہ اختلاف بری چیز ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امرا ہوں گے ان کی تذلیل نہ کرنا اور جو شخص ان کی تذلیل کا ارادہ کرے گا اس نے گویا اسلام کی جبل متین اپنی گردن سے نکال دی اور توبہ کا دروازہ اپنے لیے بند کر لیا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ امرا و خلفاء کی تمام جاوید باتوں کو مان لیتے تھے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اغزشوں پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے بلکہ برا بھلا تک کہتے تھے۔

### حق گوئی:

خدا کے معاملہ میں لومۃ الائم کی مطلق پروا نہ کرتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آج میرے اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں ہے جو خدا کے معاملہ میں لومۃ الائم کا خوف نہ کرتا ہو۔ ان کی حق گوئی کی شہادت خود زبان وحی و الہام نے دی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابو ذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔

### فیاضی:

اس تحقیر دنیا کا لازمی نتیجہ سیر چشمی اور فیاضی تھا ان کو سالانہ وظیفہ کافی ملتا تھا، لیکن اپنی محدود ضروریات کے علاوہ جس قدر بچتا تھا لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اگر کوئی کہتا کہ اس کو رکھ لیجئے آپ کے اور آپ کے مہمانوں کے کام آئے گا تو فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سونا چاندی جمع کرتا ہے وہ گویا انکار سے جمع کرتا ہے جب تک اس کو راہ خدا میں صرف نہ کر دے۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۵ ح تذکرۃ الحفاظ تذکرۃ ابو ذر رضی اللہ عنہ ج ۱ ترمذی مناقب ابی ذر رضی اللہ عنہ

۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۵۶ ح

### مہمان نوازی اور حق جواری:

آپ کی غذا زیادہ تر بکریوں کا دودھ تھا، لیکن اس میں بھی مہمانوں اور پڑوسیوں کو شریک کرتے تھے، عمیلہ فزاری روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا تھا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ دودھ دودھ کر پہلے مہمانوں اور پڑوسیوں کو پلاتے تھے، ایک مرتبہ دودھ اور کھجوریں لے کر پڑوسیوں اور مہمانوں کے سامنے پیش کر کے معذرت کرنے لگے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اگر ہوتا تو پیش کرتا، چنانچہ جو کچھ تھا سب دوسروں کو کھلا دیا اور خود بھوکے سو رہے۔

خوش اخلاقی:

عموماً زہاد متقشفین کے مزاج میں ایک طرح کی خشکی ہوتی ہے لیکن مسیح اسلام کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، ان کا اخلاق بدویوں تک کو مسحور کر لیتا تھا، ایک بدوی کا بیان ہے کہ میں ابو ذر کے ساتھ رہا ہوں، ان کی تمام اخلاقی خوبیاں تعجب انگیز تھیں۔

وہ جن اخلاقی اصول پر عمل پیرا تھے ان کو خود سناتے تھے کہ ”میرے دوست (رضی اللہ عنہ) نے مجھے سات وصیتیں کی ہیں، مسکین کی محبت اور ان سے ملنا جلنا، اپنے سے کمتر کو دیکھنا اور بلند تر کو نہ دیکھنا، کسی سے سوال نہ کرنا، صلہ رحمی کرنا، حق بولنا، خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو، خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرنا، لاحول و لا قوۃ کا ورد کثرت سے کرنا۔“



## حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

نسب تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام ماہ تھا، اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا، ابو عبد اللہ کنیت ہے سلسلہ نسب یہ ہے، ماہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن بیودان بن فیروز بن سہرک۔

قبل اسلام:

آپ کے والد اصفہان کے ”جی“ نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشت کار تھے، ان کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے، آتش کدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق کر رکھی تھی، چونکہ مذہبی جذبہ ان میں ابتدا سے تھا، اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا، اور نہایت سخت مجاہدات کیے، شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے، حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا، جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہیں دیتے ہیں۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسائیت کا میلان:

ان کے والد کا ذریعہ معاش زمین تھی، اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتے تھے، ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت خود نہ جاسکے اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سلمان کو بھیج دیا، ان کو راستہ میں ایک گر جا ملا، اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی، نماز کی آواز سن کر دیکھنے کے لیے گرجے میں چلے گئے، نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا، اور مزید حالات کی جستجو ہوئی اور عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ”یہ مذہب ہمارے مذہب سے

بہتر ہے۔“ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے، عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے، انہوں نے کہا شام میں پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے۔ باپ نے پوچھا اب تک کہاں رہے، جواب دیا ”کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا“ باپ نے کہا ”وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں“ جواب دیا ”بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے“ اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا، مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی، اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا، چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر دی، انہوں نے کہا جب واپس ہوں تو مجھ کو بتانا، چنانچہ جب کاروان تجارت لوٹنے لگا تو ان کو خبر کی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے، شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے، لوگوں کے بپ کا پتہ دیا، اس سے جا کر کہا ”مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں، اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کر لو۔“

### تبدیلی مذہب:

چنانچہ مجوسیت کے آتش کدہ سے نکل کر ”آسمانی بادشاہت“ کی پناہ میں آ گئے، مگر یہ بپ بڑا بد اعمال اور بد اخلاق تھا، لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا، جب وہ دیتے تو اس کو فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنے کے بجائے خود لے لیتا، اس طریقہ سے اس کے پاس سونے اور چاندی کے سات منگے جمع ہو گئے، حضرت سلمان جو بڑا سادہ دل اور آزکو دیکھ دیکھ کر بیچ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان و شوکت کے ساتھ اس کی جھینور تکفین کرنے کو جمع ہوئے، اس وقت انہوں نے اس کا سارا اعمال نامہ لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا، لوگوں نے پوچھا، تم کو کیسے معلوم

ہوا انہوں نے ان کو لے جا کر اندرونِ خزانہ کے پاس گھڑا کر دیا سماشی لی تو واقعی سات  
 شے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے جیسا یوں نے اس کی سزا میں غرض و فن  
 کرنے کے بجائے سلیب پڑا کر سنگسار کی اس کی جگہ دوسرا بپ مقرر ہوا یہ بڑا عابد و  
 زاہد اور تارک الدنیا تھا شب و روز عبادت الہی میں مشغول رہتا تھا اس لیے سلمان ہرگز  
 اس سے بہت مالوس ہو گئے اور وہی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض  
 یاب ہوتے رہے جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا میں آپ کے پاس  
 عرضہ تم نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا اب آپ کا وقت آخر ہے اس لیے آئندہ کے  
 لیے مجھ کو یہ ہدایت ہوتی ہے اس نے کہا میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب  
 عیسوی کا سچا پیرو ہو سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجود عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ  
 بدل دیا ہے اور بتیسرے اصول تو اسے سے چھوڑی دیے ہیں ہاں موصل میں فلاں شخص  
 دین حق کا سچا پیرو ہے تم جا کر اس سے ملاقات کرو۔

### موصل کا سفر:

چنانچہ اس بپ کی موت کے بعد حق کی جستجو میں دو سر مل پہنچے اور سماش کر کے  
 اس سے ملے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے  
 یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ ابھرتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تحقیق فرود کروں اس نے  
 ان کو ظہر الیا پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکیزہ تھا  
 اس لیے سلمان ہرگز نے آئندہ کے متعلق اس سے بھی وصیت کی خواہش کی اس نے  
 نصیحتیں میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

### نصیحتیں کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ نصیحتیں پہنچے اور پادری سے مل کر دوسرے پادری  
 کی وصیت بتائی یہ اسقف بھی پہلے انہوں اسقفوں کی طرح بڑا عابد و زاہد تھا سلمان یہاں  
 مقیم ہو کر اس سے روحانی نصیحتیں حاصل کرنے لگے ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض

اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آ پہنچا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا، اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ بتایا۔  
عموریہ کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے، کچھ بکریاں خرید لیں، ان سے مادی غذا حاصل کرتے تھے، اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے، جب اس کا پیاناہ حیات بھی لبریز ہو گیا، تو حضرت سلمان نے اس کو اپنی پوری سرگزشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیے، اس نے کہا بیٹا! میں تمہارے لیے کیا سامان کروں، آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے، جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں، البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیم کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا، اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا اور صدقہ اپنے لیے حرام سمجھے گا، اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر:

اس اسقف کے مرنے کے بعد سلمان عرصہ تک عموریہ میں رہے، کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے، سلمان نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا، وہ لوگ تیار ہو گئے اور زبان حال سے یہ شعر چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہرو کو میں پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے۔

غلامی:

لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر دھوکا دیا، اور ان کو ایک یہودی کے



ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا مگر یہاں کھجور کے درخت نظر آئے جس سے یہ تو اس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہو جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن ہی قیام کیا تھا کہ یہ امید بھی منقطع ہو گئی آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا اس نے سلمان رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا۔

غلامی اور مدینہ کا سفر:

وہ اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے ہاتھ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے ۔

اسی سے ہوگی ترے غم کدہ کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی درحقیقت اس غلامی پر جو کسی کی آستان ناز تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پرتو اُٹکن ہو چکا تھا، لیکن جو رستم کے بادلوں میں چھپا تھا، سلمان رضی اللہ عنہ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے آخر انتظار کرتے کرتے وہ یوم مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب سلمان رضی اللہ عنہ کی شب بھر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلایا یعنی سرور عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، سلمان رضی اللہ عنہ کھجور کے درخت پر چڑھے کچھ درست کر رہے تھے آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی نے آ کر کہا خدایا نبی قیلہ کو غارت کرے سب کے سب قبائلیہ شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں، سلمان رضی اللہ عنہ کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا، صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت پر سے فرش زمین پر آ جائیں، اسی مدہوشی میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو آقا نے اس سوال پر گھونرہ

مار کر ڈالنا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو اس وقت سلمان جیؓ خاموش ہو گئے۔  
اسلام:

لیکن اب صبر کے تھا، کھانے کی چیزیں پاس تھیں، ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس چیزیں صدقہ کے لیے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے، اس کو قبول فرمائیے، آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا، اس طریقہ سے سلمان جیؓ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ وہ صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج ہدیہ قبول فرمائیے، آپ ﷺ نے ہدیہ قبول کیا، خود بھی نوش فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا، اسی طریقہ سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشم پر نعم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ، سلمان نے سامنے آ کر ساری سرگزشت سنائی، آنحضرت ﷺ کو یہ دلچسپ داستان اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام:

حضرت سلمان جیؓ اتنے مرحلوں کے بعد دین حق سے ہم آغوش ہوئے اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر آقا کے گہرواپس آئے۔

آزادی:

غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے، جس کی بنا پر غزوہ بدر واحد میں شریک نہ ہو سکے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو، تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا، آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کر، سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے، اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ کی مدد سے انہوں نے ان کو بٹھایا اور زمین وغیرہ ہمار کر کے ایک شرط

پوری کردی، سونے کی آداہنگی کا سامان خدا نے اس طرح کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرنے کے اندے کے برابر سونا مل گیا، آپ نے سلمان بنی ہذیل کو دے دیا، یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا، اس لیے گلو خلاصی حاصل کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔!

### مواخاۃ:

غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں ساتھ رہنے لگے، اس وقت بالکل غریب الہ یار تھے، کوئی شناسا نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان کی ابو درداء بنی ہذیل سے مواخاۃ کرادی۔!

### غزوات:

بدرواحد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھیں، آزادی کے بعد پہلا غزوہ خندق پیش آیا، اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے پہلی دونوں لڑائیوں کی عدم شرکت کی سلفی کردی، غزوہ خندق میں تمام عرب کا مڈی دل اس ارادہ سے امنڈ آیا تھا کہ مسلمانوں کا کامل استیصال کر دے اور حملہ خود مدینہ پر تھا، جس کی کسی سمت نہ قلعہ تھا، نہ فصیل تھی، مقابلہ بڑا سخت تھا، ایک طرف قبائل عرب کا عظیم الشان متحدہ لشکر تھا، دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے، آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا، سلمان فارسی چونکہ ایران کی صف آریاں دیکھے ہوئے تھے، اس لیے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے، مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے، یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی، اور اس پر عمل کیا گیا، خندق کی کھودائی میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس شریک تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے، شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا، اور رجز یہ اشعار زبان پر

! قبل از اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳۲ کی مختلف روایات

سے ماخوذ ہیں اور ان کو لکھ دیا گیا ہے۔ ۲ بخاری جلد ۲ ص ۸۹۸، ۳ ابن سعد جز ۳، قسم ۱ ص ۴۷

جاری تھے۔ ذیقعدہ ۵ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی، عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی، وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، مگر یہاں آ کر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل ہے ۲۲، ۲۱ دن تک مسلسل محاصرہ قائم رہا، مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار نا کام لوٹ گئے۔

خندق کے علاوہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔ اور غزوہ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا، جس میں شریک ہو کر دادِ شجاعت نہ دی ہو۔<sup>۱</sup>

عہد صدیقی اور عراق:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ تک حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہے اور غالباً عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتدا میں انہوں نے عراق کی اور ان کے اسلامی بھائی ابو درداء رضی اللہ عنہ نے شام کی سکونت اختیار کر لی، یہاں اقامت کے بعد ابو درداء رضی اللہ عنہ کو خدانے مال و اولاد سے بہت نوازا، انہوں نے سلمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ”تم سے چھٹنے کے بعد خدانے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا، اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف حاصل ہوا، انہوں نے جواب دیا کہ ”یاد رکھو مال و اولاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے، بھلائی اس میں ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے، محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔“<sup>۲</sup>

عہد فاروقی:

سلمان رضی اللہ عنہ ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لیے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، ایک ایرانی قصر کے محاصرہ کے وقت حملے سے پیشتر محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم

۱ بخاری ج ۲ کتاب المغازی غزوہ خندق ج ۲ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۳

۲ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰ ج ۲ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱

تھا، لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا۔ تم لوگ اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیئے جائیں گے اور جو قانون ان کے لیے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون پر نافذ کیا جائے گا۔ تین دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزرگ شمشیر فتح کر لیا۔  
فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ہاتھ آئی تھی جو وفات کے وقت کام میں لائے۔<sup>۱</sup>

### گورنری:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز تھے اس کی تفصیل آئندہ عادات و اخلاق کے تذکرہ میں آئے گی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مقررین بارگاہ نبوی ﷺ میں تھے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک دفعہ سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے سلمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر گدہ ان کی طرف بڑھا دیا۔<sup>۲</sup>  
علالت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عیادت کو گئے سلمان رضی اللہ عنہ رونے لگے سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ابو عبد اللہ رونے کا کونسا مقام ہے آنحضرت ﷺ تم سے خوش دنیا ت گئے تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے پھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی کہا خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے رونا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادراہ سے زیادہ نہ ہونا چاہیے حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۱ ج ۲ ابن سعد جز ۳ ص ۶۶

۲۔ مستدرک ح ۳ ص ۵۵۹

سعدؓ کہتے ہیں کہ کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا، ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلیہ سے زیادہ نہ تھا، اس کے بعد سعد نے خواہش کی کہ مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے، فرمایا کہ کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت، تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو۔ اسی بیماری کے دوران میں اور احباب نے بھی نصیحت و وصیت کی خواہش کی، فرمایا تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے۔<sup>۱</sup>

وقت آخر ہوا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی اور اپنے ہاتھی سے پانی گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوا یا، اور سب کو اپنے پاس سے بنا دیا، جب لوگ تھوڑی دیر کے بعد گئے تو دیکھا کہ مرغ روح قفس خاکی سے چھوٹ کر شاخ طوبیٰ پر پہنچ چکا تھا۔<sup>۲</sup>

**فضل و کمال:**

حضرت سلمانؓ کے وقت کا بڑا حصہ آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گزرتا تھا، اس لیے آپ علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے، حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا اور وہ ایسا دیر تھے جو پایابی سے نا آشنا رہا، وہ ہمارے اہل بیت میں تھے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے“۔ علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت میں اس طرح ان کا شمار ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قربت اختصاص کی بناء پر اور اس لیے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا، ان کو اعزاز اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا تھا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے، ان کے کمال علم کے معترف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں

۱ ابن سعد جز ۲، ص ۶۵ ۲ ابن سعد جز ۵، ص ۶۵ ۳ ابن سعد جز ۴، ص ۶۶

۴ استیعاب ج ۳، ص ۵۷۲

سے علم حاصل کرنا، ان چاروں میں ایک سلمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی تھا۔ ایک موقع پر خود زبان نبوت نے ان کے علم و فضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ علم سے لبریز ہیں۔<sup>۱</sup> صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ فضلاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے۔<sup>۲</sup> آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا، آپ کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے، ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں۔<sup>۳</sup>

ابوسعید خدری، ابوالطفیل، ابن عباس، اوس بن مالک اور ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم

آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔<sup>۴</sup>

گو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا علم بہت وسیع تھا، تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے اس لیے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے متجاوز نہ ہو سکی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں لوگوں سے بعض ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق فرمائی تھیں، لوگ ان کی تصدیق کے لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ زیادہ بہتر جانتے ہیں لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آ کر کہا کہ ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث سلمان رضی اللہ عنہ کو سنائی، وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید، حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو کچھ تم نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے، فرمایا بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات خوش ہو کر کچھ فرما دیتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ تم ان باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنا دو گے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کرتے تھے کہ خداوند! غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اس کو اس کے حق میں خیر کر دینا۔<sup>۵</sup>

۱ ابن سعد جز ۲، قسم ۱ ص ۶۱ ۲ ایضاً ۳ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱

۴ تہذیب الکمال ص ۱۳۷ ۵ تہذیب الحدیث ج ۳ ص ۱۳۸

پھر ان سے کہا، تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ، نہیں تو میں عمر (رضی اللہ عنہ) کو آگاہ کر دوں گا۔<sup>۱</sup> چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے اس لیے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ”سلمان دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں، کلام اللہ اور انجیل“ مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سنے تھے، بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے توراہ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔<sup>۲</sup>

عام حالات، تقرب بارگاہ نبوی ﷺ:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے اس خاص زمرہ میں تھے جن کو بارگاہ نبوی میں مخصوص تقرب حاصل تھا، چنانچہ صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی ہمسری کر سکتے ہوں، غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین و انصاری علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہمارے زمرہ میں ہیں انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں۔<sup>۳</sup> امام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سلمان کی شب کی تنہائی کی محبت آنحضرت ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں کو (ازواج) خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہمارے حصوں کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ”جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے، علی، عمار اور سلمان کی“۔<sup>۴</sup> آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے بارہ میں رنجیدہ ہو گئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیب، بلال اور سلمان رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرے، ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلو اور خدا کے

۱ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۶۹ ج ۱ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱

۲ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۸ ج ۲ جامع ترمذی مناقب سلمان



دشمن (ابوسفیان) کی گردن پر نہیں پڑی، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کی شان میں ایسا کلمہ زبان سے نکالتے ہو اور آنحضرت ﷺ سے آ کر بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو گویا خدا کو ناراض کیا، حضرت ابو بکرؓ بہت تادم ہوئے اور آ کر ان بزرگوں سے معذرت کی۔  
اخلاق و عادات:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی، جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں عابد و زاہد نصرانی تھے، اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل نمونہ بن گئے، ان کے اصلی فضل و کمال کا میدان یہی ہے۔  
زہد و تقویٰ:

ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا، جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے، اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا، جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ مل جاتا، پڑ رہتے، ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لیے مکان بنا دوں، فرمایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں، وہ پیہم اصرار کرتا تھا، یہ برابر انکار کرتے جاتے تھے، آخر میں اس نے کہا آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا، فرمایا وہ کیسا، عرض کیا اتنا مختصر کہ اگر کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو چہرہ دیوار سے لگیں، فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنا دی۔<sup>۱</sup>

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا، مزخرفات دنیا کو کبھی پاس نہ آنے دیتے تھے، وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا، بستر میں معمولی سا بچھونا اور دو اینٹیں تھیں جن کا تکیہ بناتے تھے، اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا سر و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا یہ حال ہے، یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی، جب امارت کے عہدہ پر

ممتاز تھے اس وقت بھی کوئی فرق نہ آیا، حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے اس وقت بھی ان کے پاس صرف ایک عبا تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور اس کا آدھا حصہ اوڑھتے اور آدھا بچھاتے تھے۔  
 رہبانیت سے اجتناب:

مگر اسلام کی تعلیمات کے خلاف ان کی زندگی راہبانہ نہ تھی، مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا لحاظ رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے، ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو درداءؓ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے رات بھر نماز پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے، حضرت سلمانؓ ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ابو درداءؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا، پوچھا تم نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے، انہوں نے کہا کس کے لیے بناؤ سنگار کروں، تمہارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی، حضرت ابو درداءؓ جب گھر آئے تو ملنے ملانے کے بعد کھانا منگایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزہ سے ہوں، فرمایا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا، پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے رہے، جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے، روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے، اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ نے ابو درداءؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمان (رضی اللہ عنہ) تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں۔

سادگی:

حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں سادگی بہت غالب تھی، جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی، مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم کے تمام

لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا لباس میں ایک عبا اور ایک اونچا پانچامہ ہوتا تھا ایرانی اس ہیئت کو دیکھ کر ”گرگ آمد“ گرگ آمد کہتے ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس سے شان سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیص تھی جس سے گھنٹے بھی نہ چھپتے تھے ٹانگیں کھلی ہوئی تھی لڑکے اس ہیئت کدائی میں دیکھ کر پیچھے لگ گئے لوگوں نے یہ طوفان بے تمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ہنایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو ایک مرتبہ ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی فوجی امارت کی شان و شوکت کا کیا ذکر یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی چنانچہ فوجی نوجوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔

ابو قلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمان کے یہاں گیا دیکھا کہ وہ بیٹھے آنا گوندھ رہے ہیں پوچھا خادم کہاں ہے کہا کام سے بھیجا ہے مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دودو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو اکثر مزدور کا دھوکہ ہو جاتا تھا ایک مرتبہ ایک عبسی نے جانور کے لیے چارہ خریدا حضرت سلمان کھڑے تھے ان سے کہا اس کو گھر تک پہنچا دو وہ اٹھا کر لے چلے راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائے ہم پہنچا دیں۔ یہ حال دیکھ کر عبسی نے پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔ وہ سن کر بہت نادم ہوا اور کہا آپ تکلیف نہ کیجئے لیکن انہوں نے فرمایا ”اس میں مجھے نیت کا ثواب مقصود ہے اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا۔“

فیاضی:

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کا نمایاں وصف تھا آپ کو جس قدر وظیفہ ملتا تھا اس کو کل مستحقین میں تقسیم کر کر دیتے تھے اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لیے رکھ لیتے ایک تہائی بال بچوں پر خرچ

کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے، ارباب علم کے بڑے قدردان تھے، جب کوئی رقم ہاتھ آ جاتی تو حدیث نبوی کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے۔  
صدقات سے اجتناب:

صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے، ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے، فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے، کہا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا، فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ دھوؤں کھلانا چاہتے ہو۔ (حالانکہ اس کا مانگا ان کے لیے صدقہ نہ رہ جاتا)۔  
حلیہ:

بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔



## حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

### نام و نسب:

اسامہ نام ابو محمد کنیت، حب رسول اللہ (ﷺ) یعنی محبوب رسول لقب، والد کا نام زید تھا، اسامہ بن زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب بن عبد العزی بن زید امرؤ القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن غزوه بن زید الملات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ کلبی۔

### پیدائش، اسلام اور ہجرت:

۶ بعثت میں مکہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد زید جویشہ آنحضرت (ﷺ) کے محبوب غلام اور منہ بولے بیٹے تھے، اور ان کی ماں برکہ آنحضرت (ﷺ) کی کھلائی تھیں، اس لیے ان کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رسول اللہ (ﷺ) کی محبوبیت کا شرف ورثہ میں ملا تھا، انہوں نے آنکھ کھولتے ہی اسلام کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی، اس لیے ان کی زندگی کا کوئی حصہ کفر و شرک کی آلودگیوں سے ملوث نہ ہوا، ہجرت کا شرف آنحضرت (ﷺ) کے ساتھ حاصل کیا۔<sup>۱</sup>

### غزوات:

ہجرت عظمیٰ کے بعد مغازی اور سرایا کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ابتدائی لڑائیوں میں کم سنی کے باعث شریک نہ ہو سکے، سریہ حرقہ سے میدان جنگ میں آنے کی ابتدا معلوم ہوتی ہے۔<sup>۲</sup> صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس سریہ کا نام سریہ حرکات لکھا ہے، اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ وہی سریہ ہے جس کے امیر غالب لیثی تھے اور جو

۱ ایضاً ص ۳۳ ج ۲ گو اس کی تصریح نہیں ملتی لیکن قیاس ہی چاہتا ہے۔

۷ھ میں واقع ہوا تھا، لیکن حاکم نے اکیلے میں لکھا ہے کہ یہ دوسرا سریہ تھا، جو ۸ھ میں ہوا، ان دونوں سریوں کے الگ الگ ہونے کی اس امر سے بھی شہادت ملتی ہے کہ سریہ غالب کے امیر حضرت غالب رضی اللہ عنہ تھے اور اس سریہ حرثہ میں امارت و قیادت اسامہؓ کے ہاتھ میں معلوم ہوتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے اشارۃً ظاہر ہوتا ہے اور حاکم نے اکیلے میں اس کی تصریح کی ہے، یہ سریہ ۷ھ یا ۸ھ کا واقعہ ہے، اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۳، ۱۵ سال کی تھی، مگر ان کی فطری استعداد و صلاحیت نے آنحضرت ﷺ سے اس سریہ کی سرداری کا شرف حاصل کیا، مگر نا آزمودہ کار تھے، اس لیے بعض فاش غلطیاں ہو گئیں، جن کو وہ خود اپنی زبان سے بیان کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم لوگوں کو حرثہ کی طرف بھیجا تھا، صبح کو دشمنوں سے مقابلہ ہوا، دشمن ہزیمت کھا کر بھاگ گئے، میں نے اور ایک انصاری نے ایک شخص کا تعاقب کیا، جب وہ زد میں آ گیا تو لا الہ الا اللہ پکارا تھا، اس کے اس اعلان پر انصاری نے ہاتھ روک لیا، مگر میں نے نیزوں سے کام تمام کر دیا، واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ اسامہ تم نے ایک شخص کو کلہ طیبہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کر دیا، میں نے عرض کیا، اس نے اپنے بچاؤ کے لیے ایسا کیا تھا، آپ نے یہ عذر ناقابل قبول سمجھا اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ مجھ کو اتنی ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا کاش آج کے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔<sup>۱</sup>

دوسری روایت کے لیے یہ الفاظ ہیں کہ ”اے اسامہ! تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا،“ یعنی ظاہری اسلام کے لیے زبان کا اقرار کافی ہے، اس سریہ کے متعلق ایک یمنی کی روایت ہے کہ یہ اسامہ کے میدان جنگ میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے قتل کسی غزوہ میں نہیں شریک ہوئے اور اس سے ان کی جنگ آزمائی کی ابتدا ہوئی۔

۱۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھو زرقانی ج ۳ ص ۲۸۸، ۲۸۹

۲۔ بخاری ج ۲ کتاب المغازی باب بخت النبی ﷺ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

## فتح مکہ:

فتح مکہ اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ تھا، اسامہؓ اس میں شریک تھے اور فتح مکہ کے بعد بیت اللہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپ کے ساتھ سوار تھے اور حضرت بلالؓ و عثمانؓ بن طلحہ جلو میں تھے خانہ کعبہ کھلنے کے بعد چاروں آدمی ساتھ داخل ہوئے ان کے داخلہ کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا۔

## امارت سریہ:

آنحضرت ﷺ نے ایک سے زائد سریے اسامہؓ کی سرگردگی میں بھیجے ان میں سب سے اہم وہ سریہ تھا جس میں ان کو اہل صحابہؓ پر شرف امارت عطا ہوا اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ، شاہ بصری کے دربار سے سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے کہ مقام موتہ میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کو شہید کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے انتقام میں حضرت زیدؓ کی زیر قیادت ایک سریہ روانہ کیا، لیکن یہ بھی شہید ہوئے اور ان کے ساتھ اکابر صحابہؓ میں حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے بھی جام شہادت پیا، آنحضرت ﷺ کو ان بزرگوں کی شہادت کا بڑا قلق ہوا چنانچہ اپنی وفات کے کچھ دنوں پہلے ان شہدا کے انتقام کے لیے ایک اور سریہ روانہ کیا اور چونکہ حضرت اسامہؓ کی والدہ حضرت زیدہؓ شہید ہوئے تھے اس لیے اس سریہ کا امیر اسامہؓ کو بنایا اس میں مان کی دلدلی بھی مد نظر تھی اور والد کی شہادت کی وجہ سے انتقام کا جو جذبہ ان میں ہو سکتا تھا وہ دوسرے میں ممکن نہ تھا۔ چنانچہ صفر ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے سریہ کی تیاری کا حکم دیا اور اسامہؓ کو بلا کر اس کے متعلق ضروری ہدایات فرمائی، لیکن ابھی یہ سریہ روانہ نہ ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی بیماری کی علامات شروع ہو گئیں مگر آپ پر حضرت زید اور جعفرؓ کی شہادت کا اتنا اثر تھا کہ اس کی روانگی ملتوی نہ فرمائی اور اسی بیماری کی حالت میں اپنے

دست مبارک سے علم مرحمت فرمایا اور سر یہ روانہ ہو گیا، پہلی منزل مقام جرف میں کی اس سر یہ میں حضرت عمرؓ ابو عبیدہ بن جراحؓ سعد بن ابی وقاصؓ سعید بن زید اور قتادہ بن نعمانؓ رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ سب اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تھے، بعض لوگوں کو یہ ناگوار ہوا اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنایا ہے آپ کو اس کی خبر ہوئی تو اس سے بہت تکلیف پہنچی اور اسی بیماری کی حالت میں سر میں پٹی باندھے ہوئے نکلے اور منبر پر چڑھ کر ایک مختصر تقریر فرمائی کہ ”اسامہ بن زید بیٹا کو امیر بنانے میں بعض لوگوں نے جو نکتہ چینیوں کی ہیں اس کی اطلاع مجھ کو ملی، اسامہ کی امارت پر یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، تم لوگ اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ افسری کا سزاوار تھا اور اس کے بعد اس کا لڑکا افسری کا سزاوار ہے، وہ مجھ کو بہت محبوب تھا، اور یہ بھی ہر حسن ظن کے لائق ہے اس لیے تم لوگ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا کرو کہ وہ تمہارے بہتر لوگوں میں ہے، اس تقریر کے بعد آپ کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔

اس سر یہ کی پہلی منزل گاہ جرف مدینہ کے قریب ہی تھی، اس لیے جانے والوں کا سلسلہ برابر جاری تھا، لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے اور رخصت ہو کر جاتے تھے، اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کو بیمار چھوڑ کر گئے تھے، اس لیے وہ بھی دیکھنے آ جاتے تھے، اتوار کے دن آنحضرت ﷺ کا مرض زیادہ بڑھ گیا، اسامہ رضی اللہ عنہ منزل گاہ سے مزاج پرسی کے لیے آئے، اس وقت آپ پر غفلت طاری تھی، اسامہ رضی اللہ عنہ نے آ کر بوسہ دیا، آپ بالکل خاموش تھے، تاہم اسامہ رضی اللہ عنہ کی دعا کے لیے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور اسامہ رضی اللہ عنہ پر رکھتے تھے، اسامہ رضی اللہ عنہ دیکھ کر واپس گئے اور دوسرے دن صبح کو پھر دیکھنے آئے، اس دن اتفاقاً تھا، آپ نے اسامہ کی روانگی کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے فوج کو کوچ کر حکم دے دیا، لیکن قبل اس کے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ جرف سے روانہ ہوں، ان کی



ماں ام ایمن بیٹیا کا آدمی ملا "رسول اللہ ﷺ کا وقت آخر ہے" فوراً مدینہ چلے آؤ۔"  
چنانچہ اسامہؓ، عمرؓ اور ابو عبیدہؓ اسی وقت مدینہ پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ اس  
دنیا کے فانی کوچھوڑ رہے تھے آپ کی وفات کے بعد پوری فوج جرف سے مدینہ آگئی  
اور یہ مہم اس وقت ملتوی ہو گئی اور اسامہ بن زیدؓ آنحضرت کی تجویز و تکلیف میں مشغول  
ہو گئے اور جسم مبارک کو قبر انور میں اتارنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

چونکہ آنحضرت ﷺ آخر وقت تک برابر اسامہؓ کو روانگی کی تاکید فرماتے  
رہے تھے اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی اسامہؓ کو  
روانگی کا حکم دیا اور بریدہ بن حبیبؓ علم کو لے کر جرف پہنچ گئے، لیکن اسی درمیان میں  
ارمہ اد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ فی الحال اس مہم کو روک  
دیجئے۔ خود حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو سکون کی حالت  
میں بھیجا تھا مگر اب حالات دوسرے ہیں اس لیے فی الحال یہ مہم ملتوی کر دیجئے، لیکن آپ  
نے جواب دیا کہ خواہ مجھ کو پرندے نوح کھائیں، لیکن میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو پورا  
کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بہر حال آپ اس مہم کو روکنے پر آمادہ نہ ہوئے اور فوج کی روانگی کا  
حکم دیا۔

پہلی مرتبہ گوا آنحضرت ﷺ کی فہمائش سے لوگوں نے اسامہؓ کی امارت منظور  
کر لی تھی، لیکن دل سے سب ناپسند کرتے تھے اس لیے دوبارہ جب حضرت ابوبکرؓ  
نے اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا تو انصار کی جماعت نے آپ کے پاس حضرت عمرؓ کو  
بھیجا کہ اسامہؓ کے بجائے کسی مسن اور معترض شخص کو امارت کا عہدہ دیا جائے، یہ پیام سن  
کر آپ بہت برہم ہوئے اور فرمایا: ابن خطاب! جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا

۱ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴

ہے تم مجھ سے اس کے معزول کرنے کی خواہش کرتے ہو! اور بلا کسی قسم کی تہدلیلی کے بعینہ وہی فوج روانہ کی اور تھوڑی دور خود پیادہ پارخصت کرنے کے لیے گئے، اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا خلیفہ رسول! آپ سوار ہو کر چلیں، ورنہ ہم لوگ سوار یوں سے اتر پڑیں گے، فرمایا نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے نہ تم کو اترنے کی، میرے پیروں کو خدا کی راہ میں غبار آلود ہونے دو! عرض حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس شان سے عیش اسامہ کو رخصت کیا، اور اسامہ رضی اللہ عنہ نے منزل مقصود پر پہنچ کر دشمنوں سے نہایت کامیاب مقابلہ کیا اور اپنے والد بزرگوار کے قاتل کو واصل جہنم کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فتح کا شہدہ بھیجا، آپ اس فتح سے اس قدر مسرور ہوئے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی واپسی پر مہاجرین و انصار کو لے کر مدینہ سے باہر ان کے استقبال کو نکلے، اسامہ رضی اللہ عنہ نہایت شاندار طریقہ سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ آگے آگے بریدہ بن حصیب پر جم لہرا ہے تھے اور اس کے پیچھے اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے سبھ نامی گھوڑے پر سوار تھے، مدینہ آتے ہی انہوں نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر گھر گئے۔

عہد فاروقی:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کو محبوب تھے، اس لیے آپ کے جانشین بھی ان کا بہت لحاظ رکھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ہمیشہ ان کا خیال رکھا، چنانچہ جب آپ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر کیے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ڈھائی ہزار اور اسامہ رضی اللہ عنہ کا تین ہزار مقرر کیا، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی اس تفریق کا کیا سبب ہے، جب کہ میں تمام غزوات میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے دوش و بدوش رہا، اور آپ ان کے والد زید رضی اللہ عنہ سے کبھی پیچھے نہ رہے، فرمایا یہ سچ ہے، لیکن آنحضرت ﷺ ان کو تم سے اور ان کے والد کو تمہارے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

## عہد عثمانی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد کے خیال سے ملکی معاملات میں علانیہ کوئی حصہ نہیں لیا، لیکن ایک خیر خواہ مسلمان کی حیثیت سے قیام نظم اور انسداد مفسد پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خفیہ طور پر گفتگو کرتے تھے، لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فتنوں کے فرو کرنے کے متعلق گفتگو کیجئے، جواب دیا، تم لوگ علانیہ مجھ کو درمیان میں ڈالنا چاہتے ہو اور میں ان سے خفیہ گفتگو کرتا ہوں کہ مبادا میری علانیہ گفتگو سے نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہو اور اس کی ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہو جائے۔<sup>۱</sup>

عہد معاویہ و علی رضی اللہ عنہما:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب زیادہ شورش بڑھی تو اسامہ بالکل علیحدہ ہو گئے۔ حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی معرکہ آرائیوں میں بالکل کنارہ کش رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھستے تو میں بھی بخوشی گھس جاتا، لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔ گو وہ مسلمانوں کی خونریزی کے خوف سے ان لڑائیوں میں غیر جانبدار تھے، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر جانتے تھے اور آخر دم تک اس غیر جانبداری پر کف افسوس ملتے تھے، ابراہیم کی روایت ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد نہ کرنے پر اس درجہ نادم رہے کہ آخر میں توبہ کی۔<sup>۲</sup>

## وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر زمانہ امارت ۵۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔<sup>۳</sup> اس وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔

## اہل و عیال:

اسامہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں اور کثرت سے اولادیں ہوئیں، پہلی شادی

۱ بخاری جلد ۱ ص ۳۶۲ ج ۱ اصحابہ جلد ۱ ص ۲۹ ج ۲ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳

۲ استیعاب ج ۱ ص ۲۹ ج ۵ ایضاً

۱۳ سال کی عمر میں خود آنحضرت ﷺ نے زینب بنت حظلہ کے ساتھ کر دی تھی، مگر اسامہؓ نے ان کو طلاق دے دی، دوسری شادی نعیم بن عبداللہ الخمام نے آنحضرت ﷺ کے ایما سے اپنے یہاں کر دی، ان کے بطن سے ابراہیم بن اسامہ تھے، اس کے علاوہ خود اسامہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں:

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت فاکہہ	..
درہ بنت عدی	محمد ہندہ
فاطمہ بنت قیس	جبیر، زید، عائشہ
ام حکم بنت عقبہ	..
بنت ابی ہمدان سہمی	..
برزہ بنت ربیع	حسن، حسین

ذریعہ معاش:

دربار خلافت سے ۳ ہزار وظیفہ ملتا تھا، اس کے علاوہ وادی القریٰ میں کچھ جائیداد تھی جس کے انتظام کے لیے اکثر جایا کرتے تھے۔

فضائل اخلاق:

بہت سے فضائل بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشترک ہیں، لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں منفرد طور پر بعض مخصوص فضائل ایسے ہیں جو ان کی خصوصیات شمار کیے جاتے ہیں، مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کی اکثر صفات میں اشتراک ہے، لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا علم و فضل اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کا زہد و تقویٰ ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتا تھا اور یہی صفات ان کی زندگی کے روشن ابواب کہے جاسکتے ہیں، اسی طرح اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی بارگاہ نبوت میں پذیرائی اور ان کی محبوبیت ان کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا، جو بلا استثنا کسی صحابی

کو حاصل نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے بارہا اپنی زبان مبارک سے اس کا اظہار فرمایا ہے اور اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا طرز عمل بھی اس کا شاہد ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے متعلقین میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی سے محبت نہ تھی، لیکن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں جو اس محبت میں بھی شریک و شمیم تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک زانو پر اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھاتے اور ایک پر حسن رضی اللہ عنہ کو اور دونوں کو ملا کر فرماتے کہ خدایا میں ان دونوں پر رحم کرنا: یوں اس لیے تو بھی رحم فرما۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں ان دونوں سے محبت کرتا: یوں اس لیے تو بھی محبت فرما۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ مجھ کو سب لوگوں میں محبوب تر ہے۔<sup>۱</sup>

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ اس کا باپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، اب یہ سب سے عزیز ہے۔<sup>۲</sup>

ایک مرتبہ اسامہ رضی اللہ عنہ چوکھٹ پر گر پڑے اور پیشانی پر زخم آ گیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس کا خون صاف کر دو، آپ کو کراہت معلوم ہوئی تو خود اٹھ کر صاف کر کے لعاب دہن لگایا۔<sup>۳</sup>

کبھی کبھی وفور محبت میں مزاح بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ اسامہ رضی اللہ عنہ کا شانہ نبوی ﷺ میں بیٹھے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں، آپ اسامہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اگر یہ بیٹے ہوتے تو میں ان کو خوب زیور پہناتا اور بناؤ سنگار کرتا، تاکہ ان کا چہرہ چاہوتا اور ہر جگہ سے پیام آتے۔<sup>۴</sup>

بارگاہ نبوت میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے رسوخ کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب کوئی

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۰۵ ج بخاری جلد ۲ کتاب المناقب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

۲۔ مستدرک جلد ۳ ص ۵۹۶ ج بخاری کتاب المغازی باب بعث اسامہ رضی اللہ عنہ

۳۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۳۳ ج ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۳۳

ایسی سفارش آنحضرت ﷺ سے کرنی ہوتی، جس میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جھکتیں تو وہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی جاتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی لوگوں نے کہا اس کے بارے میں کون شخص آنحضرت ﷺ سے سفارش پر آمادہ ہوتا ہے، اسامہ کے علاوہ کسی کی ہمت نہ پڑی، انہوں نے جا کر آپ سے گفتگو کی لیکن حدود اللہ کا معاملہ تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ نے نہ سنی، بلکہ آپ کو ناگوار ہوا، اور فرمایا اگر بنی اسرائیل میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تھا، تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور ایک معمولی آدمی اس کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے ہاتھ کاٹتے تھے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے محرم راز اور معتمد علیہ تھے، اور ان کی خشیت اہل بیت میں ممبر خاندان کی تھی، آپ اہم سے اہم اور نازک سے نازک، خانگی امور تک میں بھی ان سے مشورہ لیتے تھے، انک جیسے نازک اور اہم معاملہ میں جس میں منافقین نے ناموس نبوت پر حرف لانا چاہا تھا اور جس کی صفائی خود زبان وحی والہام نے دی، اسامہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک مشورہ تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب انک والوں نے اتہام لگایا تو آنحضرت ﷺ نے علی اور اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) سے اپنی اہل خانہ کی علیحدگی کے بارہ میں مشورہ کیا اور ان سے حالات دریافت کیے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ اسامہ رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھتے تھے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کو بہت مانتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف اسامہ رضی اللہ عنہ بلکہ ان کی اولاد تک کا احترام کرتے تھے، ایک دن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو مسجد کے گوشہ میں دیکھا، لوگوں سے کہا، دیکھو کون شخص ہے، کسی نے کہا ابو عبد الرحمن، تم اس کو نہیں پہچانتے، یہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد ہیں، آپ نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور زمین

۱ بخاری ج ۲ کتاب المناقب ذکر اسامہ رضی اللہ عنہ و طبقات ابن سعد

۲ بخاری جلد ۲ کتاب الشہادت و ج ۲ کتاب الاعتصام باب قولہ تعالیٰ و امر ہم شورى بینہم

کرید کر کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ ان کو دیکھتے تو محبوب رکھتے۔

اس غیر معمولی محبت کی وجہ سے قدرۃً کچھ منافق اسامہ جوینہ کے حاسد بھی پیدا ہو گئے تھے یہ لوگ اسامہ جوینہ کو ذلیل اور آنحضرت ﷺ کو کبیدہ خاطر کرنے کے لیے کہتے کہ اسامہ زید جوینہ کے نطفہ سے نہیں ہیں آنحضرت ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچتی لیکن ان کے خاموش کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا عربوں میں قیافہ شناسی کا ملکہ بہت تھا قائف کی بات عام طور پر ہم پایہ وحی سمجھی جاتی تھی اتفاق سے ایک دن بجز زید لہجی جس کو قیافہ شناسی میں خاص مہارت تھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت زید اور اسامہ جوینہ دونوں سر سے پیر تک ایک چادر اوڑھے ہوئے لیئے تھے صرف پاؤں کھلے ہوئے تھے اس نے یہ دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بہت مسرت ہوئی آپ حضرت عائشہ جوینہ کے پاس ہنستے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا تم کو کچھ معلوم ہے بجز زید نے ابھی اسامہ (جوینہ) کے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں اس واقعہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قائف کے کہنے پر محض اس وجہ سے مسرت ہوئی کہ اس سے دشمنوں کی زبان بند ہو گئی ورنہ شان نبوت اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کانہوں منجموں اور قائفوں کی بات کا یقین کرے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس جو چیز اچھی اور بیش قیمت ہوتی اس کو اسامہ جوینہ کو دیتے ذی یزن نے حالت شرک میں حکیم بن حزام جوینہ کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ایک بیش قیمت حلقہ پیش کیا آپ نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ نہیں قبول کرتا لیکن اب چونکہ تم لاکھ بھوکے ہو اس لیے قیمتا لے لوں گا چنانچہ پچاس دینار میں خرید لیا اور ایک مرتبہ پہن کر اسامہ کو دے دیا۔

دجیہ کلبی جوینہ نے کسان کا کپڑا آنحضرت ﷺ کو ہدیہ دیا تھا آپ نے اسامہ جوینہ

کو پہنایا، انہوں نے اپنی بیوی کو دے دیا، ایک دن آپ نے پوچھا، کتان کیوں نہیں پہنتے؟ عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! بیوی کو دے دیا، فرمایا اچھا اس سے کہہ دو کہ نیچے سینہ بند پہن لے ورنہ بدن دکھائے دے گا۔ غرض آپ اپنے اہل و عیال اور اسامہ رضی اللہ عنہ میں کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔<sup>۱</sup>

**فضل و کمال:**

اس لحاظ سے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، آپ کو سراپا علم ہونا چاہیے تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف اٹھار سال یا زیادہ سے زیادہ بیس سال کی تھی، اس لیے سن شعور کو پہنچنے کے بعد صحبت نبوی ﷺ سے فیضیاب ہونے کا زیادہ موقع نہ ملتا، ہم اس مدت میں جو کچھ بھی آپ نے حاصل کر لیا، اس کو کم نہیں کہا جاسکتا، اقوال نبی ﷺ کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا، بعض مرتبہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو جس چیز کا علم نہ ہوتا، اس میں وہ ان کی طرف رجوع کرتے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب طاعون کے متعلق کوئی حکم نہ ملا تو آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، کہ تم نے آنحضرت ﷺ سے طاعون کے بارہ میں کیا سنا ہے، انہوں نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ طاعون ایک قسم کا عذاب ہے، جو بنی اسرائیل کے ایک خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا، اس لیے جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور خود تمہارے یہاں یہ وبا پھیلے وہاں سے بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔<sup>۲</sup>

آپ کے عمل سے دوسرے لوگ سنا لاتے تھے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک عزیز کا ازار بہت نیچا دیکھا تو اس کو ملامت کی، انہوں نے کہا میں نے اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) کو نیچا ازار پہنے دیکھا ہے، میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، یہ ممکن ہے کہ ان کا پیٹ بھاری تھا، اس لیے اس پر نہ ٹھہرتا رہا، اور نیچے کھسک جاتا ہو۔<sup>۳</sup>

۱ ابن سعد جز ۳، ق ۱ ص ۳۵ ۲ ابن سعد جز ۳، ق ۱ ص ۳۵

۳ بخاری ج ۱ ص ۳۹۳ ۴ ابن سعد جز ۳، ق ۱ ص ۳۹



آپ کی ذات سے حدیث کا معتد بہ حصہ اشاعت پذیر ہوا ان کی مرویات کی تعداد ۱۲۸ ہے جن میں سے ۱۵ متفق علیہ ہیں ان کے علاوہ مزید دو دو بخاری اور مسلم میں ہیں! حسن، محمد ابن عباس، ابو ہریرہ، کریب، ابو عثمان نہدی، عمرو بن عثمان بن عفان، ابو اؤل عامر بن سعد، حسن بصری وغیرہم نے آپ سے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق و عادات:

چونکہ اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی اس لیے ان پر قدرۃ تعلیمات نبوی ﷺ کا خاص اثر پڑا تھا۔

خدمت رسول ﷺ:

کا شانہ نبوی ﷺ میں کثرت سے آتے جاتے تھے اور اکثر سفر میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا تھا اس لیے خدمت نبی ﷺ کا زیادہ موقع ملتا تھا اکثر وضو وغیرہ کے وقت پانی ڈالنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔

پابندی سنت:

سنت کی پابندی شدت سے کرتے تھے آخر عمر میں جبکہ قوی ریاضت جسمانی کے متحمل نہ تھے اس وقت بھی مسنون روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے ایک مرتبہ ایک غلام نے کہا اب آپ کی عمر ضعیف و ناتوانی کی ہے آپ کیوں دو شنبہ اور پنجشنبہ کے روزے کا التزام کرتے ہیں کہا آنحضرت ﷺ ان دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔

اطاعت والدین:

والدین کی خوشنودی کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے اور اس میں بڑی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں کھجور کے درختوں کی قیمت ایک ہزار تک پہنچ گئی تھی اس زمانہ میں اسامہؓ

۱۔ تہذیب الکمال ص ۲۶ ۲۔ تہذیب الجندیب ج ۱ ص ۲۰۸

۳۔ بخاری ج ۱ کتاب الوضو باب الرجل یوسنی صاحبہ ۴۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۰۰

نے ایک درخت کی پیڑی کھوکھلی کر کے اس کا مغز نکالا، لوگوں نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟  
 آج کل درختوں کی قیمت اس قدر بڑھی ہوئی ہے اور تم اس کو ضائع کرتے ہو، کہا میری  
 ماں نے فرمائش کی تھی اور وہ جس چیز کی فرمائش کرتی ہے، اگر اس کا حصول میرے امکان  
 میں ہوتا ہے تو اس کو میں ضرور پوری کرتا ہوں۔!



## حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمر و نام ابو عبد اللہ اور ابو محمد کنیت والد کا نام عاص اور والدہ کا نام نابغہ تھا جدی سلسلہ نسب یہ ہے عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہمیس ابن کعب بن لوی بن غالب قرشی سہمی نا نہالی نسب یہ ہے نابغہ بنت حرمہ بن حارث بن کلثوم بن جوشن بن عمرو بن عبد اللہ بن خزیمہ بن غزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار۔  
قبل از اسلام:

عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ کا خاندان ”بنو سہم“ زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا قریش کے سیاسی نظام میں مقدمات کا عہدہ اسی خاندان میں تھا عمرو بن العاص جب تک اسلام نہیں لائے تھے اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں عمائد قریش کی طرح یہ بھی پیش پیش تھے چنانچہ مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب ہجرت کر کے حبشہ گیا تو قریش کا جو وفد ان لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے پاس گیا تھا اس کے سب سے سرگرم رکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی تھے چنانچہ حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کے اخراج میں ہر قسم کی کوششیں کیں پہلے بطریقوں سے مل کر ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا کہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے نکالنے میں وفد قریش کی تائید کریں اس کے بعد شاہ حبش کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے ساری امکانات کوششیں صرف کیں کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو پناہ نہ دے لیکن ان کی تمام مساعی ناکام رہیں۔

غزوہ خندق میں جس میں سارے عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا عمرو بن العاص مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔

## اسلام کی طرف میلان:

عمر بن العاص رضی اللہ عنہ: اگرچہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے لیکن غزوہ خندق کے بعد سے وہ اسلام سے متاثر ہونے لگے وہ اکثر دنیا اور اس کے انجام اور اسلام کی تعلیمات پر غور کیا کرتے تھے ان کا بیان ہے کہ اس غور و فکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہونے لگی اور اس سے میرا دل متاثر ہونے لگا اور میں نے مسلمانوں کی مخالفت سے رفته رفته کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کی قریش نے اس کو محسوس کیا اور اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا اس نے مجھ سے بحث کرنا شروع کی میں نے اس سے کہا بتاؤ ہم حق پر ہیں یا فارس و روم والے اس نے کہا ہم ہیں پھر میں نے پوچھا کہ ان کو عیش و تنعم میسر ہے یا ہم کو اس نے کہا ان کو۔ میں نے کہا کہ اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلہ میں تنگ حال رہے اور دوسرے عالم میں بھی بدلہ کی کوئی امید نہ ہو اس لیے محمد (ﷺ) کی یہ تعلیم کی کہ مرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی کس قدر صحیح اور دلنشین ہے! غزوہ خندق کے بعد ان کو آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا پورا یقین ہو گیا تھا اور یہی یقین ان کے اسلام کا ذریعہ بنا اس کی تفصیل مسند احمد بن حنبل میں خود ان کی زبانی مذکور ہے۔

## اسلام:

ان کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ غزوہ احزاب سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے ان اشخاص کو جو مجھے مانتے تھے اور میری بات سنتے تھے جمع کر کے کہا کہ خدا کی قسم تم لوگ یقین جان لو کہ محمد (ﷺ) کی بات تمام باتوں پر سر بلند ہوگی اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں میری ایک رائے ہے تم اس کو کیسی سمجھتے ہو لوگوں نے پوچھا کیا رائے؟ انہوں نے کہا ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں اگر محمد (ﷺ) قوم پر غالب

آگے تو ہم لوگ نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے، کیوں کہ نجاشی کی ماتحتی میں رہنا محمد (ﷺ) کی ماتحتی سے کہیں زیادہ پسند ہے اور اگر ہماری قوم محمد (ﷺ) پر غالب ہوئی تو ہم ممتاز لوگ ہیں، ہمارے ساتھ ان کا طرز عمل بہتر ہی ہوگا، اسی رائے پر سب نے اتفاق کیا، میں نے کہا پھر اس کو تحفہ دینے کے لیے کوئی چیز مہیا کرو، نجاشی کے لیے ہمارے یہاں کا سب سے بڑا تحفہ چمڑہ تھا، چنانچہ بہت سا چمڑا لے کر ہم لوگ حبشہ پہنچے، ہم لوگ نجاشی کے دربار میں جا رہے تھے کہ عمرو بن امیہ ضمری بھی پہنچ گئے، ان کو رسول اللہ ﷺ نے جعفر اور ان کے ساتھیوں کی کسی ضرورت سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا، جب وہ آ کر چلے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم نجاشی سے درخواست کریں کہ وہ عمرو بن امیہ ضمری کو ہمارے حوالہ کر دے، اگر وہ دے دے تو اس کی گردن مار دیں تا کہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد (ﷺ) کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا، یہ کہہ کر میں نجاشی کے دربار میں گیا اور حسب معمول سجدہ کیا، اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا میرے لیے اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے؟ میں نے عرض کیا حضور بہت سا چمڑہ تحفہ میں لایا ہوں اور جو چمڑہ لے گیا تھا اس کو پیش کر دیا، اس نے بہت پسند کیا، پھر میں نے عرض کی عالی جاہ! ابھی میں نے ایک آدمی حضور کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے، یہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ہے، حضور قتل کرنے کے لیے اس کو ہمارے حوالہ کر دیں، اس نے ہمارے شرف اور معززین کو تکلیفیں پہنچائی ہیں، نجاشی یہ درخواست سن کر بہت غضبناک ہوا اور اپنا ہاتھ کھینچ کر اس نے زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا نوٹ جائے گی، اس کی اس حرکت سے میں اس قدر نادام و شرمسار ہوا کہ اگر زمین شق ہوتی تو میں اس میں سما جاتا، پھر میں نے عرض کی شاہا! اگر میں سمجھتا کہ حضور کو یہ درخواست ناگوار ہوگی تو میں نہ کرتا، وہ بولا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کا قاصد جس کے پاس وہ ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا، قتل کے لیے تمہارے حوالہ کر دوں، میں نے عرض کی عالی جاہ! کیا واقعی وہ ایسا ہے؟ وہ بولا عمرو! تمہاری حالت قابل افسوس ہے، میرا کہنا مانو اور اس کی پیروی کر لو، خدا کی قسم وہ حق پر ہے، وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا، جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر

غالب ہوئے تھے۔ میں نے کہا پھر اس کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجئے، چنانچہ اس نے ہاتھ پھیلا دیا اور میں نے اسلام کی بیعت کی، یہاں سے جب میں ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا، تو میرے تمام خیالات پلٹ چکے تھے، لیکن میں نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک حق پرست پر اسلام لانے کے لیے روانہ ہو گیا، راستہ میں خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) مکہ سے آتے ہوئے ملے، یہ فتح مکہ کے پہلے کا واقعہ ہے، میں نے کہا ابا سلیمان! کہاں کا قصد ہے؟ وہ بولے خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، خدا کی قسم یہ شخص یقیناً نبی ہے، اب جلد اسلام قبول کر لینا چاہیے، یہ لیت و لعل کب تک میں نے کہا خدا کی قسم میں بھی اسی قصد سے چلا ہوں، چنانچہ ہم دونوں ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پہلے خالد ابن ولید (رضی اللہ عنہ) نے بیعت کی، پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ)! میں بیعت کروں گا، لیکن آپ میرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دیجئے، آپ نے فرمایا، عمرو بیعت کر لو، اسلام اپنے ما قبل کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ہجرت بھی اپنے ما قبل کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے، چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے لوٹ گیا۔

**ہجرت:**

قبول اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے، پھر کچھ ہی دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ

چلے آئے۔

**غزوات و سرایا:**

حضرت عمرو بن العاصؓ جس طرف رہے، انتہا پسند رہے، اسلام کے قبل اس کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اسلام کے بعد کفر و شرک کے استیصال میں اس شد و مد سے کمر بستہ ہو گئے، قبول اسلام کے بعد گذشتہ مخالفتوں کو یاد کر کے پشیمان ہوتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے، جب میں حالت کفر میں تھا تو آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا، اگر اسی حالت میں مر جاتا تو میرے لیے دوزخ کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہ تھا، اور جب

بیعت کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوا تو کبھی آنحضرت ﷺ سے آنکھیں نہ چا کر رکھا۔  
 سر یہ ذات السلاسل:

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے عرب کے مختلف حصوں میں دعوت اسلام کے لیے تبلیغی دستے روانہ فرمائے تھے اسی سلسلہ کا ایک سر یہ ذات السلاسل بھی ہے، ابن سعد نے اس سر یہ کو سرے سے مدافعانہ لکھا ہے چنانچہ ان کی روایت کے مطابق صورت واقعہ یہ ہے کہ بنو قنضاء کے کچھ اشخاص نے ایک جماعت فراہم کر کے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا، آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے عمرو بن العاص جوڑہ کو تین سو مہاجرین و انصار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے یہ سر یہ مدافعت کی غرض سے نہیں بھیجا تھا بلکہ اس کا مقصد اشاعت اسلام تھا علامہ ابن کثیر نے تصریح کر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن العاص جوڑہ کو قبیلہ بلی اور عذری کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا تا کہ وہ اعراب کو اسلام کی طرف راغب کریں۔ لیکن جب قریش پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں، عمرو بن العاص جوڑہ نے آنحضرت ﷺ سے امداد طلب کی، آپ نے دو سو آدمیوں کی ایک جمعیت ابو عبیدہ جوڑہ کے ساتھ روانہ کی جس میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اور تاکید فرمادی کہ کسی بارہ میں باہم اختلاف نہ کرتا، ابو عبیدہ جوڑہ امدادی دستے لے کر پہنچے تو ان میں اور عمرو بن العاص جوڑہ بھی امارت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا، عمرو بن العاص جوڑہ کہتے تھے کہ امارت میرا حق ہے، کیونکہ میں فوج کا امیر ہوں اور تم میری امداد کے لیے آئے ہو، اس لیے میرے ماتحت ہو، ابو عبیدہ جوڑہ نے آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق گریز کیا اور ان کی امارت قبول کر لی۔ اس کے بعد دونوں بلی عذری اور بلقین کی آبادیوں کو پامال کرتے ہوئے اس کے آخری حد تک بڑھتے چلے گئے راستہ میں صرف ایک جماعت سے مقابلہ ہوا، مگر وہ بھی ہزیمت کھا کر بھاگی۔ ع

۱۔ استیعاب ج ۲ ص ۴۳۹

ع۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۱

## سر یہ سواع:

فتح مکہ کے بعد جب کہ عرب کے اکثر قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، بعض ایسے قبائل باقی رہ گئے تھے جو صدیوں کے اعتقاد کی بنا پر بت کدوں کو ڈھاتے ہوئے ڈرتے تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے چند دستے صرف ان کے گرانے کے لیے بھیجے تاکہ عرب کے دلوں سے ان کا خوف و ہراس اور ان کی عظمت جاتی رہے سواع بنو ہذیل کا صنم کدہ تھا، آنحضرت ﷺ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس کے ڈھانے پر متعین کیا، جب یہ وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے پوچھا کس نیت سے آئے ہو؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اس کو ڈھانے کے لیے، اس جواب پر اس نے مدافعت کرنے کے بجائے جواب دیا کہ تم اس کو نہ گرا سکو گے، وہ خود اپنی حفاظت کرے گا۔ انہوں نے کہا تم اب تک اسی وہم اور باطل پرستی میں مبتلا ہو، جس میں سننے اور دیکھنے تک کی طاقت نہیں، وہ روک کیا سکتا ہے، یہ کہا اور اس کو ہمارا کر کے مجاور سے بولے، اس کی طاقت دیکھ لی، وہ یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مشرف باسلام ہو گیا۔

## سفارت:

فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے آس پاس کے حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو عمان کے حاکموں عبید و جیفر کے پاس خط لے جانے کی خدمت عمرو بن العاصؓ کے سپرد ہوئی، اس خط پر وہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہاں کا عامل کر دیا، اس لیے وہ وفات نبوی تک یہیں مقیم رہے۔

## فتنہ ارتداد:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اختلاف کے بعد جب ارتداد اور مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اس وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عمان ہی میں تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات اور موجودہ حالات کی اطلاع دے کر ان فتنوں کے دبانے کے لیے بھیجا، چنانچہ یہ بحرین کے راستہ سے آگے بڑھے، راستہ میں انبیا بنی مامرش مرہ بن ہبیرہ کے یہاں



مہمان ہوئے اس نے بڑی خاطر و مہارت کی چلتے وقت تنہائی میں لے جا کر کہا کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت نہ قبول کریں گے ہاں اگر زکوٰۃ کا طریقہ بند کر دیا گیا تو اہل بیت مطیع و فرماں بردار رہیں گے اس لیے زکوٰۃ کا قانون اٹھا دینا چاہیے انہوں نے کہا قرہ! کیا تم کافر ہو گئے؟ مجھ کو عربوں سے ڈراتے ہو خدا کی قسم میں ایسے لوگوں کو گھوڑے کی ناپ سے مسل ڈالوں گا یہ شخص بعد میں جب مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں گرفتار ہوا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی شہادت پر چھوڑ دیا گیا۔ سلمہ بنہ پہنچ کر بنو قضاعہ کے مرتدین کی سرکوبی ان کے سپرد ہوئی اور انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے ان کو دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور اس مہم کو سر کرنے کے بعد عمان لوٹ گئے۔

### فتوحاتِ شام:

فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عراق و شام کی طرف توجہ کی اور ۳۱ھ میں شام کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت عمان میں تھے لکھ بھیجا کہ تم کو آنحضرت ﷺ نے عمان کا والی مقرر کیا تھا اس لیے میں نے تم کو دوبارہ واپس کر دیا تھا لیکن اب میں تم کو ایسے کام میں لگانا چاہتا ہوں جو تمہاری دنیا و آخرت دونوں کے لیے مفید ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں خدا کا ایک تیر ہوں اور آپ اس کے بعد اس کے تیر انداز ہیں اس لیے آپ کو اختیار ہے جدھر چاہیے پھینکنے۔ چنانچہ عمان سے واپس بلا کر فلسطین کی مہم پر مامور کیا۔

### اجتادین:

ہر قل کو جب خبر ہوئی کہ اسلامی فوجیں شام کے چاروں طرف منڈلا رہی ہیں تو اس نے ان سب کے مقابلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تاکہ اسلامی فوجیں باہم ملنے نہ پائیں رومیوں کے مشہور سپہ سالار تذارق اور قبلار تھے اجتادین میں اپنی فوجیں اتاریں عمرو بن العاص اس وقت فلسطین کے علاقہ عربات میں تھے یہ رومیوں کے اجتماع کی خبر پا کر اجتادین کی طرف بڑھے اس درمیان خالد اور ابو عبیدہ بھی بصری کی مہم سر

کر کے ان کی مدد کو روانہ ہو گئے اور اجنادین میں یہ تینوں مل گئے رومی سپہ سالار نے ایک عرب کو سراغ رسانی کے لیے بھیجا وہ دیکھ بھال کر جب واپس گیا تو سپہ سالار نے پوچھا کیا خبر لائے اس نے کہا یہ لوگ رات کو عابد شب زندہ دار اور دن کو میدان جنگ کے شہوار ہیں اگر ان کا شہزادہ بھی کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر شرعی حد جاری کرتے ہیں اس نے کہا اگر واقعی ان میں یہ صفات ہیں تو زمین میں دفن ہو جانا ان کے مقابلہ سے زیادہ بہتر ہے غرض جمادی الثانی ۱۳ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا رومی سپہ سالار مارا گیا اور رومیوں نے سخت ہزیمت اٹھائی۔

اجنادین کے معرکہ کے بعد عمرو بن العاصؓ بھی خالد اور ابو عبیدہؓ کے ساتھ ہو گئے اور ایک حصہ فوج کے سردار تھے۔

**دمشق:**

اجنادین کے بعد اسلامی لشکر دمشق کی طرف بڑھا کہ شام کا صدر مقام تھا اس لیے مسلمانوں نے اس کا بڑے اہتمام سے محاصرہ کیا شہر پناہ کے تمام صدر دروازوں پر الگ الگ افسر متعین کیے چنانچہ عمرو بن العاصؓ باب تو ماہر مامور تھے عرصہ تک محاصرہ قائم رہا اور آخر میں خالد بن ولیدؓ کی خوش تدبیری سے فتح ہوا۔

**فصل:**

دمشق کی فتح کے بعد فحل کا رخ کیا لیکن رومی پہلے سے دریا کا بند توڑ کر بیسان چلے گئے تھے جس سے دونوں کے درمیان دنیائے آب رواں ہو گئی تھی اس لیے مسلمانوں نے یہیں فوجیں ٹھہرا دیں اس معرکہ میں عمرو بن العاصؓ فوج کے ایک حصہ کے افسر تھے۔ مسلمان یہاں مقیم تھے کہ ایک دن اچانک اسی ہزار رومیوں نے عقب سے حملہ کر دیا اور ایک شبانہ روز سخت کشت و خون کے بعد شکست کھائی اور جدھر راستہ ملا بھاگے مگر مسلمانوں نے تعاقب کر کے جہاں تک مل سکے قتل کیا اس سے فارغ ہو کر بیسان کا محاصرہ کیا ایک دن رومیوں نے قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا مگر سب کے سب مارے گئے باقی ماندہ آبادی نے صلح کر لی۔

۱ ابن اثیر ج ۲ ص ۳۲۰ ۲ فتوح البلدان ص ۱۲۷

۱۰۰

ان حمل اور ہیمنہ شکستوں سے سارے روم میں کہہ ام فوج گیا اور رومیوں نے قیصر سے فریاد کیا۔ مسلمانوں نے سارا شام ویران و تباہ کر ڈالا اور بھی ان کی طاقت و تاراج سے کھٹ آپکا تھا ان لیے سارے ممالک خروارہ میں فرمان جاری کر دیا کہ ساری فوجیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اس وقت آئی میں نہیں جرتی کیے جائیں چنانچہ ۱۰ لاکھ فوجوں کا دل اس علم پر اٹھ آیا۔ عمرو بن العاص مہم کے مشورہ پر ایک مرکز پر جمع ہو کر متحد قوت سے مدینہ پہنچے اور ہار خلافت سے بھی اس مشورہ کی تائید ہوئی چنانچہ اسماعیلی فوجیں ہر طرف سے سمت کر یہ ملک میں جمع ہوئیں چونکہ اس معرکہ میں سارا شام اٹھ آپکا تھا اور مسلمانوں کی تعداد ان کے پوتھائی حصہ سے بھی کم تھی اس لیے خالد بن ولید نے غیر معمولی توجہ سے کام لیا اور یہ طریقہ فوج کو چھتیس حصوں پر تقسیم کیا سینے کے بھی کئی ٹکڑے کر کے اس پر عمرو بن العاص مہم اور شعیب بن حسنت مہم کو مقرر کیا۔ اور انوں فوجیں چوری چوری سے ساتھ میدان میں اتاریں اور صبح لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور متعدد ہوانے لڑائیاں ہوئیں عمرو بن العاص مہم کے جوش و خروش سے لڑتے تھے اور اپنی ہر جوش تقریروں سے آگے لگا دیتے تھے۔ ابتدا میں مسلمانوں کے ہی اکثر ہتے تھے بعد ازاں سے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے لیکن پھر سنبھل کر اس روز کا حملہ کیا کہ رومی پوری کوشش کے باوجود نہ ٹھہر سکے اور میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

بیت المقدس

قدحین کا کچھ حصہ عمرو بن العاص مہم و دمشق کے قبل لے چکے تھے لیکن درمیان میں دمشق یہاں وہ فوجی مہموں کی وجہ سے پہلی مہم ناقص ہو گئی تھی اس لیے یہ ملک و فیہ سے فراغت کے بعد عمرو بن العاص مہم پر ادھر متوجہ ہوئے اور غزہ و اسطینہ جہاں اللہ اپنی بیت الہیہ میں اور مومنان و فیہ و آسمانی سے فتح کر کے یہ سلسلہ مکمل کر دیا۔

بیت المقدس

یہاں بھی قدحین کا سب سے بڑا شہر ایلیا (بیت المقدس) باقی رہ گیا تھا اس لیے چھوٹے چھوٹے مقامات لینے کے بعد عمرو بن العاص مہم نے رومی سپہ سالار

ارطوبن کو خط لکھا، اس نے جواب دیا کہ اجنادین کے علاوہ اب فلسطین کا ایک چپہ زمین بھی نہیں لے سکتے۔ اس جواب کے بعد انہوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی قسرین کی مہم سر کر کے پہنچ گئے، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، ایلیا والوں نے اس شرط پر شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا اور صلح نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کر دیا، اور شام کا یہ متبرک شہر جس کو انبیاء و رسل علیہم السلام کے آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، اور شام پر مکمل قبضہ ہو گیا۔

طاعون عمواس:

اسی سال شام، عراق اور مصر میں سخت طاعون پھیلا، ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ یہاں وبا کا زور ہے، اس لیے فوجیں ہٹا کر کسی محفوظ مقام پر بھیج دینی چاہیے، لیکن اسلامی فوج کے امیر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بڑے متوکل تھے، انہوں نے کہا یہ خدا کی رحمت ہے، اس میں بڑے بڑے صلحاء نے وفات پائی ہے، اس سے فرار کے کیا معنی، چنانچہ انہوں نے عمواس کو نہیں چھوڑا اور خود بھی اس میں مبتلا ہو گئے، آخر میں انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود اسی رحمت کے دامن میں آ گئے، ان کی وفات کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی روک کر طاعون زدہ مقامات سے فوجیں بنا لیں۔

فتوحات مصر:

شام کا فیصلہ ہونے کے بعد بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بلند حوصلے پورے نہ ہوئے، کیونکہ شام کی فتوحات میں خالد اور عبیدہ بن جحش کی قوتوں کو زیادہ دخل تھا، اس لیے ان کو ایسے میدان میں تلاش ہوئی جہاں تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں اور چونکہ شام کے قریب مصر بہت زیادہ زرخیز اور شاداب مقام تھا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت سے اس کی شادابی سے واقف تھے، اس لیے نہت عمر رضی اللہ عنہ سے پیش قدمی کی اجازت چاہی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دینے میں دو وجوہوں سے پس کش ہوا، اول یہ کہ

۱۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۵ ج ۱ کیونکہ تجارت کے سلسلہ میں مصر آیا کرتے تھے۔

شام کی مہم سر کرنے کے بعد ابھی اسلامی فوجوں نے دم نہ لیا تھا، دوسرے مقوقس شاہ مصر کی قوت کا تھوڑی فوج سے مقابلہ کرنا دشوار تھا، لیکن آخر میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصرار اور حوصلہ مندی سے مجبور ہو کر اجازت دے دی اور ان کے جانے کے بعد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیت کے ساتھ امداد کے لیے روانہ کر دیا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے شام سے نکل کر پہلا مقام باب الیون میں کیا۔

### باب الیون:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کے قبل آپ کی آمد کی اطلاع پا کر مصری فوجیں باب الیون پہنچ گئی تھیں، ابو مریم مصر کا اسقف ان کی قیادت کر رہا تھا، اس لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کے ساتھ ہی دونوں میں جھڑپ ہوئی، مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لڑائی روک دی اور ابو مریم سے تجلیہ گفتگو کی خواہش کی، چنانچہ وہ دونوں آئے، انہوں نے اسلام پیش کیا اور آنحضرت ﷺ کی وصیت سنائی اور اسلام قبول کرنے کی صورت میں جزیہ کی شرط پیش کی، یہ دونوں چند دن کی مہلت لے کر استصواب کے لیے مقوقس کے پاس گئے، لیکن ارطوبن سپہ سالار مصر نے انکار کر دیا اور اہل مصر کو اطمینان دلایا کہ تم لوگ مطمئن رہو، میں مسلمانوں کو ہٹا دوں گا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کئی دن تک جواب کا انتظار کرتے رہے مگر اس درمیان میں ارطوبن مقابلہ میں آ گیا، مگر فاش شکست کھائی۔

### عین شمس یا فسطاط:

فرما کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بلیس اور ام دینین وغیرہ فتح کرتے ہوئے عین شمس پہنچے، عین شمس زمانہ قدیم میں بڑا عظیم الشان اور گنجان شہر تھا، یہاں آفتاب کا بیکل تھا، جس کی تیرتھ کو ہزاروں آدمی آتے تھے، لیکن جس زمانہ میں مسلمانوں کا حملہ ہوا اس وقت تباہ ہو چکا تھا، بعد میں یہی مقام آباد ہو کر فسطاط کے نام سے مشہور ہوا۔

۱ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی مصری تھیں، اس تعلق سے آپ نے مسلمانوں کو نیکی فرمائی تھی کہ مصر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

۲ طبری ۲۵۸۱۶۲۵۸۳ طبری کے بیان کے مطابق ارطوبن بھی اس میں مارا گیا، لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ آئندہ متعدد معرکوں میں وہ شریک رہا۔ صحیح مقررہ جلد ۱ ص ۳۷۱

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حملہ کے وقت اگرچہ یہاں کوئی آبادی نہ تھی بلکہ چراگاہیں تھیں تاہم قصر شمع یہاں ایک قلعہ تھا جس میں مقوقس کی فوج رہتی تھی مصر کی تسخیر کے لیے اس کا لینا ضروری تھا اس لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں اسی دوران میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی دس ہزار کی جمعیت لے کر پہنچ گئے اور دونوں نے دوستوں سے حملے شروع کر دیئے۔ مگر قلعہ اس قدر مستحکم تھا کہ مہینوں لگ گئے آخر میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے تنگ آ کر تنگی تلوار ہاتھ میں لی اور قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے آپ کو دیکھ کر بہت سے جانثار بیڑھی لگا کر پہنچ گئے اور سب لوگوں نے اس زور سے ہجیر کا نعرہ لگایا کہ قلعہ والے بدحواس ہو گئے اور سمجھے کہ مسلمان قلعہ میں آ گئے اس لیے انہوں نے خود اس کے دروازے کھول دیئے۔ اب ان کے لیے سوائے مصالحت کے کوئی چارہ کار نہ تھا اس لیے صلح کی درخواست کی مسلمانوں نے منظور کر لی اور اتنی رعایت کی کہ فاتحانہ داخلہ کے باوجود شرائط بہت نرم رکھیں یہی مقام بعد میں آباد ہو کر فسطاط کے نام سے موسوم ہوا۔

### فتح اسکندریہ:

عین شمس کی فتح کے بعد عمرو بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی اجازت مانگی وہاں سے اجازت ملنے کے بعد خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو مفتوحہ مقامات کا حاکم مقرر کر کے اسکندریہ روانہ ہو گئے رومیوں اور قبیلوں کو پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر روکنا چاہا اور اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان مقام کریوں میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا رومی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ عمرو بن العاص نے بڑھتے ہوئے اسکندریہ پہنچے یہاں کے باشندے مقابلہ کے لیے ہمتن تیار تھے مگر مقوقس خود صلح کا خواہش مند تھا اس لیے اس نے مفاہمت کی درخواست کی لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اب مقوقس کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہ گیا

۱۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰ ۲۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰ دروازہ کھولنے کا واقعہ بطبری

میں ہے۔ ۳۔ فتوح البلدان ص ۲۲۷، ۲۲۸

کہ وہ رومیوں کی خواہش کے مطابق جنگ کے لیے آمادہ ہو جائے، چنانچہ قلعہ کی تفصیل پر فوجوں کی صف بندی کی اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے عورتوں کو بھی شامل کر لیا اور ان کے چہرے شہر کی طرف کر دیئے تاکہ مسلمان پہچان نہ سکیں، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہلا بھیجا کہ ہم یہ اہتمام سمجھتے ہیں، لیکن یاد رکھو ہم نے فوج کی کثرت کے بل پر میدان نہیں سرکئے ہیں، تمہارے بادشاہ ہرقل کا جو زور و قوت میں تم سے کہیں بڑھ کر ہے، کیا انجام ہوا، مقوقس نے جو ہر موقع پر صلح کا پہلو ڈھونڈتا تھا، اسکندر یہ والوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ واقعی ہمارے شہنشاہ ہرقل کو ان لوگوں نے اس کی در السلطنت سے بھگا کر قسطنطنیہ پہنچا دیا، تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں، اس کے جواب میں اسکندر یہ والوں نے اس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

مقوقس ابتدا سے جنگ کا مخالف تھا، مگر ہرقل کے خوف سے جس کا وہ باج گزار تھا، علی الاعلان لڑائی سے کنارہ کش نہیں ہو سکتا تھا، لیکن در پردہ وہ برابر مسلمانوں سے صلح کی کوشش کرتا رہا، ہرقل کو اس کی اطلاع ہو گئی، وہ بہت برہم ہوا، اور اسی وقت اسکندر یہ فوجیں روانہ کر دیں، لیکن مقوقس نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی خفیہ معاہدہ کر لیا تھا کہ یہ جنگ ہماری مرضی کے خلاف ہو رہی ہے، اور ہم بدرجہ مجبوری اس میں شریک ہیں اس لیے قبطیوں اور رومیوں میں امتیاز رکھنا اور قبطیوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا، جس کے رومی مستحق ہیں، اس معاہدے کے بعد قبطی ہر طرح سے مسلمانوں کے مددگار رہے اور ان کے لیے راستہ صاف کراتے اور گزرگاہوں کے پلوں کی مرمت کرتے تھے۔

غرض اسکندر یہ والوں کی تیاری کے بعد مسلمانوں نے اسکندر یہ کا محاصرہ کر لیا لیکن قلعے اس قدر مضبوط اور مستحکم تھے کہ دو مہینہ تک کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس درمیان میں صرف یہ واقعہ قابل ذکر پیش آیا کہ ایک دن قلعہ کے آڑ سے کچھ سوار برآمد ہوئے، ان میں اور مسلمانوں میں مذہبھیڑ ہو گئی، جس میں بارہ مسلمان شہید ہوئے، رومیوں کے لیے یہ معرکہ بہت اہم تھا، کیونکہ اسکندر یہ میں ان کا سب سے بڑا کینہ تھا، اس کے نکل جانے کے بعد

ان کی مرکزیت بالکل فنا ہو چکی تھی، اس لیے خود قیصر روم نے جنگ میں شرکت کی تیاریاں شروع کیں، مگر بد قسمتی سے ساز و سامان مکمل کرنے کے بعد خود چل بسا، اس کی موت سے رومیوں کی ہمت پست ہو گئی اور بہتوں نے جو اس کے ساتھ تیاریاں کر رہے تھے ارادہ فسخ کر دیا، کہ بغیر بادشاہ کے لڑنا بے سود ہے، البتہ اسکندریہ کی فوجیں برابر مدافعت میں مشغول رہیں اور کبھی کبھی باشندگان اسکندریہ مسلمانوں سے دو چار ہاتھ کا تبادلہ بھی ہو جاتا تھا، لیکن رومی برابر قلعہ میں رہتے تھے، ایک دن کچھ لوگ قلعہ سے نکلے اور ایک مسلمان کا سر کاٹ کر اس کو ساتھ لیتے گئے، مقتول کے قبیلہ کے لوگ بہت غضبناک ہوئے اور بغیر سر کی نعش دفنانے پر تیار نہ ہوئے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اس غیظ و غضب سے کیا فائدہ، اگر سر واپس لینا چاہتے ہو تو تم بھی کسی رومی کا سر کاٹ کر اس کو رومیوں کی طرف پھینک دو، چنانچہ ایک پادری ہاتھ آ گیا، اس کا سر قلم کر کے کسی طرح رومیوں تک پہنچا دیا، اس کے جواب میں انہوں نے مقتول مسلمان کا سر پھینک دیا، چونکہ لڑائی طول پکڑتی جاتی تھی، اس لیے ایک مسلمان نے مشورہ دیا کہ منجیق نصب کر کے قلعہ پر سنگباری کی جائے، لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسی نازک حالت میں صف بندی توڑنا مناسب نہیں، ابھی تک جم کر دست بستہ لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی، البتہ کبھی کبھی قلعہ والے نکل آتے تھے اور دو چار ہاتھ رد و بدل کے بعد قلعہ بند ہو جاتے، ایک دن قلعہ سے نکل کر لڑ رہے تھے کہ رومیوں کی صف سے آواز آئی، کہ کون مسلمان میرے مقابلہ میں آتا ہے؟ حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ بڑھے، مگر بھاری بھر کم آدمی تھے اس لیے حملہ کرتے وقت گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور رومی نے پچھاڑ دیا، مگر مسلمانوں نے بڑھ کر بچا لیا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا، انہوں نے کہا، ایسے نامردوں کو میدان میں آنے کی کیا ضرورت تھی، مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ناگوار ہوا، مگر مصلحت وقت کے خیال سے خاموش رہے، اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا، مسلمان رومیوں کو جوش میں دباتے ہوئے قلعہ کے اندر تک چلے گئے اور دیر تک قلعہ کے اندر لڑتے رہے، لیکن پھر رومیوں نے سنبھل کر مسلمانوں کو قلعہ کے باہر کر دیا، ان کے نکلنے کے بعد رومیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، اتفاق سے چار آدمی جن میں ایک عمرو بن العاص



بنی ہنظلہ اور دوسرے مسلمہ بنی ہنظلہ تھے، قلعہ ہی میں رہ گئے، رومیوں کی نظر پڑی تو کہا کہ اب تم ہمارے بس میں ہو، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے کو ہمارے حوالہ کر دو، بیکار جان دینے سے کیا فائدہ؟ عمرو بن العاص بنی ہنظلہ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا، البتہ اگر تم ہم کو چھوڑ دو تو تمہارے قیدی واپس کر دیئے جائیں گے، رومی اس پر آمادہ نہ ہوئے اور رہائی کی یہ شرط ٹھہری کہ چار محصورین میں سے کوئی ایک کسی رومی کا مقابلہ کرے، اگر مسلمان فتحیاب ہو جائے تو سب چھوڑ دیئے جائیں گے ورنہ انہیں حوالہ کر دینا ہوں، عمرو بن العاص بنی ہنظلہ راضی ہو گئے اور خود مقابلہ میں آنا چاہا، مگر مسلمہ بنی ہنظلہ نے سمجھایا کہ آپ امیر ہیں، اگر آپ کو کوئی صدمہ پہنچا تو فوج کا کیا حشر ہو گا، اس لیے مجھ کو نکلنے دیجئے، ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور مسلمہ مقابلہ میں آئے، خوش قسمتی سے ددعی ایک ہاتھ میں رومی کو گرا دیا، اور اس طرح سے ان لوگوں کی جان بچ گئی، ان کے چھوٹنے کے بعد رومیوں کو معلوم ہوا کہ ان میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاص بنی ہنظلہ بھی تھے، مگر اب سوائے پشیمانی کے اور کیا ہو سکتا تھا، اس لیے ہاتھ مل کر رہ گئے، عمرو بن العاص بنی ہنظلہ مسلمہ بنی ہنظلہ کو ڈانٹنے پر بہت نادم تھے، اس لیے رہائی کے بعد سب سے پہلے ان سے معافی مانگی، مسلمہ بنی ہنظلہ نے نہایت خوش دلی سے معاف کر دیا، اور پھر بدستور محاصرہ میں مشغول ہو گئے، اسکندر یہ کے محاصرہ کو قریب قریب دو سال ہو چکے تھے، لیکن ہنوز روز اول تھا، حضرت عمر بنی ہنظلہ اس تاخیر سے بہت پریشان تھے، چنانچہ انہوں نے خط لکھ بھیجا کہ تم لوگ دو سال سے جھے ہوئے ہو، لیکن ابھی تک کوئی نتیجہ نہ نکلا، معلوم ہوتا ہے رومیوں کی طرح تم بھی عیش و عشرت میں اور ہوا و ہوس میں پڑ کر اپنے فرائض اور خلوص نیت کو بھول گئے، جس وقت تم کو میرا خط ملے لوگوں کے سامنے جہاد پر تقریر کرو، اور جن چار آدمیوں کو میں نے بھیجا تھا، ان کو فوج کے آگے کر کے جمعہ کے دن حملہ کر دو، عمرو بن العاص بنی ہنظلہ نے فوج کو یہ خط سنا دیا، اس سے ان لوگوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا، اور فوج کو مرتب کر کے حضرت عبادہ بن صامت بنی ہنظلہ کے نیزہ پر جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، اپنا امام لگا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ علم لیجئے اور آپ اس فوج کے سردار ہیں، حضرت عبادہ نے اس جوش و خروش سے حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں رومیوں کے پاؤں اکھڑ

گئے اور ان کو خشکی و تری جس راستہ سے دھر راہ ملی بھاگ نکلے عمرو بن العاصؓ نے ایک ہزار آدمی متعین کر کے خشکی کی سمت رومیوں کا تعاقب کیا اور وہ تعاقب میں مصروف تھے رومیوں نے بحری راستہ سے پلٹ کر حملہ کر دیا اور جس قدر مسلمان ملے بے دریغ قتل کر دیئے عمرو بن العاصؓ کو معلوم ہوا تو تعاقب چھوڑ کر لوٹ پڑے رومیوں کا یہ حملہ صرف اتفاقی تھا ان کی قوت ٹوٹ چکی تھی اس لیے عمرو بن العاصؓ کو دوبارہ کوئی زحمت پیش نہیں آئی اور آسانی سے زیر کر لیا اور معاویہ بن خدیجؓ کو فتح کا مژدہ سنانے کے لیے دار الخلافہ روانہ کیا وہ بجلت منزل طے کرتے ہوئے ٹھیک دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبوی (ﷺ) میں چلے گئے اتفاق سے اس وقت حضرت عمرؓ کی لوٹنی اس طرف سے گذری اس نے انہیں سے مسافرانہ شکل میں دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ کہا معاویہ بن خدیجؓ عمرو بن العاصؓ کا قاصد اس نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی آپ نے فوراً طلب کیا ان کے پہنچنے پہنچنے وہ خود آنے کو تیار ہو رہے تھے۔ دیکھنے کے ساتھ ہی پوچھا کیا خبر لائے عرض کیا خدا نے کامیاب کیا یہ مژدہ سن کر حضرت عمرؓ نے اسی وقت منادی کرائی اور مسجد نبوی (ﷺ) میں تمام مسلمانوں کے سامنے خود معاویہؓ کی زبان سے فتح کے حالات سنوائے پھر پوچھا کہ تم سیدھے مسجد میں کیوں چلے گئے عرض کیا دوپہر کا وقت تھا میں نے خیال کیا کہ آپ آرام فرماتے ہوں گے جواب دیا کیا میں دن کو سو کر رعایا کو تباہ کرتا!

اگرچہ اسکندریہ کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا تھا لیکن شہر کے امن و امن میں کوئی فرق نہیں آنے پایا اور عام آبادی میں سے کسی کو قتل یا قید نہ کیا گیا بلکہ جزیہ اور خراج تشخیص کرنے کے بعد کامل امن و امان ہو گیا۔

مصر کی تسخیر کے بعد اگرچہ وہاں رومیوں کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی تاہم منتشر طور پر جا بجا ابھی ان کی آبادیاں باقی رہ گئی تھیں اس لیے عمرو بن العاصؓ نے ہر طرف

۱۔ یہ تمام تفصیلات مقریزی ج ۱ ص ۲۶۳ تا ۲۶۷ سے ماخوذ ہیں اور بعض بعض واقعات طبری سے لیے گئے ہیں۔ ج ۱ فتوح البلدان ص ۲۲۸

تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کرادیں تاکہ آئندہ بغاوت کا خطرہ باقی نہ رہے چنانچہ خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فیوم، اشونین، بشروات، انمیم اور صعیذ مصر کے تمام مواضعات لیے اور عمر بن وہب نے تینس، دمیاط، تونہ، ومیرہ، شطا، وقبلا، بوسیرہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں کی کل آبادی نے فسطاط کے شرائط پر صلح کر لی۔ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما یادردان نے مصر کی آبادیوں پر قبضہ کیا اور مصر و اسکندریہ پر پورا تسلط ہو گیا۔

### فتوحات مغرب برقہ:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی فتوحات کا سیلاب اسکندریہ پہنچنے کے بعد برقہ کی طرف مڑا، برقہ فسطاط سے بیس پچیس منزل کی مسافت پر اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان ایک زرخیز، سیر حاصل اور آباد رقبہ زمین تھا، یہاں کی آبادی بہت مرفہ الحال تھی، یہ قطعہ متعدد شہریوں پر مشتمل تھا، انطا بلس یہاں کا بڑا شہر تھا۔ یہ لوگ حکومت مصر کے باجگزار تھے، عمرو بن العاص نے انطا بلس پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، برقہ والے بہت نرم خور اور اطاعت شعار تھے اس لیے بلا کسی مزاحمت کے جزیہ قبول کر لیا، اور تیرہ ہزار دینار سالانہ پر صلح ہو گئی۔ ۳

### زویلہ:

برقہ سے فارغ ہو کر عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو زویلہ روانہ کیا، یہ سوڈان کی سرحد پر ایک آباد شہر تھا، برقہ اور زویلہ کے درمیان آبادیوں نے بلا کسی جنگ کے خود سے اطاعت قبول کر لی۔ زویلہ والوں نے بخوشی جزیہ دینا منظور کر لیا۔

### طرابلس الغرب:

زویلہ کے بعد طرابلس کا رخ کیا، طرابلس بحر روم کے ساحل پر آباد ہے، یہ مقام اس زمانہ میں افریقہ کے ممتاز ترین مقامات میں تھا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے طرابلس کے مشرق میں فوجیں اتار دیں اور نہایت اہتمام سے اس کا محاصرہ کیا، دو مہینہ تک برابر محاصرہ جاری رہا، لیکن کہیں سے اندر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا، ایک دن کچھ مسلمان شکار کو

۱۔ فتوح البلدان ص ۲۲۳ ۲۔ معجم البلدان "برقہ" ص ۳ بلاذری ص ۲۳۱۔ ۳۔ ایضاً ص ۲۳۲

نکلے واپس میں دھوپ سخت تھی اس لیے یہ لوگ دریا کے کنارہ کنارہ واپس ہوئے شہر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ شہر اور دریا کے درمیان کوئی فصیل یا شہر پناہ وغیرہ نہیں ہے اور دریا کے گھاٹوں کی وجہ سے درمیان میں خشک راستہ بھی چھوٹا ہوا ہے انہوں نے آ کر فوراً عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی چنانچہ مسلمان اسی وقت حملہ کے لیے تیار ہو گئے اور اسی راستہ سے فوراً حملہ کر دیا اور ناگہانی حملہ سے شہر والے بالکل بدحواس ہو گئے دریائی راستہ سے بھاگنا آسان نہ تھا کیونکہ درمیان میں مسلمان حائل تھے اس لیے شہر ہی میں کشت و خون ہوا چونکہ مسلمانوں کا حملہ بالکل اچانک تھا طرابلس والے پہلے سے تیار نہ تھے اس لیے تسخیر میں زیادہ دشواری نہ ہوئی اور آسانی سے زیر کر لیا۔

سبرہ:

طرابلس سے آگے بڑھ کر سبرہ ایک شہر پڑتا تھا طرابلس کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خود وہیں رہے اور تھوڑی فوج سبرہ بھیج دی یہ لوگ علی الصباح سبرہ پہنچ گئے اہل شہر طرابلس کے واقعہ سے لاعلم تھے اس لیے حسب معمول صبح سویرے شہر کا پھاٹک کھول کر اپنے اپنے کاروبار میں لگ گئے مسلمانوں نے یلغار کر کے زبردستی شہر میں داخل ہو کر قبضہ کر لیا اور کشت و خون کی نوبت نہیں آئی۔

ان مہموں کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ طرابلس فتح ہو چکا ہے افریقہ (تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ) یہاں سے صرف نو دن کی مسافت پر ہے اگر امیر المومنین مناسب سمجھیں تو آگے پیش قدمی کی جائے لیکن وہاں سے حکم آ گیا کہ افریقہ کے باشندے شورش پسند ہیں اپنے حکمرانوں سے ہمیشہ بغاوت کرتے ہیں اس لیے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آگے پیش قدمی روک دی۔

مصر کی گورنری اور اسکندریہ کی بغاوت:

ان فتوحات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی حکومت پر

سرفراز کیا، کچھ دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور حضرت عثمان مجتہد سریر آرائے خلافت ہوئے اسی زمانہ میں اسکندر یہ والوں نے بغاوت کر دی اس کا سبب یہ ہوا کہ رومی اسکندر یہ پر مسلمانوں کے قبضے کے وقت سے ہمیشہ اس کے واپس لینے کی فکر میں رہتے تھے اسکندر یہ بحر روم میں ان کی نہایت اہم بندرگاہ تھی اس کے نکل جانے کے بعد ان کے تمام افریقی مقبوضات خطرہ میں پڑ گئے تھے چنانچہ انہوں نے اسکندر یہ کی رومی آبادی سے خط و کتابت کر کے اس کو بغاوت پر آمادہ کر یا اور ان کی مدد کے لیے قسطنطنیہ سے عظیم الشان لشکر بھیجا لیکن قبلی آبادی نے اس میں کوئی حصہ نہیں لیا اور مقوقس صلح پر قائم رہا عمرو بن العاص مجتہد کو معلوم ہوا تو وہ مقابلہ کو نکلے دونوں میں سخت معرکہ ہوا رومی شکست کھا کر اسکندر یہ کے اندر داخل ہو گئے مسلمانوں نے شہر کے اندر داخل ہو کر جہاں تک ہو سکا مارا منویل خاصی رومی سپہ سالار مارا گیا جب یہاں بھی پناہ نہ ملی تو اسکندر یہ سے نکل کر بھاگے اور چونکہ قبلیوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا اس لیے جذبہ انتقام میں ان آبادیوں کو لوٹتے ہوئے نکل گئے بدحواسی میں اپنے حامیوں کو بھی تاخت و تاراج کر دیا جب مسلمان کا کامل تسلط ہو گیا تو قبلی عمرو بن العاص مجتہد کے پاس فریاد لے کر آئے کہ رومیوں نے ہمارا سارا مال و متاع لوٹ لیا ہے ہم نے مسلمانوں سے بغاوت نہیں کی تھی اس لیے ہم کو واپس دلایا جائے انہوں نے شناخت کرا کے جن جن لوگوں کا مال تھا واپس کرا دیا اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے بچنے کے لیے اسکندر یہ کی شہر پناہ تراوادی۔

معزولی:

۲۶ھ میں حضرت عثمان مجتہد نے عمرو بن العاص مجتہد کو مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا حضرت عثمان مجتہد پر ان کے مخالفین کی جانب سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے اتنے بڑے فاتح اور سپہ سالار کو معزول کر کے دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا جس نے مصر اسکندر یہ اور طرابلس کا تختہ الٹ دیا تھا لیکن درحقیقت حضرت عثمان مجتہد ان کی معزولی پر مجبور ہو گئے تھے وہ بلاوجہ معزول نہیں کرتے

تھے طبری کے یہ الفاظ ہیں وکان لا یعزل احداً الا عن شکاۃ او استغاثۃ۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کبھی کسی کو بغیر شکایت یا استغاثہ کے معزول نہیں کرتے تھے واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر اس قسم کے حالات پیش آتے گئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی معزولی کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا مصر کی فتح کے بعد سے برابر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی یہاں کے حکمران رہے البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مصر کے ایک چھوٹے حصہ کا جو سعید مصر کے نام سے موسوم ہے، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو والی بنایا تھا، لیکن یہ تقرر بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر بار تھا اور وہ مصر میں کسی کو بھی اپنے سوانہ دیکھنا چاہتے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی ہیبت سے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکے آپ کی وفات کے بعد ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کی درخواست کی، لیکن آپ نے قبول نہ کی!

مصر نہایت زرخیز ملک ہے، لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی زرخیزی کے تناسب سے خراج نہ ملتا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ سے اس کی شکایت چلی آتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں ان کو ایک سخت خط بھی لکھا تھا، یہ خط اور اس کا جواب مقریزی میں موجود ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی وہ شکایت برابر قائم رہی، انہوں نے بھی ان کو لکھا، مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے صاف جواب دیا کہ ”گائے اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی“ اس جواب پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خراج کا عہدہ ان سے نکال کر عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق کر دیا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق سعید مصر ہی سے بمشکل برداشت کیے ہوئے تھے، اس انتظامی تغیر نے دونوں کے تعلقات اور زیادہ کشیدہ کر دیئے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف دربار خلافت میں شکایات بھیجنے لگے، عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ لکھتے تھے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خراج کی وصولی میں رخنہ انداز ہوتے ہیں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ لکھتے کہ عبد اللہ جنگلی تدبیروں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ دو عملی عرصہ تک نہ چل سکی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

نے عمرو بن العاصؓ کو مصر سے معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو مستقل والی بنا دیا۔ یہ طبری اور ابن اثیر کی روایت ہے، لیکن کتاب الولاۃ اور حسن المحاضرہ کی روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ اسکندر یہ کی بغاوت سے پہلے ہی معزول ہو چکے تھے اور ان ہی کی معزولی سے اسکندر یہ والوں میں بغاوت کا حوصلہ پیدا ہوا تھا اور بغاوت برپا ہونے کے بعد پھر حضرت عثمانؓ کو مجبور ہو کر ان کو اس کے فرو کرنے پر مامور کرنا پڑا۔ جب وہ بغاوت کا خاتمہ کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے ان کو امارت جنگ کے عہدہ پر بحال کرنا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ سینک میں پکڑوں اور دودھ دوسرا دوھے۔ اس روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ کی معزولی کا واقعہ ۲۵ھ میں پیش آیا، عمرو بن العاصؓ اپنی معزولی پر حضرت عثمانؓ سے اس درجہ برہم ہوئے کہ جب معزولی کے بعد مصر سے مدینہ آئے اور حضرت عثمانؓ سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی باتوں کا ٹھیک جواب بھی نہ دیتے تھے جس وقت ان سے اور حضرت عثمانؓ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی اس وقت یہ لبادہ پہننے ہوئے تھے حضرت عثمانؓ نے پوچھا اس لبادہ میں کیا بھرا ہے جواب دیا عمرو بن العاصؓ حضرت عثمانؓ نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ سلیمرا مطلب یہ ہے کہ روئی ہے یا اور کوئی چیز؟ پھر پوچھا تم نے عبداللہ بن سعدؓ کو مصر میں کس حالت میں چھوڑا کہا جس حال میں آپ چاہتے تھے پوچھا اس کا کیا مطلب کہا اپنے نفس کے لیے قوی اور خدا کے لیے ضعیف فرمایا میں نے ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی جواب دیا آپ نے ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بار ڈالا۔ اس وقت عبداللہ بن سعدؓ کا بھیجا ہوا خراج پہنچ چکا تھا اور اس کی تعداد عمرو بن العاصؓ کے زمانہ کے خراج سے بہت زیادہ تھی حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا ”دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا“ انہوں نے کہا ”ہاں لیکن بچے بھوکے رہ جائیں گے۔“ مگر عمرو بن العاصؓ معزولی کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کے اسی طرح خیر خواہ رہے جس طرح معزولی کے قبل تھے چنانچہ جب مصر سے باغیوں کا

گروہ چلا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لیے بھیجا، انہوں نے اپنے سابق اثر سے کام لے کر ان کو واپس کیا اور شہر کے لوگوں کو جمع کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے صفائی پیش کی۔<sup>۱</sup>

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب کبھی مشکلات پیش آتی تھیں تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے، یہ نہایت خیر خواہی سے مشورہ دیتے تھے، سازش کے زمانہ میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات پیش کیے تو آپ نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، اس کے ایک رکن عمرو بن العاص بھی تھے، تمام اراکین سے مشورہ کرنے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے خاص طور پر ان کی رائے پوچھی، انہوں نے کہا آپ ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں، گرفت کے موقعوں پر چشم پوشی کر جاتے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ آپ نے لوگوں کو آزادی دے رکھی ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ ملکی انتظام میں اپنے پیشرہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے نقش قدم پر چلیے اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیجئے۔<sup>۲</sup>

عہد علی و معاویہ رضی اللہ عنہما:

معزولی کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر فلسطین میں اقامت اختیار کر لی تھی اور کبھی کبھی مدینہ آ جاتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے وقت مدینہ میں موجود تھے، لیکن جب دیکھا کہ فتنہ و فساد کے شعلے قابو سے باہر ہو گئے تو یہ کہہ کر کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں جس کا ہاتھ ہوگا، اس کو خدا ذلیل کرے گا، جو شخص ان کی مدد نہ کر سکتا ہو اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے اور خود شام چلے گئے، مگر دل برابر ان میں لگا رہا۔ ہر آنے جانے والے سے حالات پوچھ لیا کرتے تھے۔<sup>۳</sup> اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کبریٰ پیش آیا، پھر جنگ جمل کا ہنگامہ ہوا، مگر انہوں نے دائرہ عزالت سے باہر قدم نہیں نکالا۔

پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف شروع ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جریر ابن عبد اللہ بجليٰ کو بیعت کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا



اور یہ مطالبہ کیا کہ بیعت کر ڈور نہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان والوں سے مشورہ کیا۔ عقبہ بن ابی سفیان نے رائے دی کہ عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو بلا کر ان سے مشورہ لو، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس وقت قلعین میں تھے بلا کر آئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس وقت کئی ہمیں درپیش ہیں، محمد بن ابی حذیفہ قید خانہ توڑ کر اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہو گئے ہیں، قیصر روم علیحدہ چڑھائی پر آمادہ ہے تیسرا اور سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ پر آمادہ ہیں، انہوں نے مشورہ دیا کہ محمد بن ابی حذیفہ کا تعاقب کر اڈل جائیں تو فہماور نہ کوئی حرج نہیں، قیصر روم کے قیدی چھوڑ کر اس سے مصالحت کر لو، علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ البتہ بہت اہم ہے، مسلمان کبھی بھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں معاون تھے، امت اسلامیہ میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن تم کو سبقت اسلام اور قرابت نبوی ﷺ کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں تمہارے مقصد کے حصول کے لیے خواہ مخواہ کیوں تمہاری مدد کروں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا مصر، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم مصر چاہتے ہو اور مصر کسی طرح عراق سے کم نہیں ہے، عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، لیکن مصر کا مطالبہ اس وقت ہے جب علی رضی اللہ عنہ کو تم مغلوب کر چکے ہو گے اور دنیا تمہارے زیر نگیں ہوگی، اس گفتگو کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنی قیام گاہ پر چلے گئے، عقبہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے پھر اصرار کیا کہ مصر دے کر کیوں نہیں فائدہ اٹھاتے، ان کے اصرار پر معاویہ رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور دوسرے دن صبح کو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مصر دینے کا تحریری وعدہ کر لیا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ پہلے نماز شام کے دلوں میں یہ بٹھا دو کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا، پھر ان کو ان کی مخالفت پر آمادہ کر ڈور نہ کامیابی ناممکن ہے، اور سب سے پہلے شریحیل بن سمط کندی کو جو شام کے بااثر آدمی ہیں،

۱۔ طبری کی ایک روایت یہ ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر خود

یقین دلا کر اپنا ہم خیال بناؤ، غرض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بتائی ہوئی تدبیروں سے عمائد شام کو یقین دلادیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون بے گناہی سے علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بھی رکھیں ہے، شرمیل کو پورا یقین ہو گیا اور انہوں نے شام کا دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ابھارنا شروع کیا۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مظلوم کے خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کر کے سارے شام میں آگ لگا دی، لوگ آتے تھے اور یہ المناک نظارہ دیکھ دیکھ کر روتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کریں گے اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے نہ عورتوں کو چھویں گے۔

اس کے بعد طرفین نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شام کی فوج کے امیر العسکر مقرر ہوئے اور وہ المناک جنگ شروع ہوئی جو تاریخ اسلام میں جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ کا سلسلہ مدتوں رہا، آذری فیصلہ کن معرکہ کے بعد جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ اب شامی زیادہ دیر تک میدان میں نہیں ٹھہر سکتے تو یہ تدبیر کی کہ نیزوں پر قرآن آویزاں کر کے اعلان کرادیا کہ کتاب اللہ سے جو فیصلہ ہو جائے اس پر ہم راضی ہیں قرآن پاک کے اٹھتے ہی کوفیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا حضرت علی رضی اللہ عنہ لاکھ سمجھاتے رہے کہ یہ محض فریب ہے، لیکن کسی نے نہ سنا جب اختلاف کا خطرہ بڑھا تو آپ بھی چاروں ناچار آمادہ ہو گئے۔

دوسرے دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آدی بھیجا کہ حکیم کا طریقہ کیا ہوگا، انہوں نے کہا ایک حکم تمہارا اور ایک ہمارا، دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ دونوں کے لیے واجب التسلیم ہوگا، غرض عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شامیوں کی جانب سے اور ابو موسیٰ کوفیوں کی جانب سے حکم مقرر ہوئے اور ثالثی نامہ تحریر ہوا کہ ”حکمین اختلاف امت کا خیال رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی رو سے عدل و انصاف کے ساتھ جو فیصلہ کر دیں گے وہ طرفین کے لیے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کو نہ

مانے گا اس کے خلاف دونوں حکم مدد دیں گے، اگر درمیان میں کوئی حکم مر گیا تو اس فریق کو دوسرا حکم مقرر کرنے کا اختیار ہوگا“ اس ثالثی کے بعد دونوں نے اپنی اپنی فوجیں بنالیں اور عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے تبادلہ خیالات شروع ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

عمرو بن العاصؓ: آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مجھ کو مظلوم شہید کیے گئے۔

ابو موسیٰؓ: بیشک۔

عمرو بن العاصؓ: آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ معاد یہ مجھ اور آل معاد یہ ان کے طرفدار ہیں۔

ابو موسیٰؓ: یہ بھی صحیح ہے۔

عمرو بن العاصؓ: ایسی صورت میں قرآن کا یہ حکم ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا اس کے علاوہ نہا بھی وہ قریشی ہیں، ہاں سابقین اولین میں نہیں ہیں، یہ کوئی ایسا مانع نہیں ہے، اس کے علاوہ ان میں اور بہت سے اوصاف موجود ہیں، انہوں نے خلیفہ مظلوم کی حمایت کی، حسن تدبیر اور حسن سیاست میں یگانہ ہیں، ام المومنین ام حبیبہؓ کے بھائی اور آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔

عمرو بن العاصؓ: خدا کا خوف کرو، تم نے معاد یہ کے جو فضائل بیان کیے، ان میں سے کوئی بھی ایسے نہیں ہیں، جو ان کو خلافت کا مستحق بناتے ہوں، اگر محض شرافت پر استحقاق خلافت کا انحصار ہوتا تو آل ابرہہ ان سے زیادہ مستحق ہوتے، خلافت محض اہل دین اور صاحب فضل افراد کا حق ہے، اگر شرف کی بنیاد پر میں کسی کو خلافت دیتا تو سب سے زیادہ علیؓ مستحق تھے اور تمہاری یہ دلیل کہ انہوں نے عثمانؓ کے خون کے بدلہ کا بار اٹھایا ہے، ایسی نہیں ہے، جس سے ان کو مہاجرین اولین پر فضیلت حاصل ہو سکے، تم مانتے ہو تو مانو، لیکن میں کسی حالت میں اس کو نہیں مان سکتا، رہی یہ طمع کہ معاد یہ کے نزدیک

میری قدر و منزلت بڑھ جائے گی یا ان سے مجھ کو مالی فائدہ ہوگا تو یہ مجھ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی، خدا کے معاملہ میں میں رشوت ستانی گوارا نہیں کر سکتا ہاں اگر تم چاہو تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کا نام زندہ کر دیں۔

عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما: اگر آپ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر راضی ہیں تو میرے لڑکے میں کیا خرابی ہے اس کے فضائل سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: تمہارا لڑکا یقیناً بہت سچا ہے، مگر تم نے اس کو اس فتنہ میں مبتلا کر کے محفوظ نہ چھوڑا۔

عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما: خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہئے جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے خود کھائے دوسرے سے لوگوں کو کھلائے۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: مسلمانوں نے بڑی جنگ و جدل کے بعد یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے، خدا را اب دوبارہ ان کو فتنہ میں نہ ڈالو۔

غرض دونوں باہمی تبادلہ خیالات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے نئے سرے سے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے کہ یہ کشت و خون کس طرح بند ہو چنانچہ مقررہ تاریخ پر دومۃ الجندل میں فریقین جمع ہوئے، جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میرے بزرگ اور آنحضرت ﷺ کے مقرب صحابی ہیں، اس لیے پہلے آپ فیصلہ سنائیے، ابوموسیٰ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ صاحبو! بہت غور و فکر کے بعد ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) دونوں کو معزول کیے بغیر امت کی اصلاح نہیں ہو سکتی، اس لیے میں نے ان دونوں کو معزول کیا، اب آپ لوگوں کو اختیار ہے جس کو خلافت کا اہل سمجھیں، اس کو اپنا خلیفہ بنا لیں، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سنانے کے بعد عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا:

”آپ لوگوں نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سن لیا، انہوں نے علی اور معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں کو معزول کیا، میں بھی علی (رضی اللہ عنہ) کو معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں۔“

عمر و بن العاصؓ کے اس فیصلہ سے مجمع میں سناٹا چھا گیا، ابو موسیٰؓ نے ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور قریب تھا کہ کھواریں میان سے نکل آئیں، لیکن شامیوں نے فوراً حضرت ابو موسیٰؓ کو اونٹ پر بٹھا کر مکہ روانہ کر دیا اور عمرو بن العاصؓ بھی ہٹ گئے۔

مصر پر حملہ:

اس فیصلہ کے بعد عمرو بن العاصؓ نے مصر لینے کے لیے مسلمہ بن حلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندیؓ سے خط و کتابت شروع کی یہ دونوں حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر اور حضرت علیؓ کے مخالف تھے اسی لیے دونوں ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے، اس کے بعد عمرو بن العاصؓ چھ ہزار فوج لے کر روانہ ہو گئے، اس وقت محمد بن ابی بکر حضرت علیؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے عمرو بن العاصؓ نے ان کو خط لکھا کہ مصر والے تمہارے مخالف ہیں، لڑائی میں ایک شخص بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا، لہذا تم مصر چھوڑ دو، میں خواہ مخواہ تمہارے خون سے اپنا ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا، محمد نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا، وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا، محمد بن ابی بکر نے عمرو بن العاصؓ کو مقابلہ کی اطلاع دے دی، عمرو بن العاصؓ دو ہزار آدمی لے کر بڑھے، محمد بھی میدان میں آئے اور ایک خونریز مقابلہ کے بعد مصری فوج کے قوت بازو کمانہ مارے گئے، ان کا گرنا تھا کہ مصریوں کے پاؤں اکٹڑ گئے، عمرو بن العاصؓ نے ہر طرف آدمی دوڑائے اور وہ گرفتار کر کے لائے گئے، اس وقت بہت پیاسے تھے، لیکن شامیوں نے پانی تک نہ دیا اور وہ تشنہ لب قتل کر دیئے گئے، اور مصر پر عمرو بن العاصؓ کا قبضہ ہو گیا۔

عمرو بن العاصؓ پر قاتلانہ:

نہروان میں خارجیوں کی شکست اور قتل عام سے ان کے بقیہ افراد میں انتقام کا جذبہ بہت ترقی کر گیا تھا، اس لیے ابن ملجمؓ، برک بن عبد اللہ اور عمرو بن بکرؓ نے مشورہ

کیا کہ سارا فساد علی (رضی اللہ عنہ) معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کی وجہ سے ہے اس لیے ان کا قصہ پاک کر دینا چاہیے چنانچہ ایک مقررہ شب کو تینوں نے تینوں اشخاص پر خفیہ حملہ کیا، ابن ملجم نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا، برک بن عبد اللہ نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) پر حملہ کیا، مگر زخم اوچھا گیا، اس لیے بچ گئے عمرو بن بکر، عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) پر متعین تھا، مگر اتفاق سے اس دن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لیے ان کے بجائے خارجہ بن حذافہ (رضی اللہ عنہ) نماز پڑھانے نکلے، عمرو نے ان ہی کو عمرو بن العاص سمجھ کر قتل کر دیا! مصر کی گورنری:

مصر اور شام پر امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مستقل قبضہ کے بعد ان میں اور عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) میں مصر کے معاملہ میں شکر رنجی ہو گئی، مگر معاویہ بن خدیج (رضی اللہ عنہ) نے درمیان میں پڑ کر صلح کرادی اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو چند شرائط کے ساتھ مصر کا والی بنا دیا، ان شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے اطاعت گزار رہیں گے مزید توثیق کے لیے عہد نامہ لکھا اور اس پر شاہدوں سے دستخط لیے گئے۔<sup>۱</sup>

### وفات:

عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) بہ اختلاف روایت ۳۳ھ یا ۳۴ھ یا ۵۱ھ میں مصر ہی میں اپنے عہد حکومت میں بیمار ہوئے، عمر کافی پانچے تھے زندگی کی زیادہ امید نہ تھی اس لیے مرض الموت میں اپنی گزشتہ لغزشوں پر بہت ناام تھے۔

ابن عباسؓ جیسا عیادت کو آئے، سلام کے بعد پوچھا ابو عبد اللہ! کیا حال ہے؟ جواب دیا کیا پوچھتے ہو دنیا کم بنائی گردین زیادہ بگاڑا، اگر اس کو بگاڑا ہوتا جس کو بنایا ہے اور اسے بنایا ہوتا جس کو بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہوتا، اگر آخر عمر کی آرزو فائدہ مند ہوتی تو ضرور آرزو کرتا، اگر بھاگنے سے بچ سکتا تو ضرور بھاگتا، مگر اب منجنت کی طرح زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوں، نہ ہاتھوں کے سہارے اور اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ پاؤں کے سہارے نیچے اتر سکتا ہوں، اے بھتیجے مجھ کو کوئی ایسی وصیت کر کہ اس سے فائدہ اٹھاؤں،

۱ یہ تمام تفصیلات طبری سے ماخوذ ہیں ۲ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۶

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا افسوس اب وہ وقت کہاں اب وہ جتنیجا بوزھا ہو کر آپ کا بھائی ہو گیا ہے اگر آپ رونے کے لیے کہیں تو میں رونے کے لیے تیار ہوں 'مقیم سفر کا کیسے یقین کر سکتا ہے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا 'اس وقت اسی برس سے کچھ اوپر میری عمر ہے' اور تو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے نا امید کرتا ہے! خدایا! یہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) مجھ کو تیری رحمت سے نا امید کر رہا ہے ابھی تو مجھے یہاں تک تکلیف دے کہ راضی ہو جاؤ! ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہی بات ابو عبد اللہ جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پرانی ہے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا 'ابن عباس (رضی اللہ عنہما) تم کو کیا ہو گیا ہے' جو بات میں کہتا ہوں تم اس کا اننا کہتے ہو۔

ابن شامہ مہری کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں ہم ان کی عیادت کو گئے وہ دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے! ان کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے دلاسا دیا کہ ابا کیا آپ کو آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی ہیں؟ جواب دیا "میرے پاس افضل ترین دولت! لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت ہے! مجھ پر زندگی کے تین دور گزرے ہیں! ایک وہ دور تھا جس میں آنحضرت ﷺ کا سخت ترین دشمن تھا اور میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر دوں! اگر اس حالت میں مر جاتا تو میرے لیے دوزخ یقینی تھی! پھر اللہ عزوجل نے میرے دل میں اسلام ڈالا! میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہاتھ پھیلائے میں بیعت کروں گا! آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے سمیٹ لیا! فرمایا عمرو بن العاص! تم کو کیا ہو گیا! میں نے عرض کی "میں ایک شرط چاہتا ہوں" فرمایا وہ کونسی شرط ہے! میں نے عرض کیا: میری مغفرت ہو جائے! فرمایا عمرو بن العاص کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے! حج اپنے پہلے کے گناہوں کو گرا دیتا ہے! اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نہ میرا کوئی محبوب رہا اور نہ ان سے زیادہ میری نگاہ میں کوئی بزرگ باقی رہا! میں آپ کی انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے آپ کو نظر بھر نہیں دیکھ سکتا تھا! اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو میں نہیں بتا سکتا کہ میں نے نظر بھر

کبھی دیکھا ہی نہیں اگر اس حالت میں مر جاتا تو جنت کی امید تھی پھر تیسرا دور آیا جس میں میں نے مختلف قسم کے اعمال کیے اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہو گا جب میں مر جاؤں تو نوحہ کرنے والیاں میرے ساتھ نہ جائیں نہ جنازہ کے پیچھے آگ جائے دفن کرتے وقت مٹی آہستہ آہستہ ڈالی جائے دفن کرنے کے بعد اتنی دیر قبر کے پاس رہنا جب تک جانور ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم ہو جائے تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو جاؤں اور یہ غور کر لوں کہ اپنے رب کے قاصوں کو کیا جواب دوں“۔

موت کے وقت اپنے محافظ دستے کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟ جواب ملا کہ آپ ہمارے سچے ساتھی تھے ہماری عزت کرتے تھے ہم کو دل کھول کر لیتے دیتے تھے یہ سلوک کرتے تھے وہ کرتے تھے کہا میں یہ سلوک اس لیے کرتا تھا کہ تم مجھ کو موت سے بچاؤ گے یہ موت سامنے کھڑی ہوئی کام تمام کرنا چاہتی ہے اس کو کسی طرح سے میرے سامنے سے دور کر دو یہ عجیب فرمائش سن کر ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے کچھ دیر کے بعد بولے ابا عبد اللہ! خدا کی قسم ہم کو آپ سے ایسی فضول بات سننے کی امید نہ تھی آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ کام نہیں آسکتے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے یہ جانتے ہوئے تم سے ایسی فرمائش کی تھی کہ تم موت کے مقابلہ میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے کاش میں نے تم میں سے کسی کو اپنی حفاظت کے لیے نہ رکھا ہوتا افسوس ابن ابی طالب سچ کہتے تھے کہ ”انسان کی محافظ خود اس کی موت ہے“ خدایا میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں اگر تیری رحمت نے دنگیری نہ کی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

اس کے بعد اپنے صاحبزادہ سے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو پہلے معمولی پانی سے نہلا کر کپڑے سے خشک کرنا پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا تیری مرتبہ کا فوراً آمیز پانی سے غسل دینا اور کپڑے سے خشک کرنا کفنا تے وقت ازار کس کر باندھنا کہ میں مخاصم ہوں گا جنازہ درمیانی چال سے لے چلنا لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا کہ اس کے



آگے ملائکہ چلتے ہیں اور پچھلا حصہ بنی آدم کے چلنے کے لیے ہے، قبر میں رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا پھر دعا میں مصروف ہو گئے کہ اللہا تو نے حکم دیا، میں نے عدول حکمی کی تو نے ممانعت کی، میں نے نافرمانی کی، میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں، ہاں لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ یہی کہتے کہتے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی انا لله وانا الیہ راجعون۔

یکم شوال ۳۳ھ بعد نماز عید الفطر آپ کے صاحبزادہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مقطم میں سپرد خاک کیے گئے۔

اولاد:

دو لڑکے تھے، عبداللہ اور محمد، دونوں خولہ بنت حمزہ کے بطن سے تھے۔

فضل وکمال:

اسلام کے بعد عمرو بن العاصؓ کی عمر کا زیادہ حصہ میدان جنگ میں گزرا اس لیے سرچشمہ علم و عرفان سے قائمہ اٹھانے کا موقع کم ملا، پھر بھی علم کی دولت سے بالکل تہی دامن نہ تھے۔

قرآۃ القرآن:

قرآن مجید بہت سے فنون کا مجموعہ ہے، اس کی قرأت بھی مستقل فن ہے، عمرو بن العاصؓ کو قرآن سے خاص ذوق تھا، اور قرآن بہت صاف اور واضح پڑھتے تھے۔

علم حدیث اور اس کی اشاعت:

اگرچہ عمرو بن العاصؓ کو لڑائیوں کی شرکت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنے کا موقع کم ملا، تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے، اور اقوال نبوی ﷺ کی خاصی تعداد ان کے حصے میں آئی، ان کی مرویات کی تعداد ۳۹ ہے

۱۔ ابن سعد جز ۳، ق ۲، ص ۸، ۲۔ اسد الغابہ جلد ۲، ص ۷ اور مستدرک جلد ۳، ص ۳۵۳

۳۔ اصحابہ جلد ۵، ص ۲

ان میں تین متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں۔ حدیث کے اس سرمایہ کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھا بلکہ دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا، آپ کے مستفیدین کی تعداد بھی کافی ہے، ان میں آپ کے صاحبزادہ، عبداللہ، غلام ابوقیس اور قیس بن ابی حازم، ابوعثمان نہدی، علی بن رباح لُحی، عبدالرحمن بن شامہ، عروہ بن زبیر، محمد بن کعب، عمارہ بن حزمیہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تعلیم و تلقین:

عروہ بن العاص رضی اللہ عنہ: جنگی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ تعلیم و تلقین کا فرض بھی انجام دیتے تھے، چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں کامیابی کے بعد وہیں مقیم ہو کر نو مسلموں کو تعلیم دیتے تھے، آنحضرت ﷺ کے بعد جب دنیا طلبی کی ہوس زیادہ ہو گئی تھی، اس وقت لوگوں کے سامنے تقریر کرتے اور ان کو اسوۂ نبوی کی پیروی کی ہدایت کرتے تھے، علی بن رباح روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عروہ بن العاص رضی اللہ عنہ منبر پر تقریر کر رہے تھے کہ ”آج تم لوگوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ جن چیزوں سے احتراز فرماتے تھے تم ان کی طرف راغب ہو رہے ہو، اور دنیا کی تمنا کرتے ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے۔“

علم اجتہاد:

تمام مسائل میں علی الترتیب قرآن و حدیث سے کام لیتے تھے، لیکن ان دونوں سے رہ نمائی نہ ہوتی اور ان کے حل کرنے کا کوئی تیسرا ذریعہ نہ ہوتا تو اجتہاد سے کام لیتے، سریہ ذات السلاسل میں ایک شب نہانے کی ضرورت پیش آ گئی، جاڑا سخت تھا، نہانے میں بیماری کا خطرہ تھا، اور نہ نہانے کی صورت میں نماز جاتی تھی، چنانچہ اس موقع پر انہوں نے غسل کی حالت کو وضو پر قیاس کر لیا کہ پانی نہ ملنے یا بیماری کے خطرہ کی صورت میں تیمم جائز ہو جاتا ہے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی، واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ عروہ بن العاص (رضی اللہ عنہ)! تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھ لی، عرض کی

رسول اللہ (ﷺ)! رات بہت ٹھنڈی تھی نہانے کی صورت میں ہلاکت کا خوف تھا اس موقع پر مجھ کو قرآن کی یہ آیت یاد آگئی کہ لا تفتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً اس لیے میں نے تیمم کر لیا، آنحضرت ﷺ ہنس کر خاموش ہو گئے۔

### ادب و انشا:

ادب و انشا میں ذوق سلیم پایا تھا اپنے عہد کے بہترین انشا پردازوں میں تھے اختصار جامعیت اور بدیع تشبیہات ان کی انشا پردازی کی خصوصیات تھیں تاریخ کی کتابوں میں ان کی ادبیت کی بہت سی مثالیں ہیں، بعض نمونے یہ ہیں مشہور عام الرمادہ میں یعنی جس سال عرب میں قحط پڑا تھا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر سے غلہ بھیجنے میں تاخیر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ:

جب تم اور تمہارے ساتھی شکم سیر ہوں تو تم اس کی پروا نہیں کرتے کہ میں اور میرے ساتھی ہلاک ہو جائیں المدد المدد! انہوں نے فوراً جواب دیا۔

لبیک لبیک میں اتنا بڑا اونٹوں کا قافلہ بھیجتا ہوں کہ اس کا اگلا سرا آپ کے پاس ہے اور پچھلا سرا میرے پاس۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کی معزولی کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے معزولی کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ مصر کے خراج کی رقم کم وصول ہوئی تھی جب ان کی جگہ عبداللہ ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا تو کمی کی شکایت جاتی رہی چنانچہ مصر سے واپسی کے بعد اس بارہ میں ان سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

عثمان رضی اللہ عنہ: تم عبداللہ بن ابی سرح کو کس حال میں چھوڑ آئے۔

عمرو رضی اللہ عنہ: جیسا آپ چاہتے تھے۔

عثمان رضی اللہ عنہ: وہ کیا؟

عمرو رضی اللہ عنہ: اپنے نفس کے لیے قوی اور خدا کے لیے کمزور۔

عثمان رضی اللہ عنہ: میں نے تو ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی۔

عمر و جیٹھ: تو آپ نے ان پر ان کو طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا۔  
 عثمان جیٹھ: دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا۔ (یعنی خراج زیادہ وصول ہوا)  
 عمرو جیٹھ: لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔!

اسی طریقہ سے جب امیر معاویہ جیٹھ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قبرس پر حملہ کی اجازت مانگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سمندر کے حالات پوچھ بھیجے انہوں نے جواب لکھا۔

اسی راہت خلقا عظیما یو کہ خلق صغیر کلود علی عود، ان مال غرق و ان  
 نجابر ق۔!.....

”میں نے ایک بڑی مخلوق (سمندر) دیکھی جس پر چھوٹی مخلوق اس طرح سوار ہوتی ہے جیسے لکڑی پر کیزا کہ اگر لکڑی ذرا بھی پلٹا کھائے تو کیزا ڈوب جائے۔ اور اگر صحیح سلامت نکل جائے تو خوفزدہ اور ہراساں رہ جائے۔“

حلیہ:

پستہ قد، فرہ اندام، بالوں میں سیاہ خضاب کرتے تھے ایک مرتبہ اس قدر گہرا خضاب کیا کہ بال کوے کے پر کی طرح کالے ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پوچھا: ابا عبد الرحمن! یہ کیا؟ عرض کی امیر المومنین! میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو آپ کسی قابل شمار کریں اس کے بعد پھر انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔  
 اخلاق و عادات:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ابتلا و آزمائش کے مختلف دوروں سے گزرنا پڑا اور ان میں وہ صحابی رسول کی حیثیت سے اپنا دامن نہ بچا سکے اور اس قسم کی بعض لغزشیں سرزد ہو گئیں جو ایک صحابی کے مرتبہ سے فروتر ہیں، تاہم وہ بارگاہ نبوی ﷺ کے جلسوں اور آپ کی صحبت یافتہ تھے اس لیے ان لغزشوں کے باوجود آپ کے وہ فضائل نظر انداز نہیں کیے جا سکتے جو فیضان نبوت نے تمام صحابہ کرام میں پیدا کر دیتے تھے اسی لیے ایک دقیقہ رس نگاہ

ان کے دامن عفاف میں خفیف بدنما دھبوں کے ساتھ وہ اخلاقی نقوش بھی دیکھتی ہے جن سے ہر صحابی گل بدامن تھا۔

### قوتِ ایمان:

قوتِ ایمان تمام فضائل کا سرچشمہ ہے اسی سے تمام فضائل کا ظہور ہوتا ہے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت کا خود زبان رسالت ﷺ نے اعتراف کیا ہے کہ اسلم الناس و امن عمرو بن العاص! ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ابنا العاص مومنان هشام و عمرو! آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی واقعات سے بھی پوری تصدیق ہوتی ہے ایک مرتبہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے بلا بھیجا کہ وہ لباس بدل کر اور ہتھیار لگا کر آئیں یہ حسبِ الحکم حاضر ہوئے آنحضرت ﷺ وضو فرما رہے تھے نظر اٹھا کر دیکھا پھر نظر نیچی کر کے فرمایا کہ میں تم کو امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں ان شاء اللہ تم محفوظ رہو گے اور مال غنیمت بھی ہاتھ آئے گا اس سے تم کو بھی وافر حصہ ملے گا عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) میں مال کی طمع میں اسلام نہیں لایا بلکہ اس کو دلی رغبت کے ساتھ قبول کیا فرمایا مال صالح مرد صالح کے لیے بہتر ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا عمرو بن العاص قریش کے صالح افراد میں ہیں عبداللہ اور ابو عبداللہ (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔

### حق پسندی:

اگرچہ بعض سیاسی امور میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنا دامن لغزش سے نہ بچا سکے لیکن طبعاً وہ حق پرست تھے ایک دن خانہ کعبہ کے سیاہ دیوار کے تلے بیٹھے لوگوں کو حدیث سنارہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے خلوص دل سے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس کو مقدور بھر اس کی حمایت کرنی چاہیے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو تو اس کی گردن ازادینی چاہیے عبدالرحمن بن عبد رب کعبہ (اس حدیث کے راوی) نے کہا کہ خدا آپ کو خوش رکھے کیا یہ حدیث آپ نے آنحضرت

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۵ ۲۔ ایضاً ۳۵۳ ۳۔ ایضاً ص ۱۹۷

۴۔ کنز العمال جلد ۶ فضائل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

سے سنی ہے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے کانوں اور قلب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے سنی اور قلب نے محفوظ رکھی، اس پر عبدالرحمن نے کہا کہ تمہارے ابن عم معادیہ ہم لوگوں کو ناجائز طور پر ایک دوسرے کے مال کھانے اور جانیں ضائع کرنے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ خدا فرماتا ہے کہ یا ایہا الذین امنوا لا تاكلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً۔ یہ سن کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے اور کہا کہ جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہوتی ہو، اس کو مانو اور جس میں ہوتی ہو، اس کو نہ مانو۔

خود آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق بارہا تحسین کے کلمات ارشاد فرمائے، ایک موقع پر فرمایا کہ عمرو بن العاص قریش کے صالح لوگوں میں ہیں۔<sup>۱</sup> اور ان کے خدمات کی بنا پر ان سے محبت فرماتے تھے، حسن روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا وہ شخص نیک نسلت نہیں ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو، یہ بولے اس کی سعادت میں کس کو شک ہو سکتا ہے، کہا آنحضرت ﷺ آخر دم تک تم سے محبت کرتے رہے۔<sup>۲</sup>

### تدبیر و سیاست:

عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا شمار ان مخصوص اشخاص میں تھا جو سارے عرب میں مدبر مانے جاتے تھے۔<sup>۳</sup> ان کی اصابت رائے کا خود آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں اعتراف فرمایا کہ تم اسلام میں صاحب رائے کے آدمی ہو، فادوق اعظم رضی اللہ عنہ، جیسا مدبر کہتا تھا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکومت کے لیے موزوں ہیں اور جب کسی خام کار اور ضعیف الرائے کو دیکھتے تو تعجب سے فرماتے کہ اس شخص اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خالق ایک ہے۔<sup>۴</sup> اسی تدبیر و شجاعت کی بنا پر آنحضرت ﷺ اکثر بڑی مہمیں ان ہی کے سپرد فرماتے تھے اور بعض مرتبہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر

۱۔ مسلم جلد ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ مصر ۲۔ اصابع جلد ۵ ص ۳ ۳۔ منہاج بن خبیل جلد ۲ ص ۲۰۳ ۴۔ تہذیب

۵۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸۶ ۶۔ اصابع جلد ۵ ص ۳

صحابہ پر امیر بناتے تھے۔ جنگ صفین میں امیر معاویہ جو حضرت علیؓ کے مقابلہ میں سپردالنا چاہتے تھے لیکن محض عمرو بن العاصؓ کی تدبیر نے دفعہ ہوا کا رخ بدل دیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ان کی سیاست کا کرشمہ تھا ان کی زندگی کا ہر صفحہ تدبیر و سیاست سے لبریز ہے مغیرہ بن شعبہؓ تدبیر و سیاست میں ان کا جواب تھے اس لیے کبھی کبھی دونوں میں چشمک ہو جایا کرتی تھی امیر معاویہ جو حضرت نے ان کو مصری حکومت پر مامور کرنے کے بعد ان کے بیٹے عبداللہؓ کو کوفہ کا والی مقرر کیا مغیرہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ ان دونوں باپ بیٹوں کو مصر اور کوفہ کا والی بنا کر تم نے اپنے کو شیروں کے جزیے کے درمیان دے دیا امیر معاویہؓ نے بھی خطرہ محسوس کیا چنانچہ عبداللہ کو معزول کر کے ان کی جگہ مغیرہ کو مقرر کیا عمرو بن العاصؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ تم نے ایسے شخص کو کوفہ کی حکومت سپرد کی ہے کہ اگر وہ خراج کھا جائے تو تم وصول بھی نہیں کر سکتے مغیرہ واقعی تنگ دست رہا کرتے تھے اس لیے امیر معاویہؓ کی سمجھ میں آ گیا چنانچہ انہوں نے ان سے خراج کا عہدہ نکال کر صرف امامت کے فرائض باقی رکھے مغیرہ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ یہ تمہاری شکایت کا نتیجہ ہے انہوں نے کہا نہیں بلکہ تمہاری شکایت کا جواب ہے۔

### جہاد فی سبیل اللہ:

عمرو بن العاصؓ کے صحیفہ حیات میں جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان بہت نمایاں ہے تمام مغازی میں مشہور مجاہد خالد بن ولیدؓ کے دوش بدوش رہے ان کا خود بیان ہے کہ ابتدائے اسلام سے آنحضرت ﷺ نے کسی کو مغازی میں میرے اور خالد کے برابر نہیں کیا۔ شام اور مصر اور طرابلس وغیرہ کے فتوحات کی تحصیل اور گزر چکی ہے مدینہ میں ذرا بھی کوئی خطرہ پیدا ہوتا فوراً ان کی کموار میان سے نکل آتی تھی ایک مرتبہ کسی سبب سے ایک بیک لوگوں میں کچھ انتشار پیدا ہو گیا اور عام بھکدڑ مچ گئی صرف حضرت ابوحنیفہؓ کے غلام سالم مسجد میں کموار چھپائے کھڑے رہے عمرو بن العاصؓ نے دیکھا تو یہ

بھی گوارا کران ہی کے پاس کھڑے ہو گئے یہ عام سرا سبکی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ خدا اور رسول کی پناہ میں کیوں نہیں آئے اور عمرو بن العاص اور سالم کو کیوں نہ نمونہ بنایا۔<sup>۱</sup>

صدقات و خیرات:

خدا کی راہ میں بہت فراخ دلی کے ساتھ صدقہ دیتے تھے جس کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک نے بارہا کیا ہے، علقمہ بن رمثہ بلوی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجا اور خود ایک دوسرے سریہ میں نکلے ہم لوگ بھی ہمراہ تھے آپ پر کچھ غنودگی طاری ہو گئی بیدار ہوئے تو فرمایا کہ خدا عمرو پر رحم کرے یہ دعائیں کر ہم میں سے ہر شخص اس نام کے اشخاص کا ذکر کرنے لگے دوبارہ پھر آنکھ جھپک گئی پھر ہوشیار ہو کر فرمایا خدا عمرو پر رحم کرے جب تیسری مرتبہ آپ نے فقرہ کو دہرایا تو ہم لوگوں سے ضبط نہ ہو سکا اور پوچھا آپ کا ارشاد کس عمرو کے متعلق ہے فرمایا عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) ہم لوگوں نے سب پوچھا فرمایا کہ مجھ کو وہ وقت یاد آ گیا جب میں لوگوں سے صدقہ منگواتا تھا تو وہ بہت دافر صدقہ لاتے تھے اور جب پوچھتا کہاں سے لاتے ہو تو کہتے خدا نے دیا۔<sup>۲</sup> ایک موقع پر آپ نے تمہیں مرتبہ فرمایا خدا عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما میں نے جب ان کو صدقہ کے لیے بلایا تھا تو وہ صدقہ لائے تھے۔<sup>۳</sup>



۱ اصابع ۵ ص ۳۔

۲ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۵۵۔

۳ کنز العمال ج ۶ فضائل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔



## حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

### نام و نسب:

خالد نام ابو سلیمان کنیت، سیف اللہ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی ماں کا نام لبانہ تھا، یہ ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت جحش کی قریبی عزیز تھیں۔

### خاندانی حالات:

خالد رضی اللہ عنہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قبہ اور اعنہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان ہی کے خاندان میں تھا۔ اور ظہور اسلام کے وقت خالد رضی اللہ عنہ اس عہدہ پر ممتاز تھے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا، اس کے سردار خالد رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کے خلافت بڑی شجاعت سے لڑے اور مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی ہمت افزائی سے دوبارہ جھے۔

### اسلام:

ان کے اسلام کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، سب میں مستند روایت مسند احمد ابن حنبل کی ہے، جو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اسلام کے سلسلہ میں اوپر لکھی جا چکی ہے، اس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ ۶ھ اور ۸ھ کے درمیان ہے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب اسلام لانے کے قصد سے حبشہ سے چل کر عرب آئے اور اس کے لیے مدینہ کا رخ کیا تو راستہ میں قریش کا ایک اور خوش قسمت ہیرا اسی غرض سے مدینہ کا رہ نور و نظر آیا، یہ

۱۔ عقد الفرید جلد ۲ ص ۲۷۷ استیعاب جلد اول ص ۱۵۷

۲۔ بخاری کتاب المغازی باب الشروط فی الجہاد والمصافحہ مع اہل العرب

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے وہ بھی اسلام ہی لانے کی نیت سے مدینہ جا رہے تھے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کو راستہ میں دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے بولے خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا یہ شخص (آنحضرت ﷺ) یقیناً نبی ہے چلو اسلام کا شرف حاصل کریں آخر کب تک؟ چنانچہ یہ دونوں ساتھ خدمت نبوی (ﷺ) میں حاضر ہوئے اور پہلے خالد رضی اللہ عنہ پھر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔

ہجرت:

قبول اسلام کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مکہ لوٹ آئے، مگر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مدینہ ہی میں مستقل قیام اختیار کر لیا۔

غزوات:

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت خالد رضی اللہ عنہ اپنے خاندانی عہدہ پر ممتاز تھے اسلام کے بعد بھی آنحضرت ﷺ نے ان کا یہ اعزاز قائم رکھا اس سے فتوحات اسلامی میں بڑی مدد ملی۔ خالد رضی اللہ عنہ جس طرح قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اسی طرح اسلام کے بعد مشرکوں کے لیے سخت ترین خطرہ بن گئے چنانچہ اکثر غزوات میں ان کی تلوار مشرکین کا شیرازہ بکھیرتی رہی۔

غزوہ موتہ:

اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے غزوہ موتہ میں شریک ہوئے اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ ایک خط شاہ بصری کے پاس بھیجا تھا یہ بزرگ خط لے کر مقام موتہ تک پہنچے تھے کہ شرمیل ابن عمرو غسانی نے شہید کر دیا آنحضرت ﷺ اور عام مسلمانوں پر اس کا سخت اثر ہوا چنانچہ آپ نے اس کے انتقام کے لیے ۲ ہزار کی جمعیت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کی۔

۱ تفصیل کے لیے دیکھو منہ احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۹۸ ج ۱ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۱

۲ ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفران کی جگہ لیں، اگر یہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ قائم مقامی کریں، چنانچہ اسی ترتیب سے تینوں بزرگوں نے میدان جنگ میں جام شہادت پیا، آخر میں خالد جھنڈے نے علم سنبھالا، مگر مسلسل تین افراد کی شہادت سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ چکے تھے، اس لیے وہ دوبارہ شکست تو نہ دے سکے، مگر خالد جھنڈے اپنی جنگی قابلیت سے باقی ماندہ فوج کو بچاوائے، اسی جنگ میں خالد جھنڈے کے ہاتھ سے ۹ کلواریں ٹوٹی تھیں جس کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو "سیف اللہ" کا معزز لقب عطا فرمایا تھا۔

فتح مکہ:

فتح مکہ میں مینہ کے افر تھے۔ لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، روسائے قریش نے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیئے، صرف چند مشرک خالد بن ولید جھنڈے کے ہاتھوں مارے گئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خالد جھنڈے کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنا دستہ مکہ کے بالائی حصہ کد اکی جانب سے لے کر آئیں، چنانچہ یہ آ رہے تھے کہ راستہ میں مشرکین کا ایک جمعا حزام ہوا اور پیہم تیر باری شروع کر دی، خالد جھنڈے نے بھی جوابی حملہ کیا، اس میں چند مشرک مارے گئے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے باز پرس کی، انہوں نے کہا کہ ابتدا ان ہی کی جانب سے ہوئی تھی، آپ نے فرمایا، خیر مرضی الہی بہتر ہے۔

غزوہ حنین:

فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف و ہوازن، ادطاس کے میدان میں جمع ہوئے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلے، قبیلوں کے لحاظ سے فوج کے مختلف حصے تھے، بنو سلیم کا قبیلہ مقدمہ، لکھیش تھا، اس کی کمان خالد جھنڈے کے ہاتھ تھی۔ چنانچہ اس جنگ میں وہ نہایت شجاعت و شہامت سے لڑے اور بہت سے دارحجم پر کھائے،

۱ بخاری کتاب المغازی غزوہ موتہ ج ۲ ایضاً ج ۳ مسلم جلد ۲ ص ۱۸۶ طبع مصر

۲ ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۸ بخاری باب فتح مکہ ج ۵ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۸

آنحضرت ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے، زخموں کو دم کیا اور خالد بن ولیدؓ جلد شفا یاب ہو گئے۔

طائف:

حین کے مشرکوں کی شکست خوردہ فوج براہ کرم طائف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئی اور جیسے ہی مسلمان ادھر سے گزرے اس نے قلعہ کے اندر سے تیر برسانا شروع کر دیئے، بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، مسلمانوں نے بھی مدافعتاً حملہ کیا، اس فوج کا مقدمہ الجیش بھی خالد بن ولیدؓ کی ماتحتی میں تھا۔

تبوک:

۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف شام میں فوج جمع کی ہے، اور اس کا مقدمہ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے، چنانچہ آپ ۳۰ ہزار فوج لے کر مقابلہ کو نکلے، لیکن خبر غلط نکلی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، تاہم احتیاطاً ۲۰ دن مقام تبوک میں آپ نے قیام فرمایا۔ اس نواح کے عربی النسل عیسائی روسا قیصر روم کے ماتحت تھے، ان ہی کے ذریعہ سے رومی ریشہ دو اتیاں کیا کرتے تھے، اس لیے ان کا مطیع کرنا ضروری تھا، چنانچہ ایملہ اور اذرح کے رئیسوں نے اطاعت قبول کر لی۔ صرف دو مہینے بعد کاربیس اکیدر بن عبد الملک باقی رہ گیا، آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا، اس کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا، مگر مارا گیا اور اس کے بقیہ ساتھی بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے، خالد بن ولیدؓ نے اکیدر کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا، یہاں آ کر اس نے بھی جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی، اور آپ نے اس کو جان و مال کا امان نامہ عطا فرمایا۔

سریہ بنو جندیمہ:

اسی سنہ میں دعوت اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو تین سو

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۳ ج ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۳ ج ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۳

۲۔ زرقانی ج ۳ ص ۸۶

مہاجرین و انصار کے ساتھ بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے آپ کی ہدایت کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے قبول کر لی، مگر تا واقعیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور بجائے ”اسلمنا“ کے یعنی ہم اسلام لائے ”صبانا“ کہا یعنی ہم بے دین ہو گئے، مشرکین سے وہ مسلمانوں کو ”صابی“ بے دین کہتے ہوئے سنتے تھے، اس لیے انہوں نے بھی ان ہی الفاظ میں اسلام کا اظہار کیا، حضرت خالد بن ولیدؓ اس کو نہ سمجھ سکے اور سب کی گردنیں اڑانے کا حکم دے دیا، بہت سے مہاجرین و انصار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا، پھر بھی بہترے لوگ مارے گئے، آنحضرت ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو بہت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر اس سے برأت ظاہر کر دی کہ خدا یا! میں خالد بن ولیدؓ کے اس فعل سے بری ہوں۔ پھر حضرت علی بن ولیدؓ کو ان سب کی دیت دے کر بھیجا، انہوں نے سب کو جان و مال کا پورا معاوضہ دیا۔ اور کتوں تک کا خون بہا ادا کیا اور اس کے بعد جتنا مال بچا سب ان ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

### سریہ نجران:

اس سلسلہ کا ایک اور سریہ ۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرگرمی میں بنو عبد المدان نجرانی کی طرف بھیجا گیا، چونکہ ایک مرتبہ خالد بن ولیدؓ کی جلد بازی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خاص طور سے ہدایت فرمادی کہ محض اسلام کی دعوت دینا، تلوار نہ اٹھانا، حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کی پوری پابندی کی، اور میدان جنگ کے سپاہی دفعۃً مبلغ اسلام کے قالب میں آ گئے اور ان کی کوشش سے بنو عبد المدان نے اسلام قبول کر لیا، اور سیف اللہ نے ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کے بعد جب یہ لوگ اسلامی مسائل سے واقف ہو گئے، تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، آپ نے سب کو طلب فرمایا چنانچہ یہ لوگ حاضر ہوئے اور دیدار جمال نبوی ﷺ سے فیضیاب ہو کر واپس گئے۔

۱ بخاری کتاب المغازی باب سریہ بنو جذیمہ ج ۱ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۷

۲ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰۲ ج ۳ ص ۱۱۶

## سر یہ یمن:

اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امارت میں ایک سر یہ یمن روانہ کیا۔ اسی سر یہ میں دوسری جانب سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ جب دونوں ملیں تو امارت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق رہے گی۔ اور چلتے چلتے یہ ہدایت فرمادی کہ جنگ کا آغاز تمہاری جانب سے نہ ہو البتہ اگر یمن والے پیش قدمی کریں تو تم مدافعت کر سکتے ہو چنانچہ ان لوگوں نے یمن پہنچ کر اسلام پیش کیا، لیکن اس کا جواب تیر اور پتھر سے ملا۔ اس وقت مسلمانوں نے جوابی حملہ کیا اور یمنی پسپا ہوئے، مگر ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی بلکہ دوبارہ پھر اسلام پیش کیا گیا اور انہوں نے بلا جبر و اکراہ اس کو قبل کر لیا۔

## سر یہ عزی:

عزی قریش و کنانہ کا صنم کدہ تھا، جس کی یہ لوگ بڑی عظمت کرتے تھے آنحضرت نے خالد رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے پر مامور فرمایا، انہوں نے اس کی تعمیل کی، آپ نے پوچھا تم نے وہاں کچھ دیکھا بھی تھا، عرض کی نہیں، فرمایا پھر جاؤ، اس گرانے کا اعتبار نہیں، چنانچہ وہ دوبارہ واپس گئے، اس مرتبہ یہاں ایک بھیا تک شکل کی عورت نکلی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر کے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، فرمایا ہاں جاؤ۔ اب تم نے کام پورا کیا۔

## مدعیان نبوت کا استیصال:

عہد صدیقی میں جب مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اور اس کے استیصال کے لیے فوجیں روانہ کی گئیں تو خالد رضی اللہ عنہ طلحہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے، انہوں نے اس کا بہت کامیاب مقابلہ کیا اور اس کے اعوان و انصار کو قتل اور اس کے قوت و بازو عینہ بن حصین کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے پابجولان دربار خلافت میں حاضر کیا۔

یمامہ میں شرحبیل بن حسنہ مشہور کذاب مسلحہ سے برسر پیکار تھے، خالد رضی اللہ عنہ طلحہ سے فارغ ہو کر ان کی مدد کو بڑھے راستہ میں مجاہد ملا، اس کے ساتھیوں سے مقابلہ ہوا، ان کو

۱ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۲۲ ج ۲ یہی عورتیں صنم کدوں میں بد اخلاقیوں کی بنیاد ہوتی تھیں۔

۲ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۵ ج ۲ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۳۵

شکست دے کر مجاہد کو گرفتار کر کے بنامہ پہنچے اور میلہ حضرت حمزہ و مجتہد کے مشہور قاتل  
دہشی مجتہد کے ہاتھ سے مارا گیا۔  
مرتدین کی سرکوبی:

مدینان نبوت کی مہم سے فارغ ہو کر مکرین زکوٰۃ اور مرتدین کی طرف بڑھے  
اور سب سے پہلے اسد و غطفان سے نبرد آزما ہوئے ان میں کچھ جان سے مارے گئے اور  
کچھ گرفتار ہوئے جو باقی بیچے وہ تائب ہو گئے۔ ان معرکوں کے علاوہ ارتداد کے سلسلہ  
میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں ان سب میں خالد مجتہد پیش پیش تھے طبری کے یہ الفاظ ہیں  
ان الفتوح فی اهل الرادة کلها كانت لحالد بن ولید و غیرہ۔  
یعنی ارتداد میں جتنی فتوحات ہوئیں وہ خالد بن ولید مجتہد و غیرہ کا کارنامہ ہے۔

عراق پر فوج کشی اور اس کے اسباب:

جزیرۃ العرب اس عہد کی دو عظیم الشان سلطنتوں کے درمیان گھرا ہوا تھا ایک  
طرف شام میں رومی پھائے ہوئے تھے دوسری طرف عراق پر کیانی خانہ ان قابض تھا یہ  
دو سلطنتیں ہمیشہ عربوں کی آزادی سلب کرنے کی فکر میں رہتی تھیں گو پورے طور پر عربوں  
پر ان کا قابو نہ چلا تاہم جب بھی ان کو موقع ملا انہوں نے عرب پر تسلط جمانے کی کوشش  
کی یمن کے حیرری خانہ ان کا خاتمہ ایرانیوں کے ہاتھوں ہوا۔ گو حیرری برائے نام حکمران  
رہے مگر اس کا سیاہ سپید تمام تر ایرانیوں کے ہاتھ میں تھا بحرین اور عمان بھی ان کے زیر  
اثر تھے ان کے علاوہ مختلف اوقات میں عرب کے سول مقامات ایرانیوں مرزبانوں کے  
قبضہ میں رہ چکے تھے۔ عراقی لخمی خانہ ان کو بھی ایرانیوں ہی نے مٹایا ایرانیوں کا یہ اقتدار  
ظہور اسلام کے وقت تک باقی تھا چنانچہ جنگ ذی قار میں جب ایرانیوں نے عربوں سے  
شکست کھائی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا آج عرب نے یمن سے اپنا منصفانہ بدل لیا۔  
یہی حال قیسری حکومت کا تھا جب اس کو موقع ملا تھا شام کی جانب سرزمن

۱ ایضاً ص ۱۳۶ ج تاریخ الخلفاء، سید علی ص ۷۲ ج طبری، انتمات اللہ

۲ تاریخ الملک حمزہ صفحہ ص ۹۰، طبیبہ برن، ۵ اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۰۳

عرب میں قدم بڑھاتی رہی، شام میں جو عرب خاندان آباد تھے ان پر آل بھنہ قیصر کی جانب سے حکومت کرتے تھے، گو آل بھنہ عربی النسل تھے، لیکن ان کا تقرر قیصری حکومت کرتی تھی۔ حبشہ کے عیسائیوں نے رومیوں کے اشارے سے عرب کی مرکزیت توڑنے کے لیے یمن کو فتح کر کے صنعاء میں ایک کعبہ بنایا کہ خانہ کعبہ کے پجاری تقسیم ہو جائیں۔<sup>۱</sup> ظہور اسلام کے بعد جب عرب متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے تو ان دونوں سلطنتوں کے لیے عرب کا سوال اور زیادہ اہم ہو گیا، اگر پہلے ملک گیری کی ہوس تھی تو اب عربوں سے سیاسی خطرہ نظر آ رہا تھا، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے خسرو پر دیز کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس نے چاک کر ڈالا اور بولا ”میرا غلام مجھ کو یوں لکھتا ہے اور فوراً آپ کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا۔“ اسی طرح شرمیل بن عمرو نے جو قیصر کی جانب سے بصری کا حاکم تھا، آنحضرت ﷺ کے قاصد کو قتل کر دیا، غرض ان حالات میں عرب کی خود مختاری کو باقی رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ان دونوں پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ اب عربوں سے کھیلنا آسان کام نہیں ہے، تاہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک کوئی پیش قدمی نہیں کی۔

لیکن وہ قبائل جو ہمیشہ سے ایرانی حکومت کا تختہ مشق بنتے چلے آ رہے تھے انتقام کے جذبات سے لبریز تھے، چنانچہ عہد صدیقی میں جب ایران میں بد نظمی پیدا ہوئی اور ایرانیوں نے کسریٰ بن ہرمل کی لڑکی کو ایران کے تخت پر بٹھایا تو ان قبائل کے جذبات انتقام دفعتاً بھڑک گئے اور شعی بن حارث شیبانی رضی اللہ عنہ نے اپنا جھٹالے کر عراق عجم کی سرحد پر تاخت و تاراج شروع کر دی، لیکن بغیر خلیفہ وقت کی سرپرستی کے کامیابی مشکل تھی، اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے باضابطہ اجازت حاصل کی، آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی امداد پر مامور کیا اور شرف امارت بھی عطا کیا۔<sup>۲</sup>

۱ تاریخ السلوک من ۷۶ ج ۲ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۹ ج طبری ص ۱۸۷

۲ فتوح البلدان، فتوح عراق



## عراق کی فوج کشی:

چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ فتنہ ارتداد کی مہموں سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے اور مقام نواج میں ٹھنی سے مل گئے اور بانقیا اور بارسوما کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ایلہ کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں عرب و ہندوستان کے بری و بحری خطوط آ کر ملتے تھے، چنانچہ یہاں کا حاکم ہرمزان ہی راستوں سے دونوں مقام پر حملے کیا کرتا تھا۔ ہرمز کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو فوراً اردشیر کو دربار ایران اطلاع بھیجی اور خود مقابلہ کے لیے بڑھا، کاظمہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، ایرانیوں نے اپنے کوزنجیروں میں جکڑ لیا تھا، کہ پاؤں نہ اکھڑنے پائیں، لیکن قعقاع بن عمرو کی شجاعت نے زنجیر آہن کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ایرانیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

## جنگ نذار:

ابھی یہ معرکہ ختم ہوا تھا کہ ایرانیوں کی امدادی فوج کو جو قارن بن قریانس کی ماتحتی میں ہرمز کی مدد کو آ رہی تھی، نذار میں ہرمز کے قتل اور ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی، اس لیے قارن نے اسی جگہ اپنی فوج کی تنظیم کی اور شکست خوردہ فوج کے سردار قباز اور انوشجان کو امیر العسکر بنا کر نہر کے قریب پڑاؤ ڈالا، خالد بن ولیدؓ کو اطلاع ہوئی، تو وہ فوج لے کر نذار کی طرف بڑھے، لب دریا دونوں کا مقابلہ ہوا، معقل نے قارن کو اور عاصم نے انوشجان کو اور عدی نے قباز کو ختم کیا اور اس شدت کی جنگ ہوئی کہ تیس ہزار ایرانی کام آئے، یہ تعداد اس کے علاوہ ہے جو نہر میں ڈوب کر مرے۔

## جنگ کسکر:

جنگ نذار کے انجام کی خبر ایران پہنچی تو اردشیر نے اندرزغر اور بہمن کو یکے बादیگرے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا، اندرزغر مدائن اور کسکر ہوتا ہوا ولج پہنچا، حیرہ اور کسکر کے تمام دہقانی اور آس پاس کے عرب بھی ایرانیوں کی حمایت میں اپنی فوجیں لے کر اندرزغر کے قریب آ کر خیمہ زن ہوئے، اس درمیان میں بہمن بھی پہنچ گیا،

خالد بن ولیدؓ کو خبر ملی تو سوید بن مقرنؓ کو ایک دستہ پر مامور کر کے ضروری ہدایات دے کر پیچھے چھوڑا اور خود بڑھ کر مورچہ بندی میں مصروف ہو گئے اور ساحل کی قربت سے فائدہ اٹھا کر نشیبی زمین میں تھوڑی فوج چھپادی کہ جنگ چھڑنے کے بعد وہ نکل کر حملہ آور ہو جائے اس انتظام سے فراغت کے بعد جنگ چھڑ گئی، دیر تک گھمسان کارن پڑتا رہا جب فریقین ٹھکنے لگے تو مسلمان کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑے اس اچانک حملے نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے، مگر وہ جدھر بھاگتے تھے مسلمان سامنے تھے اس لیے جو سپاہی جہاں تھا وہیں ختم ہو گیا، اندر زغر نکل بھاگا لیکن پیاس کی شدت سے وہ مر گیا، جنگ کے بعد مسلمانوں نے عام آبادی سے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کو پوری آزادی دے دی۔<sup>۱</sup>

**جنگ الیس:**

گذشتہ جنگ میں عربی النسل عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کی حمایت میں مارے گئے تھے اس لیے جنگ سکر کے بعد یہ لوگ پورے طور سے ایرانیوں کے ساتھ ہو گئے ارد شیر نے بہمن کو عربی قبائل سے مل جانے کا حکم دیا، چنانچہ بہمن الیس کی طرف بڑھا اور یہاں کے حاکم جاپان کو یہ ہدایت دے کر کہ میری واپس تک جنگ شروع نہ کرنا، الیس روانہ کر دیا، اور خود ارد شیر کے پاس مشورے کے لیے چلا گیا، وہاں سے لوٹا تو باقی عربی قبائل اور عربی چھاؤنی کی ایرانی سپاہ اکٹھا ہو چکی تھی اس درمیان میں خالد بن ولیدؓ بھی پہنچ گئے ان کے پہنچنے ہی جنگ شروع ہو گئی، دیر تک کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا، خالد بن ولیدؓ نے منادی کرادی کہ لڑائی روک کر لوگوں کو صرف گرفتار کرو، چنانچہ مسلمان دار و گیر میں مصروف ہو گئے اور لڑنے والوں کو زندہ گرفتار کر کے نہر کے کنارے قتل کرنا شروع کر دیا، اور ایرانی بری طرح مفتوح ہوئے۔<sup>۲</sup>

الیس سے فراغت کے بعد خالد بن ولیدؓ امغیشیا کی طرف بڑھے یہاں کے باشندے مسلمانوں کا رخ دیکھ کر پہلے ہی شہر خالی کر چکے تھے اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

۱۔ طبری جلد ۳ ص ۲۰۳ ۲۔ ابن خلدون جلد ۲ ص ۸۰، وطبری ج ۳ ص ۲۰۳ تا ۲۰۴

## امغیثیا:

امغیثیا کے قریب ہی حیرہ تھا یہاں کے حاکم آزاد پہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ مسلمان  
امغیثیا کی طرف بڑھیں گے اس لیے اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے لڑکے کو خالد بن  
کوروبہ کے لیے آگے بھیج دیا اور پیچھے سے خود مدد کے لیے پہنچا، امغیثیا اور حیرہ کے  
درمیان نہر فرات تھی آزاد پہ کے لڑکے نے اس کا بند باندھ دیا اس سے مسلمانوں کی  
کشتیاں رک گئیں اور ملاحوں نے جواب دیا کہ ایرانیوں نے نہر کا رخ پھیر دیا ہے اس لیے  
کشتیاں نہیں چل سکتیں، مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے اور گھوڑے پر ابن آزاد پہ کی طرف  
بڑھے، فرات کے دبانہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا، ابن آزاد پہ مارا گیا اور فوج بھی تباہ ہوئی۔  
حیرہ کی صلح:

اس کے بعد دریا کا بند کھول کر مسلمان حیرہ کی طرف بڑھے، لیکن ان کے پہنچنے  
کے قبل آزاد پہ حیرہ چھوڑ چکا تھا، مسلمان مقام غزینین میں ٹھہر گئے، حیرہ میں جو لوگ باقی رہ  
گئے تھے وہ اس عرصہ میں قلعہ بند ہو گئے، خالد بن عمروؓ نے ان کا محاصرہ کر لی، پہلے صلح کی گفت  
وشنید ہوتی رہی، لیکن بے نتیجہ رہی، ایرانیوں نے قلعہ کے اوپر سے سنگباری شروع کر دی،  
مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کر تیروں سے جواب دیا اور قلعہ اور محلات کی دیواریں چھلنی کر  
دیں، جب شہری آبادیوں محاصرہ سے گھبرا گئی، تو قسیسوں اور راہبوں نے قلعہ والوں سے  
فریاد کی کہ اس خونریزی کی ساری ذمہ داری تم پر ہے، اس کو بند کر دو، آخر میں جب قلعہ  
والوں نے بھی عاجز ہو کر خالد بن عمروؓ سے صلح کی گفتگو کر کے ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ  
خراج پر صلح کر لی اور خالد بن عمروؓ نے ایک مفصل صلح نامہ لکھ کر حوالہ کیا۔  
ملیقات حیرہ:

حیرہ کی صلح کے بعد اطراف کے کاشتکاروں اور دیہی آبادیوں نے بھی جو حیرہ کی  
شرائط کی منتظر تھیں، ۱۰ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔ حیرہ اور ملیقات حیرہ کی کامل تسخیر کے بعد  
خالد بن عمروؓ نے محافظین سرحد میں سے ضرار بن ازور، ضرار بن خطاب، قعقاع ابن عمرو، شعی

بن حارثہ اور عقبہ بن شماس رضی اللہ عنہما، افران سرحد کو دجلہ کی ترائی میں بڑھنے کا حکم دیا، یہ لوگ ساحل تک بڑھتے ہوئے چلے گئے۔

### انبار کی تسخیر:

اس وقت گوارد شیر مرچکا تھا، اور ایرانیوں میں اندرونی اختلافات کا طوفان برپا تھا، لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں سب متحد تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں، وکان اهل فارس بموت اردشیر مختلفین فی الملک مجتمعین علی فتال خالد متساندین یعنی اردشیر کی موت کی وجہ سے بادشاہت کے بارے میں ایرانیوں میں اختلاف تھا، لیکن خالد رضی اللہ عنہ سے جنگ کے بارے میں سب متحد اور ایک دوسرے کے معاون تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی مرکزیت قائم کرنے کے لیے فرخ زاد کو عنان حکومت سپرد کر دی تھی، اور ان کی فوجیں عین اتر، انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں، اس لیے خالد رضی اللہ عنہ حیرہ کے بعد انبار کی طرف بڑھے، لیکن ان کے پیچھے پیچھے یہاں کے باشندے قلعہ بند ہو چکے تھے، چنانچہ ان کے پیچھے ہی جنگ شروع ہو گئی، ایرانی قلعہ کے اندر سے تیر بازی کر رہے تھے، اس لیے مسلمانوں کا جوابی حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا، خالد رضی اللہ عنہ نے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر اس کے استحکامات کا اندازہ لگا کر حکم دیا کہ آنکھوں پر تاک تاک کر تیر مارو، اس تدبیر سے دن بھر میں ایک ہزار آنکھیں بیکار کر دیں، اس مصیبت نے انبار کے باشندوں کو گھبرا دیا اور فوج بدحواس ہو گئی، شیر زاد ایرانی سپہ سالار نے یہ صورت دیکھ کر صلح کا پیام دیا، لیکن شرائط ایسے پیش کیے کہ خالد رضی اللہ عنہ ان کو منظور نہ کر سکے، اور خندق کا جو حصہ زیادہ تنگ تھا اسے بیکار اونٹوں کو ذبح کر کے پاٹ دیا، اور مسلمان اس پر سے اتر کے قلعہ تک پہنچ گئے اور ایرانی سٹ کر قلعہ کے اندر ہو گئے، مگر وہ آنکھوں کی نشا نہ بازی سے پہلے ہی گھبرا گئے تھے، مسلمانوں کی اس غیر متوقع آمد سے اور ہمت چھوٹ گئی اور شیر زاد نے بہمن کو فوج کی حالت جتا کر صلح پر آمادہ کر لیا، اس نے مجبور ہو کر صلح کر لی، اس کے بعد انبار کے باشندوں نے صلح کی خواہش کی، چنانچہ پہلے بوازیج والوں پھر اہل کلوازی نے صلح کر لی!

## عین التمر:

خالد بن ولیدؓ انبار کی مہم میں مصروف تھے کہ بہرام چوہین کا لڑکا مہران مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے عین التمر پہنچ گیا۔ عربی قبائل میں نمر تغلب اور ایاذ عقد بن عقد کے ساتھ علیحدہ مقابلہ پر آمادہ تھے۔ اس لیے خالد بن ولیدؓ نے انبار کے بعد عین التمر کی طرف بڑھے۔ ایرانیوں نے ایرانی سپاہ قلعوں میں محفوظ کر دی اور عربی قبائل کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بڑھا کر ان پر جاسوس متعین کر دیئے کہ اگر ان میں قومی عصبیت نظر آئے تو فوراً تدارک ہو سکے۔ بعض انصاف پسند ایرانی اس پر معترض ہوئے ان کو جواب دیا کہ ان ہی کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لیے انہیں آپس میں کٹانا چاہیے۔ عقد مقام کرخ میں اپنی فوج مرتب کر رہا تھا کہ خالد پہنچ گئے اور اس کو گرفتار کر لیا۔ اس کی فوج نے سردار کی گرفتاری سے گھبرا کر میدان جنگ چھوڑ دیا۔ جو فوج گئے وہ گرفتار ہوئے۔ خالد بن ولیدؓ ان کی قوم فروشی پر بہت مشتعل تھے اس لیے پہلے عقد کا کام تمام کر دیا۔ پھر سب کی گردنیں اڑا دیں۔ مہران کو عربوں کی حالت کی خبر ملی تو وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لیکن جب شکست خوردہ عرب پہنچتے تو پھر اس کی ہمت بندھی اور ایرانی قلعہ بند ہو گئے۔ خالد بن ولیدؓ سیدھے قلعہ تک بڑھتے چلے گئے۔ ایرانیوں نے نکل کر مقابلہ کیا اور تھوڑے مقابلہ کے بعد قلعہ میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ بالآخر ایرانیوں نے صلح کی درخواست کی لیکن خالد بن ولیدؓ نے انکار کر دیا اور بزور شمشیر قلعہ فتح کیا۔ لیکن فتح کے بعد پھر کوئی سختی نہیں کی اور معمولی خراج کے سوا زمین پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔

دومتہ الجندل میں ہمیشہ سے مسلمانوں خلاف سازشیں ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ عہد رسالت میں بھی اسی قسم کی ایک سازش ہوئی تھی۔ اس لیے غزوہ دومتہ الجندل ہوا تھا۔<sup>۳</sup> عہد صدیقی میں پھر اس کا ظہور ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کے تدارک کے لیے عیاض بن غنم کو روانہ کیا۔ لیکن کلب، غسان اور تنوخ کے قبائل متحد تھے اس لیے عیاض کے لیے تباہی ان سب کا مقابلہ کرنا دشوار تھا۔ انہوں نے خالد بن ولیدؓ کو مدد کے لیے بلا بھیجا۔ وہ عراق کی مہم

۱ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹ ج طبری جلد ۳ ص ۲۰۶۳ ج فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵ ج ایضاً ص ۲۵۷

چھوڑ کر عیاض کی مدد کو چلے آئے اس وقت یہاں دو حکمران تھے اکیدر اور جودی اکیدر کو خالد بن ولیدؓ، عہد رسالت میں مطیع کر چکے تھے اس لیے خالد بن ولیدؓ کی آمد کی خبر سن کر وہ خوف سے جودی کی حمایت سے کنارہ کش ہو گیا اور جب جودی جنگ کے لیے بالکل آمادہ ہو گیا تو اکیدر دومۃ الجندل چھوڑ کر ہٹ گیا مگر چونکہ پہلے اس کا شریک رہ چکا تھا اس لیے گرفتار کرا کے قتل کر دیا گیا خالد بن ولیدؓ اور عیاض نے دو دستوں سے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا جودی کی فوج میں متعدد افسر تھے خود جودی و ولید کلبی ابن رومانس ابن اسہم اور ابن حدرد جان ان سب نے متحدہ حملہ کیا جودی اور ولید گرفتار ہوئے باقی فوج قلعہ میں گھس گئی مگر قلعہ میں زیادہ منجائش نہیں تھی اس لیے فوج کا ایک حصہ باہر رہ گیا اگر مسلمان چاہتے تو ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکتا لیکن حضرت عاصم بن ولیدؓ نے بنو کلب کو امان دے دی اور خالد بن ولیدؓ نے جودی کو قتل کر دیا اور قلعہ کا پھانک اکھاڑ کر اندر گھس گئے اور قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔

### جنگ حصید و خنافس:

حضرت خالد بن ولیدؓ کے عراق چھوڑ کر شام چلے آنے کے بعد جزیرہ کے عربوں نے ایرانیوں کو عراق کی واپسی پر توجہ دلائی وہ ان کا اشارہ پاتے ہی آمادہ ہو گئے اور زرمہر اور روز بہ نے خنافس اور حصید کی طرف فوجیں بڑھا دیں زبرقان بن بدر حاکم انبار نے قحطاع حاکم حیرہ کو اطلاع دی انہوں نے ایرانیوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے اسی وقت الگ الگ فوجیں امجد بن قنہ اور عروہ بن جعد کی قیادت میں دونوں مقاموں پر روانہ کر دیں ان دونوں نے بڑھ کر ریف میں ان کو روک دیا اور روز بہ اور زرمہر یہاں عربوں کا انتظار کر رہے تھے کہ خالد بن ولیدؓ دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آ گئے اور امرؤ القیس بن کلبی نے اطلاع بھیجی کہ ہذیل بن عمران مسیح میں اور ربیعہ بن بکیر شمی اور بشر میں روز بہ اور زرمہر کی امداد کے لیے فوجیں لیے پڑے ہیں یہ خبر سن کر خالد بن ولیدؓ نے عیاض کو حیرہ میں چھوڑا اور خود قحطاع اور ابولسلی کی مدد کو خنافس روزانہ ہو گئے دونوں عین التمر میں تھے یہاں آ کر ان سے ملے اور قحطاع خود بڑھے روز بہ نے زرمہر سے مدد طلب کی وہ

مدد لے کر پہنچا، حصيد میں دونوں کا مقابلہ ہوا، زرمبر اور روز بہ دونوں مارے گئے اور ان کی فوج ہٹ کر خنافس میں جمع ہو گئی، ابوہلیلی تعاقب کرتے ہوئے خنافس پہنچے تو ایرانی خنافس چھوڑ کر مصحح چلے گئے، خالد بن ولیدؓ کو اس کی اطلاع دی گئی، انہوں نے قعقاع، ابوہلیلی اور عروہ کو ایک خاص مقام پر شب میں جمع ہونے کا حکم دیا اور خود بھی معینہ شب میں وہاں پہنچ گئے اور سب نے مل کر متحدہ شب خون مارا، ایرانی بالکل بے خبر تھے اس لیے مدافعت بھی نہ کر سکے اور سب کے سب مارے گئے۔

### جنگ شمی و بشر:

ربیعہ بن بکیر شمی اور بشر میں بدستور فوجیں لیے پڑا تھا، مصحح کے بعد خالد بن ولیدؓ نے قعقاع بن ولیدؓ اور ابوہلیلی کوشی پر شب خون مارنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک مقرر شب کو تینوں نے مل کر تین سمتوں سے حملہ کیا، صرف ہذیل امیر العسکر باقی بچا اور کل فوج کھیت رہی، ہذیل شمی سے بھاگ کر بشر پہنچا، یہاں بھی عربوں کا ایک جتھا موجود تھا، خالد بن ولیدؓ اس کو صاف کرتے ہوئے رضاب پہنچے، یہاں عقدہ کا لڑکا بلال مسلمانوں کا مختصر تھا، مگر خالد بن ولیدؓ کے آتے آتے یہ بھاگ نکلا۔

### جنگ فرائض:

اور خالد بن ولیدؓ رضاب ہوتے ہوئے فرائض کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں، شام کی سرحد کی وجہ سے رومی بھی ایک فریق بن گئے، اور انہوں نے ایرانیوں کی چھاوئی اور تغلب و ایاد (عرب) سے مدد مانگ بھیجی، ان کو اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا، فوراً آمادہ ہو گئے، اور اب مسلمانوں کا مقابلہ ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے ہو گیا، اس لیے خالد بن ولیدؓ نے بھی نہایت اہتمام سے اسلامی فوج کو از سر نو منتظم کیا، فرات کے ایک جانب مسلمان تھے اور دوسری جانب اتحادی اتحادیوں نے پیام دیا کہ یا تم دریا عبور کر کے بڑھو یا ہمیں بڑھنے دو، خالد بن ولیدؓ نے ان کو بڑھنے کا موقع دیا، اور فرات کے اس پار ب دریا دونوں کا مقابل ہوا، مسلمان

نہایت پامردی سے لڑے اور اتحادیوں کی فوجیں پسا ہونے لگیں، خالد بن ولیدؓ کی لٹاکار پر مسلمان شہسواروں نے گھیر گھیر کر مارنا شروع کیا، اتحادی دو طرف سے گھرے ہوئے تھے، پیچھے ہٹتے تو فرات کا لقمہ بنتے تھے اور آگے بڑھتے تھے، تو کموار سامنے تھی، اسی کشمکش میں سب کے سب کام آگئے، فتح کے دس دن بعد تک مسلمان یہاں مقیم رہے، اس کے بعد حیرہ لوٹ گئے، اس معرکہ کے بعد عراق کی پیش قدمی رک گئی۔ اور خالد بن ولیدؓ خفیہ حج کو چلے گئے۔

### فتوحات شام:

اوپر ان حالات کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، جن کی بنا پر مسلمانوں کا ایرانیوں اور رومیوں سے نبرد آزما ہونا ناگزیر امر تھا، اس لیے عراق کے ساتھ ساتھ شام پر بھی فوج کشی ہوئی تھی، اور ہر صوبہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجی گئی تھیں، خالد بن ولیدؓ عراق کی مہم سر کر چکے تھے کہ دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ عراق چھوڑ کر شام میں اسلامی فوجوں سے مل جائیں، اس حکم کے مطابق حج سے واپس ہونے کے بعد عراق کا انتظامی مشی کے سپرد کر کے، شام روانہ ہو گئے اور راستہ میں حدردازارک، سوئی، حوارین، قسقم، مرج رابط، فیرہ سے نپٹتے ہوئے شام پہنچے اور پہلے بصری کی طرف بڑھے۔<sup>۱</sup>

### بصری:

یہاں اسلامی فوجیں پہلے سے ان کی خنجر تھیں، اس لیے خالد بن ولیدؓ نے آتے ہی بصری کے بطریق پر حملہ کر کے پسا کر دیا اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ مسلمان رومیوں کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور وہ اس کے عوض میں جزیہ دیں گے۔<sup>۲</sup>

### اجنادین:

اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہر قتل نے ان کے مقابلہ کے لیے الگ الگ دستے بھیجے تھے، تاکہ ایک مرکز پر جمع نہ ہوں لیکن فلسطین کی مہم عمرو بن العاصؓ کے متعلق تھی، بصری کے بعد تدارق اور قبقرار نے اجنادین (فلسطین) میں اپنی فوجیں ٹھہرائیں، خالد بن ولیدؓ اور ابو عبیدہؓ بصری سے فارغ ہو کر عمرو

۱۔ طبری ج ۳ ص ۲۰۷، ۲۰۷، ۲۰۷، ابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۳، ۳۱۳، فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۹



بن العاص جہنم کی مدد کو پہنچے ۱۳ھ میں مقام اجنادین میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ تدارق اور قبتلار دونوں مارے گئے۔

### دمشق:

اجنادین کے بعد دمشق کی طرف بڑھے امیر فوج ابو عبیدہ جہنم نے تین ستوں سے اس کا محاصرہ کیا، ایک سمت پر خالد جہنم مامور ہوئے، تین مہینے تک کامل محاصرہ قائم رہا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس درمیان میں ایک دن دمشق کے پادری کے گھڑا کا پیدا ہوا، اس کے جشن میں دمشق کے بے فکرے شراہیں پی کر ایسے بدست ہو کر سوئے کہ دنیا و ما فیہا کی خبر نہ رہی، خالد جہنم دوران جنگ میں اکثر راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ فوجی انتظامات اور دشمنوں کی سراغ رسانی میں لگے رہتے تھے۔ ان کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی، چنانچہ فوج کو یہ ہدایت دے کر کہ بجبر کی آواز سننے ہی شہر پناہ کے پھانک پر حملہ کر دینا، چند آدمیوں کے ساتھ کند ڈال کر شہر پناہ کی دیوار کے اس پار اتر گئے اور پھانک کے چوکیدار کو قتل اور اس کا قفل توڑ کر بجبر کا نعرہ لگایا، بجبر کی آواز سننے ہی فوج رپلا کر کے اندر داخل ہو گئی، دمشق والے ابھی تک غافل سو رہے تھے اس ناگہانی حملہ سے گھبرا گئے اور ابو عبیدہ جہنم سے صلح کی درخواست کر کے شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیئے، ایک طرف سے خالد جہنم فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے ابو عبیدہ جہنم مصالخانہ۔ وسط شہر میں دونوں سے ملاقات ہوئی، گونصف حصہ بزور شمشیر فتح ہوا، لیکن شرائط سب مصالخانہ رکھے گئے۔<sup>۱</sup>

### فصل:

دمشق کی فتح نے رومیوں کو بہت برہم کر دیا، اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے، ستلار رومی فحل میں فوجیں لے کر خیمہ زن ہوا، اس لیے مسلمان دمشق کے بعد ادھر بڑھے، مقدمہ لکچیش خالد جہنم کی کمان میں تھا، اس معرکہ میں بھی رومیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

## دمشق کا دوسرا معرکہ:

فصل کے بعد ابو عبیدہ اور خالد بن ولید حصص کی طرف بڑھے، یوحنا کے کینہ کی وجہ سے یہ مقام بھی رومیوں کا ایک اہم مرکز تھا، ہر قتل کو خبر ہوئی تو اس نے تو ذر بطریق کو فوج دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا، اس نے دمشق کے مغربی سمت مرج روم میں پڑاؤ ڈال دیا، مسلمان بھی آگے بڑھ کر مرج روم کی دوسری سمت ٹھہرے، اس درمیان میں رومیوں کی ایک اور فوج شنس کی سرکردگی میں پہنچ گئی، اس لیے خالد بن ولید نے تو ذر کے مقابلہ کو بڑھے اور ابو عبیدہ شنس کے تو ذر نے مقابلہ نہیں کیا، بلکہ دمشق واپس لینے کے ارادہ سے آگے بڑھا، خالد بن ولید بھی عقب سے اس کے ساتھ ہو گئے، دمشق میں یزید بن ابی سفیان موجود تھے، وہ شنس کی آمد کی خبر سن کر اس کے روکنے کو نکلے، دمشق کے باہر دونوں میں سخت معرکہ ہوا، ابھی جنگ کا سلسلہ جاری تھا کہ پیچھے سے خالد بن ولید پہنچ گئے، اور ایک طرف سے انہوں نے اور دوسری طرف سے یزید بن ولید نے مل کر رومیوں کو پامال کر دیا، اور محدود سے چند کے علاوہ کوئی رومی باقی نہ بچا۔

## حصص:

ابو عبیدہ بن ولید نے شیرز، معرہ حصص اور لازقیہ وغیرہ کو لے کر بعلبک اور حصص فتح کیا۔

## یرموک:

ان ہییم شکستوں نے رومیوں میں آگ لگا دی اور دو لاکھ کانڈی دل مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے امنڈ آیا۔ تیرومی سپہ سالار ماہان اس کو لے کر یرموک کے میدان میں اترا، اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں منتشر تھے، یہ سب ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور طرفین میں جنگ کی تاریاں ہونے لگیں، رومیوں کے جوش و خروش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گوشہ نشین راہب و قیسین اپنی اپنی خانقاہوں سے نکل کر مذہب کا واسطہ دلا کر رومیوں میں جوش پیدا کر رہے تھے، خالد بن ولید نے اس جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، فوج کو جدید طرز سے ۳۶ حصوں میں تقسیم کر کے، سب پر الگ الگ افسر مقرر کیے اور

جہاد پر نہایت دلوالہ انگیزہ تقریر کی اتفاق سے ایک مسلمان کے منہ سے نکل گیا کہ رومیوں کے مقابل میں ہماری تعداد بہت کم ہے، خالد بن ولیدؓ غضب ناک ہو کر بولے فوج و شکست تعداد کی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ تائید ایزدی پر ہے، اگر میرے گھوڑے کے سم درست ہوتے تو میں اس سے دونی تعداد کی پرواہ نہ کرتا۔

ضروری انتظامات کے بعد مکرمہ بن ابی جبل اور عتقا بن عمروؓ کو حملہ کا حکم دے دیا اور یرموک کے میدان میں ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا، عین اس حالت میں ایک عیسائی رومی فوج سے نکل کر اسلامی لشکر میں آ گیا اور خالد بن ولیدؓ سے مذہب اسلام پر گفتگو شروع کر دی کہ اگر میں تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں تو کیا میرے لیے آخرت کا دروازہ کھل جائے گا؟ خالد بن ولیدؓ نے کہا یقیناً چنانچہ وہ میدان جنگ میں مشرف ہوا گیا۔

اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا، مسلمان افسروں نے غیر معمولی شجاعت و بہادری کا ثبوت دیا، آخر رومیوں نے ایسی شکست کھائی کہ پھر ان کی اتنی بڑی تعداد نہ فراہم ہو سکی۔

حاضر:

یرموک کی فتح کے بعد ابو عبیدہؓ نے خالد بن ولیدؓ کو قسریں کی طرف بھیجا اور خود حمص واپس ہوئے، مقام حاضر میں خالد بن ولیدؓ کو میناس رومی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ملا، خالد بن ولیدؓ نے اس کو شکست دی، اہل حاضر نے امان کی درخواست کی اور کہا ہم کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا ہماری رائے بھی اس میں شریک نہ تھی، اس لیے ہم کو امان دی جائے، خالد بن ولیدؓ نے ان لوگوں کی درخواست قبول کر لی۔

قسریں:

حاضر سے قسریں پہنچنے اہل قسریں پہلے جنگ کے ارادہ سے قلعہ بند ہو گئے لیکن پھر اہل حمص کے انجام پر غور کر کے صلح کی درخواست کی، خالد بن ولیدؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ شہر کے استحکامات توڑ دیئے جائیں، قسریں کے بعد ہر قلعہ بالکل مایوس ہو گیا،

اور شام میں آخری نگاہ ڈال کر قسطنطنیہ چلا گیا، چلتے وقت یہ حسرت انگیز الفاظ اس کی زبان پر تھے اے شام! تجھ کو آخری سلام ہے اب میں تجھ سے جدا ہوتا ہوں، افسوس اس سرزمین میں جس میں میں نے حکمرانی کی ہے اطمینان خاطر کے ساتھ نہ آسکوں گا۔  
**بیت المقدس:**

قصرین کے عید بیت المقدس کا محاصرہ ہوا عیسائی اس شرط سے بلا جنگ حوالہ کرنے کو آمادہ ہو گئے کہ خود امیر المومنین اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھنے کے لیے شام کا سفر کیا اور تمام افسران فوج کو جا بیہ میں طلب کیا خالد رضی اللہ عنہ بھی آئے ان کا دستہ دیبا و حریہ میں ملبوس تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی تو گھوڑے سے اتر کر کنکریاں مار کر فرمایا تم لوگوں نے اتنی جلدی اپنی عادتیں بدل دیں ان لوگوں نے اسلحہ دکھا کر کہا کہ لیکن یہ گری کا جو ہر نہیں گیا ہے فرمایا تب کوئی مضائقہ نہیں۔  
**حمص کی بغاوت:**

کھانہ میں حمص کے باشندے باغی ہو گئے لیکن ابو عبیدہ اور خالد رضی اللہ عنہما کی بروقت توجہ سے بہت جلد بغاوت فرو ہو گئی اور شام کے پورے علاقہ پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا۔  
**معزولی:**

اسی کھانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو معزولی کر دیا معزولی کے سنہ میں مورخین کا بیان مختلف ہے عام شہرت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سخت خلافت پر بیٹھتے ہی معزول کیا تھا لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے صحیح روایت یہ ہے کہ کھانہ میں یعنی خلافت فاروقی کے ۵ سال بعد معزول ہوئے ابن اثیر کی بھی یہی تحقیق ہے وہ لکھتے ہیں فی ہذہ السنۃ وھی سنۃ سبعة عشر عزل خالد بن ولید یعنی کھانہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ معزول کیے گئے ان کی معزولی کا سبب یہ ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ فوجی آدمی تھے ان کا مزاج تند تھا اس لیے ہر معاملہ میں خود رائی سے کام لیتے تھے اور بارگاہ خلافت سے استصواب ضروری نہیں سمجھتے تھے فوجی اخراجات کا حساب و کتاب بھی نہیں سمجھتے تھے عراق کی پیش

قدمی روکنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو ناگوار ہوا۔ اور آپ نے تنبیہ کی انہوں نے بارہا لکھا کہ بغیر میرے حکم کے کوئی کام نہ کیا کرو اور نہ کسی کو کچھ دیا لیا کرو انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھ کو میری موجودہ حالت پر چھوڑ دیجئے تو کام کر سکتا ہوں، ورنہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ اسی زمانہ سے حضرت عمرؓ ان سے برہم رہتے تھے اور بارہا حضرت ابو بکرؓ کو ان کے معزول کرنے کا مشورہ دیتے تھے، لیکن وہ ہمیشہ جواب دیتے کہ میں اس کموار کو نیام میں نہیں کر سکتا، جس کو خدا نے بے نیام کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی خالدؓ نے یہ روش نہ چھوڑی، لیکن انہوں نے بھی فوراً معزول نہیں کیا، بلکہ عرصہ تک سمجھاتے رہے، چنانچہ پھر ایک مرتبہ لکھا کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو ایک بکری بھی نہ دیا کرو مگر خالدؓ نے کوئی اثر نہیں لیا اور حضرت عمرؓ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکرؓ کو دے چکے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار خالدؓ کے قوت بازو پر ہے۔ جس کو حضرت عمرؓ پسند نہیں کرتے تھے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت خالدؓ کے اخراجات اسراف کی حد تک پہنچ جاتے تھے جو دوسرے افراد کے لیے نمونہ بن سکتے تھے، چنانچہ شعراء کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے، اشعث بن قیس کو دس ہزار انعام یک مشت دیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس حکم بھیجا کہ خالدؓ (جو خالدؓ) سے دریافت کریں کہ انہوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے، اگر مسلمانوں کے مال سے دیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنی جیب سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے، اس لیے دونوں حالت میں وہ معزولی کے قابل ہیں، یہ فرمان عین میدان جنگ میں ابو عبیدہؓ کو ملا، انہوں نے حضرت خالدؓ سے پوچھا، تم نے یہ روپیہ کہاں سے دیا، کہا اپنے مال سے، اس کے بعد حضرت عمرؓ کا فرمان سنا کہ معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور عمامہ گردن میں ڈال دیا، خالدؓ

۱ طبری جلد ۳ ص ۲۰۷ ۲ اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۰ ۳ طبری ج ۳ ص ۲۰۸

۴ اصابہ ج ۲ ص ۱۰۰ ۵ ابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۹

نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں نے فرمان بنا اور مانا اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کو تیار ہوں۔<sup>۱</sup>

اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دبدبہ اور خالد رضی اللہ عنہ کی حق پرستی دونوں کا اندازہ ہوتا ہے، معزولی کے بعد دربار خلافت سے طلبی ہوئی، چنانچہ خالد حمص سے ہوتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملہ میں زیادتی سے کام لیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا ”تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی“ جواب دیا ”مال غنیمت کے حصوں سے، اگر میرے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ نکلے تو آپ لے لیجئے“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً حساب کرایا، کل ۲۰ ہزار زیادہ نکلے، وہ بیت المال میں جمع کرا دیئے اور فرمایا کہ ”خالد رضی اللہ عنہ اب بھی میرے دل میں تمہاری وہی عزت و محبت ہے“ اور تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کرا دیا کہ میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو خیانت کے جرم یا غصہ وغیرہ کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ حمص اس لیے معزول کیا کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار خالد رضی اللہ عنہ کے قوت بازو پر نہیں ہے۔

مذکرہ بالا فتوحات کے علاوہ خالد رضی اللہ عنہ دوسری مہموں میں بھی شریک ہو کر داد شجاعت دیتے رہے لیکن ان میں آپ کی حیثیت معمولی مجاہد کی تھی، اس لیے ان کی تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔  
گورنری:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بمصالح خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا، لیکن معزول کرنے کے بعد ان سے ان کے رتبہ کے مطابق کام لیے اور ان کے جوہر اور ان کی فطری صلاحیتوں سے سپہ سالاری کے بجائے دوسرے شعبوں میں فائدہ اٹھایا، چنانچہ معزولی کے بعد رہا، حران آمد اور لرتہ کا گورنر مقرر کر دیا، لیکن ایک سال کے بعد وہ خود مستعفی ہو گئے۔<sup>۲</sup>

۱ ابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۸ ج ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۱۹ ج مترک حاکم جلد ۳ ص ۲۹۷

وفات:

گورنری سے استعفا دینے کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گئے اور کچھ دن بیمار رہ کر ۲۲ھ میں وفات پائی، بعض لوگ آپ کی وفات حمص میں بتاتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے جنازہ میں شریک تھے۔ اور ۲۲ھ میں انہوں نے شام کا کوئی سفر نہیں کیا، آپ کی وفات سے مدینہ کی عورتوں خصوصاً بنی عذرہ میں کہرام برپا تھا۔

اولاد:

اولاد کی تعداد کی تفصیل نہیں ملتی، صرف دو لڑکوں، مہاجر اور عبدالرحمن کا نام ملتا ہے ان دونوں میں باپ کی شجاعت کا اثر تھا، چنانچہ مہاجر بن خالد رضی اللہ عنہما نے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہما کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے عہد میں قسطنطنیہ کے مشہور معرکہ میں فوج کے ایک کماندار عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہما کی کنیت ابوسلیمان تھی اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ اس نام کا بھی کوئی لڑکا رہا ہوگا، مگر تصریح نہیں ملتی۔

فضل و کمال:

چونکہ ابتدا سے لے کر آخر تک خالد رضی اللہ عنہما کی پوری زندگی میدان جنگ میں گزری اس لیے ذات نبوی ﷺ سے خوش چینی کا موقع کم ملا وہ خود کہتے تھے کہ جہاد کی مشغولیت نے مجھ کو تعلیم قرآن کے بڑے حصہ سے محروم رکھا۔ تاہم وہ صحبت نبوی ﷺ کے فیض سے دولت علم سے بے باکل بے بہرہ نہ تھے اور آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم و افتا تھی ان میں ایک ان کا نام بھی تھا، لیکن فطرۃ سپاہی تھے اس لیے مسند افتا پر نہ بیٹھے اور ان کے فتاویٰ کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے۔ ابن عباس

۱۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۱۰۰ اور مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۹۷ ج ۲ استیعاب جلد ۱ ص ۲۷۶

۲۔ ابوداؤد جلد ۱ کتاب الجہاد باب قولہ تعالیٰ ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾

۳۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۹۹ ج ۵ اعلام الموقعین جلد ۱ فصل اصحاب الفتویٰ من اصحاب النبی ﷺ

جابر بن عبد اللہ، مقدم بن معدی کرب، قیس بن ابی حازم، اشتر نخعی، علقمہ ابن قیس، جبیر بن نفیر وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد کل اٹھارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔

(فضائل اخلاق) رضائے نبوی ﷺ:

صحابہ کرام مجتہد کے لیے سب سے بڑی دولت آنحضرت ﷺ کی رضا جوئی اور خوشنودی تھی اس لیے وہ اپنے جذبات کو بھی آنحضرت ﷺ کے تابع فرمان کر دیتے تھے خالد بن ولیدؓ گو تند مزاج تھے لیکن فرمان نبوی ﷺ کے مقابلہ میں ان کی تند مزاجی حلم و عفو سے بدل جاتی تھی ایک مرتبہ ان میں اور عمار بن یاسرؓ میں کسی معاملہ میں بحث ہو گئی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی عمارؓ نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی اتفاق سے اسی وقت حضرت خالدؓ بھی آ گئے اور شکایت سن کر بہت برہم ہوئے اور عمارؓ کو برا بھلا کہنا شروع کیا آنحضرت ﷺ خاموش تھے عمارؓ نے آبدیدہ ہو کر عرض کی حضور ان کی زیادتیوں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں آنحضرت ﷺ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ جو شخص عمار (جنس) سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ خدا سے بغض و عناد رکھتا ہے خالدؓ پر اس ارشاد کا اتنا اثر ہوا کہ ان کا بیان ہے کہ جب میں آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھا تو عمار (جنس) کی رضا جوئی سے زیادہ کوئی چیز میرے لیے محبوب نہ تھی اور ان سے مل کر ان کو منایا۔

احترام نبوی ﷺ:

خالد بن ولیدؓ کے دل میں آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام تھا کہ وہ کسی کی زبان سے آپ کی شان میں کوئی ناروا کلمہ برداشت نہیں کر سکتے تھے ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ سونا آیا آپ نے اسے اہل نجد میں تقسیم کر دیا قریش و انصار کو شکایت ہوئی انہوں نے شکایت کی کہ آپ نے سب سونا نجدی سرداروں کو دے دیا اور ہم لوگوں کو بالکل نظر انداز فرما دیا آپ نے فرمایا ان کو تالیف قلب کے خیال سے دیتا ہوں یہ سن کر نجدیوں کے گردہ سے ایک شخص نے کہا کہ محمد (ﷺ) خدا سے ڈر! آپ نے فرمایا اگر میں خدا کی تافرمانی



کرتا ہوں تو پھر خدا کی اطاعت کون کرتا ہے؟ خالد جھڑپ کو اس گستاخی پر غصہ آ گیا اور اس کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے روک دیا۔<sup>۱</sup>  
آثار نبوی ﷺ سے تبریک:

وہ ہر اس چیز کے ساتھ جس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرف امتساب حاصل ہوتا والہانہ عقیدت رکھتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک ایک ٹوپی میں سلوا لیے تھے جس کو پہن کر میدان جنگ میں جاتے تھے یہ موک کے معرکہ میں ٹوپی گر گئی تھی خالد جھڑپ بہت پریشان ہوئے اور آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد ملی۔<sup>۲</sup>  
جہاد فی سبیل اللہ:

حضرت خالد جھڑپ کی کتاب زندگی کا سب سے جلی عنوان اور سب سے روشن باب جہاد فی سبیل اللہ ہے ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی میں گزرا 'غزوات نبوی ﷺ اور عراق و شام کی فتوحات کے حالات میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے ان کے اسی ذوق جہاد اور شجاعانہ کارناموں کے صلہ میں ان کو دربار نبوی سے سیف اللہ کا لقب ملا۔ تقریباً سو سو لڑائیوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے جسم میں ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے زخمی نہ ہوا ہو۔<sup>۳</sup> ذوق جہاد میں کہا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی وہ سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں اس شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو۔<sup>۴</sup> آخری وقت جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تو بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ افسوس میری ساری زندگی میدان جنگ میں گذری اور آج میں بستر مرگ پر جانور کی طرح ایڑیاں رگڑ کے جان دے رہا ہوں۔<sup>۵</sup> خدا نے آپ کے قدموں میں یہ برکت دی تھی کہ جدھر رخ کیا کبھی ناکام واپس نہ لوٹے خود کہتے تھے کہ میں نے جس طرف کا رخ کیا فتیاب ہوا۔<sup>۶</sup> اس قول کی صداقت پر ان کے

۱ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵ ۲ اصابہ جلد ۲ ص ۹۹ ۳ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۲

۴ اصابہ جلد ۲ ص ۹۹ ۵ استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۸ ۶ اصابہ جلد ۲ ص ۹۹

کارنامے شاہد ہیں، آنحضرت ﷺ کو ان کی شجاعت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب ان کے ہاتھ میں علم آ جاتا تو آپ مطمئن ہو جاتے، چنانچہ غزوہ موتہ میں جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے علم سنبھالا تو آنحضرت ﷺ نے غائبانہ فرمایا کہ اب لڑائی کا تور گر مایا۔ چونکہ سپہ گری ان کا آبائی پیشہ تھا، اس لیے ان کے پاس سامان حرب کافی تھا، جس کو انہوں نے اسلام لانے کے بعد راہ خدا میں وقف کر دیا تھا۔<sup>۱</sup>

آنحضرت ﷺ کا مدح کرنا:

آنحضرت ﷺ حضرت خالد بن ولیدؓ کی ان جان فروشیوں اور قربانیوں کی بہت قدر فرماتے تھے اور متعدد موقعوں پر مدیجہ لہجہ میں ان کا اعتراف فرمایا کرتے، فتح مکہ کے موقع پر جب کہ مسلمان مختلف سمتوں سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے ایک گھائی کی طرف خالد بن ولیدؓ بھی نمودار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ابوہریرہؓ سے فرمایا، دیکھو کون ہے، انہوں نے عرض کی خالد بن ولید (بن ولید) فرمایا کہ یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے۔ خود بھی قدر دانی فرماتے تھے اور لوگوں کو بھی ان کا لحاظ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے، ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ خالد (بن ولید) کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو، کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے، جس کو اس نے کفار پر کھینچا ہے۔<sup>۲</sup>

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تو ابن جمیل، خالد اور عباس بن ولیدؓ نے دینے سے انکار کیا، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا، تو فرمایا کہ ”ابن جمیل فقیر تھا، خدا نے ان کو دولت مند کیا، یہ اس کا بدلہ ہے، لیکن خالد ابن ولید (بن ولید) پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو، انہوں نے اپنا تمام سامان حرب خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے پھر ان پر زکوٰۃ کیسی رہا عباس کا معاملہ تو ان کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ پچا باپ کی جگہ ہے۔“<sup>۳</sup>

۱ ابن سعد ۲ جلد ۳ تہ کرۃ خالد بن ولیدؓ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ و اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۳

۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۶۰ ۳ اصابہ جلد ۲ ص ۹۹

۴ ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۶۳ و مسلم جلد ۱ ص ۳۶۲ مصر

## مزاج:

ان کی پوری زندگی سپاہیانہ تھی اس لیے مزاج میں حرارت اور تیزی تھی ذرا سی خلاف مزاج بات پر بگڑ جاتے تھے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سخت کلامی کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے اسی طرح بنو جذیمہ کے معاملہ میں (جن پر آپ نے مشرک سمجھ کر حملہ کر دیا) جب عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا تو بہت برہم ہوئے۔

## حق پرستی:

لیکن اس تند مزاجی کے باوجود بہت دھرمی نہ تھی اور حق بات کو قبول کرنے اور دوسروں کے فضائل کے اعتراف میں عار نہ کرتے تھے معزول کی کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے کہ مجمع عام میں اس طرح معزول کیا جاتا ہے کہ سر سے ٹوپی اتار لی جاتی ہے عمامہ گردن میں باندھ دیا جاتا ہے اور آپ دم نہیں مارتے اور جب ان کی جگہ پر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار مقرر ہوتے ہیں تو یہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اب اس امت کا امین تم پر امیر مقرر کیا گیا ہے۔

## اشاعت اسلام:

اشاعت اسلام ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے خالد رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے بعد برابر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اشاعت اسلام کی غرض سے جو سرا یا بھیجے ان میں سے متعدد دسرے ان کی سرکردگی میں روانہ کیے گئے اور بنو جذیمہ بنو عبدالمدان نجرائی ان ہی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے اور اہل یمن کے اسلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی کوششیں بھی شامل تھیں فتنہ ردہ میں طلحہ کی جماعت بنو ہوازن بنو سلیم اور بنو عامر وغیرہ دوبارہ ان ہی کوششوں سے اسلام لائے۔ ان جماعتوں کے علاوہ منفرد طور پر بھی بعض مشہور لوگ آپ کے ہاتھ مشرف باسلام ہوئے جنگ یرموک میں قیصر روم کے سفیر جارج کے قبول اسلام کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔

## حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

مغیرہ نام ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو بن عوف بن قیس۔  
اسلام:

غزوہ خندق کے سال ۵ھ میں مشرف باسلام ہوئے اور اسی زمانہ میں ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔  
غزوات:

اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ قیام کیا، غزوہ حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نکلے قریش اس میں مزاحم ہوئے اور ان کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی (بنی نضیر) گفتگو کے لیے آیا اور عرب کے عام قاعدہ کے مطابق دوران گفتگو میں بار بار آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا، مسلمان اس گستاخانہ طریقہ مخاطب کے عادی نہ تھے مغیرہ بنی نضیر کو جو اس وقت ہتھیار لگائے، آنحضرت ﷺ کی پشت کی جانب کھڑے تھے یہ انداز گفتگو ناگوار ہوا وہ ہر مرتبہ لگوار کے قبضہ پر ہاتھ لے جاتے تھے آخر میں ضبط نہ ہو سکا، ڈانٹ کر کہا، خبردار ہاتھ قابو میں رکھو۔ عروہ نے پہچان کر کہا، اودغنا باز میں نے تیری دغا بازی کے معاملہ میں تیری طرف سے کوشش نہیں کی تھی؟ ۲

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰۶ ۲۔ استیعاب جلد اول ص ۲۵۸

۳۔ زمانہ جاہلیت میں مغیرہ بنی نضیر نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا، عروہ بن مسعود ثقفی نے ان کی دیت ادا کی تھی یہ واقعہ بخاری کتاب الشروط فی البہاد و المصالح مع اہل الحرب میں مفصل مذکور ہے، ہم نے صرف اسی قدر ہی لیا ہے جتنا مغیرہ بنی نضیر کی ذات سے متعلق ہے۔

حدیبیہ کے بعد متعدد غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے ایک خاص سر یہ میں ان کو اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو طائف بھیجا تھا اس میں انہوں نے نہایت بہادری سے دشمنوں کو شکست دی۔

### آخری سعادت:

آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین کے وقت موجود تھے جب لوگ جس مبارک کو قبر انور میں رکھ کر نکلے تو انہوں نے عمداً قبر میں اپنی انگوٹھی گرا دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا نکال لو، انہوں نے قبر میں اتر کر قدم مبارک کو ہاتھ سے مس کیا اور جب مٹی گرائی جانے لگی اس وقت قبر سے نکلے، انہوں نے قصداً اس لیے انگوٹھی گرائی تاکہ یہ شرف ان کے ساتھ مخصوص ہو جائے کہ وہ ذات نبوی ﷺ سے سب سے آخری جدا ہونے والے ہیں چنانچہ ہمیشہ لوگوں سے فخر یہ کہا کرتے کہ میں تم سب میں آنحضرت ﷺ سے آخری جدا ہونے والا ہوں۔

### عہد صدیقی:

آنحضرت ﷺ کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد کی اکثر معرکہ آرائیوں میں شریک رہے اور بڑے بڑے کار نمایاں کیے سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اہل بحیرہ کی طرف گئے، پھر یمامہ کے مرتدوں کی سرکوبی میں پیش پیش رہے۔

### عہد فاروقی:

فتنہ ارتداد کے فرو ہونے کے بعد عراق کی فتوحات میں شریک ہوئے، بویب کی تسخیر کے بعد جب مسلمان قادیسیہ کی طرف بڑھے اور رستم نے مصالحت کے لیے مسلمان سفر ابلائے تو کئی سفراء بھیجے گئے، آخر میں یہ خدمت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔

### سفارت:

ایرانیوں نے اسلامی سفیر پر رعب ڈالنے کے لیے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا تھا، تمام افسران فوج دیبا و حریر کے بیش قیمت ملبوسات زیب تن کیے تھے۔ رستم

زرنگار تاج سر پر رکھے تخت پر بیٹھا تھا، دربار میں کارز چوبی کا فرش تھا، مغیرہ رضی اللہ عنہا پہنچے تو بلا کسی جھجک کے سیدھے رستم کے تخت پر جا کر بیٹھ گئے، ان کا اس دلیری سے رستم کے پہلو پر پہلو بیٹھ جانا درباریوں کو ناگوار گزرا، انہوں نے ہاتھ پکڑ کر نیچے بٹھا دیا، مغیرہ نے کہا ”ہم عرب ہیں، ہمارے یہاں یہ دستور نہیں ہے کہ ایک شخص خدا بنے اور دوسرے لوگ اس کی پرستش کریں، ہم سب ایک دوسرے کے برابر ہیں، تم نے ہم کو خود بلایا ہے، ہم اپنی غرض سے نہیں آئے ہیں، پھر تمہارا یہ سلوک کہاں تک مناسب ہے، اگر تم لوگوں کا یہی حال رہا تو بہت جلد نیست و نابود ہو جاؤ گے، بقائے سلطنت کی یہ شکل نہیں ہے، ایرانی اس مساوات سے نا آشنا تھے، یہ خیالات سن کر دنگ رہ گئے، رستم بھی نادم ہوا، بولا کہ یہ نوکروں کی غلطی ہے اور حسن تلافی کے طور پر ان کے ترکش سے تیر نکال کر مذاق کے لہجہ میں کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا، کہا، چنگاری کی لوگو چھوٹی ہو مگر پھر بھی آگ ہے، پھر اس نے تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تمہاری تلوار کس قدر بوسیدہ ہے، گونیا م بوسیدہ ہے لیکن دھار تیز ہے، اس کے بعد اصل معاملہ پر گفتگو شروع ہوئی، رستم نے اپنی قوم کی شوکت و عظمت سطوط و جبروت اور عربوں کی حقارت و کم مائیگی کا تذکرہ کر کے کہا کہ گو تمہاری جیسی ناپسندیدہ قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تاہم، اگر تم لوٹ جاؤ تو تمہاری فوج اور سردار فوج کو ان کے مرتبہ کے موافق انعام دیا جائے گا، مغیرہ رضی اللہ عنہا نے نہایت جوش سے جوابی تقریر کی اور آخر میں کہا کہ اگر تم کو جزیہ نہیں منظور ہے تو تلوار تمہارا فیصلہ کرے گی، رستم یہ سخت جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا، بولا کہ آفتاب سے پہلے تمہاری فوج کو تہ و بالا کر دوں گا، اس گفتگو کے بعد مغیرہ رضی اللہ عنہا واپس چلے آئے، اور قادیسیہ کی مشہور جنگ میں بھی شریک تھے۔

عراق پر فوج کشی:

۱۹ھ میں رنے، قوس اور اصفہان والوں نے یزدگرد سے خط و کتابت کر کے مسلمانوں کے خلاف ساٹھ ہزار فوج جمع کی اور مروان شاہ دفرش کا دیانی لہراتا ہوا نکلا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت میں اطلاع دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود نکلنے

کا قصد کیا، لیکن پھر نظام خلافت کے اختلال کے خیال سے ارادہ فتح کر دیا اور امرائے کوفہ و بصرہ کے نام فرمان جاری کیے کہ وہ اپنی اپنی فوج لے کر نہاوند کی طرف بڑھیں اور نعمان بن مقرن کو سپہ سالار مقرر کر کے ہدایت کی کہ اگر تم شہید ہو تو حذیفہ بن یمان تمہاری قائم مقامی کریں گے اور اگر وہ بھی شہید ہوں تو جریر بن عبد اللہ بجلي جگہ لیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مغیرہ علم سنبھالیں۔

### دوسری سفارت:

جب اسلام لشکر نہاوند کے قریب پہنچا تو ایرانیوں نے دوبارہ مصالحت کی گفتگو کے لیے ایک سفیر طلب کیا، مغیرہ رضی اللہ عنہ اس خدمت کو ایک مرتبہ حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے چکے تھے اس لیے دوبارہ ان ہی کا انتخاب ہوا، یہ سفیر بن کر گئے تو دربار کا وہی رنگ دیکھا، مروان شاہ سر پر تاج زرنگار رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا، درباری چپ و راست چمک دار تلواریں لگائے، جن پر آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں، کھڑے تھے، مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کوئی توجہ نہ کی اور سیدھے گھستے ہوئے چلے گئے راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا، کہا سفر کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا اور مترجم کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی، مروان شاہ نے کہا کہ تم عرب ہو اور عربوں سے زیادہ بد بخت، فاقہ مست اور نجس قوم دنیا میں نہیں ہے، میری سپاہ کب کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم ان کے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ تمہاری لاشیں میدان میں تڑپتی نظر آئیں گی، انہوں نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا کہ بیشک جیسا تمہارا خیال ہے، ایک زمانہ میں ہم ویسے ہی تھے، لیکن ہمارے رسول ﷺ نے ہماری کایا پلٹ دی اب ہر طرف ہمارے لیے میدان صاف ہے اور بغیر تمہارا تاج و تخت چھینے اس وقت تک نہیں لوٹ سکتے، جب تک ”میدان جنگ میں ہماری لاشیں نہ تڑپیں“۔ غرض یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور طرفین میں لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں، مغیرہ رضی اللہ عنہ میسرہ کے افسر مقرر ہوئے، نہاوند کے معرکہ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار نعمان

بن مقرن رضی اللہ عنہ ایسے سخت زخمی ہوئے کہ پھر جان بر نہ ہو سکے، لیکن مسلمانوں کے ثبات و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور بالآخر ایرانیوں کو شکست ہوئی، اختتام جنگ کے بعد معقل، نعمان رضی اللہ عنہ کی خبر لینے گئے، سانس کی آمد و شد باقی تھی لیکن نگاہ جو اب دے چکی تھی، پوچھا کون، معقل نے بتایا، پوچھا جنگ کا کیا نتیجہ رہا، عرض کی خدا نے کامیاب کیا، فرمایا الحمد للہ، عمر (رضی اللہ عنہ) کو اطلاع دو، اور یہ مژدہ سننے کے بعد طائر روح پرواز کر گیا۔

نہاوند کے بعد ایران پر عام فوج کشی ہوئی، ہر حصہ پر الگ الگ فوجیں بھیجی گئیں، ہمدان کی مہم مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی، انہوں نے نہایت بہادری سے اس کو سر کیا، پھر اہل ایران کی درخواست پر صلح کر لی۔

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہاں کا گورنر مقرر کیا، انہوں نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے نئے انتظامات کیے، باقاعدہ ایک دفتر کھولا، جہاں سے سپاہیوں کی تنخواہیں اور وظیفہ خواروں اور وثیقہ پانے والے کے وظیفے اور وثیقے ملتے تھے اس سے پہلے کوئی دفتر نہ تھا، اس کی ایجاد کا سہرا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سر ہے، کچھ دنوں کے بعد ایک جرم کے الزام میں ماخوذ ہوئے، لیکن شہادت سے یہ الزام ثابت نہ ہو سکا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے کہ ایک صحابی کا دامن معصیت کی آلودگی سے پاک نکلا، تاہم سیاسی مصالح کے لحاظ سے بصرہ سے تبادلہ کر کے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا گورنر بنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک یہاں کے گورنر رہے، اور جدید عثمانی انتظامات معزول کر دیئے گئے۔

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ:

اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور جناب امیر رضی اللہ عنہ میں اختلافات ہوئے تو ابتدا میں مغیرہ رضی اللہ عنہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے حامی و طرفدار تھے، چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مخلصانہ مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں تو طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما) کو

۱. فتوح البلدان بلاذری ص ۳۱۲، ۳۱۳ ج ۱ ایضاً ص ۳۱۷، مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۸

۲. فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۸ ج ۱ استیعاب جلد ۱ ص ۲۵۹، مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۸



کوفہ اور بصرہ کا والی بنائے اور امیر معاویہ کو ان کے قدیم عہدہ پر واپس کیجئے، پورا تسلط ہو جانے کے بعد پھر جو خیال میں آئے وہ کیجئے گا، لیکن جناب امیرؓ نے جواب دیا کہ طلحہ وزبیر کے بارہ میں غور کروں گا، لیکن معاویہ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک نہ ان کو کہیں گا امیر بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مددوں کا مغیرہؓ، اس جواب سے بدظن ہو گئے، امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنی طرف مائل کر کے ان سے بیعت لے لی، اب مغیرہؓ، معاویہؓ کے ساتھ تھے اور علی الاعلان جناب امیرؓ کی مخالفت شروع کر دی، مجمع عام میں آپ کے خلاف تقریر کرتے اور لوگوں کو آپ کی مخالفت پر ابھارتے تھے۔

مغیرہؓ کی حمایت نے امیر معاویہؓ کو بڑی قیمتی مدد پہنچائی، بڑی بڑی اہم گھٹیاں انہوں نے اپنے ناخن تدبیر سے حل کر دیں، امیر معاویہؓ کے دعویٰ خلافت کے سلسلہ میں بعض مواقع ایسے نازک آ گئے تھے کہ اگر مغیرہؓ کا تدبر نہ ہوتا تو امیر معاویہؓ کو سخت ترین دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا، زیادہ اہل عرب میں تھا اور حضرت علیؓ کی طرف سے فارس کا دالی تھا، یہ امیر معاویہؓ کا سخت ترین دشمن تھا، حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد گو امیر معاویہؓ سارے عالم اسلامی کے خلیفہ ہو گئے تھے، لیکن زیادان کی خلافت نہیں تسلیم کرتا تھا، امیر معاویہؓ نے مشہور جفا کار بسر بن ابی ارطاة کو اس کے مطیع کرنے پر مامور کیا، لیکن اس کی سختیاں بے کار ثابت ہوئیں، اور مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنے تدبر سے زیادہ کو امیر معاویہؓ کا مطیع بنا کر ایک بڑے خطرہ سے بچالیا۔

کوفہ کی گورنری:

۳۱ھ میں امیر معاویہؓ نے مغیرہ کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کوفہ کا عامل

۱ استیعاب جلد ۱ ص ۲۵۹ ۲ اصحابہ جلد ۶ ص ۱۳۲

۳ مستدرک جلد ۳ ص ۲۵۰ ۴ ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۸

بنایا ۳۲ھ میں خارجیوں نے بڑا سخت فتنہ برپا کیا، مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہوشیاری اور سرعت سے اس کو فرو کیا اور خارجیوں کا ایک سرغنہ مستورد مارا گیا، غرض مغیرہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت استوار کرنے میں پورا زور صرف کیا۔

وفات:

۵۰ھ میں کوفہ میں طاعون کی وبا پھیلی، اس میں انتقال کیا، وفات کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔

حلیہ:

سر بڑا، بال بھورے، لب پیوستہ، بازو فراخ اور شانہ کشادہ تھے۔

اولاد:

وفات کے وقت ۳ اولادیں چھوڑیں عروہ، حمزہ، عمار۔

فضل و کمال:

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، گواہ اور فوجی شخص تھے، تاہم ان کو مذہبی علوم سے بھی واقف حصہ ملا تھا، اور اپنے زمرہ میں علمی حیثیت سے ممتاز شخصیت رکھتے تھے، ان کی ۱۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ۹ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں، علامہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، ان میں ان کے تینوں لڑکے عروہ، حمزہ، عمار اور عام لوگوں میں حمیرہ بن دجین، مسور بن مخرمہ، قیس بن ابی حازم، مسروق بن اجدع، نافع بن حمیرہ بن مطعم، عروہ بن زبیر اور عمرو بن وہب قابل ذکر ہیں، مغیرہ رضی اللہ عنہ مذہبی علوم سے بے بہرہ نہ تھے، لیکن ان کی عظمت و وقار کا علم علم و افتاء کی مسند کے بجائے سیاست کی خارزار وادیوں میں گڑا تھا اور یہی ان کے کمال کا حقیقی مظہر تھا، عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے وہ عرب کے ممتاز مدبرین میں تھے، ان کا شمار ”دہاۃ عرب“ میں تھا، اور اپنے غیر معمولی دل و دماغ کے سبب سے ”مغیرہ

۱ ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۲ ۲ اصحابہ جلد ۶ ص ۱۳۲ ۳ تہذیب الحدیث تذکرہ مغیرہ بن شعبہ

۴ تہذیب الکمال ص ۳۸۵ ۵ تہذیب الحدیث تذکرہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

الرائے" کہلاتے تھے۔ اسی وصف کی بنا پر حضرت عمرؓ کے عہد میں بڑے بڑے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہے اور دربار امیران تک ان کے تدبیر کا سکہ جم گیا تھا۔

قبیصہ بن جابر کا بیان ہے کہ میں عرصہ تک مغیرہؓ کے ساتھ رہا، وہ اس تدبیر و سیاست کے آدمی تھے کہ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری اور چالاکی کے گزرنا دشوار ہو تو مغیرہؓ آٹھوں دروازوں سے نکل جاتے۔ اہم امور کی گتھلیاں سلجھانے میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، جب کسی معاملہ میں رائے قائم کرتے تو اسی میں مفر کی صورت نکلتی۔

ان کی تدبیر و سیاست کے بعض واقعات نہایت دلچسپ ہیں، عموماً اس قسم کے حکام کو رعایا پسند نہیں کرتی، مغیرہؓ بھی ان ہی میں تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو بحرین کا گورنر بنایا تھا، یہاں کی رعایا نے ان کی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا، معزولی کے بعد چلتے چلتے رعایا نے ایک بڑی چوٹ یہ لگائی کہ ان کی آئندہ واپسی کے خطرہ کے روکنے کے لیے یہاں کے زمینداروں نے ایک لاکھ کی رقم جمع کر کے دربار خلافت میں پیش کی اور کہا کہ مغیرہؓ نے سرکاری محاصل سے خیانت کر کے ہماری پاس جمع کرائی تھی، حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے باز پرس کی، معاملہ بہت نازک تھا، رقم موجود تھی، سینکڑوں شاہد تھے، کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی، لیکن انہوں نے دماغی توازن قائم رکھا، اور نہایت اطمینان کے ساتھ کہا میں نے دو لاکھ جمع کیے تھے، ایک لاکھ اس نے دبا لیا، یہ سن کر زمین دار بہت گھبرایا اور حلف دے کر اپنی صفائی پیش کی، ورنہ ان کو دو لاکھ بیت المال میں داخل کرنا پڑتے تھے، مگر یہ واقعہ مغیرہؓ کو بدنام کرنے کے لیے بنایا گیا تھا اس لیے تحقیقات سے غلط ثابت ہوا، حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا، تم نے دو لاکھ کا کیوں اقرار کیا، بولے انہوں نے تمہت لگائی تھی، اور اس کے سوا بدلہ لینے کی کوئی صورت نہ تھی۔

۱۔ اصحابہ استیعاب تذکرہ مغیرہ بن شعبہؓ ج ۲ تہذیب و تمدن جلد ۱ ص ۲۰۲

۲۔ مستدرک جلد ۳ تذکرہ مغیرہؓ ج ۱ اصحابہ جلد ۶ ص ۱۳۲

## حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

خالد نام، ابو سعید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، خالد بن سعید بن العاص بن امیہ ابن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اموی، نانہالی تعلق ثقیف سے تھا۔  
اسلام:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب چند بندگان خدا کے سوا ساری دنیا توحید کی آواز سے نا آشنا تھی، ان ہی کے اسلام سے ان کے گھر میں اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ یہ ایک آتشیں غار کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں دھکیل رہے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ گلا پکڑے ہوئے روک رہے ہیں، اس خواب پریشان نے آنکھ کھول دی، گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ”خدا کی قسم یہ خواب حقیقت ہے، اور اس کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور مشرف باسلام ہو گے، اس لیے میں تم کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوراً حلقہ گوش اسلام ہو جاؤ اور تمہارے والد اس آتشیں غار میں گریں گے، لیکن تم کو اسلام اس میں گرنے سے بچالے گا، چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا بلا شرکت غیر خدائے واحد کی پرستش کرو، مجھ کو اس کا بندہ اور رسول مانو اور ان پتھروں کی پوجا چھوڑ دو، جو تمہارے نفع اور نقصان کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے، حتیٰ کہ اس سے بھی لاعلم ہیں، کہ ان کی پرستش کے دعویداروں میں کون ان کی پرستش کرتا ہے

اور کون نہیں کرتا یہ تعلیمات سن کر دل کے ساتھ زبان نے بھی خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی۔<sup>۱</sup>  
آزمائش اور استقامت:

اسلام لانے کے بعد گھروالوں سے چھن کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ دعوت اسلام میں مصروف ہو گئے، والد کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان کے بھائیوں کو پکڑنے کے لیے بھیجا، وہ ان کو گرفتار کر کے لے گئے، پہلے اسلام چھوڑنے کا مطالبہ ہوا، یہاں جو اب صاف تھا کہ جان جائے لیکن محمد (ﷺ) کا مذہب نہیں چھوٹ سکتا، اس جواب پر پہلے زجر و توبیح شروع ہوئی، جب یہ بے اثر ثابت ہوئی تو زد و کوب کی نوبت آئی اور اس بے دردی سے مارے گئے کہ سر پر پڑتے پڑتے لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، جب مارتے مارتے تھک گئے تو پھر باز پرس شروع ہوئی کہ تم نے محمد (ﷺ) کی حرکتوں کو جانتے ہوئے ان کا ساتھ کیوں دیا؟ تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ پوری قوم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے معبودوں اور ان کے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس میں تم بھی ان کی ہموائی کرتے ہوئے، مگر اس مار کے بعد بھی اس بادہ حق کے سرشار کی زبان سے نکلا کہ "خدا کی قسم! وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور اس میں میں ان کے ساتھ ہوں"۔ جب سنگدل باپ ہر طرح سے تھک چکا تو عاجز ہو کر قید کر کے کھانا پینا بند کر دیا، اور لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ان سے گفتگو نہ کرے، چنانچہ یہ تین دن تک بے آب و دانہ تنہائی کی قید جھیلنے رہے، چوتھے دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور اطراف مکہ میں روپوش ہو گئے۔<sup>۲</sup>

ہجرت حبشہ:

جب مسلمانوں کا دوسرا قافلہ حبشہ جانے لگا تو یہ بھی اپنی بیوی امیہہ یا امینہ اور بھائی عمرو کو ساتھ لے کر حبشہ چلے گئے، یہیں ان کے صاحبزادہ سعید اور صاحبزادی ام خالد پیدا ہوئیں۔<sup>۳</sup>

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۳۸ ج طبقات ابن سعد جز ۳ قسم ۱ ص ۶۸ و استیعاب ج ۱ ص ۱۵۵

۲۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۱

ہجرت مدینہ اور غزوات:

غزوہ خیبر کے زمانہ میں حبشہ سے مدینہ آئے، گو یہ اس میں شریک نہیں ہوئے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا، اس کے بعد عمرۃ القضا فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ سب میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

ابتدائی غزوات بدر واحد وغیرہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اس محرومی پر ہمیشہ متاسف رہے، آنحضرت ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ بدر کے شرف سے محروم رہے، آپ نے جواب دیا، کہ کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک ہجرت کا شرف حاصل ہو اور تم کو دو کا۔

مدینہ کا قیام:

مدینہ آنے کے بعد سے آنحضرت ﷺ نے مراسلات کا عہدہ ان کے متعلق کر دیا تھا، اور وہ تحریری نامہ و پیام کی خدمت انجام دیتے تھے، ۹ھ میں بنو ثقیف کا جو وفد آیا تھا، اس کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان گفتگو کی خدمت ان ہی نے انجام دی تھی، اور وفد کے مشرف باسلام ہونے کے بعد معاہدہ بھی ان ہی نے تحریر کیا تھا۔

یمن کی گورنری:

حضرت خالد بن ولیدؓ کے کنبہ بھر میں حکومت کی صلاحیت تھی، اس لیے آنحضرت ﷺ نے تینوں بھائیوں کو حکومت کے عہدوں پر ممتاز کیا تھا، ابان کو بحرین پر، عمرو کو تہام پر اور خالد بن ولیدؓ کو یمن پر مامور کیا، یہ تینوں تاحیات نبوی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے، آپ کی وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے، حضرت ابو بکرؓ نے دوبارہ بھیجنا چاہا اور فرمایا کہ تم لوگ آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ عامل ہو، تم سے زیادہ کون اس عہدہ کا مستحق ہو سکتا ہے، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا ہم ابی اجمہ کی اولاد ہیں، آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کے عامل نہ بنیں گے۔

۱ استیعاب ج ۱ ص ۱۵۴ ج ۱ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۷۲

۲ زرقانی ج ۳ ص ۹ ج ۱ استیعاب ج ۱ ص ۱۵۵

## حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں تاخیر:

خالد رضی اللہ عنہ کو ابتدا ہی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے اختلاف تھا چنانچہ دو مہینہ تک بیعت نہ کی اور حضرت علی اور عثمان جیسے سے جا کر کہا کہ آپ لوگوں نے غیروں کی خلافت کس طرح ٹھنڈے دل سے قبول کر لی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تو کوئی باز پرس نہیں کی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت برہم ہوئے یا مگر پھر خالد رضی اللہ عنہ نے دو مہینے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر بیعت کر لی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی روک تھام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، مشہور مرتد عمرو بن معدی کرب زبیدی کو جو اسود غسی کے حلقہ میں تھا زخمی کیا اور اس کی تلوار اور گھوڑا چھین لیا، مگر وہ بچ کر بھاگ گیا، فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو فوج کے ایک حصہ کا سپہ سالار بنایا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا کہ جس شخص نے بیعت میں لعل کی ہو وہ ہرگز اعتماد کے لائق نہیں، پھر وہ کوئی ایسے نبرد آزما بھی نہیں کہ فوجی ذمہ داری ان کے سپرد کی جائے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے متردد ہوئے لیکن آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار سے مجبور ہو گئے، تاہم معزول نہیں کیا، لیکن سپہ سالاری کے عہدہ سے تنزل کر کے تہاء کی امدادی فوج کے دستہ کا امیر بنا دیا، اور ان کی جگہ پر یزید بن ابی سفیان جیسے کا تقرر کیا اور خالد رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایتیں دے کر تہاء روانہ کیا کہ ”راستہ میں ان مسلمانوں کو جو پہلے ارتداد کی شورش میں نہ شریک ہوئے ہوں ساتھ لے لینا، اور بغیر میرا حکم ملے ہوئے خود حملہ کی ابتداء نہ کرنا“ رومیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے بہت سے عربی قبائل کو لے کر مختلف اطراف میں چھاپے مارنا شروع کر دیئے، خالد رضی اللہ عنہ کے بڑھتے بڑھتے رومی منتشر ہو گئے اور عربی قبائل جو ان کے ساتھ ہو گئے تھے پھر اسلام لے آئے، خالد رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اطلاع بھیجی۔ آپ نے حکم دیا کہ ابھی پیش قدمی جاری رکھو، مگر اس طرح کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکیں۔ اس حکم کے مطابق یہ آگے بڑھے، بابان رومی مقابلہ کو نکلا لیکن شکست کھائی، انہوں نے اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجی، نیز مزید امدادی فوج طلب کی۔ ۳

اسی دوران میں عام لشکر کشی ہوئی، عکرمہ رضی اللہ عنہ ذوالکلاع اور ولید رضی اللہ عنہ خالد رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیجے گئے، ان کے پہنچتے ہی خالد رضی اللہ عنہ رومیوں کے مقابلہ میں نکلے، باہان بطریق رومی اپنی فوج کو دمشق کی طرف ہٹا لے گیا، لیکن یہ برابر بڑھتے ہوئے چلے گئے اور دمشق و واقوصہ کے درمیان خیمہ زن ہوئے، باہان کا مسلح دستہ تاک میں لگا ہوا تھا، اس نے ہر چہا طرف سے تاکہ بندی کر دی اور خود حملہ کرنے کے لیے بڑھا، راستہ میں خالد رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ سعید ملے ان کو گھیر کر شہید کر دیا، خالد رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ ایسے سراسیمہ ہوئے کہ پیش قدمی روک کر پیچھے ہٹ آئے، اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ہوشیاری کے ساتھ باہان کو ان کے تعاقب سے روک دیا اور خالد رضی اللہ عنہ ذوالمرہ میں آ کر مقیم ہو گئے، پھر کچھ دنوں کے بعد مدینہ گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی کمزوری پر مناسب تشبیہ کی اور فرمایا واقعی عمر (رضی اللہ عنہ) اور علی (رضی اللہ عنہ) ان کا زیادہ تجربہ رکھتے تھے، کاش میں نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا، اس کے بعد برابر لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے اور گذشتہ کمزوری کی تلافی میں بڑے جوش سے لڑتے تھے، چنانچہ فحل، دمشق وغیرہ میں بڑی جانبازی دکھائی۔

شہادت:

فحل کی مہم کے بعد اسلامی فوج نے مرج صفر کا رخ کیا، اسی درمیان میں خالد رضی اللہ عنہ نے ام حکیم سے عقد کر لیا اور مرج صفر پہنچ کر بیوی سے ملنے کا قصد کیا، بیوی نے کہا اس معرکہ کے بعد اطمینان سے ملنا زیادہ بہتر ہے، انہوں نے جواب دیا میرا دل کہتا ہے کہ اس لڑائی میں جام شہادت پیوں گا، غرض مرج صفر ہی میں بیوی سے ملاقات کی اور صبح کو احباب کی دعوت کی، ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی میدان میں آ گئے، ایک رومی نے مبارز طلبی کی، خالد رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے نکلے اور نکلتے ہی شہید ہو گئے، ان کی عروس کا یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ جزع فزع اور سوگ نشینی کے بجائے شوہر کے خون کے انتقام کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور مردوں کے دوش بدوش لڑ کر سات رومیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔<sup>۱</sup>

۱۔ طبری ص ۲۰۸۲، ۲۰۸۳ ج ۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۵ تفصیل ابن سعد سے ماخوذ ہے۔



## اولاد:

خالد کے امیہ یا امینہ بنت خلف کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں 'سعید اور امہ یا ام خالد' سعید خالد رضی اللہ عنہما کی زندگی میں شہید ہو گئے تھے 'امہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما سے بیابنی تھیں۔

خاتم نبوی ﷺ:

خالد رضی اللہ عنہما کی انگوٹھی کا نقش بھی محمد رسول اللہ (ﷺ) تھا 'یہ انگوٹھی آنحضرت ﷺ نے ان سے لے لی تھی 'جو ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں رہی۔

فضل و کمال:

عرب کے عام دستور کے خلافت ان کو لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل تھی چنانچہ یمن والوں کو جو امان نامہ آنحضرت ﷺ نے دیا تھا 'اس کی کتابت ان ہی نے کی تھی۔



## حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

شرحبیل نام ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام عبد اللہ تھا، لیکن یہ شرحبیل کے بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور ان کی ماں حسنہ نے سفیان انصاری سے شادی کر لی تھی، اس لیے شرحبیل باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے شرحبیل بن حسنہ مشہور ہوئے۔ نسب نامہ یہ ہے شرحبیل بن عبد اللہ بن مطاع بن عبد اللہ بن غطفان بن عبد العزیٰ بن جشمہ ابن مالک بن ملازم بن مالک بن رہم بن سعد بن یثکر بن مبشر بن غوث بن مرفیلہ، ان کے انتساب میں اختلاف ہے، بعض کندی بتاتے ہیں اور بعض تمیمی۔

اسلام و ہجرت:

شرحبیل رضی اللہ عنہ: دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام کے شرف سے ہوئے اور پہلے حبشہ کی ہجرت کی، وہاں سے مدینہ آئے اور ماں کے تعلق سے بنی زریق میں قیام پذیر ہوئے۔ ہجرت سے لے کر آنحضرت ﷺ کی وفات تک کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے کیونکہ بڑا زمانہ حبشہ کے قیام میں صرف ہو چکا تھا، ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقی سے ہوتا ہے، شام کی فوج کشی میں صوبہ اردن پر مامور تھے۔

بصری کا معرکہ:

چنانچہ اس سلسلہ کے سب سے پہلے معرکہ بصری میں افسر تھے، آغاز جنگ کے قبل ان میں اور بصری کے حاکم رومانس میں گفت و شنید بھی ہوئی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا، اور یہ فوج مرتب کر کے آگے بڑھ رہے تھے، کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، ان کے آنے کے بعد یہ سپہ سالار اعظم ہوئے اور ان ہی کی سپہ سالاری میں اہل بصری نے جزیہ قبول کیا۔

## اجنادین:

بصری کے بعد رومی اجنادین میں جمع ہوئے خالد بن ولیدؓ، مقابلہ کو بڑھے، شرمیلؓ جوڑے بھی کچھ دور جا کر ان سے مل گئے اور دونوں مل کر رومیوں سے معرکہ آرا ہوئے اور ایک خونریز جنگ کے بعد مسلمان کامیاب ہوئے۔

## دمشق:

دمشق کی پیدل فوج کے کمان دار تھے اور اس کے محاصرہ میں یہ باب قرادیش پر متعین تھے اور فتح تک اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔

## فصل:

دمشق کے بعد جب مسلمان فوج ہوتے ہوئے بیسان کی طرف بڑھنے والے تھے لیکن درمیان میں پانی کی وجہ سے فوج میں رک گئے تھے اس وقت بھی شرمیلؓ ساتھ تھے اور ان کی احتیاط کی بنا پر مسلمان ایک خطرناک صورت حال سے بچ گئے رومیوں نے دریا کا بند توڑ دیا تھا اس لیے فوج اور بیسان کے درمیان پانی پانی ہو گیا تھا، مسلمان فوج سے آگے نہ بڑھ سکے اور وہیں مقیم ہو گئے، شرمیلؓ اس نازک موقع پر رات بھر جاگتے رہے کہ مبادا رومی عقبہ سے حملہ آور نہ ہوں، ان کی یہ پیش بینی اور احتیاط بہت کام آئی۔ رومی واقعی ایک دن اچانک پشت سے آگے لیکن شرمیلؓ جوڑے ہوشیار تھے اس لیے رومیوں کو شکست ہوئی۔

## بیسان:

فوج کے بعد شرمیلؓ اور عمرو بن العاصؓ بیسان کی طرف بڑھے، بیسان والے فوج کا انجام دیکھ چکے تھے اس لیے پہلے سے قلعہ بند تھے، شرمیلؓ نے پہنچنے ہی محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ قائم رہا، ایک دن دو چار آدمی نکلے وہ مارے گئے اور آخر میں مجبور ہو کر دمشق کی شرائط پر صلح کر لی، طبریہ والوں نے بیسان کا حال دیکھ کر ابوالاعور سے خواہش ظاہر کی کہ اس کو شرمیلؓ جوڑے سے ملنے کی اجازت دی جائے، انہوں نے اجازت دے

۱۔ طبری ص ۲۱۵۱ ج ۲ فتوح البلدان ص ۱۲۷ ج ۳ اس واقعہ میں روایات مختلف ہیں۔

دی چنانچہ اس نے ان سے مل کر بیسان کی شرائط پر صلح کر لی۔  
صوبہ اردن اور اس کی آبادیاں:

اس کے بعد شرمیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے صوبہ اردن کے تمام شہر نہایت آسانی سے فتح کر لیے اور ان کو لینے میں کوئی زیادہ خوزیزی نہیں ہوئی، تقریباً تمام مفتوحہ علاقہ میں دمشق کی شرائط پر صلح ہوئی، اردن کے شہروں میں سویبہ، اقیق، جرش، بیت راس، قدس، جولان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔  
یرموک:

یرموک کی مہم میں جب مسلمان شام کے مختلف حصوں سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئے تو شرمیل رضی اللہ عنہ بھی آئے اور یہ اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ایک جگہ ٹھہرے، خالد رضی اللہ عنہ سپہ سالار تھے انہوں نے جدید طریقہ پر فوج کو چھتیس حصوں پر تقسیم کر کے ہر حصہ پر الگ الگ افسر مقرر کیے، چنانچہ میمنہ اور میسرہ کے حصہ پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور شرمیل رضی اللہ عنہ متعین تھے۔ میدان جنگ رومیوں کے ابتدائی حملہ میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے گئے اور بہت سے مسلمان میدان جنگ سے باہر نکل آئے، اس وقت بھی شرمیل رضی اللہ عنہ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور نہایت جانفروشی سے لڑے اور اخیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔

وفات:

۱۸ھ میں ابھی اسلامی فوجیں شام میں برسرِ پیکار تھیں کہ عراق، شام اور مصر میں طاعون کی وبا پھیلی، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ فوجیں و بائی مقامات سے ہٹا کر محفوظ علاقوں میں بھیج دی جائیں، لیکن شرمیل رضی اللہ عنہ بڑے متوکل شخص تھے۔ انہوں نے کہا کہ عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نادان ہیں، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ طاعون خدا کی رحمت اور انبیاء کی دعا ہے، اس سے قبل صالحین نے اسی میں وفات پائی ہے اس لیے ہرگز نہ ہٹنا چاہیے۔

۱ طبری ص ۲۱۵۸ ج ۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳

۲ طبری ج ۳ ص ۲۰۱۹ ج ۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۶

چنانچہ یہ کسی طرح نہ بنے اور اسی نامراد و باہمیں ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور گذشتہ  
سلکائے امت سے جا ملے۔

فضل و کمال:

گو ان کی ساری زندگی جہاد کے میدان میں گزری تاہم احادیث نبوی سے تمہی  
وامن نہ تھے، جعفر بن ربیعہ اور عبدالرحمن الاشعری نے ان سے روایت کی ہے۔



## حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

خباب نام ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خباب بن ارت بن جندل ابن سعد بن حزمیرہ بن کعب بن سعد بن زید مناة بن تمیم، زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے۔

اسلام:

حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یعنی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے۔ اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا، اس لیے ”سادس الاسلام“ کہلاتے تھے۔

ابتلا و آزمائش:

ان کے اسلام قبول کرنے کے زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں ایسا شدید جرم تھا، جس کی سزا میں مال و دولت، تنگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا، لیکن حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور بباگ و دل اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ یہ غلام تھے، ان کا کوئی بھی حامی و مددگار نہ تھا، اس لیے کفار نے ان کو مشق ستم بنایا، اور ان کو بڑی دردناک سزائیں دیتے تھے، نگلی پیوند دیکتے ہوئے انکاروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلتا اور وہ اس وقت تک ان انکاروں پر کباب ہوتے رہتے، جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھاتی۔ لیکن اس سختی کے باوجود

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۶ ۲۔ ابن سعد جلد ۳ ص ۱۱۶

۳۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۱۶ ۴۔ ابن سعد جلد ۳ ص ۱۱۷

زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی 'رحمۃ العالمین ﷺ اس کسمپرسی کی حالت میں تالیف قلب فرماتے تھے' لیکن ان کا آقا اتنا سنگ دل تھا کہ وہ ان کے لیے اتنا سہارا بھی نہ برداشت کر سکا اور اس کی سزا میں لوہا آگ میں تپا کر ان کا سرد اعانہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میرے لیے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائیے کہ وہ مجھ کو اس عذاب سے نجات دے' آپ نے دعا فرمایا کہ "خدا یا! خباب کی مدد کر"۔

جب اس جسمانی سزا سے بھی آتش انتقام سرد نہ پڑی تو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کی 'عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا' وہ جب تقاضا کرتے تو جواب دیتا کہ جب تک محمد (ﷺ) کا ساتھ نہ چھوڑو گے' اس وقت تک نہیں مل سکتا' یہ جواب دیتے کہ جب تک تم مرکز دوبارہ زندہ نہ ہو گے' میں محمد (ﷺ) سے الگ نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتا اچھا میں مرکز زندہ ہوں گا' اور مجھ کو مال اور اولاد ملے گی' اس وقت تمہارا قرض دوں گا' (اس سے مسلمانوں کے اس عقیدے پر تعریف تھی کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی) اس واقعہ پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔<sup>۱</sup>

﴿ اَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُؤْتِيَنَّكَ مَالًا وَّ لَئِنِ اطَّلَعَتِ الْغَيْبُ امَّ السَّحَابِ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا كَلَّا سَكَتَبَ مَا يَقُولُ وَّ يُنْمِدُّهُ مِنَ الْعَذَابِ مِمَّا وُفِّدَهُ مَا يَقُولُ وَّ بَيْنَاتَا فَرْدًا ﴿ (مریم ۷۷، ۷۹)

"اے محمد (ﷺ)! کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا (قیامت میں بھی) مجھ کو مال اور اولاد ملے گی' کیا اس کو غیب کی خبر ہوگئی یا اس خدائے رحمن سے عہد لیا ہے' ہرگز نہیں یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور اس کے عذاب میں ڈھیل دیتے چلے جائیں گے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہوں اور یہ تمہا ہمارے سامنے لایا جائے گا"۔

ہجرت و مواخات:

خابہؓ مدتوں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے پھر

جب ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، ہجرت بھی تکلیف و مصائب کے خوف سے نہ کی تھی، بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی۔ مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور خراش بن صمد غلام تمیم کے درمیان مواخات کرادی۔<sup>۱</sup>  
غزوات:

مدینہ آنے کے بعد شروع سے آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے۔<sup>۲</sup>

### خلافت فاروقی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے فضائل کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک دن یہ ان سے ملنے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے گدھے پر بٹھایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کے علاوہ صرف ایک شخص اور ہے جو اس پر بیٹھنے کا مستحق ہے، جناب رضی اللہ عنہ نے پوچھا امیر المؤمنین! وہ کون ہے؟ فرمایا بلال (رضی اللہ عنہ) آپ نے عرض کیا، وہ میرے برابر کیوں کر مستحق ہو سکتے ہیں، مشرکین میں ان کے بہت سے مددگار تھے، لیکن میرا پوچھنے والا سوائے خدا کے کوئی نہ تھا اس کے بعد اپنا استحقاق بتاتے ہوئے اپنا مصائب کی داستان سنائی۔<sup>۳</sup>

### علالت و وفات:

۳۷ھ میں کوفہ میں بیمار پڑے، علاج سے افاقہ ہونے کے بجائے مرض اور بڑھ گیا، اس کی طوالت اور تکلیف سے گھبرا کر کہنے لگے کہ اگر خدا نے رسول اللہ ﷺ سے موت کی دعا کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو میں دعا کرتا۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور کفن لایا گیا تو اسے دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، فرمانے لگے آہ! حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو پورا کفن بھی میسر نہ تھا، ایک معمولی چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے کہ اگر پیر ڈھانکا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتا تھا، آخر میں سر ڈھانکا کر ازخرا (ایک قسم کی گھاس) سے پاؤں چھپائے گئے۔

۱۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰۷

۲۔ مسند ابن ضہبیل جلد ۵ ص ۱۰۹

۳۔ مسند حاکم ج ۳ ص ۳۳۳ تذکرہ جناب ابن ارت رضی اللہ عنہ

۴۔ ابن سعد ج ۲ ص ۱۷۷



کچھ لوگ عیادت کرنے کو آئے اور کہا ابو عبد اللہ تم کو خوش ہونا چاہیے، کل تک اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ گے، یہ سن کر رقت طاری ہو گئی، فرمایا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا۔ تم لوگوں نے ایسے لوگوں کو یاد دلایا جو اس دنیا سے اجر کے مستحق اٹھے، مجھ کو خوف ہے کہ کہیں ثواب آخرت کے بدلہ میں مجھ کو یہ دنیا نہ ملی ہو۔

وصیت اور وفات:

کوفہ والے عموماً اپنے مردوں کو شہر کے اندر دفن کرتے تھے لیکن انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ مجھ کو بیرون شہر دفن کرنا، اس وصیت کے مطابق ان کو شہر کے باہر دفن کیا گیا، آپ پہلے صحابی ہیں جن کی قبر سے کوفہ کے باہر ویرانہ کی آبادی ہوئی، وفات کے وقت بہتر سال کی عمر تھی، حضرت علیؓ جنگ صفین سے واپس ہو رہے تھے کہ خواب میں ان کی وفات کی اطلاع ملی، چنانچہ آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۳۷ھ میں وفات پائی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ۱۹ھ میں مدینہ میں پیوند خاک ہوئے اور حضرت عمرؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ذریعہ معاش:

زمانہ جاہلیت میں اور اس کے بعد عرصہ تک تلواریں بنا کر کسب معاش کرتے رہے، اسلام کا ابتدائی زمانہ بہت عمرت میں بسر ہوا، لیکن کچھ دنوں کے بعد خدا نے فارغ البال کیا اور اتنی دولت ملی کہ پھر کسی پیشہ وغیرہ کی احتیاج باقی نہیں رہی، وفات کے وقت چالیس ہزار درہم پس انداز تھے۔

فضل و کمال:

خواب میں ان کو آنحضرت ﷺ کے اقوال و اعمال کی بڑی جستجو رہتی تھی اور وہ کبھی

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۱۸ حضرت حمزہؓ کی تکفین کا واقعہ بخاری کتاب المغازی اور مسند احمد

بن صنبل ج ۵ ص ۱۰۹ میں ہے۔ ۲ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۸۲

۳ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ذکرہ خواب میں ان کو

کبھی آنحضرت ﷺ کی لاعلمی میں رات رات بھر آپ کے طریقہ عبادت کو دیکھتے اور صبح کو اس کے متعلق استفسار کرتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ساری رات نماز پڑھی، یہ پوری رات دیکھتے رہے اور صبح کو آ کر پوچھا، فدیت بابی و امی یا رسول اللہ ﷺ! رات کو آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ اس کے قبل کبھی نہ پڑھی تھی، فرمایا وہ بیم ورجا کی نماز تھی، میں نے بارگاہ ایزدی میں تین چیزوں کی دعا کی تھی، دو مقبول ہوئیں اور ایک نامقبول۔ ایک دعا یہ تھی کہ خدا مسلمانوں کو اس عذاب سے نہ ہلاک کرے جس سے گذشتہ امتیں ہلاک ہوئیں اور میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے، یہ دونوں دعائیں قبول ہو گئیں لیکن تیسری دعا قبول نہیں ہوئی۔

ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۳۳ ہے، ان میں سے ۳ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں امام بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں، صحابہ اور تابعین میں جن بزرگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

آپ کے صاحبزادہ عبداللہ اور ابو امامہ باہلی، ابو معمر، عبداللہ بن شخیر، قیس ابن ابی حازم، مسروق بن اجدع اور علقمہ بن قیس وغیرہ۔



۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۰۸

۲۔ تہذیب الکمال تذکرہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

۳۔ تہذیب العہد ج ۳ ص ۱۳۳

## حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سنان نام ابو ایاس کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے سنان بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن قشیر بن خزیمہ بن مالک بن سلمان بن اسلم اقصی۔

اسلام و ہجرت:

ارباب سیران کے زمانہ اسلام کے بارہ میں خاموش ہیں، مگر اس قدر مسلم ہے کہ ۶ھ سے پہلے شرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ اکثر مہاجرین نے مع بال بچوں کے ہجرت کی تھی، لیکن سلمہ رضی اللہ عنہ نے راہ خدا میں بال بچوں کو بھی چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد قریب قریب تمام غزوات میں شریک رہے، سب سے پہلے غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے اور خلعت امتیاز حاصل کیا، صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں بیعت رضوان کو تاریخ اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے، جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر مسلمانوں سے موت پر بیعت لینا شروع کی تو سلمہ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی، پہلی مرتبہ سب سے اول جماعت کے ساتھ بیعت کر چکے تھے، دوبارہ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا سلمہ! بیعت کر، عرض کی یا رسول اللہ! جاں نثار پہلے ہی بیعت کر چکا ہے، فرمایا کیا ہرج ہے دوبارہ سہی، اس وقت سلمہ رضی اللہ عنہ نہتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک ڈھال عنایت فرمائی، تیسری مرتبہ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا کہ سلمہ! بیعت نہ کرو گے؟ عرض کی یا رسول اللہ! دو مرتبہ بیعت کر چکا ہوں، فرمایا تیسری مرتبہ سہی!

چنانچہ انہوں نے سہ بارہ بیعت کی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا سلمہ! ڈھال کیا کی؟ عرض کی کہ میرے چچا بالکل خالی ہاتھ تھے، ان کو دے دی، آپ نے ہنس کر فرمایا تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے کہ اس نے دعا کی کہ خدایا! مجھ کو ایسا دوست دے جو مجھ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو، ابھی بیعت کا سلسلہ جاری تھا کہ اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو گئی اور لوگ مطمئن ہو کر ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے، سلمہ جو بیٹہ بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ رہے اتنے میں چار مشرکین آئے اور ان کے قریب بیٹھ کر آنحضرت ﷺ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے جو ان کو ناگوار ہوئیں، یہ اٹھ کر دوسرے درخت کے نیچے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد چاروں ہتھیار اتار کر اطمینان سے یہ لیٹ گئے، ابھی لیٹے ہی تھے کہ کسی نے نعرہ لگایا مہاجرین دوڑنا، بن زینم قتل کر دیے گئے، آواز سن کر سلمہ جو بیٹہ نے ہتھیار سنبھال لیے اور مشرکیوں کی طرف لپکے، یہ سب سو رہے تھے، سلمہ جو بیٹہ نے ان کے اسلحہ پر قبضہ کر کے ان سے کہا خیر اسی میں ہے کہ سیدھے میرے ساتھ چلو، خدا کی قسم! جس نے سراٹھایا، اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا، چنانچہ ان سب کو کشاں کشاں لا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، ان کے چچا عامر بھی ستر اکہتر مشرک گرفتار کر کے لائے تھے، لیکن رحمت عالم نے سب کو چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ

عَلَيْهِمْ ﴾ (فتح: ۳)

”اور وہ خدا ہی تھا، جس نے عین مکہ میں تم کو کافروں پر فتیاب کرنے کے بعد ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا۔“

مسلمانوں کا قافلہ مدینہ سے واپسی میں ایک پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہوا، مشرکین کی نیت کچھ بد تھی، آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہو گئی اور پڑاؤ کی نگرانی کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ آپ نے اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کی جو پہاڑ پر چڑھ کر نگرانی کرے، سلمہ نے یہ سعادت حاصل کی اور رات بھر میں کئی مرتبہ پہاڑی پر چڑھ کر آہٹ لیتے رہے۔

## غزوہ ذی قردہ

آنحضرت ﷺ کے کچھ اونٹ ذی قردہ کی چہ گاہ میں چرتے تھے ان کو بنو غطفان ہٹکا لے گئے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم طلع فجر کے قبل گھر سے نکلے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کے غلام نے ان سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے اونٹ لٹ گئے۔ پوچھا کس نے لوٹا؟ کہا بنو غطفان نے۔ یہ سن کر آپ نے ایک زور کا نعرہ لگایا کہ مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک آواز گونج گئی اور تن تہا ذاکوؤں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ وہ پانی کی تلاش کر رہے تھے کہ سلمہ رضی اللہ عنہم پہنچ گئے یہ بڑے قادر انداز تھے تاک تاک کر تیر برسانا شروع کر دیئے تیر برساتے جاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے

انا ابن الاکوع      الیوم یوم الرضع

میں اکوع کا بیٹا ہوں      آج کا دن سخت جنگ کا دن ہے

اور اس قدر تیر باری کی کہ ڈاکوؤں کو اونٹ چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا اور بدحواسی میں اپنی چادریں بھی چھوڑ گئے اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی لوگوں کو لے کر پہنچ گئے سلمہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ان لوگوں کو پانی نہیں پینے دیا اگر ابھی ان کا تعاقب کیا جائے تو مل جائیں لیکن رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ قابو پانے کے بعد درگزر کرو۔  
خیبر:

اس کے بعد خیبر کی مہم میں داد شجاعت دی فتح خیبر کے بعد اس شان سے لوٹے کہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں ہاتھ دیئے ہوئے تھے۔  
غزوہ ثقیف و ہوازن:

خیبر کے بعد غزوہ ثقیف و ہوازن میں شریک ہوئے۔ اس غزوہ کے دوران میں ایک شخص مسلمانوں کے لشکر گاہ میں اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس کو باندھ کر مسلمانوں کے ساتھ ناشتہ میں شریک ہو گیا اس کے بعد چاروں طرف نظر ڈال کر مسلمانوں کی طاقت کا

۱ بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوہ ذی قردہ اور مسلم جلد ۲ حوالہ مذکور

۲ ایضاً باب غزوہ خیبر

جائزہ لیا اور سوار ہو کر تیزی سے نکل گیا، اس طرح اچانک آنے اور فوراً چلے جانے سے مسلمانوں کو جاسوسی کا شبہ ہوا، ایک شخص نے اس کا تعاقب کیا، سلمہ نے بھی پیچھا کیا، اور آگے بڑھ کر اس کو پکڑ لیا، اور تلواریں کا ایسا کاری وار کیا کہ ایک ہی وار میں وہ ڈھیر ہو گیا اور اس کی سواری پر قبضہ کر کے واپس ہوئے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پوچھا، اس شخص کو کس نے قتل کیا، لوگوں نے عرض کیا سلمہ نے، فرمایا تو مقتول کا سب سامان ان کا ہے۔  
سریۃ بنی کلاب:

۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں بنو فزارہ کی طرف بھیجا، اس میں سلمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے تن تہاسات خانوادوں کو تہ تیغ کیا، جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، ان کی عورتوں کو گرفتار کر لیا، ان میں ایک لڑکی نہایت حسین تھی، اسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سلمہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، وہ جب اسے لے کر مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، سلمہ! یہ لڑکی میرے حوالہ کر دو، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ابھی تک اس کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور لڑکی لا کر حاضر کر دی، آنحضرت ﷺ نے اس کو مکہ بھیج کر اس کے بدلہ میں ان چند مسلمانوں کو آزاد کرایا جو کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔

غزوات کی مجموعی تعداد:

اسلام کے بعد بیشتر غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، بعض روایتوں میں ہے کہ ۱۴ غزوات میں انہوں نے شرکت کی، ان میں سے سات میں آنحضرت ﷺ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا اور سات وہ تھے جو آنحضرت ﷺ نے مختلف اطراف میں بھیجے، اور مستدرک کی روایت کے مطابق ان غزوات کی تعداد سولہ تک پہنچ جاتی ہے۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۵۱۔ ۲۔ ابن سعد حصہ مغازی سریۃ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ سات خانوادوں کے قتل کا ذکر مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۶ میں بھی ہے۔

۳۔ استیعاب جلد ۲ ص ۵۸۳۔ ۴۔ اسابہ جلد ۳ ص ۱۱۸

## وفات:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سے برابر مدینہ میں رہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں سکونت اختیار کر لی وہاں شادی کی اور اولادیں ہوئیں۔ بروایت بخاری ۴۷۷ھ میں پھر مدینہ واپس ہوئے واپسی کے دو ہی چار دن کے بعد وفات پائی اور گھوم پھر کر بالآخر دیار حبیب کی خاک کا پیوند ہوئے۔  
**فضل و کمال:**

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ شرف محبت سے بھی فیضیاب تھے اور غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہنے کا زیادہ موقع ملا تھا اور حاشیہ نشینان بارگاہ نبوت سے بھی استفادہ کرتے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ حضرت عمرؓ اور طلحہؓ سے بھی روایتیں کی ہیں اس لیے ان کی مرویات کی تعداد ۷۷ تک پہنچ جاتی ہے جن میں سے ۱۶ متفق علیہ ہیں اور ۵ میں بخاری اور ۹ میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ان کے رواۃ میں ایسا بن سلمہؓ یزید بن عبیدہؓ عبدالرحمن بن عبداللہ اور محمد بن حنفیہ قابل ذکر ہیں۔  
**انفاق فی سبیل اللہ:**

خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بہت فیاض تھے جو شخص خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتا اس کو کبھی ناکام نہ واپس کرتے اور فرماتے کہ جو شخص راہ خدا میں نہیں دے گا پھر کس میں دے گا لیکن خدا کا واسطہ دے کر مانگنے کو برا سمجھتے تھے کہ اس میں الحاف ہے۔  
**صدقات سے اجتناب:**

مگر اپنی ذات کے لیے صدقہ کا مال حرام سمجھتے تھے اگر کسی چیز میں صدقہ کا شائبہ بھی ہوتا تو اس کا استعمال نہ کرتے چنانچہ اپنی صدقہ کی کوئی چیز دوبارہ بقیعت خریدنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

۱۔ اسباب جلد ۳ ص ۱۱۸ ۲۔ تہذیب الکمال ص ۱۳۸ ۳۔ تہذیب الجندیہ تذکرہ سلمہ بن اکوع

۴۔ ابن سعد ج ۳ ص ۳۰ ۵۔ ایضاً

## شدت احتیاط:

تمام ادا مروانوی میں احتیاط کا یہی حال تھا۔ چنانچہ بعض ایسے کھیل جن میں جوئے کی مشابہت کا شائبہ نکلتا تھا اپنے بچوں کو نہ کھیلنے دیتے تھے۔<sup>۱</sup>  
شجاعت:

شجاعت و بہادری خصوصاً پیدل تیز دوڑنے میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز تھے صاحب اصابہ لکھتے ہیں کان من الشجعان ويسبق الفرس عدوا۔<sup>۲</sup> یعنی وہ بہادریوں میں سے ایک تھے اور دوڑ میں گھوڑوں سے مقابلہ کرتے تھے اور ان سے آگے بڑھ جاتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہتر سواروں میں ابوقادہ (رضی اللہ عنہ) اور بہتر پیادوں میں سلمہ بن اکوع (رضی اللہ عنہ) ہیں اس تعریف کے بعد آپ کو دو حصے دیئے۔ سوار کا الگ اور پیدل کا الگ۔<sup>۳</sup>



۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۴۰

۲ اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۸

۳ اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۸

۴ ابن سعد جز ۳ ق ۲ ص ۳۹



## حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی کنیت اتی مشہور ہوئی کہ ان کا اصلی نام بالکل چھپ گیا چنانچہ ارباب سیر نے ان کے مختلف نام لکھے ہیں بعض عبد اللہ کہتے ہیں اور بعض عمرو بتاتے ہیں باپ کا نام قیس تھا لیکن ماں کی نسبت سے ابن ام مکتوم مشہور ہوئے سلسلہ نسب یہ ہے عمرو بن قیس بن زائدہ بن اصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عدی ابن معیض بن عامر بن لوی القرشی ماں کا نام عاتکہ تھا نانہالی شجرہ عاتکہ بنت عبد اللہ ابن عنکبہ بن عامر بن مخزوم ہے۔

اسلام:

ابتدائے بعثت میں سرزمین مکہ میں مشرف باسلام ہوئے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ گو ظاہری آنکھوں کی روشنی سے محروم تھے مگر چشم دل وا تھی اس لیے مکہ میں جیسے ہی اسلام کا نور چمکا وہ کفر کی تاریکی سے باہر نکل آئے اور ذات نبوی ﷺ سے ایک خاص قرب و اختصاص حال ہو گیا چنانچہ اکثر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مکہ کے مغرور امراء اور رؤساء بھی مجلس نبوی ﷺ میں آیا کرتے تھے جو ابن ام مکتوم کی ظاہری نابینائی اور غربت و افلاس کی وجہ سے ان کو ذلیل سمجھتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ ہماری مجلس میں ایسے لوگ برابر نہ بیٹھا کریں آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ لگن تھی کہ کسی طرح قریش کے رؤساء دعوت حق قبول کر لیں اس لیے آپ ان کی خاطر داری کرتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ رؤساء قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ اس درمیان میں حضرت ابن ام مکتوم آ گئے اور کچھ مذہبی مسائل پوچھنا شروع کر دیئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ بے موقع گفتگو اس لیے ناگوار ہوئی کہ اس سے رؤساء

قریش کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہوتی اور ان کے دلوں میں تاثر کے بجائے ٹکدر پیدا ہوتا۔ اس لیے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف التفات نہ فرمایا اور بدستور سلسلہ گفتگو جاری رکھا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ طرز عمل گو تبلیغ حق اور دعوت اسلام کی سچی خواہش پر مبنی تھا، تاہم خدا کے دربار میں ناپسندیدہ ہوا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿عَبَسَ وَتَوَلَّى أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزْشِي أَوْ يَذْكُرُ فَتَنْفَعُهُ الْبُذْرَى أَمْ مَنْ اسْتَعْصَى فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزْشِي وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى وَهُوَ يَخْشَى فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى﴾ (عبس: ۱۰، ۱۱)

”محمد ﷺ! جب تمہارے پاس نابینا آیا تو تم ترش رو ہوئے اور نہ موڑ لیا اور تم کیا جانو کہ عجب نہیں وہ تمہاری تعلیم سے پاک ہو جائے یا نصیحت سنے اور اس کو وہ نصیحت فائدہ بخشنے، لیکن جو شخص بے توجہی کرتا ہے اس کی طرف تم خوب توجہ کرتے ہو حالانکہ وہ اگر درست نہ ہو تو تم پر کوئی الزام نہیں اور جو تمہارے پاس خدا کے ڈر سے دوڑتا ہوا آتا ہے تو تم اس سے بے اعتنائی کرتے ہو۔“

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ خاص طور پر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا لحاظ رکھتے تھے اور کاشانہ نبوی ﷺ میں ان کی بڑی خاطر مداری ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہہ آپ کو لیوں اور شہد کھلایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ نزول آیت کے بعد یہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا روزیہ تھا۔

ہجرت:

اذان ہجرت کے بعد حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے ہجرت نہیں فرمائی تھی۔ آپ کی ہجرت کے بعد موذنی کے جلیل القدر منصب پر مامور ہوئے، رمضان میں ان کی اذان اختتام سحر کا اعلان ہوتی تھی۔ اس کے بعد لوگ کھانا پینا بند کر دیتے تھے۔

۱۔ فتح الباری جلد ۸ ص ۵۳۱ ۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۳

۳۔ ابن سعد جز ۳ ص ۱۵۰ ۴۔ بخاری کتاب الاذان باب اذان قبل الفجر

## غزوات:

ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ابن ام مکتومؓ اپنی مجبوری کے باعث جہاد کی شرکت سے معذور رہا کرتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (ساء: ۹۵)

”یعنی وہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے وہ رتبہ میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں۔“

اور آنحضرت ﷺ کا تب وحی حضرت زید بن ثابتؓ سے اس کو لکھانے لگے تو ابن ام مکتومؓ بھی پہنچ گئے اور عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھ کو جہاد کی قدرت ہوتی اور اس کے لائق ہوتا تو میں بھی شرف جہاد حاصل کرتا، ان کی یہ حسرت آرزو بارگاہِ خداوندی میں اتنی پسند ہوئی کہ وحی الہی نے ان کو اور ان کے جیسے تمام مجبور اشخاص کو اس حکم کے ذریعہ سے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرِ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾ (ساء: ۹۵)

”یعنی ضرر رسیدہ لوگوں کے علاوہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ مرتبہ میں ان مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں جو اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔“

مستثنیٰ کر دیا، اور تمام مجبور اشخاص پر سے شرکت جہاد کا فرض ساقط ہو گیا، لیکن اس حکم سے ان کا دلولہ جہاد کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گیا، چنانچہ نابینا ہونے کے باوجود کبھی کبھی جنگ میں شریک ہوتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو علم دے کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کر دو، میں نابینا ہوں اس لیے بھاگنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اللہ اللہ یہ جوشِ فدویت و جاں نثاری کہ ظاہری آنکھیں بے نور ہیں، ایک قدم چلنا مشکل ہے، لیکن جہاد فی سبیل میں کٹنے کے لیے رگ جاں تڑپ رہی ہے، درحقیقت یہی وہ کمالِ اخلاص تھا، جس

نے ذات خداوندی کو متوجہ کر لیا تھا، اوز یہی ولولہ تھا جس نے اسلام کی قوت کا لوہا ساری دنیا سے منوالیا تھا۔

گو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اپنی معذوری کے باعث اکثر جہاد کے شرف سے محروم رہتے تھے، لیکن اس سے بڑھ کر شرف یہ حاصل ہوتا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس اکابر مہاجرین و انصار کے ساتھ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو جو معذوری کی وجہ سے مدینہ ہی میں رہتے تھے، امامت کی نیابت کا شرف عطا فرماتے تھے، چنانچہ غزوہ ابواء، بواط، ذوالعسیر، جبینہ، سویق، غطفان، حراء، الاسد، نجران، ذات الرقاع وغیرہ میں ان کو جلیل القدر منصب عطا ہوا، بدر میں بھی کچھ دنوں اس منصب کے حامل رہے، لیکن چند روز کے بعد یہ شرف ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی جانب منتقل ہو گیا۔ ۱۔ مجموعی حیثیت سے ان کو ۱۳ مرتبہ آنحضرت ﷺ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔ ۲

وفات:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سے خلافت فاروقی کے اختتام تک ان کے حالات پردہ خفا میں ہیں، صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ جنگ قادسیہ میں علم بلند کیے، زرہ بکتر لگائے میدان کارزار میں کھڑے تھے، وادی کے بیان کے مطابق ان کی وفات مدینہ میں ہوئی، لیکن زبیر بن بکار کی روایت کی رو سے قادسیہ میں شہادت پائی۔ ۲ اکثر ارباب سیر اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔

جماعت کی حاضری:

ناپینا تھے، مسجد نبوی سے گھر دور تھا، راستہ میں جھاڑیاں پڑتی تھیں، کوئی راہ نما بھی نہ تھا، اس تمام دشواریوں کے باوجود ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہمیشہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی، لیکن اذان اور اقامت کی آواز ان کے گھر تک جاتی تھی، اس لیے آپ نے اجازت نہ دی، چنانچہ اسی حالت میں چھڑی سے ٹٹولتے مسجد آتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں ان کو

## بہتر دنیا یا تھوڑا فیض و کمال

حضرت ابن مہتموم مہرگز کا سب سے بڑا اعزاز امتیاز تو یہی ہے کہ ان کو ۱۳  
 مہینہ رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا اعزاز ملا جس میں وہ مسجد نبوی کی امامت کرتے تھے اس  
 سے علاوہ قرآن مجید کے حافظ تھے اور مدینہ آنے کے بعد لوگوں کو قرأت سمجھاتے تھے  
 آج کل سے سبھی نے فیض صحبت سے اعاریت سے بھی ان کا واسنہ خالی نہ تھا چنانچہ ان سے  
 اس مہرگز اور گزراہن خوش نے اعاریت اوریت کی ہیں۔ آم



## حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

بریدہ نام ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے کہ بریدہ بن حصیب بن عبد اللہ بن حارث بن اعرج بن سعد بن زراح بن عدی بن کہم بن مازن بن حارث بن سلمان بن اسلم اسلمی۔

اسلام:

بریدہ رضی اللہ عنہ عین زمانہ ہجرت میں مشرف باسلام ہوئے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب مرکز نبوت مکہ کے تم کدہ سے مدینہ کے بیت الامن میں مدینہ میں منتقل ہونے لگا اور کوکبہ نبوی ﷺ غنیم پہنچا تو یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اسلام پیش کیا۔ بریدہ رضی اللہ عنہ نے بلا پس و پیش قبول کر لیا، ان کے ساتھ بنو اسلم کے اسی خانوادے حلقہ بگوش اسلام ہوئے پھر کچھ دنوں قرآن کی تعلیم حاصل کر کے گھر لوٹ گئے۔

ہجرت اور غزوات:

بدر واحد کے معر کے ان کے وطن کے قیام کے زمانہ میں ختم ہو چکے تھے غالباً ۱ھ یا اس سے کچھ پہلے ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ اور سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔ ۳ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا اس میں یہ پیش پیش تھے چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے خیبر کا محاصرہ کیا پہلے دن ابو بکر رضی اللہ عنہ نے علم لیا، لیکن فتح نہ کر سکے دوسرے دن پھر یہی ہوا لوگ بہت تھک چکے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جس کو خدا اور اس کا رسول محبوب رکھتا ہے اور وہ بھی خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے وہ فتح کر کے لوٹے گا لوگ بہت خوش ہوئے کہ کل یہ مہم سر ہوگی دوسرے دن صبح کو آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز پڑھ کر علم منگوا لیا لوگ اپنی اپنی صفوں میں تھے پھر علی رضی اللہ عنہ نے مطالب فرمایا ان کو آشوب چشم کی شکایت تھی آنحضرت ﷺ نے لعاب دہن لگا

کر علم مرحمت فرمایا اور ان ہی کے ہاتھوں خبر فتح ہوا۔

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی اس میں بھی یہ ہمرکاب تھے چنانچہ بیان کرتے تھے کہ فتح کے دن آنحضرت ﷺ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔<sup>۱</sup>  
 فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی ماتحتی میں جو سر یہ یمن بھیجا تھا بریدہ بنی نضیرؓ بھی اس میں ساتھ تھے بعد کو پھر اسی مقام پر حضرت علی بن ابی طالبؓ کی ماتحتی میں مسلمانوں کی ایک اور جماعت بھیجی گئی اور پوری فوج کی امارت حضرت علی بن ابی طالبؓ کو تفویض ہوئی جنگ کے بعد آپ نے مال غنیمت میں سے ایک لونڈی خمس میں اپنے لیے مخصوص کر لی حضرت بریدہ بنی نضیرؓ کو یہ بات پسند نہ آئی انہوں نے لوٹ کر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا آپ نے سن کر فرمایا بریدہ کیا تم کو علی سے کینہ ہے انہوں نے صفائی سے اس کا اقرار کیا فرمایا ان سے کینہ نہ رکھو ان کو خمس میں سے اس سے زیادہ کا حق ہے۔<sup>۲</sup> دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمایا بریدہ! کیا مومنین پر میرا حق خود ان کی ذات سے مقدم نہیں ہے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: جس کا میں مولی ہوں علی (بنی نضیر) بھی اس کا مولی ہے۔<sup>۳</sup> حضرت بریدہ بنی نضیرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ لفظ سن کر میری ساری شکایت حضرت علی بن ابی طالبؓ سے جاتی رہی اور ان سے اتنی محبت ہو گئی جو کسی دوسرے سے نہیں تھی۔<sup>۴</sup>

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جس قدر غزوات بھی ہوئے بریدہ بنی نضیرؓ تقریباً سب میں شریک تھے ان کے غزوات کی مجموعی تعداد سولہ ہے۔<sup>۵</sup> آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں اسامہ بنی نضیرؓ کی زیر سرکردگی جو سر یہ شام بھیجا تھا اس میں بھی یہ شریک اور سر یہ کے علمبردار تھے۔<sup>۶</sup>

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۳۔ ج ایضاً ص ۳۵۰۔ صحیح بخاری جلد ۲ باب بعثت علی ابی ایمن

۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۰۔ ج مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۴۵۔ ج ایضاً ص ۵۰۔

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب کم غزانی بنی نضیر۔ ج طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۶

آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر دیار حبیب میں رہے آپ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آباد ہوا تو دوسرے صحابہ کے ساتھ یہاں منتقل ہو گئے اور یہیں مستقل گھر بنا لیا۔

ان کی رگ رگ میں جہاد کا خون دوڑتا تھا لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ زندگی کا مزہ گھوڑے کدانے میں ہے۔ اسی جذبہ و ولولہ کی بنا پر خلفاء کے زمانہ میں بھی مجاہدانہ شریک ہوتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خراسان پر فوج کشی ہوئی اس میں آپ کی تلوار نے اپنے جوہر دکھائے۔

مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی چنانچہ عہد شہین رضی اللہ عنہ کے بعد جس قدر خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں سے کسی میں شریک نہیں ہوئے بلکہ شدت احتیاط کی بنا پر ان لوگوں کے بارہ میں جو اس میں شریک تھے کوئی رائے بھی نہ قائم کرتے تھے ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بارہ میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے ان کے سامنے ان بزرگوں کا تذکرہ کیا بریدہ فوراً قبلہ رو ہو کر دست بدعا ہو گئے کہ خدا یا علی (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما عثمان (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما اور زبیر (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو مجھ کو میرا قاتل معلوم ہوتا ہے اس نے کہا حاشا میں قاتل کیوں ہونے لگا اس استفسار سے میرا یہ مقصد تھا فرمایا ان لوگوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہے گا تو ان نیکیوں کے بدلہ میں بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کی غلطیوں کی سزا میں عذاب دے گا۔

وفات:

یزید کے عہد حکومت میں ۶۳ھ میں وفات پائی دولہ کے یادگار چھوڑے عبد اللہ

اور سلیمان۔

فضل و کمال:

فضل و کمال کے اعتبار سے بھی عام صحابہ کی جماعت میں ممتاز ہیں احادیث نبوی کی

۱ ابن سعد ج ۳ ق ۱ تذکرہ بریدہ بن حبیب ۲ ایضاً ص ۱۷۹

۳ اصابع ج ۱ ص ۱۵۱ ۴ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۱۷۶



کافی تعداد ان کے حافظ میں محفوظ تھی ان کی مرویات کا شمار ۱۶۳ حدیثوں تک پہنچتا ہے اس میں ایک متفق علیہ ہے اور ۲ میں بخاری اور ۱۱ میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کی مرویات تمام تر براہ راست زبان نبوت سے منقول ہیں ان کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادہ عبداللہ اور سلیمان اور دوسرے لوگوں میں عبداللہ بن عوف خزاعی، شععی اور ملیح بن اسامہ قابل ذکر ہیں۔

### عام حالات:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو بارگاہ نبویؐ میں پذیرائی حاصل تھی حضور انور ﷺ ان سے بے تکلفانہ ملتے تھے کبھی کبھی آنحضرت ﷺ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے نکلتے تھے ایک مرتبہ یہ کسی ضرورت سے نہیں جا رہے تھے راستہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہو گئی آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور آگے بڑھے۔

### حق گوئی:

حق گوئی ان کا خاص وصف تھا اور وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے مقابلہ میں بھی کلمہ حق کے اظہار سے باز نہ رہتے تھے ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے ایک شخص بیٹھا ہوا ان سے باتیں کر رہا تھا بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھے یہ بھی پہلے شخص کی طرح مجھے سراہیں گے کہا شوق سے فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن میں روئے زمین کے ننگر پتھر اور درختوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا معاویہ! کیا اس عام شفاعت کے تم مستحق ہو اور علی نہیں نہیں؟ (غالباً پہلا شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذمت کر رہا تھا اور معاویہ بریدہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی یہی سنا چاہتے تھے)۔

### فرمان نبوی ﷺ پر عمل:

آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ایک مرتبہ جو سن لیا وہ حرز جان بن گیا ایک

۱ تہذیب الکمال ص ۴۷ ج ۱ تہذیب اجتہاد جلد اول ص ۳۳

۲ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۰ ج ۱ ایضاً ص ۳۷

مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ میری امت کو ڈھال کی طرح چوڑے چوڑے اور چھوٹی آنکھ والی قوم تین مرتبہ بنکائے گی یہاں تک کہ اس کو ہنکاتے ہنکاتے جزیرۃ العرب کے اندر محدود کر دے گی اس کے پہلے بلہ میں جو لوگ بھاگ جائیں گے وہ بچ جائیں گے دوسرے بلہ میں بعض بچیں گے اور بعض ہلاک ہو جائیں گے تیسرے بلہ میں سب کے سب اس آگ میں پڑ جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا یا نبی اللہ! وہ کون ہیں؟ فرمایا ترک پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ لوگ اپنے گھوڑوں کو مسلمانوں کی مسجدوں کے ستونوں سے باندھیں گے اس ہولناک پیشین گوئی کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ دو تین اونٹ زاد سفر اور پانی پینے کا برتن ساتھ رکھتے تھے کہ جیسے ہی یہ وقت آئے فوراً اس عذاب سے بھاگ نکلیں۔!



## حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

طفیل نام ذوالنور لقب 'سلسلہ نسب یہ ہے' طفیل بن عمرو بن طریف بن العاص بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس بن عدنان بن عبداللہ بن زہران بن کعب ابن حارث بن نصر بن ازد ازدی۔<sup>۱</sup>

دوس کے قبیلے سے تھے اس لیے دوسی کہلاتے تھے یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد اور خاصہ طاقتور تھا ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا حضرت طفیل رضی اللہ عنہ اس قبیلہ کے رئیس اور غالباً تجارت پیشہ تھا اور اسی تعلق سے مکہ معظمہ آتے رہتے تھے۔

مکہ کا سفر:

جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ مکہ میں دعوت اسلام فرما رہے تھے اس زمانہ میں طفیل رضی اللہ عنہ کا مکہ آنا ہوا قریش کے وہ اشخاص جو لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے پاس آنے سے روکتے تھے ان کے پاس بھی پہنچے اور کہا تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو اس لیے ازراہ خیر خواہی تم کو آگاہ کیے دیتے ہیں کہ اس شخص (آنحضرت ﷺ) نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے نہیں معلوم اس کی زبان میں کیا سحر ہے جس کے زور سے بیٹے کو باپ سے بھائی کو بھائی سے بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے ہم کو خوف ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی ہم لوگوں کی طرح اس کے دام میں نہ آ جاؤ گے اس لیے ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم اس سے نہ ملو اور نہ اس کی بات سنو غرض ان لوگوں نے طفیل کو سب نیشب و فرار سمجھا کر آنحضرت ﷺ کی ملاقات سے روک دیا طفیل نے اس خیال سے کہ مبادا آنحضرت ﷺ کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے دونوں کانوں میں روٹی ٹھونس لی۔

سلام:

اتفاق سے اسی حالت میں ایک دن مسجد کی طرف سے گزے اس وقت آنحضرت ﷺ غانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اسلام کا شرف ان کی قسمت میں مقدر ہو چکا تھا اس لیے تمام صحیابہ بے کار ثابت ہوئیں اور کچھ آیتیں ان کے کان تک پہنچ گئیں۔ یہ کھڑے ہو کر سننے لگے تو اس میں بڑی دلاویزی معلوم ہوئی، دل ہی دل میں کہنے لگے کہ میں بھی کیا وہی ہوں، میں خود اچھا شاعر ہوں، کلام کے محاسن و معائب کو سمجھ سکتا ہوں، پھر اس شخص کا کلام کیوں نہ سنوں! اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو اس کے اعتراف میں بخل نہ کرنا چاہیے اور اگر ناقابل توجہ ہے تو التفات کی ضرورت نہیں، غرض اس طرح دل کو تسلی دے کر پورے غور سے آیات قرآنی سنیں، یہ کیا معلوم تھا کہ کلام کے حسن و قبح کا فیصلہ ان کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا جب تک آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے رہے، طفیل رضی اللہ عنہم گوش ہوش سے سنتے رہے ادھر آپ نے نماز ختم کی ادھر طفیل رضی اللہ عنہم کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور وہ بے اختیار نہ آپ کے پیچھے پیچھے چلے، کا شانہ اقدس پر پہنچ کر قریش کی پوری گفتگو سنا کر عرض کیا اس خوف سے میں نے کانوں میں روٹی رکھ لی تھی کہ آپ کا معجزانہ کلام نہ سن سکوں، لیکن خدا کو سنا نا منظور تھا اس لیے یہ احتیاط بے کار ثابت ہوئی، اب آپ اپنی تعلیمات سنائیے، آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تعلیمات بتا کر قرآن کی کچھ اور آیات تلاوت فرمائیں، طفیل رضی اللہ عنہم سن کر متحیر ہو گئے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا، خدا کی قسم آج تک اس سے بہتر کلام نہ میرے کانوں نے سنا اور نہ اس سے زیادہ عادلانہ کوئی مذہب دیکھا، میں بطیب خاطر اس مذہب کو قبول کرتا ہوں۔

وطن کی واپسی:

اسلام لانے کے بعض عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کا سربراہ اور وہ شخص ہوں، اس لئے چاہتا ہوں کہ وہاں جا کر اہل وطن کو بھی دعوت اسلام دوں، آپ دعا فرمائیے کہ خدا اس کار خیر میں میری مدد کرے، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی اور دعا فرمائی۔ گھر پہنچے تو والد ملنے آئے، کہا قبلہ! آپ مجھ سے الگ رہیے، اب آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے کہا کیوں؟ کہا میں نے دین اسلام قبول کر کے محمد (ﷺ) کا طوق غلامی گردن میں ڈال چکا ہوں،

اس لیے آپ سے کوئی واسطہ باقی نہیں رہا، باپ کی قسمت میں بھی یہ سعادت لکھی تھی، بولے بیٹا! جو دین تمہارا وہی دین میرا چنانچہ اسی وقت نبلا دھلا کر ان کو اسلام کے دائرہ میں داخل کیا، بیوی کو آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھی آئیں، ان کو بھی وہی جواب دیا، جو پہلے والد کو دے چکے تھے، بیوی نے کہا میں تمہارے مذہب کے خلاف کیسے رہ سکتی ہوں، مجھے بھی اس نعمت میں شریک کر دینا چاہتا ہوں، ان کو بھی مشرف باسلام کیا، گھر روشن کرنے کے بعد قبیلہ کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن اس میں آواز بے اثر رہی تو مکہ واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میری قوم میرا کہنا نہیں مانتی، آپ اس کی ہدایت کے لیے دعا فرمائیے، آپ نے دعا فرمائی کہ ”خدا یا! دوس کو ہدایت دے اور اس پر ابر رحمت کا نزول فرما“ دعا کے بعد ہدایت فرمائی کہ زری اور آشتی کے ساتھ جا کر اسلام کی طرف مائل کر دینا چاہو، وہ حسب ارشاد نبوی (ﷺ) دوبارہ گھراؤٹ کر تبلیغ و ہدایت میں مشغول ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے کچھ دنوں کے بعد دوس کی معتد بہ تعداد اسلام کے حلقہ اثر میں آ گئی۔

آنحضرت ﷺ کو اپنے قلعہ میں چلنے کی دعوت دینا:

دائرہ اسلام کی وسعت کے وقت ساتھ ساتھ مشرکین مکہ کا جو روستم بھی بڑھتا جاتا تھا اور ذات نبوی ﷺ کے ساتھ بھی گستاخیاں کرنے میں ان کو باک نہ تھا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شعار بنا لیا تھا، دوس میں ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا، طفیل بن شیبہ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے اس قلعہ میں منتقل ہو جانے کی دعوت دی اور آپ کی حفاظت کی ذمہ داری لی، لیکن یہ فخر انصار کے لیے مقدم ہو چکا تھا، اس لیے آپ نے ان کی دعوت قبول نہ فرمائی۔

ہجرت:

اس درمیان میں آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، بڑا احد اور خندق کی لڑائیاں بھی ختم ہو گئیں، اور خیبر کی تیاریاں شروع ہوئی تھیں کہ حضرت طفیل بن شیبہ تقریباً اسی گھرانوں کے ساتھ مدینہ تشریف لائے، لیکن آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے اس لیے یہ پورا

قالہ بھی وہیں روانہ ہو گیا۔

غزوات:

اور یہ سب کے سب غزوہ خیبر میں شریک ہوئے اور طفیل بن عیاضؓ کی خواہش پر آنحضرت ﷺ نے دو بیویوں کو خیبر شکن فوج کے مہینہ پر مقرر کیا اس کے بعد سے پھر فتح مکہ تک آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔<sup>۱</sup>

سریہ ذوالکفین:

اگرچہ دوس کے اکثر خانوادے مشرف باسلام ہو چکے تھے تاہم مدتوں کے عقائد و فتنہ نہیں بدل سکتے تھے چنانچہ ذوالکفین نامی بت کا صنم کدہ باقی تھا اور بہت سے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے لیکن طفیل بن عیاضؓ کا موحد دل دوس کے دامن پر شرک کا ایک دھبہ بھی نہیں گوارا کر سکتا تھا اس لیے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ مجھ کو ذوالکفین گرانے کی اجازت مرحمت ہو آپ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ کچھ دو بیویوں کو لے کر گئے اور بت کدہ کو ڈھا کر بت میں آگ لگا دی اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

بأذا الکفین لست من عباد کا      میلادنا اقدم من ملاد کا

انی حششت النار فی فواد کا

”اے دو ہاتھوں والے بت! اب میں تیرے پرستاروں میں نہیں ہوں میری پیدائش تیری پیدائش سے قدیم ہے میں نے تیرے قلب میں آگ بھروی۔“

غزوہ طائف:

یہاں سے لوٹنے وقت دوس کے اور چار سو آدمی مع ساز و سامان کے ساتھ ہو گئے اور سب طائف میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ طائف کے ساتھ غزوہ طائف میں شریک ہوئے ان کا دستہ الگ تھا آنحضرت ﷺ نے پوچھا تمہارا علم کون اٹھائے گا طفیل بن عیاضؓ نے عرض کی نعمان بن باریہ مدتوں سے اس قبیلہ کے علمبردار ہیں اس موقع پر بھی وہی اٹھائیں گے آنحضرت ﷺ نے بھی یہ رائے پسند فرمائی۔<sup>۲</sup>

طائف کی واپسی کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مستقل طور سے رہنے لگے اور تا وفات نبوی (ﷺ) آپ کے قدموں سے جدا نہ ہوئے۔

فتنہ ارتداد میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور طلحہ و نجد کے فتنوں سے فراغت کے بعد یمامہ میں شریک ہوئے۔<sup>۱</sup> اور ۱۱ھ میں اسی میں جام شہادت پیا۔<sup>۲</sup>

اولاد:

اولاد میں صرف ایک لڑکے عمرو کا نام معلوم ہے، یہ بھی یمامہ کی جنگ میں شریک تھے اور یرموک کے معرکہ میں شہادت حاصل کی۔

### فضل و کمال:

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ: مذہبی علوم میں کوئی مرتبہ حاصل نہ کر سکے اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ابتدا میں مدینہ میں رہنے کے بجائے اپنے وطن میں اسلام کی دعوت کا فرض ادا کرتے رہے لیکن فضل و کمال کا یہ باب بھی کچھ کم نہیں کہ آپ کی کوششوں سے قبیلہ دوس مشرف باسلام ہوا البتہ شاعر کی حیثیت سے ممتاز تھے۔



۱. مستدرک جلد ۳ ص ۲۶۰

۲. استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۹

## حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ

### نام و نسب:

عقبہ نام ابو عمرو کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے عقبہ بن عامر بن عیس بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن مودود بن عدی بن غنم بن ربیعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جہنی۔  
حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب کوکبہ نبوی (ﷺ) مدینہ منتقل ہوا تو عقبہ رضی اللہ عنہ بکریاں چرا رہے تھے آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر بکریاں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مجھ سے بیعت لیجئے آنحضرت ﷺ نے پوچھا بیعت عربیہ کرنا چاہتے ہو یا بیعت ہجرت، کہا بیعت ہجرت، چنانچہ بیعت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گئے۔<sup>۱</sup>

### عہد خلفاء:

غزوات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا، عہد فاروقی میں شام کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے، دمشق کی فتح کا مژدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہی لائے تھے۔<sup>۲</sup> جنگ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے اور ان ہی کی حمایت میں لڑے، مصر پر تسلط کے بعد انہوں نے ان کو وہاں کا امیر الخراج بنایا اور نماز کی امامت کا منصب بھی عطا کیا۔<sup>۳</sup>

۳۷ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایما سے روڈس پر حملہ کیا، لیکن جنگ کے دوران میں معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ مسلمہ کا تقرر ہوا، معزولی کے بعد جنگ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔<sup>۴</sup>

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۳ ۲ ابن سعد جز ۴ قسم ۲ ص ۶۶ واصابہ تذکرہ ابن عامر رضی اللہ عنہ

۳ اصابہ جلد ۴ ص ۳۸۹ ۴ کتاب الولاۃ کندی ص ۳۷

۵ ابن سعد جز ۴ قسم ۲ تذکرہ ابن عامر رضی اللہ عنہ



## وفات:

زمانہ وفات کے بعد میں مختلف روایتیں ہیں۔ روایت صحیح ۵۱۹ میں وفات پائی۔

## فضل و کمال:

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عقبہ بن جراح ممتاز شخصیت رکھتے تھے قرآن حدیث فقہ فرائض اور شاعری سب میں امتیازی پایہ تھا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں 'عقبہ بن جراح فقیہ کتاب اللہ کے قاری فرائض کے ماہر فصیح اللسان شاعر اور بلند مرتبہ شخص تھے۔'

قرآن کی تلاوت سے خاص ذوق تھا اور بڑے ذوق و شوق سے اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے، بعض بعض صورتیں خود زبان وحی و الہام سے سیکھی تھیں ایک مرتبہ آنحضرت کے قدموں سے چپٹ گئے کہ یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے کو سورہ ہود و یوسف پڑھائیے، اس ذوق و شوق نے ان کو قرآن کا قاری بنا دیا تھا ایک قرآن انہوں نے خود مرتب کیا تھا اس کی ترتیب عثمانی مصحف سے مختلف تھی یہ نسخہ نویں صدی ہجری تک مصر میں موجود تھا اور اس کے اخیر میں عقبہ کے دست و قلم کی لکھی ہوئی یہ تحریر موجود تھی 'یہ قرآن عقبہ بن عامر نے اپنے ہاتھوں سے لکھا۔'

## حدیث:

احادیث نبوی ﷺ سے بھی تہی دامن نہ تھے ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۵ ہے ان میں سے ۷ متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں۔ گوان کے علم کے مقابلہ میں یہ تعداد بہت کم ہے، لیکن اکابر صحابہ تک بڑی بڑی مسافت طے کر کے ان سے استفادہ کے لیے آتے تھے، حضرت ابو ایوب بن جراح صرف ایک حدیث سننے کے لیے خاص طور پر مدینہ سے مصر آئے اور سن کر فوراً واپس گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے عقبہ سے خوش چینی کرتے تھے ان کے تلامذہ کی تعداد کافی تھی ان میں ابو امامہ بن جراح، قیس بن ابی حازم، زبیر بن اسلم، عقبہ بن عبد اللہ جہنی، ذہبی بن عامر، ربیع بن خراش، عبد الرحمن بن شامہ، علی بن

۱ تذکرۃ الخلفاء جلد اول ص ۳۶ ج ۲ تہذیب و تہذیب جلد ۷ ص ۲۶۳

۲ تہذیب و تہذیب جلد ۷ ص ۲۶۹ ج ۳ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۹

رباح قابل ذکر ہیں۔ فقہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔  
شاعری:

مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مروجہ علوم خطابت و شاعری میں بھی دخل  
تھا خود بھی خوش گو شاعر تھے۔  
اخلاق:

عقبہ جویشہ گو بلند پایہ صحابی تھے لیکن مذہبی ذمہ داری سے بہت گھبراتے تھے وہ  
اگرچہ ایک زمانہ میں مصر میں امامت کے عہدہ پر رہ چکے تھے لیکن پھر اس میں احتیاط کرنے  
لگے تھے ابو علی ہمدانی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں لوگوں نے درخواست کی کہ آپ  
آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں اس لیے آپ نماز پڑھائیے فرمایا نہیں! میں نے آنحضرت  
ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے امامت کی اور صحیح وقت پر پورے شرائط کے ساتھ نماز پڑھائی تو  
امام اور مقتدی دونوں کے لیے باعث اجر ہے اور اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی تو امام  
ماخوذ ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔  
حرمت رسول (ﷺ):

آقائے نامدار ﷺ کی خدمت گزاری ان کا خاص مشغلہ تھا چنانچہ سفر میں  
آنحضرت ﷺ کی سواری کھینچنے کی خدمت ان ہی کے متعلق ہوتی تھی کسان صاحب بغلہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشہداء۔

اس خدمت و رفاقت کے طفیل میں ان کو بڑے قیمتی دینی فوائد حاصل ہوتے تھے ان  
کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا میں سواری  
اقدس کھینچ رہا تھا آپ نے فرمایا عقبہ! میں تم کو دو بہترین سورتیں پڑھنے کے قابل بتاتا ہوں  
میں نے عرض کی ارشاد ہو فرمایا قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔  
احترام نبوی ﷺ:

ذات نبوی کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی سواری پر بیٹھنا بھی سزاوار

- ۱ تہذیب الکمال ص ۲۶۹ ج ۱ منہ احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۳۵  
۲ کتاب الولاۃ کندی ص ۴۷ ج ۱ منہ احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۳ ۵ ایضاً

سمجھتے تھے ایک مرتبہ سفر میں مفوضہ خدمت انجام دے رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے سواری بخدادی اور خود اتر کر فرمایا! عقباب تم سوار ہولو۔ عرض کی سبحان اللہ یا رسول اللہ! میں اور آپ کی سواری پر سوار ہوں! دو بارہ پھر آپ نے حکم دیا انہوں نے وہی عرض کی جب زیادہ اصرار بڑھا تو الامسہ فوق الادب کے خیال سے بیٹھ گئے اور سر کارِ دو عالم ﷺ ان کی جگہ سواری کھینچنے کی خدمت انجام دینے لگے۔

### عیب پوشی:

عیب پوشی عقبہ کا شیوہ تھا، کسی کی برائی کا اعلان کرتا بہت برا سمجھتے تھے ایک مرتبہ غلام نے آ کر عرض کی ہمارے ہمسائے شراب پیتے ہیں فرمایا جانے دو کسی پر ظاہر نہ کرنا اس نے کہا میں محتسب کو خبر دوں گا فرمایا بڑے افسوس کا مقام بنے جانے بھی دو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی کی عیب پوشی کی اس نے گویا مردہ کو زندہ کیا۔

سپاہیانہ فنون سے ذوق:

سپاہیانہ فنون سے بڑی دلچسپی تھی تیر اندازی سے بڑا ذوق تھا اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے ایک مرتبہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو بلا کر یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلہ میں تین اشخاص کو جنت میں داخل کرتا ہے اس کے بنانے والے کو خدا کی راہ میں اس کے لے جانے والے کو اور چلانے والے کو حضور نے یہ بھی فرمایا کہ تمام کھیلوں میں صرف تین کھیل جائز ہیں تیر اندازی، گھوڑے کی تادیب اور اپنی بیوی سے ہنسی دل لگی کرنا جس نے تیر اندازی سیکھ کر بھلا دی اس نے بڑی نعمت کھودی۔

اس دلچسپی کی بنا پر ان کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا چنانچہ وفات کے وقت ان کے پاس ستر کمانیں تھیں دوسرے لوازم اس کے علاوہ تھے یہ سارا ذخیرہ خدا کی راہ میں وقف کر گئے۔

سادگی:

عقبہ رضی اللہ عنہما کو فارغ البال تھے غلام بھی پاس تھا لیکن غایت سادگی کی بنا پر اپنا کام آپ کرتے تھے۔

## حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمیر نام ابو امیہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمیر بن وہب بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جح، ماں کا نام ام خلیلہ تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے ام خلیلہ بنت ہاشم بن سعید بن سہم قرشی۔

قبل اسلام:

عمیر رضی اللہ عنہ قریش کے سربرآوردہ اور بہادر لوگوں میں تھے، قبول اسلام کے پہلے اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی نکلے تھے، مگر اس غزوہ میں انہوں نے جنگ کو ٹالنے کی بڑی کوشش کی، ابن سعد کا بیان ہے "وقد کان حریصاً علی رد قریش عن رسول اللہ ﷺ بیدر" لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا کہ قریش سے انصار کی تذلیل کے لیے کہا کہ ان کے چہرے سانپوں کی طرح ہیں، جو پیاس سے بھی نہیں مرتے، ان کی یہ مجال کہ ہمارے مقابلہ میں آ کر بدلہ لیں، اس لیے ان روشن و تاباں چہرو والوں (قریش) کو ان سے تعارض نہ کرنا چاہیے، انصار نے جواب دیا، یہ خیال چھوڑ دو، اور اپنے قبیلہ کو جنگ پر آمادہ کرو، جب یہ تدبیر بھی ناکام رہی تو مجبوراً لڑنا پڑا۔ جس کا نتیجہ قریش کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کا لڑاکا وہب مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کا ارادہ قتل:

بدر کی شکست سے مشرکین کی آتش انتقام اور تیز ہو گئی اور وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے طرح طرح کے منصوبے سوچنے لگے، ایک دن عمیر اور سرخیل مشرکین صفوان بن امیہ

آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے صفوان نے کہا بدر کے مقتولین کے بعد زندگی بے مزہ ہو گئی عمیر نے کہا بالکل سچ ہے، واللہ لطف زندگی جاتا رہا، اگر مجھ پر قرض اور اہل و عیال کی پرورش کا بار نہ ہوتا تو میں محمد (ﷺ) کے قتل کی کوشش کرتا۔ صفوان یہ سن کر پھولا نہ سمایا، بولا یہ کون سی بڑی بات ہے تمہارے قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ لیتا ہوں اور جس طریقہ سے میں اپنے اہل و عیال کی پرورش کرتا ہوں اسی طرح تمہارے اہل و عیال کی پرورش بھی کروں گا اور عمیر کے لیے ضروری سامان سفر مہیا کر دیا، اس میں ایک سم آلود تلوار بھی تھی اور عمیر یہ ہدایت کر کے کہ ابھی کچھ دنوں میرے حالات پوشیدہ رکھنا مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی (ﷺ) کے دروازہ پر سواری کھڑی کر کے تلوار لیے ہوئے سیدھے آنحضرت (ﷺ) کی طرف چلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے وہ گھبرائے ہوئے آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یا رسول اللہ! عمیر کو کسی قیمت پر امان نہ دیجئے گا، فرمایا اچھا ان کو لے آؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند اشخاص کو آنحضرت (ﷺ) کی حفاظت کے لیے متعین کر کے خود عمیر کو لے چلے گئے، وہ تلوار لیے ہوئے داخل ہوا، اس وقت آنحضرت (ﷺ) نے عمر رضی اللہ عنہ کو بنا دیا، عمیر رضی اللہ عنہ نے سلام و ملیک کی جگہ "انعموا صباحا" جاہلیت کا سلام کہا، آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا اللہ عز و جل نے تمہارے طریقہ تجزیہ سے ہم کو مستغنی کر دیا اور ہمارا طریقہ تجزیہ سلام متعین کیا ہے، پھر پوچھا کیسے آتا ہوا؟ عمیر نے کہا اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے آخر تم بھی تو ہمارے ہی ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہو، آنحضرت (ﷺ) نے پوچھا، یہ تلوار کیسی گلے میں آویزاں ہے، کہا ان تلواروں کا برا ہے، یہ ہمارے کس کام آئیں، اترتے وقت گلے سے نکالنا بھول گیا تھا، اس لیے لنگی رہ گئی، پھر آنحضرت (ﷺ) نے پوچھا، سچ بتاؤ تم کس ارادہ سے آئے ہو، کہا صرف قیدیوں کو چھڑانے کے لیے، فرمایا تم نے صفوان سے کیا شرط کی تھی؟ اس سوال پر عمیر بہت گھبرائے اور کہا میں نے کیا شرط کی تھی، فرمایا ان ان شرائط کے ساتھ تم نے قتل کا وعدہ کیا تھا۔

اسلام:

یہ سنتے ہی حالت بدل گئی، جس زبان سے آنحضرت (ﷺ) کے قتل کا عہد کر کے آئے

تھے اسی زبان سے بے اختیار اشهد انک رسول اللہ و اشهد ان لا الہ الا اللہ نقل گیا۔  
قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور  
ان کے قیدی چھوڑ دو چنانچہ وہب کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔  
مکہ کی واپسی اور اشاعت اسلام:

مکہ میں صفوان نہایت بے چینی سے ان کے کام کا انتظار کر رہا تھا اور قریش سے  
کہتا پھرتا تھا کہ میں تم کو ایسی کامیابی کی خوشخبری سناتا ہوں جس کے بعد بدر کی شکست کا غم  
بھول جائے گا اور بر آنے جانے والے سے پوچھتا کہ مدینہ میں کوئی نیا واقعہ تو نہیں پیش آیا  
(یعنی آنحضرت ﷺ کا کام تمام تو نہیں ہوا) ایک دن بالکل خلاف توقع خبر سنی کہ جو شکار  
کرنے نکلا تھا وہ خود شکار ہو گیا، یعنی عمیر بن جوشمہ مسلمان ہو گئے اس خبر سے بہت سچ و تاب  
کھایا اور عہد کر لیا کہ اب کبھی عمیر سے نہ بولوں گا اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا تمام  
مشرکین نے عمیر بن جوشمہ کو اسلام پر اظہار ملامت کیا اس درمیان میں عمیر بن جوشمہ نے قرآن کی  
کچھ تعلیم حاصل کر لی اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، اگر اجازت ہو تو میں مکہ میں جا کر  
اشاعت اسلام کا فرض انجام دوں شاید خدا ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آپ نے منظور فرمایا  
اور عمیر بن جوشمہ نے مکہ میں آ کر بڑی سرگرمی سے تبلیغ شروع کر دی اور ان کی کوششوں سے  
بڑی تعداد اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئے۔  
ہجرت و غزوات:

مکہ میں عرصہ تک تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دیتے رہے پھر احد کے قبل ہجرت کر کے  
مدینہ آ گئے اور حد تبوک فتح مکہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے اور  
اپنی کموار کے جوہر دکھائے۔  
عہد خلفاء:

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مہمات امور میں

۱۔ اصابت ۵ ص ۳۶ و ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۳۲، ۱۳۷ ج ابن سعد جزو ۲ ق اص ۱۳۷

۲۔ اصابت جلد ۵ ص ۳۷ ج ابن سعد ق اص ۱۳۷، اصابت جلد ۵ ص ۳۷

برابر شریک رہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب عمرو بن العاصؓ نے مصر پر چڑھائی کی اور ابتدائی فتوحات کے بعد اسکندریہ کی تسخیر میں زیادہ دیر لگی، تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار امدادی فوج چار امرا کی سرکردگی میں بھیجی، ان میں ایک عمیرؓ بھی تھے۔ اور یہ ہدایات کر دیں تھی کہ حملہ کے وقت ان چاروں کو آگے آگے رکھنا، چنانچہ ان ہی چاروں کی کوششوں سے اسکندریہ کی مہم سر ہوئی، اسکندریہ کی فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ نے متفرق چھوٹے چھوٹے مقامات کی تسخیر کے لیے علیحدہ علیحدہ افراتعمین کیے تھے، اس سلسلہ میں عمیرؓ نے بہت سے مقامات فتح کیے، 'تینس'، 'دمیاط'، 'تو نہ'، 'میرہ'، 'شطا'، 'قلد' بنا اور بوسیر وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

### وفات:

حضرت عمرؓ کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی۔



## حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

زید نام، ابو عبد الرحمن کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، زید بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ قرشی عدوی۔

ماں کا نام اسماء تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے، اسماء بنت وہب بن حبیب اسدی، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بڑے تھے۔<sup>۱</sup>

اسلام و ہجرت:

گو ابتدا میں خطاب کا گھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختیوں کے باعث اسلام کی دشمنی سے تیرہ و تار ہو رہا تھا، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے اور مہاجرین کے پہلے قافلہ کے ساتھ ہجرت کی تھی، اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان میں اور معن بن عدی عجلانی رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرا دی۔<sup>۲</sup>

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا، پھر احد میں شریک ہوئے، غایت شجاعت نے زرہ سے بے نیاز کر دیا تھا، میدان جنگ میں ننگے بدن گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے بڑی محبت تھی، انہوں نے قسم دلا کر اپنی زرہ پہنا دی لیکن طالب شہادت کے لیے زرہ عارتھی، تھوڑی دیر پہن کر اتار دی اب عریاں سینہ دشمنوں کا ہدف تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سبب پوچھا، فرمایا تمہاری طرح مجھ کو بھی جام شہادت پینے کی تمنا ہے۔<sup>۳</sup>

احد کے بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے موت پر بیعت لینا شروع کی تو فدکارانہ جان بازوں کی فہرست میں نام لکھایا۔<sup>۴</sup> اس کے علاوہ خندق حنین اور

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۲۸، ۲۔ استیعاب جلد ۱ ص ۱۱۹، ۳۔ ابن سعد جز ۳ ص ۲۷۵، ۴۔ استیعاب جلد ۱ ص ۱۹۰



ادھاس وغیرہ میں بھی برابر شریک رہے۔

حجۃ الوداع میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے اسی موقع پر آپ نے ان سے یہ حدیث بیان فرمائی تھی کہ جو تم کھاتے پینتے بڑو یہ اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پیناؤ اور اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوں اور تم نہ معاف کر سکو تو فروخت کر ڈالو۔  
فتنہ رذہ اور شہادت:

عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کے احوال کے لیے مسلمانوں ساتھ نکلے اور متعدد سرکش بے دینوں کو واصل جہنم کیا۔

مشہور مرتد نہاد بن عقیقہ جس کے متعلق اس کے زمانہ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی ان ہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔<sup>۱</sup>

جنگ یمامہ میں اسلامی فوجی کی علمبرداری کا منصب سپرد ہوا بنو حنیفہ نے ایک مرتد اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے کچھ لوگ میدان جنگ سے بھاگ نکلے اس سے زید بن حنیفہ کا جوش اور بڑھ گیا انہوں نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہ ہلاؤں گا جب تک دشمنوں کا منہ نہ پھیر دوں یا خود لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں اور مسلمانوں کو لکارا کہ آ نکھیں بند کر کے دازحیں داب کر دشمنوں کے قلب میں گھس جاؤ۔ ایک طرف لوگوں کو ابھارتے تھے دوسری طرف زبان بارگاہ ایزدی میں معذرت میں مصروف تھی کہ ”خدا یا میں اپنے ساتھیوں کی پستی پر تیری بارگاہ میں معذرت خواہ ہوں“ اسی حالت میں علم بلایا اور دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے چستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت سالم بن حنیفہ نے تم سنبا! لوگوں نے کہا سالم! تمہاری علمبرداری سے شکست کا خطرہ ہے کہا اگر میرے سبب سے شکست ہو تو مجھ سے بدتر حال قرآن و ن ہوگا۔<sup>۲</sup>

حضرت عمر بن حنیفہ کا غم:

حضرت عمر بن حنیفہ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے ان کی شہادت سے بہت غم زدہ ہوئے اور

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۳ اس ۲۷۲ ۲ استیعاب ج ۱ ص ۱۹۰ ۳ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷۷۔

۴ ابن سعد جز ۳ ق ۳ اس ۲۷۲، مستدرک ح ۳ ص ۲۷۷۔

جب کبھی کوئی مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ سب سے بڑا داغ زید (رضی اللہ عنہ) کا تھا اس کو اٹھایا اور صبر کیا۔ اکثر فرمایا کرتے کہ باد صبا سے زید کی خوشبو آتی ہے اس سے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اسی زمانہ میں مشہور شاعر متمم بن نویرہ کا بھائی ایک معرکہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا، متمم اپنے بھائی کا عاشق و شیفہ تھا اس حادثہ نے اس کو ایسا وارفتہ کر دیا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا اس عالم میں اپنے بھائی کا ایسا رقت انگیز مرثیہ لکھا کہ سننے والے بے قرار ہو جاتے اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی آپ نے فرمایا تم کو اپنے بھائی کا کس قدر قلق ہے کہا ایک مرض کی وجہ سے ایک آنکھ کے آنسو خشک ہوئے تھے لیکن بھائی کے غم میں جب سے اشکبار ہوئی ہے آج تک نہ رکی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ رنج و الم کی آخری حد ہے کوئی جانے والے کا اتنا غم نہیں کرتا اس کے بعد فرمایا کہ خدا زید رضی اللہ عنہ کی مغفرت کرنے اگر میں شاعر ہوتا تو میں بھی ان کا مرثیہ کہتا متمم نے کہا امیر المومنین اگر آپ کے بھائی کی طرح میرا بھائی شہید ہوا ہوتا تو میں کبھی اشکباری نہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک گونہ تسلی ہو گئی۔ فرمایا کہ اس سے بہتر تعزیت کسی نے نہیں کی۔ لیکن بھائی کے ساتھ شدید تعلق قلب کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا جس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کی دلخراش خبر ملی تھی اس وقت بجائے نالہ و شیون کرنے کے فرمایا کہ میرے بھائی دو نیکیوں میں مجھ سے سبقت لے گئے مجھ سے پہلے اسلام لائے اور مجھ سے پہلے جام شہادت پیا۔

طیۃ:

یہ تھا قد بلند و بالا رنگ گندم گوں۔

ازواج:

آپ کے دو بیویاں تھیں الباہ اور جمیلہ الباہ سے عبدالرحمن تھے اور جمیلہ سے اسماء تھیں۔  
فضل و کمال:

آپ سے متعدد اشخاص نے حدیث روایت کی ہے۔

۱۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۷ ۲۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۷ ۳۔ ابن سعد ج ۳ ص ۲۵۵

۴۔ استیعاب ج ۱ ص ۱۹۱ ۵۔ حدیث مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۵۵

## حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

نام میں بہت اختلاف ہے؛ زیادہ مشہور اسلام اور ابورافع ہے، نبی شرف کے لیے یہ سند کافی ہے کہ آقائے دو عالم رضی اللہ عنہ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے اور حضور ﷺ نے یہ کہہ کر کہ اپنے خاندان میں شامل کر لیا تھا کہ مولی القوم من انفسہم۔<sup>۱</sup> اس مرتبہ کے بعد خاندانی اور نبوی عظمت کا کون درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

غلامی اور آزادی:

ابتدا میں ابورافع رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی مسرت پر آزاد کر دیا۔<sup>۲</sup>

اسلام:

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں ہیں جن کے دل پر نبوت کا پر جلال چہرہ ہی دیکھ کر اسلام کا نقش بیٹھ گیا، ان کے اسلام کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کام سے بھیجا، آپ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف ہو گیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اب میں واپس نہ جاؤں گا، آپ نے فرمایا میں قاصد کو نہیں روکتا اور عہد شکنی نہیں کرتا، اس وقت تم لوٹ جاؤ، اگر کچھ دنوں تک بدستور تمہارے دل میں اسلام کا جذبہ باقی رہا تو پھر چلے آنا، چنانچہ اس وقت تو یہ واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔<sup>۳</sup>

ابتلا و آزمائش:

لیکن بدر تک جابرہ قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا ایک دن چاہو مزرم

۱ ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۶۶ ح ۲ ابن سعد جز ۳ ص ۵۱

۲ ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۷۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸

کی چار دیواری میں بیٹھے تیر درست کر رہے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ابولہب آ گیا اور حجرہ کی طناب کے پاس بیٹھا، اس کے بعد ابوسفیان آئے، ابولہب ان سے بدر کے حالات دریافت کرنے لگا اس نے کہا کیا پوچھتے ہو مسلمانوں نے ہماری ساری قوت تباہ کر دی، بہتوں کو تہ تیغ کر ڈالا، کچھ لوگوں کو گرفتار کیا، اس سلسلہ میں ایک واقعہ عجیب و غریب بیان کیا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں آسمان سے زمین تک سفید پوش سوار بھرے ہوئے تھے، اس پر ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا فرشتے تھے، یہ سن کر ابولہب نے ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا، یہ سنہل کر لپٹ گئے، مگر کمزور تھے، اس لیے ابولہب نے پنگ دیا اور سینہ پر چڑھ کر جہاں تک مار سکا مارا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا، انہوں نے ایک ستون اٹھا کر اس زور سے مارا کہ اس کا سر کھل گیا اور بولیں اس کا آقا موجود نہیں اس لیے کمزور سمجھ کر مارتا ہے۔

ہجرت:

بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ مقیم ہوئے۔

غزوات:

بدر کے علاوہ احد، خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امارت میں یمن کی طرف جو سریہ بھیجا تھا، اس میں یہ بھی تھے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی عدم موجودگی میں سریہ کی نگرانی ان کے سپرد کی تھی۔

وفات:

آنحضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں وفات پائی۔

اولاد:

وفات کے وقت ۶ اولادیں تھیں، حسن، زینب، عبید اللہ، معتمر، مغیرہ اور سلمیٰ۔

۱ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۱ ج ایضاً ص ۵۲ ج مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸

۲ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۱ ج تہذیب المعجم جلد ۲ ص ۹۲

## فضل و کمال:

اسام نے غلاموں کی ہر قسم کی ترقی کے جو مواقع عطا کیے، ابورافع رضی اللہ عنہ اس کی بہترین مثال تھے۔ گو یہ غلام تھے لیکن فضل و کمال میں آزادوں کے بسمرتھے ان کی ۶۸ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ایک میں بخاری اور ۳ میں مسلم منفرد ہیں۔  
 آزادی کے بعد بھی آستانہ نبوی ﷺ کی خدمت گزاری کا فخر نہ چھوٹا، اس لیے ان کو معمولات نبوی ﷺ کے متعلق بہت معلومات تھے اور ان کے بارہ میں اکابر صحابہؓ ان سے استفادہ کرتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک مرتبہ کتاب لے کر آتے تھے اور سوال کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں دن کیا کیا کیا۔ یہ بیان کرتے جاتے تھے اور کتاب قلم بند کرتا جاتا۔

تلامذہ:

ان کے سرچشمہ فضل و کمال سے سیراب ہونے والوں کا دائرہ خاصہ وسیع تھا چنانچہ ان کے لڑکوں میں حسن رافع، عبید اللہ، معتمر، پوتوں میں حسن، صالح اور عام لوگوں میں عطاء بن یسار، ابو عطفان بن طریف، ابوسعید مقبریٰ اور سلیمان بن یسار ان کے خوشہ چینیوں میں تھے۔

عام حالات:

آنحضرت ﷺ نے اگرچہ ابورافع کو آزاد کر دیا تھا، مگر وہ بدستور آپ کی غلامی میں گرفتار رہے، آزادی کے وقت آنکھیں بے اختیار اٹکلبار ہو گئے، لوگوں نے کہا آزادی میں رونے کا کیا موقع ہے، کہا آج سے ایک اجر جاتا رہا۔ اس کے بعد اگرچہ قانوناً آزاد ہو گئے تھے، لیکن خدمت گزاری کا شرف نہیں چھوڑا، چنانچہ سفر وغیرہ میں خیمہ بستی نصب کرتے تھے۔ آقائے دو عالم ﷺ کے ساتھ غلامی کی نسبت بہت محبوب تھی، ہمیشہ اپنے کو آنحضرت ﷺ کا غلام کہتے تھے، عمرو بن سعید بن عاص مدینہ کی امارت کے زمانہ میں اپنا غلام کہلانا چاہا، لیکن یہ باہر انکار کرتے رہے، تا آنکہ سعید نے ۵۰۰ کوزے لگا کر زبردستی اپنا غلام کہلایا۔

۱ تہذیب الکمال ص ۳۹۹ ۲ اصحابہ جلد ۳ ص ۹۲ ۳ تہذیب التہذیب حوالہ مذکور

۴ مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۳۳ ۵ مسلم ج اول ص ۵۰۲ ۶ تہذیب التہذیب حوالہ مذکور

## حضرت سعید بن عامر بن خدیم رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سعید نام سلسلہء نسب یہ ہے سعید بن عامر بن خدیم بن سلمان بن ربیعہ بن سعد ابن جمح بن عمرو بن ہبصیص بن کعب ماں کا نام اروی تھا، ناہالی سلسلہء نسب یہ ہے اروی بنت ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔  
اسلام و ہجرت:

غزوہ خیبر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے اول غزوہ خیبر میں شریک پھر تمام لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔  
جنگ یرموک:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے یرموک کی مہم کے لیے مرید اداوی فوج طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ روانہ کیا اس مہم میں انہوں نے بڑے نمایاں کارنامے دکھائے۔  
حمص کی گورنری:

عیاش بن خنم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ ابن عامر کو حمص کی گورنری پر مامور کیا، ان کے عہد حکومت میں کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ سعید پر جنون کا اثر رہتا ہے آپ نے ان کو تحقیق کے لیے طلب کیا، اس طلب پر حمص کا والی اس سرو

سامان سے آیا کہ ہاتھ میں ایک عصا تھا اور کھانے کے لیے ایک پیالہ حضرت عمرؓ نے پوچھا بس اسی قدر سامان ہے عرض کی اس سے زیادہ اور کس چیز کی ضرورت ہے پیالہ میں کھانا ہوں اور عصا پر زاد راہ لٹکا تا ہوں پوچھا میں نے سنا ہے تم پر جنون کا اثر ہے ابن عامرؓ نے اس سے انکار کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر مجھ کو کیسے اطلاع ملی کہ تم پر غشی کے دورے ہوتے ہیں؟ کہا ہاں سچ ہے اس کا سبب یہ ہے کہ خیب بن عدی کے مصلوب ہوتے وقت میں بھی موجود تھا اور وہ اس حالت میں قریش کے لیے بد دعا کرتے تھے اور چونکہ میں بھی قریشی ہوں اس لیے جب یہ منظر سامنے آتا ہے تو غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس تحقیقات کے بعد حضرت عمرؓ نے واپس کرنا چاہا ابن عامرؓ نے جانے سے انکار کیا مگر حضرت عمرؓ نے مجبور کر کے واپس کیا۔

### وفات:

سز وفات میں اختلاف ہے بعض ۱۹ھ اور بعض ۲۱ھ بتاتے ہیں وفات کے وقت

چالیس سال کی عمر تھی۔

### فقر و درویشی:

ابن عامرؓ کو کا زہد و تقویٰ درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا حمص کی گورنری کے زمانہ میں اس فقیرانہ شان سے رہتے تھے کہ ان میں اور عام مساکین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا حضرت عمرؓ جب حمص گئے تو وہاں کے فقراء کے معاش کا انتظام کرنے کے لیے ان کی فہرست طلب کی فہرست تیار ہو کر آئی تو منجملہ اور ناموں میں ایک نام سعید بن عامر بھی تھا حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ سعید بن عامر کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا امیر المؤمنین ہمارے اور آپ کے امیر آپ نے حیرت سے پوچھا کہ تمہارا امیر اور فقیر! وظیفہ کا کیا کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا اس کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے حضرت عمرؓ یہ زہد و ورع سن کر رونے لگے اور فوراً ایک ہزار دینار کی تمہیلی ابن عامرؓ کے پاس بھیجی کہ اس کو اپنی ضروریات میں صرف کریں سعید نے اس کو دیکھتے ہی انسا للہ و انسا الیہ راجعون پڑھا بیوی نے پوچھا خیریت ہے کیا امیر المؤمنین

کو خدا نخواستہ کوئی گزند پہنچا، فرمایا اس سے زیادہ اہم حادثہ ہے بیوی نے کہا کیا قیامت آگئی، فرمایا قیامت سے بھی زیادہ خطرناک، انہوں نے کہا آخر معاملہ کیا ہے؟ فرمایا، دنیا فتنوں کو لے کر میرے پاس آئی ہے، وہ بولیں پھر کوئی مذاکرہ کر دو، انہوں نے یہ مذاکرہ کیا کہ پوری رقم ایک تو بڑے میں ڈال دی اور ساری رات نماز پڑھتے رہے، صبح کو جب اسلامی لشکر ادھر سے گزرا تو کل روپیہ اٹھا کر اس کی ضروریات کے لیے دے دیا۔<sup>۱</sup>

محکوم کی ہمدردی:

محکوموں کی ہمدردی و غمخواری آپ کا نمایاں وصف تھا، جہاں حاکم رہے وہاں کی رعایا آپ کی ہمدردی کی گرویدہ رہی، شام کی رعایا آپ سے بہت خوش رہتی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ شام والے تم سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں کہا میں ان کی گلہ بانی کے ساتھ ان کی غمخواری بھی کرتا ہوں، آپ نے خوش ہو کر دس ہزار کی گراں قدر رقم ان کو دینا چاہی، انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میرے گھوڑوں اور غلاموں کی آمدنی میرے لیے کافی ہے، میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا کام فی سبیل اللہ کروں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ اس کو لے لو واپس نہ کرو، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کچھ مال دیا تھا، میں نے بھی تمہاری طرح یہی جواب دے کر واپس کرنا چاہا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کے خدا دے تو اس کو لے لیا کرو کہ وہ اس کا عطیہ ہے۔<sup>۲</sup>





## حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عقیل نام ابو یزید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف القرشی البہاشمی ماں کا نام فاطمہ تھا، آپ حضرت علیؑ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے۔

بدر میں گرفتاری:

عقیل جوڑہ کا مال ابتدا سے اسلام کی طرف مائل تھا، لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے علیؑ اعلان اسلام نہیں قبول کر سکتے تھے چنانچہ بدر میں بادل ناخواستہ مشرکین کے ساتھ شریک ہوئے اور جب ان کو شکست ہوئی تو دوسرے مشرکین کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ دیکھو میرے گھرانے والوں میں کون کون لوگ گرفتار ہوئے، آپ نے تحقیقات کر کے عرض کیا کہ نوفل، عباس اور عقیل گرفتار ہوئے ہیں یہ سن کر آنحضرتؐ خود پہ نفس نفیس تشریف لائے اور عقیل کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابو جہل قتل ہو گیا، عقیل بولے اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم باقی نہیں رہا عقیل کے ہاتھ مال و دوات سے خالی تھے اس لیے حضرت عباسؓ نے اپنی جیب سے ان کا فدیہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔

اسلام و ہجرت اور غزوات:

آزاد ہونے کے بعد مکہ واپس گئے اور ۸ھ میں باقاعدہ اسلام لاکر ہجرت کا شرف حاصل کیا اور غزوہ موتہ میں شریک ہو کر پھر مکہ واپس گئے وہاں جا کر بیمار پڑ گئے اس لیے فتح مکہ مخالف اور حنین میں شہرت سے معذور رہے۔<sup>۱</sup> لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حنین میں شریک ہوئے بلکہ جب مسلمانوں کو ابتدا میں شکست ہوئی اور مہاجرین و انصار کے پاؤں

اکڑے گئے تو اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے۔  
عہد مرتضوی:

خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا، حنین کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے اختلافات کے زمانہ میں نظر آتے ہیں، یہ گو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے لیکن اپنی ضروریات کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے تعلقات رکھتے تھے اور مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ عقیل مفلس، مقروض اور روپیہ کے حاجت مند تھے اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے یہاں یہ شے عنقا تھی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خزانہ ہر شخص کے لیے کھلا ہوا تھا اس لیے افلاس و ناداری نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا تھا امیر معاویہ کے پاس جانے سے پہلے ایک مرتبہ قرض کی ادائیگی کی فکر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی گئے تھے انہوں نے بڑی پذیرائی کی۔ حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے لا کر کپڑے بدلانے شام کو دسترخوان بچھا تو صرف روٹی، نمک اور ترکاری آئی، عقیل رضی اللہ عنہ نے کہا بس یہی سامان ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ عقیل نے مطلب بیان کیا کہ میرا قرض ادا کر دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کس قدر ہے، کہا ۴۰ ہزار۔ آپ نے جواب دیا، میرے پاس اتنا روپیہ کہاں تھوڑا صبر کیجئے، جب چار ہزار میرا وظیفہ ملے گا تو آپ کو دے دوں گا، عقیل نے کہا تم کو کیا، شواری! بیت المال تمہارے ہاتھ میں ہے، مجھ کو وظیفہ کے انتظار میں کب تک رکھو گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مسلمانوں کا امین ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ خیانت کر کے ان کا مال آپ کے حوالہ کر دوں یہ جواب سن کر عقیل چلے گئے اور امیر معاویہ کے پاس پہنچے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے علی اور ان کے ساتھیوں کو کیسا پایا، جواب دیا، وہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح صحابی ہیں، بس صرف اس قدر کمی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں نہیں ہیں اور تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک ابو سفیان (رضی اللہ عنہ) کے حواریوں کی طرح ہو، مگر اس موازنہ کے بعد بھی دوسرے دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربار میں انہیں بلوا کر پچاس ہزار درہم دلوائے۔

عقیل رضی اللہ عنہ کے شام جانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے ان کو مثال میں پیش کر کے ان کو اپنی حمایت پر آمادہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر میں حق پر نہ ہوتا تو علی کے بھائی ان کو چھوڑ کر میرا ساتھ کیوں دیتے؟ ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے یہی دلیل پیش کر رہے تھے عقیل رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے جواب دیا کہ میرا بھائی دین کے لیے بہتر ہے اور تم دنیا کے لیے یہ دوسری بات ہے کہ میں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی رہا آخرت کا معاملہ تو اس کے لیے خدا سے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر نہد یا یزید کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔

اہل و عیال:

عقیل رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں ان بیویوں اور اولادوں کے

نام یہ ہیں:

اولاد	بیوی
یزید، سعید	ام سعید
علی، محمد، رملہ	خلیلہ
جعفر اکبر، ابوسعید احوں	ام بنین
	ام ولد
مسلم، عبداللہ، عبدالرحمن، عبداللہ الاصغر	اسماء بنت سفیان

ان کے علاوہ جعفر اصغر، عثمان، ام ہانی، اسماء، فاطمہ، ام قاسم، زینب اور ام نعمان وغیرہ

مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھیں۔

ذریعہ معاش:

آنحضرت ﷺ نے خیبر کی پیداوار سے ڈیڑھ سو سو ق سالانہ مقرر فرمایا تھا۔

۱۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۳ ۲۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۶۵۵ ۳۔ ابن سعد جز ۲ ص ۱۲۹۔

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۲

استعداد علمی:

ہجرت کے بعد پھر مکہ لوٹ گئے تھے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے اس لیے صحبت نبوی سے فیضیاب ہونے کا بہت کم موقع ملا اسی لیے رسول اللہ ﷺ کے عزیز ہونے کی حیثیت سے علم میں ان کا جو پایہ ہونا چاہیے تھا وہ نہ پیدا ہو سکا تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی دو چار روایتیں موجود ہیں۔ محمد، حسن بصری اور عطاء آپ کے زمرہ رواۃ میں ہیں۔

مذہبی علوم کے علاوہ علوم جاہلی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے چنانچہ علم الانساب کے جو عربوں کا خاص علم تھا بڑے ماہر تھے ایام عرب کے کی داستانیں بھی ان کو ازابرتھیں اور ان علوم میں لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے چنانچہ مسجد نبوی ﷺ میں نماز کے بعد یہ بیٹھتے تھے اور لوگ ان سے مستفید ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی محبت:

آنحضرت ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ ابو زید مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے ایک قرابت کے سبب سے دوسری اس وجہ سے کہ میرے چچا تم کو محبوب رکھتے تھے۔

پابندی سنت:

عقیل شادی و مسرت کے موقعوں پر بھی جبکہ لوگ عموماً کچھ نہ کچھ بے اعتدالی کر جاتے ہیں مسنون طریقوں کا لحاظ رکھتے تھے ایک مرتبہ نئی شادی کی صبح کو احباب مبارک باد دینے آئے اور عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان الفاظ میں تہنیت پیش کی کہ "بالرفاء والبنین" اگرچہ ان الفاظ میں کوئی خاص قباحت نہیں تھی لیکن چونکہ مسنون طریقہ تہنیت موجود تھا اس لیے کہا کہ یہ نہ کہو بلکہ "بارک اللہ لکم و بارک اللہ علیکم" کہو کہ ہم کو اسی کا حکم ملا ہے۔

۱. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۷۶

۲. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۷۶

۳. تہذیب الکمال ص ۲۷۰

## حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

نوفل نام ابو حارث کنیت، نسب نامہ یہ ہے، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف بن قصی قرشی ہاشمی، ماں کا نام غزیہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، غزیہ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزی بن عامر بن عمیر بن دویعہ بن حارث بن فہر۔ نوفل آنحضرت ﷺ کے بیچا زاد بھائی تھے۔

بدر:

دعوت اسلام کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے عزیز قریب بھی آپ کے دشمن ہو گئے، لیکن نوفل کے خون میں ہمیشہ یکساں برادرانہ محبت قائم رہی، چنانچہ حالت شرک میں بھی آپ سے مقابلہ کرنا پسند نہ کرتے تھے، بدر میں جب طوعاً و کرہاً مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، اس وقت یہ پر خلوص اشعار ورد زبان تھے۔

حرام علی حرب احمد انسی      اری احمد امنی قرینا او اصرہ  
مجھ پر احمد (ﷺ) سے جنگ کرنا حرام ہے      وہ میرے قریب عزیز ہیں۔

اسلام:

بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، 'نوفل فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ،' عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں، فرمایا جدہ والے نیزے فدیہ میں دے دو، اس کے جواب میں انہوں نے رسالت کا اعتراف کیا اور ہزار نیزے فدیہ میں پیش کیے اور ذیل کے اشعار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

الیکم الیکم اننی لست منکم تبرات من دین الشیوخ الاکابر  
 ”دور ہو دور ہو“ میں تمہاری جماعت میں نہیں ہوں“ میں قریش کے بڑے  
 بوڑھوں کے دین میں سے بیزار ہوں“۔

شہدت علی ان النبی محمد اتی بالہدی من ربہ والبصائر  
 ”میں نے شہادت دی ہے کہ محمد (ﷺ) نبی ہیں اور خدا کی جانب سے وہ  
 ہدایت اور بصیرت لائے ہیں“۔

وان رسول اللہ یدعوا الی التقی وان رسول اللہ لیس لشاعر  
 ”اور رسول اللہ (ﷺ) تقویٰ کی طرف بلا تے ہیں اور رسول اللہ (ﷺ) شاعر  
 نہیں ہیں“۔

علی ذلک احی ثم لبث موقنا واثوی علیہ مینافی المقابر  
 ”میں اسی پر زندہ رہوں گا اور اسی پر میں قبر میں موت کی حالت میں سوؤں گا اور پھر  
 اسی پر قیامت کے دن اٹھوں گا“۔

اسلام کے بعد پھر مکہ واپس چلے گئے غزوہ خندق یا فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت  
 عباس (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مدینہ کے قصد سے روانہ ہوئے ابواء پہنچ کر ربیعہ بن حارث بن  
 عبدالمطلب نے لوٹنے کا ارادہ کیا، نوفل (رضی اللہ عنہ) نے کہا، اس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو  
 جہاں کے آدمی رسول اللہ (ﷺ) سے لڑتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں اب خدا نے رسول اللہ  
 (ﷺ) کو عزت دی ہے اور ان کے ساتھی بھی زیادہ ہو گئے ہیں ہمارے ساتھ چلے چلو چنانچہ یہ  
 قافلہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا۔

نوفل اور عباس (رضی اللہ عنہ) میں قدیم تعلقات تھے اس لیے آنحضرت (ﷺ) نے ان دونوں  
 میں مواخات کرا دی اور قیام کے لیے دو مکان مرحمت فرمائے ایک مکان رجبۃ القضا میں مسجد  
 نبوی (ﷺ) کے متصل تھا اور دوسرا بازار میں شیبۃ الوداع کے راستہ پر۔<sup>۲</sup>

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے فتح مکہ میں شریک ہوئے پھر طائف و حنین وغیرہ میں داد شجاعت دی، خصوصاً حنین میں نہایت شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا اور اس وقت بھی جب مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیب ہو گئے ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اس غزوہ میں انہوں نے مسلمانوں کی بڑی گراں قدر مدد کی تھی ۳ ہزار نیزے آحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیے، آپ نے مدیہ فرمایا ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نیزے مشرکوں کی پیٹھ توڑ رہے ہیں۔“

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے ایک سال ۳ ماہ بعد مدینہ میں وفات پائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا۔

اولاد:

وفات کے بعد متعدد اولادیں چھوڑیں، عبداللہ، عبدالرحمن، ربیعہ، سعید، مغیرہ۔ نوفل رضی اللہ عنہ کی اولاد مدینہ، بصرہ اور بغداد میں بکثرت پھیلی۔ عبداللہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ کے قاضی اور سعید فقیہ تھے۔

عام حالات:

آحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے ان کو شادی کی ضرورت ہوئی تو آحضرت ﷺ نے ایک عورت سے شادی کرادی، ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا، آحضرت ﷺ نے ابورافع اور ابویوب رضی اللہ عنہما کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی اور اس کے بدلے میں صاع جو لے کر عطا کی۔



## حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما

نام و نسب:

فضل نام ابو محمد کنیت ”ہمراکب رسول“ لقب سلسلہ نسب یہ ہے، فضل ابن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی ماں کا نام لبا بہ تھا، آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔

اسلام:

ہجر کے قبل مشرف باسلام ہوئے۔ اس زمانہ میں ان کا پورا گھر اسلام سے منور ہو چکا تھا، لیکن مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔<sup>۱</sup>

ہجرت:

فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہجرت کی۔

غزوات:

ہجرت کے بعد غزوہ فتح ہوا یہ سب سے پہلے اس غزوہ میں فضل جوڑا شریک ہوئے۔ اس کے بعد حنین کا معرکہ پیش آیا اس میں غیر معمولی جان فروشی دکھائی اور مسلمانوں کی ابتدائی شکست میں جب فوج کا بڑا حصہ منتشر ہو گیا ان کے پائے استقلال میں اغزش و آئی اور بدستور پیکر اقدس کے ساتھ بنے رہے۔<sup>۲</sup>

پھر جیہ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس شان سے نکلے کہ آپ کی سواری پر سوار تھے اسی دن سے ”ردیف رسول“ یعنی ”ہمراکب رسول“ لقب ہو گیا اسی درمیان میں قبیلہ قحطیہ کی ایک نوجوان اور خوبصورت عورت حج کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے آئی حج میں مزہ نہ چھپانا

۱۔ ابن سعد جز ۲ ق ۱ ص ۳۷۰، ابن سعد جز ۲ ق ۱ ص ۳۷۰، ابن سعد جز ۲ ق ۱ ص ۳۷۰



عورتوں کے لیے درست نہیں اس لیے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، فضل رضی اللہ عنہ بھی نہایت خوش رو تھے وہ ان کی طرف گھورنے لگی اور یہ بھی دیکھنے لگی، آنحضرت ﷺ بار بار ان کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیتے تھے مگر یہ پھر اس کی طرف رخ کر دیتے آخر میں آپ نے فرمایا ”برادر عزیز! آج کے دن جو شخص آنکھ، کان اور زبان پر قابو رکھے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“  
 ری جمار کے وقت آنحضرت ﷺ کی پشت پر چادر آڑ کیے ہوئے سایہ کیے کھڑے تھے۔  
آخری سعادت:

فضل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی آخری خدمت کی سعادت بھی حاصل کی آپ نے مرض الموت میں جو آخری خطبہ دیا تھا اس کے لیے جن دو سعادت مندوں کے سہارے زانخانہ سے باہر تشریف لائے تھے ان میں سے ایک حضرت فضل رضی اللہ عنہ تھے اور ان ہی کے ذریعہ سے مسلمانوں میں خطبہ دینے کا اعلان کرایا تھا۔ سب سے آخری سعادت جسد اطہر کے غسل کی حاصل ہوئی، چنانچہ جن لوگوں نے آپ کو غسل دیا تھا ان میں ایک فضل رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ پانی ڈالتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہلاتے تھے۔  
وفات:

آپ کی وفات کے بارہ مختلف روایتیں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ شام میں طاعون عمواس میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ اجنادین کے معرکہ میں شہید ہوئے، دوسری روایت زیادہ مستند ہے، امام بخاری نے بھی اسی پر اجماع کیا ہے۔  
حلیہ:

نہایت حسین و جمیل تھے۔<sup>۱</sup>

اہل و عیال:

اولاد میں صرف ام مکتوم تھیں، جن کے ساتھ بعد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے شادی کی

۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۷۳ تموزے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری کتاب العمرہ باب حج المرأة میں بھی

مذکور ہے۔ ۲ ابوداؤد ج ۱ ص ۹۶ ۳ اصابہ ج ۵ ص ۲۱۲

۴ استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۵ ۵ اصابہ ج ۵ ص ۲۱۲ ۶ ایضاً

اور ان کے طلاق کے بعد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے عقد میں آئیں۔

فضل و کمال:

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے ۲۴ حدیثیں مروی ہیں، ان میں ۳ متفق علیہ ہیں۔ ۱۲ کابر صحابہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور عام لوگوں میں کریم، قثم بن عباس، عبید اللہ بن ربیعہ بن حارث، عمیر، ابو سعید، سلیمان بن یسار، شععی، عطاء بن ابی رباح وغیرہ نے روایتیں کی ہیں۔



۱ استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۵

۲ تہذیب الکمال ص ۳۰۹

۳ تہذیب الکمال ج ۳ ص ۲۸۰

## حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

طلیب نام ابو عدی کنت سلسلہ نسب یہ ہے طلیب بن عمیر بن وہب بن عبد بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی عبدی آپ کی ماں اروی عبدالمطلب کی لڑکی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

اسلام:

آنحضرت ﷺ کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے بعد دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے قبول اسلام کے بعد گھر آئے اور ماں سے کہا ”میں خلوص دل سے اسلام لا کر محمد ﷺ کا پیرو ہو گیا ہوں“ ان نیک خاتون نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی غیروں سے زیادہ تمہاری مدد کے مستحق ہیں اگر مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو ان کو کفار کی دراز دستیوں سے بچاتی ماں کے اس شریفانہ جذبات کو سن کر کہا کہ پھر آپ کو اسلام لانے سے کیا چیز روکتی ہے آپ کے بھائی حمزہ (رضی اللہ عنہ) بھی اسلام لائے ہیں بولیں مجھ کو اپنی بہنوں کا انتظار ہے کہ وہ کیا کرتی ہیں ان کے بعد میں بھی ان کی پیروی کروں گی طلیب رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں آپ محمد کے پاس چلیے اور ان کی رسالت اور خدا کی توحید کا اقرار کیجیے۔

ماں کا اسلام:

ان خاتون کا دل شروع سے آنحضرت ﷺ کی جانب مائل تھا اس لیے اس اصرار پر انکار کی ہمت نہ ہوئی اور اسی وقت کلمہ توحید زبان پر جاری ہو گیا۔

اروی عورت تھیں مگر اسلام کے بعد مردانہ ہمت و استقلال کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی امکانی مدد کرتی رہیں نساہت کی وجہ سے عملی امداد سے تو مجبور تھیں مگر زبان سے جو کچھ بن

پڑتا تھا، کہتی تھیں اور اپنے فرزند کو آنحضرت ﷺ کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتی تھیں۔  
آنحضرت ﷺ کی مدد:

ابتدائے اسلام میں جب آنحضرت ﷺ پر ظلم و ستم کی بدلیاں گرج گرج کر برستی تھیں، طلبہ جناب: آنحضرت ﷺ کی حمایت کرتے تھے، مشرکین نے حضور انور ﷺ کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شیوہ بنا لیا تھا، ایک مرتبہ عوف بن صبرہ سہمی آپ کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کر رہا تھا، طلبہ جناب: نے اس کو اونٹ کی ہڈی سے مار کر زخمی کر دیا تھا، لوگوں نے ان کی ماں سے شکایت کی، ان نیک خاتون نے جواب دیا۔<sup>۱</sup>

ان طلیانضر ابن خالہ و اساف فی دمہ و مالہ  
”طلبہ نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور اس کے مال کی غمخواری کی۔“

ایک مرتبہ ابولہب بن عزیز دارمی کو قریش نے آنحضرت ﷺ کے مارنے پر آمادہ کیا، مگر قبل اس کے کہ وہ یہ ناپاک ارادہ پورا کرتا، حضرت طلبہ جناب: سے ملاقات ہو گئی، آپ نے اس کے ارادہ فاسد کو اسی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔

مشرکین کا سرغنہ ابولہب جو مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے آگے رہتا تھا، ان کا حقیقی ماموں تھا، جب اس نے مسلمانوں کو قید کیا تو طلبہ جناب: نے اس کو مارنے میں بھی دریغ نہ کیا، اس جرأت پر مشرکین نے ان کو باندھ دیا، لیکن ابولہب کے بھانجے تھے، اس لیے اس نے خود چھوڑ دیا اور اپنی بہن سے شکایت کی، انہوں نے جواب دیا کہ طلبہ جناب: (جناب: کی زندگی کا بہترین دن وہی ہے، جس میں وہ محمد ﷺ کی مدد کریں۔<sup>۲</sup>

ہجرت و مواخات:

کفار مکہ کے ظلم و ستم کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، اس لیے ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے

۱۔ متدرک، جلد ۳ ص ۲۳۹

۲۔ اسابن ۳ ص ۲۹۵

۳۔ اسابن ۳ ص ۲۹۵

گئے وہاں سے مدینہ آئے اور عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔<sup>۱</sup>  
بدر:

جس شخص نے ظلم و ستم کی گھنٹوں میں رسول اللہ ﷺ کی علانیہ مدد کی وہ آزادی ملنے کے بعد کب خاموش رہ سکتا تھا اس لیے مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے معرکہ بدرِ عظمیٰ میں شریک ہو کر حق شجاعت ادا کیا۔<sup>۲</sup>

### وفات:

بدر کے بعد سے وفات تک کے حالات پردہ میں ہیں، لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی بھر جہاد میں شریک ہوتے رہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں اجنادین کی جنگ میں جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں شہادت پائی، وفات کے وقت کل ۳۵ سال کی عمر تھی، اولاد کوئی نہ تھی۔<sup>۳</sup>



۱ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۸۷

۲ استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۶

۳ ابن سعد جلد ۳ ص ۸۷ قسم اول

## حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ثوبان نام ابو عبد اللہ کنیت، خاندانی تعلق یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھا، غلام تھے، آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا، اور فرمایا دل چاہے اپنے خاندان والوں کے پاس چلے جاؤ اور دل چاہے میرے ساتھ رہو، میرے ساتھ رہو گے تو اہل بیت میں شمار ہوگا، انہوں نے خدمت نبوی ﷺ کی حاضری کو اہل خاندان پر ترجیح دی اور زندگی بھر خلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہے۔

آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد تک مدینہ ہی میں رہے، لیکن آقا کے سانحہ رحلت نے گلشن مدینہ کو خار بنا دیا، اس لیے یہاں کا قیام چھوڑ کر مدینہ (شام) میں اقامت اختیار کر لی اور مصر کی فتوحات میں شریک ہوتے رہے پھر مدینہ سے منتقل ہو کر حمص میں گھر بنا لیا، اور یہیں ۵۳ھ میں وفات پائی۔

فضل و کمال:

ثوبان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے اور ان کو خلوت و جلوت ہر وقت ساتھ رہنے کا موقع ملتا تھا، اس لیے قدرۃً وہ علوم نبوی ﷺ سے زیادہ بہرہ ور ہوئے، چنانچہ ان سے ۱۲۷ حدیثیں مروی ہیں، وہ حفظ حدیث کے ساتھ اس کی اشاعت کا فرض بھی ادا کرتے تھے، علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ثوبان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حدیثیں حفظ کیں اور اس کے ساتھ ان کی اشاعت بھی کی۔

آپ کے حفظ حدیث کی بنا پر لوگ آپ سے حدیثیں سنتے تھے، ایک مرتبہ لوگوں نے حدیث سننے کی خواہش کی، آپ نے فرمایا جو مسلمان خدا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا

۱۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۳۹، مستدرک حاکم جلد ۵ ص ۳۸۱

۲۔ استیعاب ج ۱ ص ۸۱۔ وفات کا ذکر مستدرک میں ہے۔ ۳۔ ایضاً

ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔<sup>۱</sup>

محدثین دوسروں سے سنی ہوئی حدیثوں کی تصدیق ان سے چاہتے تھے معدان بن طلحہ نے جو بلند پایہ محدث تھے حضرت ابو درداءؓ سے ایک حدیث سنی تو ثوبانؓ سے اس کی تصدیق کی۔<sup>۲</sup> آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جو جماعت صاحب علم و افتاء تھی اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔<sup>۳</sup>

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، معدان بن طلحہ، راشد بن سعد، جبیر بن نفیر، عبدالرحمن بن غنم، ابو ادریس خولانی، آپ کے خوش چینیوں میں تھے۔<sup>۴</sup>

اخلاق و عادات:

ان کو احترام نبوی میں اتنا غلو تھا کہ غیر مسلموں سے بھی کوئی لفظ ایسا نہیں سن سکتے تھے جس سے ذرا بھی نبوت کے احترام کو صدمہ پہنچتا ہو، ایک مرتبہ ایک یہودی عام نے آ کر السلام علیک یا محمد (ﷺ)! کہا ثوبانؓ بگڑ گئے اور اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا، اس نے سنبھل کر اس برہمی کا سبب پوچھا، بولے تو نے یا رسول اللہ کیوں نہ کہا وہ بولا، اس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے ان کا خاندانی نام لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں میرا خاندانی نام محمد (ﷺ) ہے۔<sup>۵</sup>

نبوت کا احترام تو بڑی چیز ہے، ثوبانؓ آپ کے ساتھ اپنی غلامی کی نسبت کا بھی احترام کرتے تھے، اگر کوئی شخص اس میں ذرا کمی کرتا تو متنبہ کرتے تھے، حمص کے قیام کے زمانہ میں بیمار ہوئے یہاں کا والی عبداللہ بن قرظ ازدی عیادت کرنے نہیں آیا، آپ نے اس کو ایک رقعہ لکھوایا کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا غلام تمہارے یہاں ہوتا، تو تم اس کی عیادت کرتے۔ والی کو یہ رقعہ ملا تو اس بدحواسی کے ساتھ گھر سے نکلا کہ لوگ سمجھے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ گیا۔ اسی حالت میں

۱ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۷۶ ۲ ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۷

۳ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۵ ۴ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۱

۵ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۸۱ ۶ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۸۰

آپ کے گھر پہنچا اور دیر تک بیٹھا رہا۔  
پاس فرمانِ رسول:

آنحضرت ﷺ کے فرمان کا اس قدر لحاظ کرتے تھے کہ جو حکم آپ نے دے دیا وہ ہمیشہ جان کے ساتھ رہا اور ہر اس کام سے احتراز کرتے رہے جس میں آپ کی عدول حکمی کا کوئی خیف سا بھی پہلو نکلتا ہو۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرنا، اس حکم کے بعد عمر بھر کبھی کسی کے سامنے دست سوال نہ دراز کیا، حتیٰ کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو خود اتر کر اٹھاتے مگر کسی کو اٹھانے کو نہ کہتے۔<sup>۱</sup>



۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۸۰

۲۔ ایضاً ص ۲۷۷



## حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمرو نام ابو نَجْح کَنتِ سلسلہ نسب یہ ہے عمرو بن عبسہ بن عامر بن خالد بن غاضرہ ابن عتاب بن امرؤ القیس ماں کا نام رملہ بنت دقیعہ تھا یہ خاتون قبیلہ بنی حزام سے تھیں عمرو مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی تھے۔

اسلام:

عمرو رضی اللہ عنہ ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جب کہ سارا عرب بت پرستی میں مبتلا تھا ان کو اس سے نفرت تھی اور بت پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے بعثت نبوی ﷺ کی خبر پا کر مکہ آئے اس وقت آنحضرت ﷺ مشرکین کے معاندانہ روش کے باعث علی الاعلان دعوت اسلام نہیں کرتے تھے اس لیے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے خفیہ طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا آپ کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تہی ہوں پوچھنا نبی کیا چیز ہے؟ فرمایا مجھ کو خدا نے بھیجا ہے پوچھنا کن تعلیمات کے ساتھ؟ فرمایا صلہ رحمی بت شکنی اور توحید کے ساتھ۔ پوچھا کسی اور نے بھی اس دعوت کو قبول کیا؟ فرمایا ہاں! ایک غلام اور ایک آزاد نے۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سرخیل عشاق بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے اس سوال و جواب کے بعد عرض کی مجھ کو بھی خدا پرستوں کے زمرہ میں داخل کیجئے میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا فرمایا اسی حالت میں جب کہ ہر چہار جانب سے میری مخالفت کے طوفان اٹھ رہے ہیں میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو اس وقت تم وطن واپس جاؤ میرے ظہور کے بعد پھر چلے آنا۔

وطن کی واپسی:

غرض مشرف باسلام ہونے کے بعد حسب ارشاد نبوی وطن لوٹ گئے اور آنے جانے

والوں سے برابر حالات کا پتہ چلاتے رہے اتفاق سے یثرب کے کچھ اشخاص آپ کے یہاں آگئے ان سے پوچھا کہ جو شخص مدینہ آیا ہے اس کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ لوگ جو ق در جو ق اس کی طرف ٹوٹ رہے ہیں اس کی قوم نے تو اس کو قتل کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا، مگر قتل نہ کر سکی اب وہ مدینہ آ گیا ہے۔

### ہجرت:

اس خبر کے بعد مدینہ روانہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا، میں نے تم کو پہچان لیا، تم مکہ میں مجھ سے ملے تھے پھر کچھ صوم و صلوٰۃ کے مسائل وغیرہ دریافت کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔

### غزوات:

بدر احد حدیبیہ اور خیبر کے معرکے وطن کے زمانہ قیام میں ختم ہو چکے تھے سب سے پہلا غزوہ جس میں ابورہم شریک ہوئے فتح مکہ ہے۔ طائف میں بھی شرکت کا ایک روایت سے پتہ چلتا ہے ان کا بیان ہے کہ طائف کے محاصرہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کے راستہ میں ایک تیر چلائے گا اس کے لیے جنت میں ایک دروازہ کھل جائے گا یہ بشارت سن کر میں نے ۱۶ تیر چلائے۔ طائف کے علاوہ اور کسی غزوہ کی شرکت کی تصریح نہیں ملی لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔

### وفات:

زمانہ وفات صحت کے ساتھ نہیں بتایا جا سکتا، ارباب سیر قیاساً آخر عہد عثمانی بتاتے ہیں چنانچہ صاحب اصحابہ نے محض اس قیاس پر کہ یہ عہد عثمانی کے فتنوں اور معاویہ کے زمانہ میں کہیں نظر نہیں آتے ان کا زمانہ وفات آخر عہد عثمانی لکھا ہے۔ لیکن مسند احمد بن حنبل میں سلیم بن عامر سے ایک روایت ہے کہ امیر معاویہ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی

۱۔ مسلم جلد ۱ ص ۳۰۸، ۳۰۹، مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۱۲ ج اصحابہ جلد ۵ ص ۵ ج ایضاً ص ۲

۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۳ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے۔

رو سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مدت معینہ تک ان پر حملہ نہیں کر سکے تھے چنانچہ یہ اس حساب سے حملہ کی تیاریاں کر چلے کہ رومیوں کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے میعاد ختم ہو جانے کے ساتھ ہی فوراً حملہ کر دیا جائے اس وقت حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ پکارتے پکارتے پھرتے تھے کہ وعدہ وفا کرو دھوکہ نہ دو۔

اس روایت سے احتمال ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ تھے لیکن اگر صاحب اسباب کا قیاس صحیح مانا جائے تو یہ واقعہ اس عہد کا ہوگا جب معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے کیوں کہ اس زمانہ میں بھی ان کے اور رومیوں کے درمیان نبرد آزمائیاں ہوتی رہتی تھیں۔

فضل و کمال:

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو گوسہبت نبوی ﷺ سے زیادہ فیضیاب ہونے کا کم موقع ملا تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے چنانچہ مدینہ آنے کے اور اپنا تعارف کرانے کے بعد سب سے پہلا سوال آنحضرت ﷺ سے یہی کیا کہ علمنی ما علمت اللہ آپ کو جو خدا نے سکھایا ہے وہ تمہوڑا مجھے بھی سکھائیے اسی لیے اس قلیل مدت کے باوجود آپ کی ۴۸ روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اور آپ کے رواد کے نام حسب ذیل ہیں عبداللہ بن مسعود، سہیل بن سعد، ابو امامہ باہلی، معدان بن ابی طلحہ، ابو عبداللہ صنابحی، شریحیل بن سخطہ وغیرہ۔



## حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ولید نام سلسلہ نسب یہ ہے ولید بن ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم القرشی مشہور صحابی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور آپ ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔  
 بدر کی شرکت اور گرفتاری:

بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ لڑنے نکلے اور شکست کھا کر عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے دونوں بھائی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ہشام بن ولید رضی اللہ عنہ کے لیے آئے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے چار ہزار زرفد یہ طلب کیا خالد رضی اللہ عنہ کو اتنی بڑی رقم دینے میں تردد ہوا ہشام نے کہا تم کو کیا لاگ ہوگی تم تو ان کے بھائی ہو نہیں اگر عبد اللہ اس سے بھی زیادہ مانگیں تو بھی چیز اتا ہے دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رہائی کے معاوضہ میں نقد کے بجائے ان کے والد کی زرہ تموار اور خود طلب کی مجبوراً یہ قیمت بھی ادا کی اور گلو خاصی کے بعد بھائیوں کے ساتھ گھر روانہ ہو گئے ذوالحلیفہ پہنچ کر بھاگ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے دوبارہ جب بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا جب تم کو سلام ہی انا تھا تو پھر فدیہ کے قبل کیوں نہ مسلمان ہو گئے خواہ مخواہ والد کی نشانیاں بھی ضائع ہو گئیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا کہا اس وقت اس لیے اسلام نہیں لایا کہ میں بھی اپنے قبیلہ کے لوگوں کی طرح فدیہ دے کر آزاد ہونا چاہتا تھا تاکہ قریش کو یہ طعن دینے کا موقع نہ ملے کہ ولید فدیہ کے ذر سے مسلمان ہو گیا۔

قید محن:

اسلام لانے کے بعد مکہ لوٹ گئے راستہ میں بھائیوں نے تو کوئی تعرض نہ کیا مگر مکہ پہنچ کر دوسرے باکشان اسلام کی طرح ان کو بھی قید کر دیا اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اور سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کے ساتھ طوق و سلاسل کی نگرانی میں دن کاٹنے لگے بدر کے قبل آنحضرت ﷺ

عیاش اور سلمہ کے لیے دعا فرماتے تھے بدر کے بعد جب ولید بنی النضر قید ہوئے تو ان کے لیے بھی دعا فرماتے گئے۔

قید سے فرار:

عرصہ تک قید محن کی مصیبتیں جھیلنے رہے ایک دن موقع پا کر نکل بھاگے اور سیدھے مدینہ پہنچے آنحضرت ﷺ نے عیاش اور سلمہ کا حال پوچھا، عرض کیا ان پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں ایک بیڑی میں دونوں کے پیر ڈال دیئے گئے ہیں فرمایا تم واپس جاؤ وہاں کا لو بار اسلام قبول کر چکا ہے اس کے یہاں ٹھہرو اور قریش کی آنکھ بچا کر خفیہ عیاش اور سلمہ کے پاس پہنچو اور ان سے کہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرستادہ ہوں میرے ساتھ نکلو۔

ایک کارنامہ:

اس فرمان کے مطابق یہ مکہ پہنچے اور عیاش و سلمہ بنی سہیل سے مل کر ان کو آنحضرت ﷺ کا پیام سنا دیا یہ دونوں نکل کر ساتھ ہو گئے قریش کو خبر ہوئی تو خالد بن ولید بنی النضر نے کچھ لوگوں کو لے کر تعاقب کیا مگر ناکام رہے اور یہ مختصر قافلہ بخیر و خوبی پہنچ گیا۔

عمرۃ القضا اور خالد بنی النضر کا اسلام:

عمرۃ القضا میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب تھے خالد بنی النضر اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اس لیے کہیں روپوش ہو گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا سامنا نہ ہو آپ نے ولید بنی النضر سے فرمایا اگر خالد میرے پاس آئے تو میں ان کا اعزاز و اکرام کرتا مجھ کو سخت تعجب ہے کہ ان کے ایسے زیرک و دانا شخص کے دل میں ابھی تک اسلام کا اثر نہیں ہوا چنانچہ ولید نے خالد بنی النضر کو خط لکھا اس خط سے انکا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور یہ یہ میاں آئندہ چل کر اسلام کی شکل میں ظاہر ہوا۔

وفات:

وفات کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ جب سلمہ اور ہشام کو چھڑا کر واپس ہو رہے تھے تو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر اس قسم کے صدمات پہنچے کہ مدینہ آتے آتے انتقال کر گئے لیکن ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ عمرۃ القضا میں موجود تھے علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں

والصحيح انه شهد مع رسول الله ﷺ & عمرة القضاء. اور عمرۃ القضاء ۱ھ کے آخر میں ہوا اور اس روایت کی رو سے ان کا انتقال عمرۃ القضاء سے دو سال پہلے ۵ھ میں ماننا پڑے گا کیونکہ ۲ھ کے آخر میں ایمان لائے اور اسلام کے بعد ہی بھائیوں نے قید کر دیا جس کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہوگی رہائی کے بعد فوراً حضرت سلمہ بنی شہزادہ اور ہشام بنی شہزادہ کو چھڑانے گئے یہ کل مدت ۵ھ سے آگے نہیں بڑھتی۔ دو سال حالت کفر کے ڈیڑھ سال قید کے اور زیادہ سے زیادہ دو چار مہینہ سلمہ بنی شہزادہ اور ہشام بنی شہزادہ کے چھڑانے وغیرہ میں صرف ہوئے ہوں گے ان سب کی مجموعی مدت ۵ھ سے آگے نہیں بڑھتی اس لیے یہ روایت قطعاً غلط ہے البتہ عمرۃ القضاء کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے اور یہ مسلم ہے کہ ۸ھ کے اندر ہی آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔<sup>۲</sup>

ماں کی بے قراری:

آپ کے انتقال کے وقت آپ کی ماں زندہ تھیں ان کے دل پر قیامت گزر گئی یہ دل دوز صدمہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو ماتم کرنے کی مخصوص اجازت دے دی تھی اور وہ نہایت دل دوز لہجہ میں یہ مہیہ پڑھتی تھیں جس کا ایک شعر یہ ہے۔<sup>۳</sup>

يا عين فابكي للوليد بن الوليد بن المغيرة

كان الوليد ابن الوليد فتى العشيـرة

”اے آنکھو! اس ولید کی یاد پر اشکبار ہو جو شجاعت اور بہادری میں اپنے باپ کی مثل خاندان کا ہیرو تھا۔“

آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا یہ نہ کہو بلکہ قرآن کی یہ آیت تلاوت کرو:

﴿ وَجَاءت سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴾ (ق: ۱۲)

”اور موت کی بے ہوشی ضرور آ کر رہے گی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔“

## حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سلمہ نام سلسلہ نسب یہ ہے سلمہ بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر الحزوم القرشی ماں کا نام ضباعہ تھا سلمہ رضی اللہ عنہ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے بھائی تھے۔<sup>۱</sup>  
اسلام ہجرت اور شہادت:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے لیکن کچھ دنوں کے بعد اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر سن کر دوسرے مہاجرین کے ساتھ واپس آ گئے اس خبر کی تردید کے بعد اور لوگ تو واپس چلے گئے لیکن ان کو ابو جہل نے نہ جانے دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کیں کھانا پینا بالکل بند کر دیا مار پیٹ بھی کرتا تھا لیکن یہ وہ نشہ نہ تھا جس کو سختی کی تلخی اتار دیتی اس لیے اس کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں۔ ابھی اسلام بھی اتنا قوی نہیں ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کچھ مدد فرماتے لیکن نماز کے بعد سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے دعا فرماتے تھے کہ خدایا ولید بن ولید سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو مشرکین مکہ کی سختیوں سے نجات دلا۔<sup>۲</sup>

رہائی اور ہجرت:

ولید رضی اللہ عنہ کے حالات میں ان کے ذریعہ سلمہ رضی اللہ عنہ کی رہائی اور ان کے مدینہ آنے کا واقعہ گزر چکا ہے۔<sup>۳</sup>

مغازی:

بدر کا معرکہ ان کی قید کے زمانہ میں ختم ہو چکا تھا رہائی کے بعد اور تمام لڑائیوں میں

۱ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۲۱ ۲ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۹۶ ۳ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۹۶

۴ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲ و ابن سعد ص ۹۶

برابر شریک ہوتے رہے غزوہ موتہ میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیر اکھڑ گئے تھے ان میں ایک سلمہ بنی اشجہ بھی تھے۔ اس ندامت میں انہوں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا جب باہر نکلتے تو لوگ ”فرار“ بھگوڑا کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے۔ لیکن رحمۃ اللعالمین ﷺ ”کرار“ حملہ آور کہہ کر حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

### وفات:

عہد صدیقی میں شام کی فوج کشی میں شریک ہوئے اسی سلسلہ میں حضرت عمر بنی اشجہ کے عہد خلافت میں ۱۴ھ میں مرج روم کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔



۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۳۰

۲۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۱۲۰

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲



## حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عبداللہ نام ابو سہیل کنیت 'سلسلہ نسب یہ ہے' عبداللہ بن سہیل بن عمرو ابن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عمرو بن لوی ماں کا نام فاختہ تھا 'ناہالی سلسلہ نسب یہ ہے' فاختہ بنت عامر بن نوفل بن عبد مناف بن قصی۔  
اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، ہجرت ثانیہ میں مہاجرین کے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔  
مکہ کی واپسی:

حبشہ سے مکہ واپس آئے ان کے باپ تبدیل مذہب پر بہت غضبناک تھے اس لیے قابو پانے کے بعد قید کر کے ارتداد پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے مصلحت وقت کے خیال سے بظاہر ان کا کہنا مان لیا، لیکن دل میں بدستور اسلام کی محبت قائم رہی۔  
غزوات:

ہجرت عظمیٰ کے بعد مشرکین مکہ بڑے اہتمام سے مسلمانوں کا استیصال کرنے نکلے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد کے ساتھ مشرکین کے گروہ میں تھے، والد مطمئن تھے کہ اطاعت شعار بیٹا کہنے میں آ گیا، یہ نہ معلوم تھا کہ مذہب کی چنگاریاں اندر ہی اندر سلگ رہی ہیں جو موقع پاتے ہی بھڑک اٹھیں گی، چنانچہ جب جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ موقع پا کر نکل گئے اور اسلامی فوج میں آ کر شامل ہو گئے، اس وقت والد پر حقیقت حال واضح ہوئی، لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا، اس لیے خاموش رہے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ باطمینان مشرکین کے مقابلہ میں نبرد آزما ہوئے۔

اس کے بعد احد، خندق اور صلح حدیبیہ وغیرہ میں برابر شریک رہے، فتح مکہ میں جب کفار کی قوتیں ٹوٹ چکیں اور ہمتیں پست ہو گئیں اور ان کے لیے سوائے دامنِ رحمت کے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی، عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام بھی مجرموں کی فہرست میں تھا، اب ان کے لیے بجز روپوشی کے کوئی چارہ نہ تھا، اس لیے گھر میں گھس کر اندر سے کواڑے بند کر لیے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے میری جان بخشی کر او، ورنہ میں قتل کر دیا جاؤں گا، سعادت مند لڑکا خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ ﷺ میرے والد کو امان دے دیجئے، رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا وہ خدا کی امان میں مامون ہیں، اطمینان سے گھومیں پھریں اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص ان سے ملے تو سختی سے نہ پیش آئے، خدا کی قسم! وہ صاحبِ عقل و شرف ہیں، ان کے جیسا زریک آدمی اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔

**جنگِ یمامہ اور شہادت:**

خلافتِ صدیقی ۱۲ھ میں جنگِ یمامہ میں شریک ہوئے، اور جواث کے معرکہ میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر کل ۳۸ سال کی تھی، اور ان کے والد سمیل رضی اللہ عنہ زندہ تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر تعزیت فرمائی، اس پر انہوں نے کہا، میں نے سنا ہے کہ شہید اپنے گھرانے کے ستر آدمیوں کی سفارش کر سکتا ہے، مجھ کو امید ہے کہ میرا شہید لختِ جگر میری سفارش کرے گا۔



## حضرت معقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

معقیب نام، نسبی تعلق قبیلہ ازد سے تھا اور بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔

اسلام و ہجرت:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرتِ ثانیہ میں ہجرت کر کے حبشہ گئے وہاں سے خیبر کے زمانہ میں مدینہ آئے۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد تمام لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے، بعض روایتوں سے بدر اور بیعت رضوان کی شرکت کا شرف بھی ثابت ہوتا ہے، اس اعتبار سے وہ خیبر سے بھی پہلے مدینہ آ چکے تھے، لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ خیبر کے بعد مدینہ آئے اور بدر و خیبر میں شریک نہیں ہوئے تھے، ابن سعد نے بھی ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس زمرہ میں لکھا ہے، جو قدیم الاسلام تو تھے لیکن بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

عہدِ شیعین رضی اللہ عنہم:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خاتم رسالت ان ہی کے پاس رہتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما خاتم بردار کی حیثیت سے ان کا خاص لحاظ کرتے تھے، چنانچہ دونوں بزرگوں کے عہد میں مالیات کا صیغہ ان کے متعلق رہا، اور بیت المال میں خازن کے عہدہ پر ممتاز تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی، ان کو جذام کی شکایت ہو گئی تھی، حضرت عمر نے علاج میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جہاں جہاں مشہور اطبا کا پتہ چلتا تھا، بلا کر علاج کراتے تھے، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا، آخر میں دو یمنی طبیعوں سے علاج کرایا، جس سے مرض تو زائل

نہیں ہوا البتہ آئندہ بڑھنے کا خطرہ باقی نہ رہا، عموماً لوگ جذامی آدمی کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھاتے اور فرماتے کہ یہ طرز عمل تمہارے ساتھ مخصوص ہے۔

### عہد عثمانی اور وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی وہی طرز عمل رہا اور غالباً خاتم بردار کا قدیم منصب بھی ان ہی کے سپرد تھا، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی ان ہی کے ہاتھ سے بیر معونہ میں گری تھی۔ اسی عہد کے آخر میں وفات پائی۔

### اولاد:

آپ کی اولادوں میں صرف محمد بن معقیب رضی اللہ عنہ کا پتہ چلتا ہے انہوں نے آپ سے روایت بھی کی ہے۔

### علمی حالت:

علمی حیثیت سے کوئی ممتاز شخصیت نہ تھی، تاہم نوشت و خواند میں پوری مہارت رکھتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی املاک وقف کی تو اس وقف نامہ کی کتابت ان ہی نے کی تھی۔ احادیث نبوی ﷺ کے خوشہ چین بھی تھے چنانچہ ان کی متعدد مرویات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔



- ۱ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۸۷ ج ۲ مسلم ج ۲ ص ۲۱۳ طبرہ ص ۲۵۲  
 ۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۰۳ ج ۲ تہذیب الجندیب جلد ۱ ص ۲۵۲  
 ۳ ابوداؤد جلد ۲ ص ۹ ج ۱ تہذیب الکمال ص ۳۹۷

## حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عبداللہ نام ابو حذیفہ کنیت 'سلسلہ نسب یہ ہے' عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہبصیص بن کعب بن لوی قرشی سہمی۔  
اسلام و ہجرت:

عبداللہ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اسلام لانے کے بعد عرصہ تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے پھر مہاجرین کے دوسرے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔

سفارت:

۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے قرب و جوار کے سلاطین کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو شہنشاہ ایران کے پاس دعوت نامہ لے جانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی کہ اس کو ایرانی گورنر متعینہ بحرین تک پہنچادیں اور وہ اس کو دربار ایران بھیج دے انہوں نے اس کو امیر البحرین کے پاس بحفاظت پہنچا دیا۔

مغازی:

بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بدری بتاتے ہیں لیکن ابی بن عقبہ اور ابن اسحق وغیرہ تمام اس کے مخالف ہیں۔

امارت سر یہ:

آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک سر یہ کا امیر بنا کر بھیجا اور ماتحتوں کو ہدایت فرمادی کہ کسی بات میں ان کی عدول حکمی نہ کرنا منزل مقصود پر پہنچ کر عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کسی بات پر غصہ آ گیا اور مجاہدین سے کہا کیا تم لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے یہی ناطاعت کا حکم نہیں دیا ہے

سب نے کہا ہاں دیا ہے، کہا اچھا لکڑیاں جمع کر کے اس میں آگ دے دو اور پھاند پڑو سب نے لکڑیاں جلائیں اور پھاند نے کو تھے کہ دفعۃً کسی خیال سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بعض لوگوں نے کہا کہ ہم نے آگ سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی ہے اور پھر خود ہی آگ میں کودیں یہ مباحثہ یہاں تک جاری رہا کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور اس درمیان میں ان کی آتش غضب بھی سرد پڑ گئی واپس آ کر سب نے آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا اگر تم لوگ آگ میں گھس گئے ہوتے تو پھر کبھی نہ نکلتے اطاعت صرف ان ہی چیزوں میں واجب ہے جس کی خدا نے اجازت دی ہے۔

خلفاء کا عہد:

عہد فاروقی میں فتوحاتِ شام میں شریک تھے سوء اتفاق سے ایک معرکہ میں رومیوں نے گرفتار کر لیا رومیوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی کے سامنے اپنا مذہب پیش کرتے اور وہ انکار کرتا تو اس کو ایک عظیم الجثہ تانبے کی گائے کے جوف میں جس میں زیتون کا تیل بھرتا ہوتا تھا ڈال لیتے چنانچہ انہوں نے ان کے سامنے اپنا مذہب پیش کر کے کہا اگر تم اس کو نہیں قبول کرو گے تو تم کو گائے پر قربان کر دیا جائے گا مگر اس سے مطلق خوفزدہ نہ ہوئے اور قبول مذہب سے انکار کر دیا ان جلادوں نے ان کی عبرت پذیری کے لیے ایک دوسرے مسلمان قیدی کو بلا کر عیسویت کی دعوت دی اس نے بھی انکار کیا تو اس کو زیتون کے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا وہ کشتہ حق جل بھن کر کباب ہو گیا یہ منظر دکھا کر بولے اگر میں دہلی کرتے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا لیکن جذبہ حق اس سے زیادہ آزمائش کے لیے تیار تھا پھر انکار کر دیا حکم ہوا ڈال دو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے رومیوں نے کہا آخر ڈر کر رونے لگے فرمایا میں اپنے انجام پر نہیں روتا بلکہ اپنی کم مائیگی پر آنکھیں اشکبار ہیں کہ صرف ایک جان خدا کی راہ میں کام آئے گی کاش ایک جان کے بجائے میرے ہر موئے بدن میں ایک مستقل جان ہوتی اور یہ سب راہ خدا میں نثار ہوتیں یہ قوت ایمانی دیکھ کر وہ لوگ دنگ رہ گئے اور اس شرط پر رہا کر دینے کے لیے تیار ہو گئے کہ شاہ روم کی پیشانی کا بوسہ دیں لیکن اس پر ستر حق کالب ایک صلیب

پرستی اور ستانی سے آلودہ نہیں ہو سکتا تھا اس سے انکار کیا۔ اس انکار پر انہوں نے مال و دولت اور حسن و رعنائی کے سبز باغ دکھائے آپ نے ان دل فریبیوں کو بھی نہایت حقارت سے نکتھرا دیا آخر میں ان سے کہا اگر میری پیشانی کو چوم لو تو تمام مسلمان قیدی چھوڑ دیئے جائیں گے مسلمانوں کی جان سب سے زیادہ عزیز تھی اس لیے اس پر آمادہ ہو گئے اور ایک بوسہ کے صلہ میں اسی مسلمانوں کی گراں بہا جانیں بچ گئیں جب واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے فرط مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی، بعض صحابہؓ آپ سے مزاحاً کہتے کہ تم نے ایک بے دین کی پیشانی کا بوسہ دیا، جواب دیتے ہاں چوما، لیکن اس کے بدلہ میں اسی مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں۔

### وفات:

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مصر میں وفات پائی۔

### نسب کی تحقیق:

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے جلال کی حالت میں فرمایا کہ تم لوگوں کو پوچھنا ہو پوچھو اس وقت جو بات پوچھو گئے بناؤں گا آپ نے اٹھ کر پوچھا میرا باپ کون ہے فرمایا حذیفہ! آپ کی ماں نے سنا تو کہا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا خطرناک سوال کیا تھا اگر خدا نخواستہ وہ کچھ اور بتاتے تو میں سب کے سامنے رسوا ہوتی، جواب دیا کہ میں نسب کی تحقیق کرنا چاہتا تھا۔

### فضل و کمال:

آپ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں ان میں سے ایک بخاری میں بھی ہے آپ سے روایت کرنے والوں میں ابو وائل، سلیمان اور ابن یسار قابل ذکر ہیں۔



## حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

حجاج نام ابو محمد کنیت سلسلہ نسب یہ ہے حجاج بن علاط بن خالد بن نویرہ ابن عثر بن بلال بن عبید بن ظرف بن سعد بن عمرو بن ہبیر بن امرؤ القیس بن بیسہ بن سلیم ابن منصور سلمی۔  
اسلام:

حجاج جو حبشہ خیبر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اسلام کا محرک یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ جا رہے تھے راستہ میں ایک بھیا تک وادی میں رات ہوئی اس لیے سب لوگ وہیں شب باش ہو گئے حجاج جو حبشہ سب کی پاسپائی کرنے گئے اتنے میں کوئی شخص یہ تلاوت کرتا سنا دیا:

﴿ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ﴾ (رحمہ)

”اے جن و انس کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور تم بغیر سلطان کے نہ نکل سکو گے۔“

مکہ پہنچے تو یہ واقعہ قریش سے بیان کیا انہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بھی بے دین ہو گئے یہ تو وہی کلام ہے جو محمد (ﷺ) کے زعم میں ان کے اوپر نازل ہوتا ہے حجاج جو حبشہ سے اس واقعہ کی تصدیق اپنے ہمراہیوں سے کرائی اور مدینہ آ کر مشرف باسلام ہو گئے۔  
ہجرت:

ان کی بیوی مکہ میں رہتی تھیں اور کل مال و متاع بھی وہیں تھا اسلام لانے کے بعد کل اثاثہ مدینہ منتقل کرنے کی ضرورت ہوئی ورنہ شریکین کا دست نظام و راز ہو جاتا لیکن وہ لوگ مشتبہ ہو چکے تھے آسانی سے لانا بھی ممکن نہ تھا اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے



ایک تدبیر کی اجازت مانگی، آپ نے مصلحتاً دے دی، یہ اجازت لے کر مکہ گئے قریش نے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کرنا شروع کیے، انہوں نے کہا محمد (ﷺ) نے بہت سخت شکست کھائی، ان کے تمام ساتھی مارے گئے وہ خود گرفتار کر لیے گئے ہیں اور عنقریب تم لوگوں کے سامنے لا کر قتل کیے جائیں گے، قریش کے لیے اس سے بڑھ کر مژدہ کیا ہو سکتا تھا، آن کی آن میں یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی اس طرح مشرکین کو خوش کر کے کہا محمد (ﷺ) ساز و سامان فروخت ہو رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ تاجروں کے پہنچنے کے قبل خرید لوں، مکہ میں لوگوں پر میرا قرض ہے، اگر تم لوگ کوشش کرو تو آسانی سے وصول ہو سکتا ہے، سب اس "کار خیر" کے لیے تیار ہو گئے اور کوشش کر کے کل بقایا وصول کر دیا، اس کے بعد گھر کا کل اندوختہ لیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کانوں تک یہ خبر پہنچی تو ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ خود واقعہ کی تحقیق کے لیے بھی نہ آسکے اور ایک لڑکے کی زبان بلا بھیجا، حجاج رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور ان کو تحلیل میں لے جا کر اصل واقعہ سنایا کہ میں نے روپیہ وصول ہو جانے کے لیے یہ خبر مشہور کی تھی، میں خود مشرف باسلام ہو چکا ہوں، اگر اہل مکہ کو اس کی خبر ہو جاتی تو ایک حسب بھی نہ دیتے، آنحضرت ﷺ خدا کے فضل سے بالکل محفوظ ہیں، خیبر کا میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور آنحضرت ﷺ جی بن اخطب رئیس خیبر کی لڑکی کے ساتھ ایام عروسی بسر کر رہے ہیں، لیکن جب تک میں ان کی زد سے نہ نکل جاؤں، اس وقت تک اس راز کو کسی پر نہ ظاہر کرنا، چنانچہ تین دن تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ بالکل خاموش رہے، چوتھے دن جب اطمینان ہو گیا کہ حجاج اہل مکہ کی دسترس سے باہر ہو گئے تو کپڑے بدل کر حجاج کے مکان پر گئے اور ان کی بیوی سے واقعہ بیان کیا، پھر مسجد میں آئے، یہاں بھی وہی تذکرہ تھا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر فتح کر لیا، جی بن اخطب کی لڑکی ان کی زوجیت میں آئی، ابن ابی حقیق سرداران یثرب کی گردنیں اڑادی گئیں اور حجاج اپنا مال و متاع لے کر روانہ ہو گئے، لوگوں نے پوچھا تم نے کس سے سنا؟ فرمایا حجاج سے۔ ان لوگوں نے ان کی بیوی سے تحقیق کیا تو واقعہ ج نکلا، اس کے پانچویں دن مدینہ سے بھی خبریں آ گئیں، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، حجاج قابو سے نکل چکے تھے، اس لیے خاموش ہو گئے۔!

غزوات:

خیبر کے کچھ ہی دنوں پہلے مشرف باسلام ہوئے اس لیے سب سے پہلے اسی غزوہ میں شریک ہوئے، فتح مکہ کے زمانہ میں مدینہ سے باہر تھے آنحضرت ﷺ نے حملہ کا ارادہ کیا تو ان کو بلوا بھیجا۔

تعمیر مکان و مسجد:

حجاج دولت مند تھے اور اپنا کل اثاثہ مکہ سے لے آئے تھے چنانچہ مدینہ میں اپنا ذاتی مکان بنوایا اور ایک مسجد تعمیر کرائی۔<sup>۲</sup>

وفات:

وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ عہد فاروقی کی ابتدا میں وفات پائی اور دوسری یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے، لیکن پہلی روایت زیادہ مستند ہے، جنگ جمل میں یہ خود نہیں بلکہ ان کے لڑکے معرض قتل ہوئے تھے۔<sup>۳</sup>

تمول:

حجاج رضی اللہ عنہ تمام صحابہ مجتہد میں مال و دولت کے لحاظ سے ممتاز تھے اور بنو سلیم کی کانیں ان ہی کی ملکیت میں تھیں۔<sup>۴</sup>

اولاد:

حجاج رضی اللہ عنہ کے متعدد اولادیں تھیں، ایک معرض جو جنگ جمل میں کام آئے اور دوسرے عصر، یہ اس قدر حسین تھے کہ اکثر عورتیں ان پر شیفہ ہو جاتی تھیں، اسی خطرہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ سے بصرہ منتقل کر دیا تھا۔<sup>۵</sup>



۱۔ ابن سعد جز ۲ ص ۱۵      ۲۔ اصابہ جلد اس ۳۲۷

۳۔ ایضاً ص ۳۲۷      ۴۔ استیعاب جلد اس ۱۳۲

۵۔ اصابہ جلد ۶ ص ۲۶۰

## حضرت ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

تھلہ نام ابو بزرہ کنیت، سلسلہ یہ ہے تھلہ بن عبداللہ بن حارث ابن حبال بن ربیعہ بن وعیل بن انس بن خزیمہ بن مالک بن سلمان بن اسلم بن اقصی اسلمی۔

اسلام و غزوات:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اسلام کے بعد جس قدر غزوات ہوئے سب میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ فتح مکہ میں خون کا ایک قطرہ نہیں گرا تھا اور رحمت عالم ﷺ نے تمام دشمنان اسلام کے لیے غنمو و درگزر کا اعلان فرما دیا تھا چند معاندین جن کا عناد اور جن کی سرکشی حد سے بڑھی ہوئی تھی البتہ اس سے مستثنیٰ تھے اور ان کا خون ہدر کر دیا گیا تھا ان میں ایک عبداللہ بن نھل تھا یہ پہلے اسلام لا چکا تھا مگر اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر دیا اور اسلامی عدالت کے قانون قصاص سے ڈر کر پھر مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا (زرقانی فتح مکہ) اس کی دو طوائفیں تھیں جو بازاروں میں آنحضرت ﷺ کی بھوکاتی پھرتی تھیں۔ اس لیے جب مکہ فتح ہوا تو امان کے لیے خانہ کعبہ خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر لٹک گیا، آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے کہا کہ وہ کعبہ کے غلاف کی پناہ میں ہے آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو آقا کا اشارہ پاتے ہی ابو بزرہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔

ابو بزرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر مدینہ میں رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بصرہ میں رہنے لگے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے نہروان میں خارجیوں کا مقابلہ کیا پھر خراسان کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔

وفات:

زمانہ وفات میں اختلاف ہے بعض ۶۰ھ اور بعض ۶۵ھ بتاتے ہیں دوسری

۱ ابن سعد جلد ۱ ص ۴۲ ابو داؤد کتاب الجہاد فی قتل الایسر ص ۳۱ ایضاً ص ۳۱ اصابہ جلد ۶ تذکرہ تھلہ

روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مروان اور ابن زبیر بیعت کے ہنگاموں تک زندہ تھے اور کہتے پھرتے تھے کہ یہ سب دنیا کے لیے جھگڑتے ہیں۔ وفات کے بعد ایک لڑکا مغیرہ یادگار چھوڑا۔

**فضل و کمال:**

ابو بزرہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا کافی موقع ملا اس لیے احادیث نبوی ﷺ کی متعدد بہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۶۳ ہے۔ ان میں سے ۲۷ متفق علیہ ہیں ان کے علاوہ ۲۰ میں بخاری اور ۴ میں مسلم منفرد ہیں۔<sup>۱</sup> ان کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے ذیل کے نام قابل ذکر ہیں۔

مغیرہ ابو منہال ریاحی، اوزق بن قیس، ابو عثمان نہدی، ابو العالیہ ریاحی، کنانہ ابن نعیم، ابوالزراع راسی، ابوالوضیٰ سعید بن عبد اللہ السوار عدوی، ابوطالوت عبد السلام وغیرہ۔<sup>۲</sup>

**زہد و عفاف:**

حضرت ابو بزرہ رضی اللہ عنہ میں زہد و عفاف کا رنگ بہت نمایاں تھا، کبھی بیش قیمت کپڑا پہنتا اور نہ گھوڑے پر سوار ہونے، گھروے رنگ کے دو کپڑوں سے ستر پوشی کرتے تھے ان کے ایک معاصر عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ بیش قیمت کپڑا بھی پہننے اور گھوڑے پر بھی سوار ہوتے تھے۔ ایک شخص نے ان دونوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کے خیال سے عائذ رضی اللہ عنہ سے آ کر کہا، ابو بزرہ کو دیکھئے وہ لباس اور وضع قطع میں بھی آپ کی مخالفت کرتے ہیں آپ خنز (ایک بیش قیمت کپڑا) استعمال کرتے ہیں اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور وہ ان دونوں چیزوں سے احتراز کرتے ہیں، لیکن صحابہ کی اخوت لباس اور طرز معاشرت کے اختلاف سے بلند تھی، جواب دیا، خدا ابو بزرہ پر رحم کرے، آج ہم میں ان کا رتبہ کا کون ہے، یہاں سے مایوس ہو کر یہ شخص ابو بزرہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا عائذ کو دیکھئے آپ کی وضع تک ان کو ناپسند ہے، گھوڑا ساری میں ہے، خنز کا لباس زیب تن ہے، مگر یہاں بھی وہی جواب ملا کہ خدا عائذ پر رحم کرے، ہم میں ان کا ہم رتبہ کون ہے؟<sup>۳</sup>

۱۔ اسباب جلد ۶ تذکرہ حضرت تھلہ ۲۔ تہذیب الکمال ص ۴۰۶

۳۔ تہذیب الجہد جلد ۱ ص ۳۳۶ ۴۔ ابن سعد ج ۱ ص ۳۵

## مسکین نوازی:

مسکین نوازی ان کا خاص شعار تھا، صبح و شام معمولاً فقراء و مساکین کو کھانا کھلاتے تھے، حسن بن حکیم اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ابو بزرہ (رضی اللہ عنہ) ایک کاسہ شریہ (ایک قسم کا عربوں کا مرغوب کھانا) صبح اور ایک کاسہ شام بیواؤں، یتیموں اور مساکین کو کھلاتے ہیں۔  
احترام نبوت:

ذات نبوی ﷺ کے ساتھ کسی قسم کا طنز و تمسخر برداشت نہیں کر سکتے تھے، عبید اللہ ابن زیاد کو حوض کوثر کے متعلق کچھ پوچھنا تھا، اس نے لوگوں سے پوچھا، حوض کوثر کے متعلق کون بتا سکتا ہے، انہوں نے ابو بزرہ کا نام لیا، عبید اللہ نے ان کو بلا بھیجا یہ گئے، اس نے آتے دیکھا تو بہ سبیل استہزاء کہا کہ تمہارے یہ محمدی ﷺ ہیں ابو بزرہ رضی اللہ عنہ نے برہمی سے جواب دیا، خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے زمانہ تک زندہ رہا جس میں شرف صحبت پر عار دلایا جاتا ہے، اور اس برہمی کی حالت میں تخت پر بیٹھ گئے، عبید اللہ نے اپنا سوال پیش کیا، انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اس (حوض کوثر) کو جھٹلائے گا، وہ نہ اس کے پاس جانے پائے گا اور نہ خدا اس کو اس سے سیراب کرے گا، یہ کہا اور اٹھ کے چلے آئے۔



۱. ابن سعد قسم اول جز ۷ ص ۳۵

۲. ابن سعد قسم اول جز ۷ ص ۳۵

## حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ہشام نام ابو معیط کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے ہشام بن عاص بن وائل ابن ہاشم بن سعید بن سہم قرشی اموی، مشہور صحابی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، فاتح مصر کے چھوٹے بھائی تھے۔  
اسلام و ہجرت:

خوش بختی اور بد بختی عمر کے تفاوت پر منحصر نہیں، گو ہشام رضی اللہ عنہ عمرو بن العاصؓ سے عمر میں چھوٹے تھے، لیکن ان کی قسمت ان سے زیادہ اور ان کا بخت ان سے زیادہ بیدار تھا، چنانچہ عمرو بن العاصؓ جب کفر کی ضلالت میں گھرے ہوئے تھے، اس وقت ہشامؓ کی پیشانی پر اسلام کا نور چمک رہا تھا، اسلام کے بعد مہاجر قافلہ کے ساتھ حبشہ گئے، کچھ دنوں رہ کر آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی خبر سن کر مکہ واپس آئے، یہاں سے پھر مدینہ کا قصد کیا، لیکن باپ اور اہل خاندان نے قید کر دیا، عرصہ تک محصور رہے، غزوہ خندق کے بعد موقع ملا تو مدینہ آئے۔  
غزوات:

بدر، احد اور خندق وغیرہ کی لڑائیاں ان کے ایام اسیری میں ختم ہو چکی تھیں، البتہ خندق کے بعد جتنے معرکے پیش آئے سب میں داد شجاعت دی۔  
عہد خلفاء:

ہشامؓ اس خاندان کے ممبر تھے جو سپہ سالاری کے عہدہ جلیل کا حامل اور اپنی شجاعت و شہامت میں ممتاز تھا، اس لیے تلواروں کی چھاؤں میں ان کی نشوونما ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کی تلوار کے جوہر چمکے، پھر عہد فاروقی میں شام کی مہم میں شریک ہوئے، ایک ہی دو معرکوں کے بعد اجنادین کا معرکہ پیش آیا، اس میں قبلاء اور تذارق رومی سپہ سالار ایک لشکر جرار کے ساتھ اجنادین میں مسلمانوں کے

مقابلہ میں آئے، جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں میں کچھ کمزوری پیدا ہو چلی تھی، ہشامؓ نے دیکھا تو جوش میں آ کر سر سے خود اتار کر پھینک دی اور لٹکار کر بولے مسلمانو! یہ غیر مخنون کموار کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، جو میں کرتا ہوں وہی تم کر ڈیو کہہ کر رومیوں کی صفیں چیرتے ہوئے قلب لشکر میں گھستے چلے گئے اور مسلمانوں کو غیرت دلاتے جاتے تھے کہ مسلمانو! میں عاص بن وائل کا بیٹا ہشام ہوں میرے ساتھ آؤ تم لوگ جنت سے بھاگتے ہو اسی طرح لٹکارتے، شجاعت اور بہادری سے لڑتے مارتے شہید ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو شہادت کا علم ہوا تو فرمایا خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے، اسلام کے بہترین مددگار تھے۔

ہشامؓ کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ چند قریشی خانہ کعبہ کے عقب میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عمرو بن العاصؓ طواف کرتے ہوئے گزرے ان کو دیکھ کر لوگوں نے آپس میں سوال کیا کہ ہشام افضل تھے یا عمرو بن العاصؓ، عمرو بن عاصؓ نے اس کو ن لیا، طواف ختم کرنے کے بعد آ کر پوچھا، تم لوگ کیا باتیں کرتے تھے انہوں نے کہا ”تمہارا اور تمہارے بھائی کا مقابلہ کر رہے تھے کہ دونوں میں کون افضل ہے“ کہا میں تم کو ایک واقعہ سنا تا ہوں اس سے فضیلت کا اندازہ ہو جائے گا، ہم اور وہ دونوں یرموک کی جنگ میں شریک ہوئے اور رات بھر شہادت کے لیے دست بدعا رہے صبح ہوئی تو ان کی دعا کا ثمرہ مل گیا اور میری دعا ناقبول ہوئی اس سے تم فضیلت کا اندازہ کر لو۔

فضائل:

اسلام کی پختگی کا آخری درجہ ایمان ہے، ہشامؓ کا اسلام اسی درجہ میں تھا، خود زبان نبوت ﷺ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ابن العاص مومنان یعنی ہشام و عمرؓ ہیں۔

۱۔ ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۲۰ ج ۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۳۰ شہادت کا تذکرہ ابن اثیر جلد ۲ وفتح البلدان بلاذری ص ۱۲۰ میں بھی ہے۔ ۲۔ ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۳ ج ۴ ابن سعد ج ۳ ص ۱۱۴۱ اس روایت میں اجنادین کے بجائے یرموک کا نام ہے غالباً راوی سے سبب ہو گیا ہے یا ان دونوں لڑائیوں کی قربت کی وجہ سے خود عمرو بن العاصؓ کو التباس ہو گیا ورنہ اجنادین میں ان کی شہادت ملے شہد ہے۔ ۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۵۲۔

## حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

قدامہ نام ابو عمر کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، قدامہ بن مظعون بن حبیب بن وہیب بن حذافہ بن حجاج القرشی الجمحی۔ قدامہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے۔  
اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز میں دولت اسلام سے بہرور ہوئے اور اپنے بھائی عثمان اور عبداللہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔<sup>۱</sup>

مغازی:

پھر حبشہ سے مدینہ آئے اور سب سے پہلے غزوہ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا اور احد و خندق وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔<sup>۲</sup>  
بحرین کی گورنری:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں قدامہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا، اسی زمانہ میں ان پر شراب نوشی کی حد جاری ہوئی، گو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے انہوں نے اس جرم کا اقرار نہیں کیا، اور بدری صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کا بیان لائق اعتماد تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک شہادت سے جرم ثابت ہو گیا تھا، اس لیے آپ نے حد جاری کی، اس کا واقعہ یہ ہے، ایک مرتبہ جارود بن عبد قیس کا سردار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قدامہ کی شراب نوشی کی شکایت لے کر آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہارے علاوہ اور کون شاہد ہے، عرض کیا ابو ہریرہ، ان کو بلا کر پوچھا، انہوں نے شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا، البتہ نشہ میں تھے کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، صرف اتنی شہادت سے جرم نہیں ثابت ہوتا،



مزید تحقیقات کے لیے قدمہ رضی اللہ عنہما کو بحرین سے طلب کیا، جب وہ آئے تو جارود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم شاہد ہو یا فریق؟ کہا شاہد، فرمایا بس شہادت کا فرض ادا کر چکے اب تم خاموش رہو تیسری مرتبہ پھر جارود نے قسم دلا کر حد کا مطالبہ کیا، اس اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو شبہ ہوا، آپ نے فرمایا تم اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ مجھ کو تنبیہ کرنی پڑے گی، جارود نے کہا عمر! یہ انصاف سے بعید ہے کہ تمہارا ابن عم شراب پیے اور تم اٹے میری تنبیہ کرو، حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر آپ کو شک ہو تو قدمہ کی بیوی کو بلا کر پوچھ لیجئے، چنانچہ آپ نے ان کی بیوی ہند کو بلا کر شہادت طلب کی، انہوں نے ابو ہریرہؓ کی تصدیق کی، اس پر عدل فاروقی جوش میں آ گیا، اور فرمایا قدمہ! حد کے لیے تیار ہو جاؤ، قدمہ نے کہا، اگر بالفرض میں نے ان لوگوں کی شہادت کے بموجب شراب پی بھی ہے تو آپ کو اجرائے حد کا حق نہیں ہے، فرمایا کیوں؟ عرض کیا خدا فرماتا ہے:

﴿ لیس علی الذین امنوا و عملوا الصلحت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا و

امنوا و عملوا الصلحت ﴾ (مائدہ: ۱۱)

”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو جو کچھ انہوں نے (تحریم کے قبل) کھایا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے۔“

فرمایا تم تاویل میں غلطی کر رہے ہو، اگر تم خدا سے ڈرتے تو قطعی حرام چیز حرام چیزوں سے احتراز کرتے، اس وقت حضرت قدمہ رضی اللہ عنہما بیمار تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے مشورہ سے کچھ دنوں کے لیے حد کا اجرا ملتوی کر دیا، لیکن اثبات جرم کے بعد اجرائے حد میں تاخیر آپ کے لیے ہارتھی، اس لیے لوگوں سے مشورہ کیا، اس مرتبہ بھی سب نے التوا کا مشورہ دیا، فرمایا مجھ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ کوڑوں کے نیچے خدا سے ملیں، بہ نسبت اس کے کہ میں خدا سے ملوں، اور ان کا باری میری گردن پر ہو، غرض اسی بیماری کی حالت میں حد جاری کی، اور قدمہ سے تعلقات منقطع کر لیے، کچھ دنوں کے بعد دونوں نے ساتھ حج کیا، لوٹتے وقت ایک مقام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی آنکھ لگ گئی، خواب میں آپ کو قدمہ رضی اللہ عنہما سے صفائی کرنے کی ہدایت ہوئی، بیدار ہوتے ہی قدمہ کو بلوایا، مگر انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا دوسری مرتبہ

پھر آدمی بھیجا کہ اگر آسانی سے نہ آئیں تو زبردستی لایا جائے چنانچہ وہ آئے اور آپ نے خود گفتگو کی ابتدا کی اور پھر بدستور تعلقات قائم ہو گئے۔

وفات:

عمر کے ۶۸ مرحلے طے کرنے کے بعد حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ۳۶ھ

میں وفات پائی۔

اہل و عیال:

آپ کے تین بیویاں اور ایک لونڈی تھی جن سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت ولید	عمر، فاطمہ
فاطمہ بنت ابی سفیان	عائشہ
صفیہ بنت خطاب	رمہ
ام ولد	حفصہ



## حضرت ابواحمد بن حشیش رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عبد نام ابواحمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبد بن حشیش بن رباب بن بھر بن جبیر ابن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضران کی والدہ امیرہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور یہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حقیقی اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت:

وہ اپنے بھائی عبداللہ اور عبید اللہ کے ساتھ دعوتِ اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور بھائیوں ہی کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور مبشر بن عبدالمنزہ رضی اللہ عنہ کے گھر مہمان ہوئے۔

ابوسفیان کی شرارت:

مکہ میں ایک جماعت تھی جس کا مقصد صرف اسلام کو نقصان پہنچانا اور مسلمانوں کو اذیت دینا تھا، ابوسفیان اور ابو جہل اس کے سرغنہ تھے ابواحمد ہجرت کے بعد ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے اس لیے براہِ راست ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے ان کا گھر ابنِ علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ ڈالا فتح مکہ میں جب مسلمان فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور دشمنانِ اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں اس وقت ابواحمد رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے چپکے سے کچھ کہلا دیا، انہوں نے ابواحمد رضی اللہ عنہ کے کان میں جا کر کہہ دیا، اس کے بعد پھر آخروں تک انہوں نے مکان کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا، بعد کو ان کی اولاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت

عثمان بن عفان کے ذریعہ سے کہلایا تھا کہ تم اس سے مکان کو جانے دو اور اس کے عوض میں تم کو خالد بربس میں قسر ملے گا۔<sup>۱</sup>

وفات:

سنہ وفات صحیح طور پر متعین نہیں کیا جاسکتا، لیکن ۲۰ھ سے قبل وفات پا چکے تھے کیونکہ ان کی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور یہ ان کی زندگی میں وفات پا چکے تھے۔<sup>۲</sup>

ازواج و اولاد:

اولاد کوئی نہ تھی، گھر میں تنہا بیوی تھیں، ایک مرتبہ عتبہ بن ربیعہ، عباس بن مطلب اور ابو جہل ادھر سے گزرے، رفاعہ کو تنہا دیکھ کر عتبہ نے ٹھنڈی سانس لی کہ افسوس آج بنی ججش کے گھر میں کوئی رہنے والا تک نہیں، ابو جہل جو اپنی کینہ پروری کا ہر جگہ ثبوت دیتا تھا، بولا ان پر روتے کیا ہو یہ سب ہمارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے، ان ہی نے ہمارا شیرازہ درہم برہم کیا۔<sup>۳</sup>

فضل و کمال:

شاعری قریش کا طغرائے کمال تھا، حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ: بھی شاعر تھے چنانچہ ابوسفیان نے ان کا گھر بیچا تو انہوں نے ایک منظوم شکایت لکھی، جس کے دو شعر یہ ہیں۔<sup>۴</sup>

اقطعت عقدک بینا      والجاریات الی ندامہ

دار ابن عمک بعثنا      تشری بہا عنک الندامہ



۱ ابن سعد ج ۳ ص ۱۶۶      ۲ استیعاب جلد ۲ ص ۶۳۱

۳ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۳۳      ۴ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۶۶

## حضرت عمرو بن سعید بن العاص الاکبر رضی اللہ عنہ

### نام و نسب:

عمرو نام ابو عقبہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس القرشی الاموی، ماں کا نام صفیہ تھا، قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

### اسلام و ہجرت:

ان کے گھر میں سب سے پہلے ان کے بھائی خالد بن سعید مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے کچھ دنوں کے بعد عمرو دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے، تیسرے بھائی ابان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، دونوں بھائیوں کے اسلام پر اشعار میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا اس کا ایک شعر یہ ہے:

الا لیت میتا بانظریۃ شاہد لما یفتری فی الدین عمرو و خالد  
ان تینوں کے والد مقام ظریبہ میں دفن تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے  
”کاش ظریبہ کا مرنے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افترا پردازی  
کی ہے۔“

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا جواب نظم میں دیا، جس کا آخر شعر یہ ہے

فدع عنک میتا قد مضی بسبیلہ و اقبل علی الحق الذی ہو اظہر  
”اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی طرف  
آؤ جس کا حق ہونا بالکل عیاں ہے۔“

عمرو بن سعید نے اپنے بھائی خالد کی ہجرت کے دو سال بعد ہجرت ثانیہ میں مع اپنی

بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ کشتی کے ذریعہ سے غزوہ خیبر کے دوران میں مدینہ آئے۔<sup>۱</sup>  
غزوات:

مدینہ آنے کے بعد فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔<sup>۲</sup>

امارت:

آنحضرت ﷺ نے ان کو مدینہ کے مغربی مقامات تبوک، خیبر اور فدک وغیرہ کا عامل مقرر کیا۔<sup>۳</sup> جہاں وہ حیات نبویؐ تک اپنے خدمات نہایت جانفشانی سے انجام دیتے رہے۔ آنحضرت ﷺ کی خبر وفات سن کر وہاں سے واپس ہوئے۔ واپسی کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے زیادہ امارت کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔<sup>۴</sup> اور دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد عامل نہ بنیں گے۔<sup>۵</sup>  
فتوحاتِ شام اور وفات:

امارت سے واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد شام پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، عمرو رضی اللہ عنہ بھی اس میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ۱۳ھ میں اجنادین کے معرکہ میں نہایت جوش و خروش سے لڑے، جب مسلمانوں کے پیروں میں ذرا بھی لغزش ہوتی یہ لاکار کر ثبات و استقلال پر آمادہ کرتے، ایک مرتبہ جوش میں آ کر کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کا میدان جنگ میں پلہ کمزور نہیں دیکھ سکتا، اب میں خود گھستا ہوں یہ کہہ کر دشمنوں کے قلب میں گھتے ہوئے چلے گئے اور بڑی بے جگری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا تو سارا بدن زخموں سے چھلکی ہو گیا تھا، شمار کرنے پر تمیں سے زیادہ زخم جسم پر نکلے۔<sup>۶</sup>

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۷۳ ۲ استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۱

۳ ایضاً ص ۴۲۲ ۴ اصابہ جلد ۳ ص ۳۰۱

۵ استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۵ ۶ اس واقعہ کی تفصیل اصابہ جلد ۳ ص ۳۰۱ سے ماخوذ ہے۔ لیکن شہادت کا تذکرہ فتوح البلدان بلاذری فتح اجنادین میں ہے۔

## حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عوف نام ابو عباد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب ابن عبد مناف بن قصی قرشی مطلبی، عوف رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔  
اسلام و غزوات:

مسطح رضی اللہ عنہ بہت ابتدا میں مشرف باسلام ہوئے، البتہ ہجرت کا وقت متعین نہیں ہے، لیکن بدر کے قبل ہجرت کر کے مدینہ آچکے تھے اور بدر میں شریک تھے بدر کے بعد اور غزوات میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ غزوہ بنو مصطلق جس میں اٹک کا واقعہ پیش آیا، یہ شریک تھے اور اس فتنہ میں ان کا دامن بھی محفوظ نہ رہ سکا، جب منافقین نے یہ واقعہ مشہور کیا تو بعض صحابہ بھی ان کے دام فریب میں آگئے اور ان میں ایک مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے جنگ سے واپسی کے بعد انہوں نے یہ واقعہ اپنی ماں سے بیان کیا، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور کسی بات پر مسطح رضی اللہ عنہ کو بددعا دی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم بدری صحابی کو بددعا دیتی ہو، انہوں نے کہا تم کو نہیں معلوم، ان لوگوں نے افترا پردازی کا سب سے پہلے انہی کے ذریعہ سے علم ہوا، مسطح رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اس لیے وہ ان سے سلوک ہوتے رہتے تھے، جب انہوں نے اٹک کے واقعہ میں شرکت کی اور قرآن پاک نے اس کو افترا قرار دیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی امداد کرنا بند کر دی اور فرمایا کہ اب مسطح پر ایک حسبہ نہیں خرچ کروں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی

﴿وَلَا يَتَلَّأُولُوا الْفَضْلَ مِنْكُمْ وَالسَّعَةَ أَنْ يُوْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ

وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِيَعْفُوا وَلِيَصْفَحُوا أَلَا تَحْيَوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ

واللہ غفور رحیم ﴿ (نور: ۲)

”تم میں سے جو لوگ صاحب فضیل اور صاحب مقدرت ہیں وہ قرابت والوں محتاجوں اور مہاجرین نبی سبیل اللہ کو (مدد نہ دینے کی) قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، مسلمانو! کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مدد کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت کے نزول کے بعد پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بدستور ان کی خبر گیری کرنے لگے، لیکن چونکہ ایک محسنہ پر تہمت لگائی تھی اور اس کی سزا قرآن نے یہ تجویز کی تھی ﴿ والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باریعة شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ ﴾ ﴿ (نور: ۲)

”یعنی جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اس کوڑے لگاؤ۔“

اس لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ ان پر بھی حد جاری ہوئی۔<sup>۱</sup>  
وفات:

زمانہ وفات میں اختلاف ہے، بعض روایتوں سے ۳۳ھ عہد عثمانی میں وفات ثابت ہوتی ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد تک زندہ تھے اور جنگ صفین میں ان کی حمایت میں لڑے اور اسی سال ۳۷ھ میں انتقال فرمایا، وفات کے وقت ۵۶ سال کی عمر تھی۔ آخری روایت زیادہ مستند ہے۔





## حضرت مرشد بن ابی مرشد غنوی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

مرشد نام سلسلہ نسب یہ ہے، مرشد بن کناز بن حصین بن یربوع بن جبینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلال بن غنم بن یحییٰ بن یعصر بن سعد ابن قیس عیلان بن مضر۔<sup>۱</sup>

اسلام و ہجرت:

مرشد رضی اللہ عنہ بہت ابتدا میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بدر کے قبل ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے اوس بن صامت رضی اللہ عنہ سے مواخات کرا دی۔<sup>۲</sup>

بدر:

سلسلہ غزوات کے سب سے پہلے غزوہ بدر میں شریک ہوئے، میدان جنگ میں آنحضرت ﷺ کے پہلو بہ پہلو سبل نامی گھوڑے پر سوار دادِ شجاعت دے رہے تھے۔<sup>۳</sup>

نزول آیت:

زمانہ جاہلیت میں مکہ کی عناق نامی ایک طوائف سے تعلقات تھے، تحریم زنا کے بعد قطع تعلق کر لیا، مرشد نہایت قوی اور بہادر آدمی تھے، اس لیے قیدیوں کو مکہ سے مدینہ لے جانے کی خدمات ان ہی کے سپرد تھی، اس سلسلہ میں ایک مرتبہ مکہ جانے کا اتفاق ہوا، چاندنی رات میں ایک گلی سے گزر رہے تھے، اتفاق سے عناق کی نظر پڑ گئی، اس نے آواز دی یہ رک گئے، اس نے اپنے مخصوص درباہی کے انداز میں بڑی خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا، اور شبِ باشی کی خواہش کی، فرمایا عناق! اب خدا نے زنا حرام کر دیا ہے، اس کو اس خشک جواب پر غصہ آ گیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ مرشد یہاں کے قیدی مدینہ لے جاتے ہیں، چنانچہ آٹھ آدمیوں نے ان کا تعاقب

۱ ابن سعد جز ۳، قسم ۳۲، ص ۳۲۲، استیعاب جلد ۱ ص ۲۷۲، متدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۲۱

کیا، مگر یہ ایک محفوظ مقام پر چھپ گئے اور جب وہ لوگ تلاش کر کے واپس ہو گئے تو مدینہ کا راستہ لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عناق سے میرا نکاح کر دیجئے، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا۔<sup>۱</sup>

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرْمٌ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (نور: ۳)

”بد کردار مرد بد کردار عورت یا مشرک سے نکاح کرے گا اور بد کردار عورت کو بد کردار مرد یا مشرک کے سوا کوئی نکاح میں نہ لائے گا اور ایمان والوں پر یہ حرام ہے۔“

شہادت:

بنو عضل وقارہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے مذہبی تعلیم کے لیے چند معلم بھیجنے کی درخواست کی تھی آپ نے ان کی درخواست پر باختلاف روایت حضرت مرہم رضی اللہ عنہ یا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زیر امارت ایک جماعت بھیجی یہ لوگ مقام رجع تک پہنچے تھے کہ بنو ہذیل اچانک ننگی تلواریں لیے ہوئے آگئے اور کہا ہمارا مقصد تمہارا خون بہانا نہیں ہے بلکہ تمہارے بدلہ میں اہل مکہ سے روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تمہاری حفاظت جان کا عہد کرتے ہیں، حضرت مرہم خالد اور عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم مشرکین سے کسی قسم کا عہد کرنا نہیں چاہتے اور تمہاریوں نے لڑکر جان دی۔<sup>۲</sup>

فضل و کمال:

فضل و کمال کے ثبوت کے لیے یہ واقعہ کافی ہے کہ مذہبی تعلیم کے لیے آنحضرت ﷺ نے ان کا انتخاب فرمایا تھا، چونکہ آنحضرت ﷺ کی حیات میں انتقال کر گئے اس لیے ان کے علمی جوہر کھلنے نہ پائے، تاہم ان کی روایت سے حدیث کی کتابیں یکسر خالی نہیں ہیں۔<sup>۳</sup>

۱۔ یہ واقعہ استیعاب جلد ۱ ص ۲۷۴ میں مفصل اور ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۰۳ میں مجمل مذکور ہے، ابن جریر نے اس آیت کے نزول کے سلسلہ میں قبلہ اور واقعات کے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

۲۔ ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۹ ۳۔ تہذیب الکمال ص ۳۷۲

## حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

کلثوم نام، ابورہم کنیت ”منخور“ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، کلثوم بن حصین بن خالد بن عسعس بن زید بن عمیس بن احمس بن غفار۔<sup>۱</sup>

اسلام:

آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

غزوہ احد:

سب سے پہلے احد میں شریک ہوئے اور ایک تیر سینہ پر کھا کر نشان امتیاز حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے زخم پر لعاب دہن لگایا تھا اور سینہ کو ”نحر“ کہتے ہیں اس مناسبت سے لوگ ان کو ”منخور“ کہنے لگے۔<sup>۲</sup>

صلح حدیبیہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے اور بیعت رضوان میں شرف بیعت حاصل کیا۔<sup>۳</sup>

اس کے بعد غزوہ خیبر میں شریک ہوئے اور مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو دہرا حصہ دیا۔<sup>۴</sup>

فتح مکہ میں شریک نہ ہو سکے تھے، لیکن اس میں اس سے بھی بڑا یہ شرف حال ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لیے نکلے تو مدینہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنا گئے اس کے علاوہ عمرہ القضاء میں بھی یہ شرف حاصل ہوا تھا۔<sup>۵</sup>

۱ اصابہ جلد ۷ ص ۶۸ ۲ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۸۰ ۳ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹

۴ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۶ ۵ استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۸

طائف کے محاصرہ میں شریک تھے واپسی کے وقت یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپسی کے بعد جراند کی طرف چلے تو ابو رہم رضی اللہ عنہ کی اونٹنی آپ کی اونٹنی سے بھڑگئی اور ان کے جوتے کا کنارہ ران مبارک سے رگڑ کھا گیا، آنحضرت ﷺ کو اس کی خراش سے تکلیف ہوئی، آپ نے ان کے پاؤں کو کوڑے سے کوچ کر فرمایا پاؤں ہٹاؤ، میری ران میں خراش آگئی، ابو رہم رضی اللہ عنہ بہت خوفزدہ ہوئے کہ مبادا وحی کے ذریعہ اس گستاخی کی تشبیہ نہ ہو، صبح کو جب قافلہ جراند پہنچ کر خیمہ زن ہوا تو ابو رہم رضی اللہ عنہ حسب معمول اونٹ چرانے نکل گئے، مگر دل میں یہ خطرہ لگا رہا، اس لیے واپس آتے ہی لوگوں سے دریافت کیا تو بظاہر اس خطرہ کی صحت کے آثار نظر آئے، معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا تھا، چنانچہ یہ ڈرتے ڈرتے حاضر خدمت ہوئے لیکن یہ قیصر و کسرئی کی شہنشاہی نہ تھی، جس میں ادنیٰ گستاخی بھی سخت ترین پاداش کا مستحق بنا دیتی ہے، بلکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے لطف و کرم کا دربار تھا، جس میں آقا غلام، مالک اور مملوک کا کوئی امتیاز نہیں اور جس کی تعزیرات میں غیظ و غضب، سزا اور انتقام سے زیادہ لطف و رحم کی دفعات ہیں، چنانچہ جب یہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ کو تکلیف پہنچائی تھی اس کے بدلہ میں میں نے تمہارے پیر کو کوڑے سے ہنایا تھا، اب اس کے عوض میں یہ بکریاں انعام میں لو، حضرت ابو رہم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس وقت کی رضا مندی میرے لیے دنیا و ما فیہا سے بہتر تھی۔

غزوہ تبوک میں شریک ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے اور بہت سے قبیلہ والوں کو شریک کیا، اس غزوہ میں عرب میں ایسا قحط اور ایسی شدت کی گرمی تھی کہ لوگوں کا گھروں سے نکلنا دشوار تھا اور منافقین مسلمانوں کو شرکت جنگ سے منع کرتے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ کو اس کے لیے خاص اہتمام کی ضرورت پیش آئی، چنانچہ جب ابو رہم رضی اللہ عنہ نے حسب معمول دوسرے غزوات کی طرح اس میں بھی شرکت کے لیے تیاریاں شروع کیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم جا کر اپنے قبیلہ والوں کو جنگ پر آمادہ کرو، اس ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے قبیلہ غفار کے بہت سے لوگوں کو شرکت پر آمادہ کر دیا اور ان کے معتد بہ تعداد اس غزوہ میں شریک ہوئی۔

اتفاق سے اس مرتبہ بھی واپسی میں ان کی سواری آنحضرت ﷺ کی سواری کے پہلو میں تھی رات کا وقت تھا بار بار غنودگی طاری ہو جاتی تھی اس لیے آنحضرت ﷺ کی سواری سے بھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا اس لیے جہاں ایسا موقع آتا وہ فوراً اپنی سواری ہٹا لیتے۔  
وفات:

وفات کے بارہ میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

فضل و کمال:

آپ سے دو حدیثیں مروی ہیں۔<sup>۱</sup>



۱! مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۸۰

۲! تہذیب الکمال ص ۳۲۱

## حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ

### نام و نسب:

عمرو نام ابو امیہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبداللہ ابن ایاس بن عبید بن ناثرہ بن کعب بن جدی بن حمزہ بن بکر بن عبدمنافہ بن کنانہ کنانی۔  
اسلام:

بدر اور احد کی لڑائیوں میں مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کے خلاف نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے، لیکن بدر و احد کے معرکوں میں جو شخص مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے آیا تھا وہ احد کے بعد اسلام کے سرچشمہ ایمان سے سیراب ہو گیا۔  
بیر معونہ:

اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے بیر معونہ میں شریک ہوئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ۴ھ میں ابو براء قبیلہ کلاب کے رئیس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ کچھ مسلمان ہمارے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لیے بھیجے، آپ نے فرمایا مجھ کو نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے، لیکن اس کی ضمانت کے بعد ستر آدمیوں کی جماعت منذر بن عمرو کی ماتحتی میں بھیج دی، ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کے ہاتھ آنحضرت ﷺ کا دعوت نامہ عامر بن طفیل کے پاس بھجوادیا، اس نے ان کو قتل کر دیا اور عصیہ رعل اور ذکوان وغیرہ کے قبائل میں منادی کرادی، یہ سب جمع ہو گئے یہاں جب حرام کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمان ان کی تلاش میں نکلے، لیکن آگے بڑھ کر رعل و ذکوان وغیرہ کا سامنا ہو گیا ان سب نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کی پوری جماعت تہ تیغ کر دی، صرف حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر کہ "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے

کی نذر تھی، چھوڑ دیا اور نشانِ ذلت کے طور پر پیشانی کے بال تراش لیے یہ واپس ہو رہے تھے کہ راستہ میں دو کلابی شخص ملے ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے امان دے دی تھی، لیکن عمرو بن لہب کو معلوم نہ تھا اس لیے دونوں کو قصاص میں قتل کر دیا، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور دونوں کی دیت ادا کی۔

حضرت عمرو بن لہب کی سفارت اور نجاشی کا اسلام:

۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو نجاشی کے پاس دعوتِ اسلام کا خط لے جانے پر مامور کیا، اس خط میں دعوتِ اسلام کے علاوہ مہاجرین کی میزبانی کی سفارش اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (جو اس وقت مہاجرین حبش کے ساتھ حبشہ میں موجود تھیں) کے ساتھ نکاح کا پیام بھی تھا، اس دعوت نامہ کے اثر سے نجاشی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیام دیا، اور خود آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل بنا اور نکاح کے بعد آپ کی طرف سے چار سو دینار مہر مغل ادا کیا۔

ایک سریہ:

اس سفارت کے بعد ابوسفیان کی ایک شرارت کا بدلہ لینے کی خدمت سپرد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان قریش کے کچھ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے قتل پر آمادہ کر رہا تھا، ایک اعرابی نے اس کا بیڑا اٹھایا اور ابوسفیان نے ضروری سامان مہیا کر دیا، وہ مدینہ پہنچا، آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، یہ بھی وہیں پہنچا، لیکن آنحضرت ﷺ اس کی نیت تاڑ گئے، فرمایا کہ یہ کوئی فریب کرنا چاہتا ہے، اعرابی حملہ کرنے ہی والا تھا کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے جھپٹ کر دبوچ لیا، اعرابی کے ازار سے خنجر گرا، جرم کھلا ہوا تھا، کسی شاہد کی ضرورت نہ تھی، لیکن رحمۃ اللعالمین ﷺ نے معاف کر دیا، اس نے پورا پورا واقعہ سنایا، چونکہ اس جرم کا اصل بانی ابوسفیان تھا اور اس کے بدولت اہل مدینہ اور قریش کی دائمی جنگ کی سی حالت قائم تھی، اس لیے آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ اور سلمہ بن اسلم کو اس غرض سے بھیجا کہ اگر موقع ملے تو اس فتنہ کے بانی کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے، یہ دونوں بزرگ مکہ پہنچے، لیکن معاویہ نے خانہ

کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور قریش کو خبر کر دی ان لوگوں نے کہا ان کا آنا بنے سبب نہیں ہے اور یہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کریں گے ان لوگوں نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو گیا تو مکہ سے نکل گئے راستہ میں عبید اللہ بن مالک اور بنو ہذیل کا ایک آدمی ملا عمرو بن لہب نے عبید اللہ کا اور سلمہ نے دوسرے شخص کا کام تمام کر دیا اس کے بعد قریش کے دو جاسوس ملے جو انہیں کی تلاش میں پھر رہے تھے ان دونوں بزرگوں نے ان میں سے بھی ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔

### وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری عہد امارت ۶۰ھ کے قبل مدینہ میں وفات پائی۔

### اولاد:

جعفر، عبد اللہ اور فضل تین لڑکے یادگار تھے۔

### فضل و کمال:

فضل و کمال میں گو کوئی ممتاز حیثیت نہ تھی تاہم ان کی ۲۰ روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں تلامذہ میں ذیل کے نام ہیں عبد اللہ، جعفر، فضل زبرقان، شععی، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، ابو قلابہ جری اور ابو المہاجر۔

### عام حالات:

شجاعت و شہامت اور جرأت و دلیری میں عرب کے ممتاز لوگوں میں تھے اس لیے آنحضرت ﷺ اہم امور کی تکمیل ان کے سپرد فرماتے تھے۔



۱ ابن سعد ج ۲ ق ۱ ص ۶۸ ۲ تہذیب الکمال ص ۲۸۷ ۳ تہذیب احزاب ج ۸ ص ۶

۴ تہذیب الکمال ص ۲۸۷ ۵ تہذیب احزاب حوالہ مذکور ۶ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۸۶



## حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ابان نام سلسلہ نسب یہ ہے ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی الاموی ماں کا نام ہند بنت مغیرہ تھا اس کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا تھا۔  
زمانہ جاہلیت:

اسلام لانے کے قبل ابان رضی اللہ عنہ بھی دوسرے اہل خاندان کی طرح آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے چنانچہ جب ان کے بھائی خالد اور عمرو شرف باسلام ہوئے تو انہوں نے اشعار میں اظہار ناراضگی کیا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے:

الایة میتابا نظریہ شاہد لما یفتری فی الدین عمرو و خالد  
”کاش ظریبہ میں موت کی نیند سونے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا  
افترا کیا ہے۔“

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے خلافت مشرکین کی حمایت میں اپنے بھائی عبیدہ اور عاص کے ساتھ لڑنے نکلے عبیدہ اور عاص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے، لیکن ابان بچ کر نکل گئے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس صلح کی گفت و شنید کے لیے بھیجا تو وہ ابان رضی اللہ عنہ ہی کے یہاں مہمان ہوئے تھے کیوں کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عزیز تھے اور ان ہی نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔

۱ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۵ ۲ ایضاً

۳ اسبابہ جلد ۱ ص ۱۰ ۴ استیعاب جلد ۱ ص ۳۵

## ایک راہب سے گفتگو:

گو وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف تھے تاہم اصل حقیقت کی جستجو رہتی تھی اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارہ میں واقف کاروں سے پوچھا کرتے تھے اس وقت شام اصحاب علم و خبر کا مرکز تھا یہ تجارت کے سلسلہ میں وہاں جایا کرتے تھے ایک مرتبہ ایک راہب سے کہا میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں اسی قبیلہ کا ایک شخص اپنے کو خدا کا فرستادہ ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو بھی خدا نے عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام کی طرح نبی بنا کر بھیجا ہے راہب نے نام پوچھا انہوں نے کہا محمد (ﷺ) راہب نے صحف آسمانی کی رو سے نبی مبعوث کا سن اور نسب وغیرہ بتایا ابان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تمام باتیں تو اس شخص میں موجود ہیں راہب نے کہا تو خدا کی قسم! وہ شخص عرب پر اقتدار حال کرنے کے بعد تمام دنیا پر چھا جائے گا تم واپس جانا تو خدا کے اس نیک بندے تک میرا اسلام پہنچا دینا چنانچہ ابان رضی اللہ عنہ جب واپس ہوئے تو رنگ بدل چکا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ وہ پر خاش باقی نہ رہی۔

اسلام و ہجرت:

کچھ دنوں تک آبائی مذہب کی لاج اور ہم چشموں کی طعنہ زنی کے خیال سے خاموش رہے لیکن زیادہ دنوں تک جذبہ حق نہ دب سکا اور خیبر سے قتل مشرف باسلام ہو گئے۔ اور غالباً اسلام کے بعد ہی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔

غزوات:

اسلام لانے کے بعد ہی آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر نجد روانہ کیا وہاں سے کامیاب ہو کر واپس ہوئے تو خیبر فتح ہو چکا تھا اسی وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین حبش کے ساتھ واپس ہوئے تھے دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ خیبر کے مال غنیمت سے کچھ ہم لوگوں کو بھی مرحمت ہو ان میں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں پہلے سے کچھ چشمک تھی انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ)! ان لوگوں کو نہ دیجئے ابان رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا بولے پہاڑ کی بھیڑی اتری وہ بھی بولی! آنحضرت ﷺ نے دونوں کو خاموش کیا۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶ ۲۔ استیعاب جلد ۱ ص ۳۵ ۳۔ بخاری جلد ۲ کتاب المغازی غزوہ خیبر میں

دو مختلف قسم کی روایتیں ہیں ہم نے دونوں کی تطبیق کی کوشش کی ہے۔

نجد کی مہم کے علاوہ ان کو دوسرے سریوں کی امارت بھی عطا کی گئی۔  
بحری کی امارت:

علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو بحرین کے بری اور بحری دونوں حصوں کا عامل مقرر کیا، آپ کی وفات تک یہ اپنے فرائض ذمہ داری سے انجام دیتے رہے، وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے۔<sup>۱</sup>  
خلافت صدیقی:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت عام کے بعد قریش کے جو چند افراد کچھ دنوں تک ان کی بیعت سے دست کش رہے تھے ان میں ایک ابان رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن جب بنو ہاشم نے بیت کر لی تو ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے کسی عامل کو معزول نہیں کیا تھا، ابان رضی اللہ عنہ بھی آپ کے مقرر کردہ عامل تھے، اس لیے ان سے دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کا پیش کردہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دنوں تک اس عہد پر قائم نہیں رہے اور خلیفہ اول کے اصرار پر یمن کی گورنری قبول کر لی۔<sup>۲</sup>

وفات:

زمانہ وفات میں بہت اختلاف ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں جنگ اجنادین میں شہادت پائی، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے، ایک اور روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ تھے اور مصحف عثمانی ان ہی کی نگرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تب وحی نے لکھا تھا، لیکن ان سب میں مستند تر اجنادین کی شہادت کی روایت ہے چنانچہ مصعب زبیر اور دوسرے نسابوں کا بھی یہی خیال ہے۔<sup>۳</sup>



## حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

نعیم نام، ابو سلمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، نعیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ ابن قنفذ بن حلاوہ بن سبع بن بکر بن اشجع بن ریث بن غطفان غطفانی اشجعی۔

قبل اسلام:

غزوہ احزاب ۵ھ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے نعیم رضی اللہ عنہ اس وقت آبائی مذہب پر تھے، لیکن آنحضرت ﷺ سے قدیم شناسائی کی بنا پر ان کا دل اسلام سے متاثر تھا، غزوہ احزاب میں یہ اثر پورے طور پر نمایاں ہو گیا۔

چنانچہ ایک دن کسی کو اطلاع دیئے بغیر مغرب و عشاء کے درمیان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے، اس سے فارغ ہونے کے بعد ان کو دیکھا، پوچھا کیسے آئے ہو؟ عرض کیا حلقہ بگوش ہونے آیا ہوں، جو خدمت میرے قابل ہو اس کے لیے حاضر ہوں، فرمایا اگر ان قبائل (احزاب کا اجتماع) کو کسی طرح ہٹا سکتے ہو تو ہٹانے کی کوشش کرو، گو عرب کے ٹڈی دل قبائل کا منتشر کرنا آسان نہ تھا، اس لیے نعیم نے ان میں پھوٹ ڈلوادی، پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے اور کہا قریش اور غطفان کا کوئی اعتبار نہیں، اگر موقع ملا تو وہ مسلمانوں سے لڑیں گے ورنہ واپس چلے جائیں گے، تم لوگوں کو ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے، اس لیے تم درمیان پڑ کر خواہ مخواہ کیوں جھگڑا خریدتے ہو، اگر تم کو قریش کا ساتھ ہی دینا ہے تو ان کے کچھ آدمی ضمانت کے طور پر اپنے یہاں رکھ لو کہ وہ کسی قسم کی بد عہدی نہ کر سکیں، ان لوگوں نے یہ مشورہ قبول کیا، اس کے بعد ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ کشیدگی پر بہت نادم ہیں اور ان سے از سر نو تعلقات خوش گوار بنانا چاہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے محمد ﷺ کے پاس کہلا بھیجا ہے کہ ہم قرش اور غطفان کے ستر آدمی عنقریب تمہارے پاس معاون و مددگار رہیں گے، اس لیے میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم ان کے دام فریب میں نہ آؤ، اگر وہ ضمانت وغیرہ میں کچھ آدمی مانگیں تو ہرگز نہ دو، اس کے بعد اپنے قبیلہ غطفان کو بھی یہی مشورہ دیا، یہ خود اس قبیلہ کے آدمی تھے، اس لیے سب نے متفقہ

ان کی تائید کی۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے ابوسفیان کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم کو خطرہ ہے کہ تم لوگ ہم کو چھوڑ کر محمد (ﷺ) کا ساتھ دو گے اس لیے ہم اس وقت محمد (ﷺ) سے لڑنے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے، جب تک ہمارے اطمینان کے لیے ستر آدمی ضمانت کے طور پر ہمارے یہاں نہ بھیج دو ابوسفیان نے کہا نفعیم کا کہنا سچ تھا، اس کے بعد غطفان کے پاس بھی یہی پیام بھیجا، لیکن سب نے آدمی دینے سے انکار کر دیا اور کہا ہم آدمی تو نہیں دے سکتے اگر یقین نہیں ہے تو ہم سے الگ ہو کر تم خود مسلمانوں سے مقابلہ کرو، یہودیوں نے کہا تو رات کی قسم نفعیم کا کہنا بالکل سچ تھا، غرض اس کے بعد کسی کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں رہا، اور آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔<sup>۱</sup>

اتفاق سے اسی دوران میں ہوا کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنائیں اکھڑا کھڑ گئیں اور چولھوں پر سے ہانڈیاں الٹ گئیں، غرض کچھ تا اتفاقی اور کچھ موسم کی خرابی کی وجہ سے سب نے اپنی اپنی راہ لی اور نفعیم رضی اللہ عنہ کی کارکردگی سے کفار کے بادل ہوا بن کر اڑ گئے۔  
ہجرت:

اس غزوہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔<sup>۲</sup>

غزوات:

غزوہ احزاب کے بعد دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے غزوہ تبوک میں اپنے نبیلہ کو ابھار کر لائے، پھر فتح مکہ کے لیے بنو اشجع کو آمادہ کرنے کے لیے گئے۔<sup>۳</sup>  
وفات:

وفات کے بارہ میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے، دوسری یہ کہ اسی عہد میں وفات پائی۔<sup>۴</sup>  
فضل و کمال:

فضل و کمال کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر مرتبہ نہ تھا، تاہم ان کے صاحبزادے سلمہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔<sup>۵</sup>

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۲ ص ۲۱۰، ۲ ایضاً ۳ ایضاً  
۲ استیعاب ج ۱ ص ۳۱۲ و اصحابہ تذکرہ نفعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ ۵ تہذیب الکمال ص ۴۰۳

## حضرت واقد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

واقد نام والد کا نام عبد اللہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے واقد بن عبد اللہ بن عبد مناف ابن عربین بن ثعلبہ بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناة بن تمیم تميمی حنظلی۔

اسلام و ہجرت:

دعوت کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور اذن ہجرت کے بعد وطن چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی اور رفاعہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات:

ہجرت عظمیٰ کے بعد آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے سر یہ مقام نخلہ میں عبد اللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کی زیر امارت قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا، اس میں حضرت واقد رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان لوگوں نے منزل مقصود پر پہنچ کر قیام کیا، ابھی یہ لوگ پہنچے ہی تھے کہ قریش کا قافلہ ادھر سے آگیا، مسلمانوں نے حملہ کرنے کا مشورہ کیا، لیکن رجب کا مہینہ تھا جس میں عرب میں خونریزی حرام تھی، اس لیے سب ابتدا کرتے ہوئے جھپکتے تھے، لیکن حضرت واقد رضی اللہ عنہ نے ہمت کر کے عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنا دیا، مکہ والوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت کہلا بھیجی کہ تم لوگ بھی شہر حرام کی حرمت کرتے ہو اور اس میں خونریزی کرنا برا سمجھتے ہو، پھر تمہارے آدمی نے ہمارے ایک آدمی کا خون کیوں بہایا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿يَسْتَلْزِمَكَ مِنَ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٌ فِيهِ قَتْلٌ فِيهِ كَثِيرٌ وَصَدْعٌ سَيْلٌ﴾

اللَّهُ وَكُفِّرْ بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَإِخْرَاجَ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ  
أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ﴿ (بقرہ: ۲۶)

”اے محمد (ﷺ)! مشرکین تم سے شہ حرام میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں ان سے کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے لیکن خدا کی راہ سے روکنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں نہ جانے دینا اور اس مسجد میں عبادت کرنے والوں کو نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فساد برپا کرنا قتل سے بڑھ کر ہے۔“

سر یہ نخلہ میں ایک مشرک کا سب سے پہلا خون تھا جو حضرت واقد بن زبیرؓ کے ہاتھ سے بہا اس سر یہ کے بعد بدر احد خندق وغیرہ کی تمام معرکہ آرائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔

وفات:

حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے لحاظ سے گو کوئی لائق ذکر مرتبہ نہ پاسکے تاہم ان کی ایک آدھ روایت کتاب احادیث میں موجود ہے۔



## حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عیاش نام ابو عبد الرحمن کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عیاش بن ابی ربیعہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی، عیاش رضی اللہ عنہ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔  
اسلام و ہجرت:

گو عیاش رضی اللہ عنہ ابو جہل جیسے کینہ پرور کے بھائی اور اس کے ہم صحبت تھے تاہم ان کا آئینہ قلب کدورتوں سے پاک اور پرتو حق قبول کرنے کے لیے آمادہ تھا چنانچہ دعوت اسلام کے ابتدائی ہی ایام میں یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لانے کے قبل دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی اسماء رضی اللہ عنہا کے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے یہاں ایک صاحبزادہ عبد اللہ پیدا ہوا پھر حبشہ سے مکہ آئے اور مکہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا۔

ابتلا و آزمائش:

ابو جہل جو دوسروں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برا بیخیز کرتا تھا اور اس جرم میں اپنے زیر دستوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتا تھا اپنے بھائی کا اسلام کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتا چنانچہ ان کی تلاش میں مکہ سے مدینہ آ گیا اور عیاش رضی اللہ عنہ سے کہا کہ والدہ تمہاری جدائی سے سخت بے قرار ہیں اور انہوں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ تم کو دوبارہ نہ دیکھ لیں اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالیں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی، عیاش رضی اللہ عنہ ماں کی یہ حالت سن کر ان کی محبت میں ابو جہل کے ساتھ مکہ واپس آ گئے یہاں پہنچ کر ابو جہل نے ان کو قید کر دیا اور وہ عرصہ تک اس قید میں گرفتار رہے آنحضرت ﷺ دوسرے مسلمان قیدیوں کے



ساتھ ان کے لیے بھی دعا فرماتے تھے کہ خدایا ان کو مشرکین کے ظلم سے نجات دلا۔<sup>۱</sup>  
عیاش رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اور بزرگ ولید رضی اللہ عنہ بھی اسی جرم میں قید تھے وہ کسی  
طرح چھوٹ کر نکل گئے اور آنحضرت ﷺ سے ان کی مصیبت بیان کی آنحضرت ﷺ نے  
انہیں دوبارہ عیاش رضی اللہ عنہ اور سلمہ رضی اللہ عنہ کو چھڑانے کے لیے واپس کیا چنانچہ یہ مکہ گئے اور ان  
دونوں بزرگوں کو قید سے نکال لائے۔<sup>۲</sup>

### وفات:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحات شام میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ایک  
روایت کی رو سے اسی سلسلہ میں یرموک یا یمامہ کے معرکہ میں شہید ہوئے اور دوسری روایت  
کی رو سے شام میں وفات پائی، لیکن طبری کے بیان کے مطابق شام سے واپس ہو کر مکہ میں  
پیوند خاک ہوئے۔<sup>۳</sup>

### فضل و کمال:

ان کی روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان سے روایت کرنے والوں  
میں انس اور عبدالرحمن قابل ذکر ہیں۔<sup>۴</sup>



۲ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۹۵

۱ استیعاب جلد ۲ ص ۵۰۹

۳ تہذیب الکمال ص ۳۰۰

۴ اصابہ جلد ۵ ص ۳۷

## حضرت ابو فکیہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

یہاں نام ابو فکیہ کنیت، نسبی تعلق قبیلہ ازد سے تھا ابتدا میں بنو عبدالدار کے غلام تھے۔<sup>۱</sup>

اسلام و شہادت:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف مشرف باسلام ہوئے، آغاز دعوت میں آزاد مسلمان بھی مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے ابو فکیہ رضی اللہ عنہ تو بے یار و مددگار غلام تھے اور سنگدل آقا خود آمادہ تم تھا، اس لیے اسلام لانے کے بعد ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے اور بنو عبدالدار ان کو طرح طرح کی درد انگیز سزائیں دیتے تھے ٹھیک دو پہر کو تہمتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر پیٹ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے، تاکہ جنبش نہ کر سکیں اور اس عبرت انگیز سزا کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک ابو فکیہ بے ہوش نہ ہو جاتے ایک مرتبہ امیہ نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹ کے جلتی ہوئی ریت میں ڈال دیا، ادھر سے ان کا بیٹا صفوان گزرا، یہ بھی ”گرگ زادہ“ تھا ابو فکیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا یہ (امیہ) تیرے رب نہیں ہیں؟ اس حالت میں انہوں نے جواب دیا کہ میرا رب خدا ہے، اس جواب پر صفوان نے غضبناک ہو کر ابو فکیہ رضی اللہ عنہ کا گلا گھونٹنا شروع کیا، اس کے دوسرے بھائی نے لکارا کہ ذرا اور زور سے، صفوان نے شکنجہ اور کس دیا، اور اس وقت چھوڑا جب موت کا خطرہ پیدا ہو گیا، حسن اتفاق سے اسی وقت ستم زدہ غلاموں کے مولیٰ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) ادھر سے گزرے انہوں نے اس حال میں دیکھا تو خرید کر آزاد کر دیا۔<sup>۲</sup>

ہجرت و وفات:

آزادی کے بعد ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، لیکن طرح طرح کے المناک عذاب سہتے سہتے قوی ضعیف اور اعضا کمزور ہو چکے تھے، اس لیے ہجرت کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے اور غزوہ بدر سے قبل انتقال کر کے کشتگان خنجر تسلیم میں جا ملے۔<sup>۳</sup>

۱۔ اصابہ جلد ۲ ص ۷۲ ۲۔ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۳ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۹۱

## حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عبداللہ نام ابو محمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰ ابن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی عامری۔ ماں کا نام بہنانہ تھا اور قبیلہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

اسلام و ہجرت:

آغاز و دعوت میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا، پھر وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور فروہ بن عمرو بیاضی رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے اور بدری ہونے کا امتیاز حاصل کیا، اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی بدر کے بعد احد اور خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔

شہادت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ہر موے بدن خونناہ فشانی کے لیے بے قرار رہتا تھا، چنانچہ وہ دہا کیا کرتے تھے، کہ ”خدا یا تو مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک میرے جسم کا جوڑ جوڑ تیری راہ میں زخموں سے چور چور نہ ہو جائے، یہ دعا قبول ہوئی اور بہت جلد اس کا موقع مل گیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مہم میں مجاہدانہ شریک ہو گئے اور مرتدوں کے مقابلہ میں اس بے جگری سے لڑے کہ جسم کے تمام جوڑ بند زخموں سے چور ہو گئے، رمضان کا مبارک مہینہ تھا، روزہ رکھے ہوئے تھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم غروب آفتاب کے وقت جب کہ ابن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا آفتاب عمر لب بام آچکا تھا، ان کی خبر

لینے آئے انہوں نے پوچھا ابن عمر (رضی اللہ عنہما) تم افطار کر چکے؟ انہوں نے کہا ہاں فرمایا میرے لیے بھی پانی لاؤ لیکن پانی آتے آتے ابن مخرمہ رضی اللہ عنہما تشنہ لب حوض کوثر پر پہنچ گئے اس وقت ان کا اکتالیسواں سال تھا۔  
اہل و عیال:

اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ مساحق کا پتہ چلتا ہے یہ زینب بنت سراقہ کے بطن

سے تھے۔

فضل و کمال:

ابن مخرمہ رضی اللہ عنہما علم و عمل اور زہد و ورع کے لحاظ سے ممتاز شخصیت کے مالک تھے صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں وکان فاضلاً عابداً یعنی ابن فکیہ رضی اللہ عنہما فاضل اور عبادت گزار تھے۔

## حضرت نعیم النحام رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

نعیم نام، نحام لقب، نسب نامہ یہ ہے، نعیم بن عبد اللہ بن اسید بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب عدوی قرشی، نحام کے لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جنت میں نعیم رضی اللہ عنہما کی "نعمہ" یعنی آواز سنی اسی وقت سے نحام ان کا لقب ہو گیا۔

اسلام:

نعیم رضی اللہ عنہما نے اس وقت توحید کی دعوت پر لبیک کہا جب کل ۹ یا ۱۰ ہجرت کے بعد خدا نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی اس وقت تک کفر کی تاریکی میں محسوس تھے لیکن اس زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں شدید ترین جرم تھا اس لیے عرصہ تک اسلام کا اعلان نہ کر سکے ہجرت کے اذن کے بعد جب مسلمانوں کے لیے بیت الامن مہینہ کا

۱. استیعاب جلد اول ص ۳۷۰ ج ۱ ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹۳ ج ۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۳

۲. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۵۹ ج ۵ استیعاب جلد اول ص ۳۱۱

دروازہ کھلا تو انہوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا، مگر بنی عدی کی جن بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کرتے تھے انہوں نے التجا کی کہ ہم کو چھوڑ کر نہ جائیے، جس مذہب میں دل چاہے رہیے مگر جانے کا قصد نہ کیجئے، آپ سے کوئی شخص تعرض نہیں کر سکتا، پہلے ہم سب کی جانیں قربان ہو جائیں گی، اس وقت آپ کو کوئی گزند پہنچ سکے گا، اس مجبوری کی بنا پر ابتدا میں ہجرت کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن یتیموں اور بیواؤں کی پرورش خود ایسی فضیلت ہے، جس کے مقابلہ میں ہجرت کی تاخیر چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔

ہجرت:

۶ھ میں اپنے چالیس اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے گلے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا، نعم تمہارا قبیلہ تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا قبیلہ بہتر تھا، فرمایا یہ کیسے؟ فرمایا میرے قبیلہ نے تو مجھ کو نکال دیا، مگر تمہارے قبیلہ نے تم کو ٹھہرائے رکھا، عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کی قوم نے آپ کو ہجرت پر آمادہ کیا، اور میری قوم نے مجھ کو اس شرف سے محروم رکھا۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

وفات:

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اجنادین کے معرکہ میں شہادت پائی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ھ میں یرموک میں شہید ہوئے۔

اولاد:

وفات کے بعد اولاد ذکور میں ابراہیم اور اثاث میں امہ چھوڑیں، اول الذکر زینب بنت حنظلہ کے بطن سے تھے اور ثانی الذکر عائکہ بنت حذیفہ کے بطن سے تھیں۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۳ حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ حبشہ کی ہجرت میں شریک تھے، لیکن اور تمام ارباب سیر اس کے مخالف ہیں۔ ۲۔ ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۲ ح ۱۰۱ ص ۶ ص ۲۳۸

۳۔ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۳ ح ۱۰۲ ص ۱۰۲

عام حالات:

نہایت فیاض، رحم دل، قیموں کا بچا، بیواؤں کا ماویٰ اور غریبوں کے مددگار تھے، نبی  
عدی میں قیموں اور بیواؤں کے علاوہ اور جس قدر فقراء تھے ان سب کو مہینہ مہینہ کر کے کھانا  
کھلاتے تھے۔<sup>۱</sup>

حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہنام و نسب:

معمر نام، باپ کا نام عبد اللہ، سلسلہ نسب یہ ہے، معمر بن عبد اللہ بن نضله بن عبد العزیٰ  
بن حرثان بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب القرشی العدوی۔

اسلام و ہجرت:

معمر چھٹے ابتدائے دعوت اسلام میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، پھر  
وہاں سے مکہ واپس آئے اور عرصہ تک یہاں مقیم رہے، اس لیے مدینہ کی ہجرت میں تاخیر ہوئی،  
اور بالکل آخر میں یہ شرف حاصل ہو سکا۔<sup>۲</sup>

حجۃ الوداع:

اسلام کے بعد کا زمانہ زیادہ تر حبشہ اور مکہ میں گزرا تھا، اس لیے غزوات میں شرکت  
کا موقع نہ مل سکا اور مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع  
میں شریک ہوئے، اس سفر میں سواری مبارک کا اہتمام انہی کے سپرد تھا اور کجاوہ وغیرہ یہی کہتے  
تھے، ایک دن کسی حاسد نے اس کو ڈھیلا کر دیا جس سے وہ چلنے میں ہلنے لگا، صبح کو آنحضرت ﷺ  
نے فرمایا کہ ”رات تنگ ڈھیلا معلوم ہوتا تھا“ عرض کی میں نے حسب معمول کس کر باندھا تھا،  
اس شرف پر کسی حاسد نے ڈھیلا کر دیا ہوگا، تاکہ میری جگہ کسی دوسرے کو یہ خدمت سپرد کر دی  
جائے، آپ نے فرمایا: ”تم مطمئن رہو میں تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو نہ مقرر کروں گا“ اسی

۱ ابن سعد جز ۳، ق ۱، ص ۱۰۲۔

۲ ابن سعد جز ۳، ق ۱، ص ۱۰۲، جز معمر مجتہد

حج میں ان کو موئے مبارک تراشنے کا شرف حاصل ہوا، جب یہ استرا لے کر تیار ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مزاحاً فرمایا: ”معمرتم کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے کان کی لو پر قابو دے دیا ہے اور تمہارے ہاتھ میں استرہ ہے۔“ عرض کی خدا کی قسم یا رسول اللہ ﷺ! یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت اور اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مجھ کو حضور کے بال تراشنے کا فخر حاصل ہو رہا ہے۔<sup>۱</sup>

فضل وکمال:

معمر کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا اس لیے صرف دو حدیثیں

مروی ہیں۔<sup>۲</sup>

اِحْتِیَاط:

تاہم عملی زندگی میں ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں بڑی احتیاط کرتے تھے ایک مرتبہ غلام کو گیہوں دیا کہ اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے جو خرید لائے غلام نے بیچنے کے بجائے جو سے بدل لیا اور جو کی مقدار زیادہ تھی ان کو معلوم ہوا تو باز پرس کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا تبادلہ میں مساوات کا لحاظ رکھا کرو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کی چیزوں کا تبادلہ کھانے کی چیزوں کے ساتھ برابر برابر ہونا چاہیے اور اسی وقت غلام کو بھیج کر واپس کر دیا۔<sup>۳</sup>

## حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمرو نام ابو عبد اللہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے عمرو بن عوف بن زید بن ملیحہ ابن عمرو بن

بکر بن افرک بن عثمان بن عمرو بن اوبن طانجہ بن ایاس بن مضر۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۰۰۔

۲۔ تہذیب الکمال ص ۳۸۳۔

۳۔ مسلم جلد ۱ ص ۶۳۳ طبع مصر

اسلام و ہجرت:

عمر و بن عوف رضی اللہ عنہما ابتدائے اسلام میں مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے۔<sup>۱</sup>

غزوات:

ابن سعد کی روایت کے مطابق سب سے پہلے غزوہ ابواء میں شریک ہوئے لیکن بعض خندق بتاتے ہیں۔<sup>۲</sup>

غزوہ تبوک:

غزوہ تبوک کے زمانہ میں عرب میں ایسا سخت قحط تھا کہ ذی حیثیت صحابہ کے لیے اس میں شریک ہونے کا انتظام مشکل تھا نادار صحابہ کا تو ذکر ہی نہیں چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کے لیے تیاریاں شروع کیں اور دو تیسند صحابہ نے اپنا ساز و سامان درست کیا تو وہ اصحاب جو ایمان کی لازوال دولت کے سوا مادی دولت سے تمہی دامن تھے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے ان میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے ان سب نے مل کر درخواست کی کہ ”ہم بالکل بے مایہ ہیں اگر ہمارے لیے کچھ انتظام فرمایا جائے تو ہم بھی شرف جہاد سے محروم نہ رہیں۔“ یہاں فقر و فاقہ کے سوا کیا تھا جواب ملا میرے پاس کیا ہے یہ لوگ جہاد کی محرومی پر غمگین و طول روتے ہوئے واپس ہوئے مگر ان آنسوؤں نے دامن رحمت کو نم کر دیا اور اس حکم نے ان کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا۔<sup>۳</sup>

﴿ وَلَا غَلِي عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلْنَا لَيَحْمِلْنَهُمْ فَلْتِ لَا إِحْزَامًا أَحْمِلْنَهُمْ عَلَيْهِ

تَوَلَّوْا أَوْ غَائِبْتُمْ تَفِيضُ مِنَ اللَّعْنِ حَزْنَا إِلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴾ (توبہ: ۱۲)

”اور نہ ان لوگوں پر (الزام) ہے جو تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری بہم پہنچا

۱۔ استیعاب جلد ۲ ص ۳۵۰۔

۲۔ اصحابہ جلد ۵ ص ۹۔

۳۔ تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ ص ۱۳۶۔



دو تو تم نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں (یہ سن کر) وہ لوٹ گئے اور خرچ نہ میسر آنے کے غم میں ان کی آنکھیں اشک بار تھیں۔“

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی۔<sup>۱</sup>



## حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عثمان نام والد کا نام طلحہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، عثمان بن طلحہ بن عبد اللہ بن عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی العبدری، ماں کا نام سنامہ تھا، یہ قبیلہ بنی عمرو سے تھیں، عثمان رضی اللہ عنہ کے والد طلحہ احد میں مشرکین کے ساتھ صف آرا تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آئے، لیکن ذوالفقار حیدری سے نہ بچ سکے، زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کی کلید برداری کا منصب طلحہ کے متعلق تھا، اور زمانہ اسلام میں یہ وراثت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملی۔

اسلام و ہجرت:

فتح مکہ کے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام قبول کیا، اور ۸ھ میں ہجرت کر کے مدینہ کا قیام اختیار کیا۔

غزوہ فتح:

ہجرت کے بعد سب سے پہلے غزوہ فتح میں شریک ہوئے اور خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے جلو میں داخل ہوئے، اس وقت کلید برداری کے منصب پر یہی فائز تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کنجی طلب کی، انہوں نے گھر جا کر ماں سے مانگی، ماں نے دینے سے انکار کر دیا، (عائشہ) اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں، بولے ابھی حوالہ کر دو، ورنہ خدا کی قسم یہ تلوار پیٹھ میں اتار دوں گا اور کنجی لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی، آپ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، یہ بھی ساتھ ساتھ تھے دونوں کے اندر جانے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا، پھر تپسیر کعبہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ برآمد ہوئے تو کنجی عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر کے فرمایا، جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔

## وفات:

تاحیات نبوی ﷺ مدینہ میں رہے آپ کی وفات کے بعد کلید برداری کے فرائض کی وجہ سے پھر مکہ آئے اور یہیں ۴۲ھ میں وفات پائی۔

## حضرت سہل بن بیضاء رضی اللہ عنہ

## نام و نسب:

سہل نام والد کا نام وہب، نسب نامہ یہ ہے، سہل بن وہب بن ربیعہ ابن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر بن مالک، ماں کا نام بیضاء تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے بیضاء بنت جدم بن عمرو بن عائش بن ظرب بن حارث بن فہر، سہل رضی اللہ عنہ باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے مشہور ہوئے، چنانچہ عام طور پر سہل بن بیضاء کہلاتے تھے۔

## قبل از اسلام:

اسلام لانے سے پہلے بھی سہل رضی اللہ عنہ منصب مزاج اور رقیق القلب تھے، چنانچہ دعوتِ اسلام کے آغاز میں جب قریش نے آپس میں معاہدہ کر کے آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے خاندان والوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا، اور بنی ہاشم کئی برس تک مصیبتیں جھیلتے رہے تو آخر میں بعض خدا ترس اور منصب مزاج آدمیوں نے اس معاہدہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور ان کی کوششوں سے یہ معاہدہ ٹوٹا، ان عدل پرور لوگوں میں سہل رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

## اسلام:

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد سہل رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا اور مذہبی فرائض خفیہ ادا کرتے رہے۔

## بدر:

غزوہ بدر تک انہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا، اور مشرکین مکہ ان کو آبائی مذہب

پر سمجھتے تھے چنانچہ اپنے ساتھ بدر میں لے گئے، جب مشرکین کو شکست ہوئی تو سہل رضی اللہ عنہ بھی گرفتار ہوئے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے اسلام سے واقف تھے اور مکہ میں ان کو نماز بھی پڑھتے دیکھ چکے تھے چنانچہ ان کی شہادت پر سہل رضی اللہ عنہ کی رہائی ہوئی۔  
ہجرت اور غزوات:

رہائی کے بعد مستقلاً مدینہ میں رہنے لگے اور بعض بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے۔

وفات:

زمانہ وفات کی تعیین نہیں کی جاسکتی، مگر اس قدر مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وفات پائی۔

## حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سہیل نام ابو موسیٰ کنیت باپ کا نام وہب تھا، حضرت سہیل رضی اللہ عنہ مذکور الصدر بزرگ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کر کے حبشہ گئے وہاں عرصہ تک مقیم رہے اور جب اسلام کی علانیہ تبلیغ ہونے لگی تو مکہ واپس آئے پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ گئے۔

ابن سعد جلد ۴ ق ۱ ص ۱۵۶ ح ۱۵۶ ایضاً ح بعض ارباب سیر لکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنا اسلام چھپایا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے اسلام لائے تھے اور حبشہ کی ہجرت کی تھی پھر مدینہ جانے کے بعد غزوات میں برابر شریک ہوتے رہے اسلام چھپانے والے ان کے بھائی حضرت سہل رضی اللہ عنہ تھے جو بدر میں گرفتار ہوئے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شہادت پر چھوڑے گئے ابن سعد کا بھی یہی خیال ہے

دیکھو ابن سعد جلد ۴ ق ۱ ص ۱۵۶۔ ح ۱۵۶ استیعاب جلد ۲ ص ۵۶۱

## غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شریک ہوئے اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی اس کے بعد احد اور خندق وغیرہ کے تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔ غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ آپ کی سواری پر سوار تھے راستہ میں آپ نے ان کو دو تین مرتبہ بلند آواز سے پکارا یہ برابر جواب دیتے رہے اور لوگ بھی اس پکار کا مقصد سمجھ گئے اور سب آپ کے گرد جمع ہو گئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے خدا کی توحید کی شہادت دی اس پر خدا آتش دوزخ حرام کر دے گا اور جنت یقینی ہو جائے گی۔<sup>۱</sup>

## وفات:

تبوک سے واپس کے بعد ۹ھ میں وفات پائی آنحضرت ﷺ نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی۔<sup>۲</sup> موت کے بعد ان کی کوئی اولاد یادگار نہ تھی۔

## حضرت ابو قیس بن حارث رضی اللہ عنہ

## نام و نسب:

نام اور کنیت دونوں ابو قیس ہے، والد کا نام حارث تھا، نسب نامہ یہ ہے ابو قیس بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم قرشی السہمی، ان کے دادا قیس بن عدی سرداران قریش میں سے تھے اور باپ حارث اس کینہ پر درگروہ میں تھا جو قرآن کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا اور جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔<sup>۳</sup>

﴿الذین جعلوا القرآن عضین فوربک لئن لئنہم اجمعین عما کانوا  
یعملون فاصدع بما تو مروا عرض عن المشرکین انا کفیناک  
المتہذبن﴾ (حجر: ۵)

”جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تمہارے رب کی قسم ہم ان کے

۱ ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۳۰۲ ۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۰ مستدرک میں تبوک کا ذکر ہے لیکن

ابن سعد نے تصریح کر دی ہے۔ ۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۲۹ ۴ استیعاب جلد ۲ ص ۷۰۳

اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے پس تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو کھول کر سنا دو اور مشرکین کی پرواہ نہ کرو جو لوگ تم پر ہنستے ہیں ہم ان کے لیے کافی ہیں۔“

اسلام و ہجرت:

لیکن اسی آذر کے گھر میں ابو قیس جیسا بت شکن پیدا ہوا جس نے دعوت حق کی آواز سنتے ہی لبیک کہا اور سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل کیا، اسلام کے بعد پھر ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا۔<sup>۱</sup>

غزوات:

احد اور خندق وغیرہ سب میں شریک ہوئے۔<sup>۲</sup>

شہادت:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ارتداد کے سلسلہ کی مشہور جنگ یرامہ میں شہادت پائی۔<sup>۳</sup>

## حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سلیم نام، ابو کبشہ کنیت، وطن اور نسب کے بارہ میں مختلف روایات ہیں، بعض فارسی، بعض دوسی اور بعض کی بتاتے ہیں، ابو کبشہ غلام تھے آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کیا۔<sup>۴</sup>

اسلام:

ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، شرف غلامی سے قیاس ہوتا ہے کہ دعوت اسلام کے قریب تر زمانہ میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے۔

ہجرت:

مکہ کے ارباب ثروت اور صاحب وجاہت مسلمانوں کی عزت و آبرو تک مشرکین کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی، ابو کبشہ رضی اللہ عنہ غلام تھے ان کا پشت پناہ کون تھا، اس لیے اذن ہجرت کے

۱۔ اصابہ جلد ۷ ص ۱۵۸ ج ۲ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۷۹ ج ۳ اصابہ جلد ۷ ص ۱۵۸ ج ۲ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۲

بعد مدینہ چلے آئے اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں مقیم ہوئے۔<sup>۱</sup>  
غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدری ہونے کا شرف حاصل کیا، پھر احد اور دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے تھے۔<sup>۲</sup>  
مشرکین کی سفاہت:

کفار قریش آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے تھے چنانچہ ایک سفاہت یہ بھی تھی کہ آپ کو نعوذ باللہ ابو کبشہ کا بیٹا کہتے تھے ارباب سیر اس کی مختلف توجیہیں کرتے ہیں ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ابو کبشہ کے نانہالی اجداد میں کوئی شخص ابو کبشہ گزرا تھا جو تمام عرب کے خلاف ”شعری“ کی پرستش کرتا تھا آنحضرت ﷺ نے سرے سے بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی تھی اس لیے عربوں کی مخالفت کے اس اشتراک کی بنا پر لوگ کہنے لگے کہ یہ دوسرا اس کا بیٹا پیدا ہوا اور یہ ابو کبشہ رضی اللہ عنہ اصحاب کرام میں تھے اس لیے ادھر ڈھال دیا کہ محمد ابو کبشہ کے بیٹے ہیں۔<sup>۳</sup>  
وفات:

۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ یوم سہ شنبہ کو جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے  
 وفات پائی۔<sup>۴</sup>

## حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سلیط نام والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی ماں کا نام خولہ تھا نانہالی شجرہ نسب یہ ہے خولہ بنت عمرو بن حارث بن عمرو بن عیس۔

اسلام:

دعوت اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ پھر مدینہ آئے۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر، احد، خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

سفارت:

۶ھ میں جب آپ نے آس پاس کے امراء اور سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ہوزہ بن علی خنی کے پاس خط لے جانے کی خدمت سلیط بنی شیبہ کے سپرد ہوئی، ہوزہ نے بڑی خاطر و مدارت کی اور انعام و اکرام اور خلعت سے نوازا اور جواب میں لکھا کہ تم جس چیز کی دعوت دیتے ہو وہ بہت بہتر ہے، لیکن میں بھی عرب کا ایک معزز و مقتدر شخص ہوں، اس لیے اگر بعض امور میں مجھے بھی شریک کر لو تو میں تمہاری پیروی کے لیے تیار ہوں، آنحضرت ﷺ نے یہ جواب سنا تو فرمایا کہ اگر وہ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی مانگے تو میں نہیں دے سکتا۔

شہادت:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مشہور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، اولاد میں تھا ایک لڑکے سلیط بن سلیط تھے۔

## حضرت ابو مرشد غنوی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

کناز نام ابو مرشد کنیت، باپ کا نام حصین تھا، نسب نامہ یہ ہے، کناز بن حصین ابن یربوع بن جبینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلال ابن غنم

۱۔ اسبابہ جلد ۱ ص ۳۱۵ ۲۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۳۹۔ بدر کی شرکت کا ذکر اسبابہ میں ہے۔

۳۔ زرقانی جلد ۳ ص ۳۰۸، ۳۰۷ ۴۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۵۹



بن یحییٰ بن یعصر بن سعد بن قیس عیلمان بن مضر۔

اسلام و ہجرت:

ابو مرثد رضی اللہ عنہ نے آغاز دعوت میں اسلام قبول کیا اور اذن ہجرت کے بعد مدینہ گئے

آنحضرت ﷺ نے ان میں اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات:

بدر احد خندق اور دوسری معرکہ آرائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔

مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے لیکن ان کے اہل

و عیال مکہ ہی میں ان کے حلیف کی نگرانی میں تھے جب آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کا ارادہ

کیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کے خیال سے اپنے

حلیف کو اس کی خفیہ تحریر اطلاع دے دی آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے چند

سوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اس تحریر کی تلاش میں دوڑائے ان میں ایک ابو مرثد رضی اللہ

بھی تھے ان لوگوں نے خانگ کے باغ میں خط لے جانے والی عورت کو گرفتار کر لیا اور جامہ

تلاشی لے کر خط برآمد کیا۔

وفات:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں چھیانوہ سال کی عمر میں

وفات پائی۔

## حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمیر نام ابو محمد کنیت ذوالشمالین لقب 'نسب نامہ یہ ہے' عمیر بن عبد عمرو بن نھلہ بن

عمرو بن غبشان بن سلیم بن مالک بن عبسی بن حارثہ بن عمرو بن عامر۔

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ بعض ارباب سیر ذوالشمالین اور ذوالیدین ایک ہی شخص

کو قرار دیتے ہیں جو محض التباس ہے یہ دونوں دو شخص ہیں احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لہذا.....

## اسلام و ہجرت:

ان کا زمانہ اسلام متعین نہیں، قبول اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی اور سعد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور یزید بن حارثہؓ میں مواخات کرا دی۔<sup>۱</sup>  
شہادت:

حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں تھے جن کا دامن زیادہ عرصہ تک دنیا سے ملوث نہ ہونے پایا، مدینہ آنے کے بعد بدرِ عظمیٰ میں شریک ہوئے، ان کا اول و آخر غزوہ یہی تھا، اس میں جامِ شہادت پی کر پاک و صاف دنیا سے اٹھ گئے۔<sup>۲</sup> غربت کے ننگسار بھائی زید رضی اللہ عنہ نے بھی جو زندگی میں رفیق تھے سفرِ آخرت میں ساتھ نہ چھوڑا اور انہوں نے بھی اسی غزوہ میں مرتبہ شہادت حاصل کیا۔<sup>۳</sup>

## حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ

## نام و نسب:

ابوسبرہ کنیت، مگر اس کی شہرت نے اصل نام چھپا دیا، نسب نامہ یہ ہے ابوسبرہ بن

لہ..... ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے جس کو صحیحین نے حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔  
کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ۴ رکعتوں کے بجائے دو ہی رکعتیں نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم متحیر تھے، لیکن کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، ذوالیدین رضی اللہ عنہ جری آدمی تھے انہوں نے بڑھ کر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ نماز کم کر دی گئی یا آپ بھول گئے، آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے تصدیق چاہی، صحابہ نے تائید کی کہ ہاں آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں، تصدیق کے بعد آپ نے بقیہ دو رکعتیں پوری کر کے سجدہ سہو کیا۔ بخاری کتاب الاذان باب بل یا خدا الایام اذ اشک بقول الناس اس روایت کے راوی ابوسبرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو غزوہ خیبہ سے چھ مہینے قبل مدینہ میں شہید ہو چکے تھے اس لیے ذوالیدین اور ذوالشمالین رضی اللہ عنہم اس کے پانچ سال قبل بدرِ عظیم میں شہید ہو چکے تھے اس لیے ذوالیدین اور ذوالشمالین، دونوں ایک شخص نہیں ہو سکتے، دونوں کے نام میں بھی فرق ہے۔  
ذوالیدین کا نام خریاق ہے اور ذوالشمالین کا عمیر تھا۔ ۱ ابن سعد جز ۳، ص ۱۱۸

۲ اسد الغابہ جلد ۲، ص ۱۴۱ ۳ ابن سعد جز ۳، ص ۱۱۹

ابی رہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی عامری ان کی والدہ برہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اس رشتہ سے آنحضرت ﷺ کے چھوٹے چچا زاد بھائی ہوئے۔<sup>۱</sup>

اسلام و ہجرت:

حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ سابقین اسلام میں تھے اور حبشہ کی دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا، دوسری ہجرت میں ان کی بیوی کلثوم بنت سبیہ بھی ساتھ تھیں، ہجرت مدینہ کے بعد دوسرے مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئے اور منذر بن محمد رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ انہوں نے ان میں اور سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرا دی۔<sup>۲</sup>

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر، احد اور خندق وغیرہ جس قدر غزوات ہوئے سب میں شریک رہے۔ تا حیات نبوی ﷺ مدینہ میں قیام رہا، آپ کی وفات کے بعد مکہ چلے آئے، بدری صحابیوں میں تنہا یہی ہیں، جنہوں نے مدینہ کا قیام ترک کر کے دوبارہ دوبارہ مکہ کی سکونت اختیار کی۔<sup>۳</sup>

وفات:

اور یہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔<sup>۴</sup>

## حضرت حننئ بن حذافہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

حننئ نام ابو حذافہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، حننئ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہبصیص بن کعب بن لوی قرشی، ام المومنین حضرت حفصہ بنت سبیہ پہلے ان ہی کی زوجیت میں تھیں ان کا انتقال کے بعد ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔<sup>۱</sup>

۱ ابن سعد جز ۳ ص ۲۹۳ ح ایضاً ح استیعاب جلد ۲ ص ۷۰۶ ح اصحابہ جلد ۷ ص ۱۸۱

۲ ابن سعد جز ۳ ص ۲۹۳ ح اسد الغابہ

اسلام و ہجرت:

آنحضرت ﷺ کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے سے پہلے آپ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے اور پھر وہاں سے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان میں اور ابی عیسٰ بن جبیر رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرا دی۔<sup>۱</sup>

غزوات و شہادت:

سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں تلوار کے جوہر دکھائے پھر احد میں شریک ہوئے اور میدان جنگ میں زخم کھایا زخم کاری تھا اس سے جان بر نہ ہو سکے اور اسی صدمہ سے ۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیے گئے دفن کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔<sup>۲</sup>

حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہنام و نسب:

عتبہ نام والد کا نام مسعود تھا نسب نامہ یہ ہے عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ابن شمع بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کامل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ۔ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔<sup>۱</sup>

اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے ہجرت ثانیہ میں حبشہ پھر وہاں سے مدینہ گئے۔<sup>۲</sup>

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے اول احد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد کے تمام

۱ ابن سعد جزوق ۳ ص ۲۸۶ ۲ ابن سعد جزوق ۳ ص ۲۸۶ زہبی ہونے کا واقعہ استیعاب سے ماخوذ ہے۔

۳ ابن سعد جلد ۳ ص ۹۳ ج ایضاً

غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہر کابی کا فخر حاصل کرتے رہے۔<sup>۱</sup>

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی، ان ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔<sup>۲</sup>  
حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت زندہ تھے ان کو بھائی کی موت کا سخت قلع ہوا ضبط و تحمل کے باوجود بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ لوگوں نے تعجب کے لہجہ میں پوچھا آپ بھی روتے ہیں؟ جواب دیا میرا بھائی آنحضرت ﷺ کی صحبت کا میرا ساتھی تھا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے علاوہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔<sup>۳</sup>

فضل و کمال:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے حیرالامہ کہلاتے تھے۔ عتبہ بھی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان سے کم نہ تھے، لیکن دنیا سے کم سن گئے اس لیے ان کے جوہر نہ چمکنے پائے۔<sup>۴</sup>

### حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

صفوان نام ابو عمرو کنیت، نسب نامہ یہ ہے، صفوان بن وہب بن ربیعہ ابن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری، حضرت صفوان، حضرت سہل اور سہیل کے بھائی تھے۔  
اسلام و ہجرت:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ ارض مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اذان ہجرت کے بعد مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے آنحضرت ﷺ نے ان میں اور رافع بن معلیٰ میں مواخاۃ کرا دی۔<sup>۵</sup>

غزوات:

ہجرت کے بعد سب سے اول عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سر یہ میں شریک

۱ استیعاب جلد ۲ ص ۵۰۸ ۲ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۵۸ ۳ ابن سعد جلد ۲ ص ۹۳

۴ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۸ ۵ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۸ ۶ ابن سعد ج ۳ ص ۳۰۳

ہوئے پھر بدر عظمیٰ میں شرکت کا شرف حاصل کیا ابن اسحق کی روایت کی رو سے اسی غزوہ میں طیر ابن عدی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا، لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں طاعون عمواس میں وفات پائی اور بعض روایتوں سے ۳۸ھ میں وفات کا پتہ چلتا ہے۔<sup>۱</sup>

## حضرت سانان بن ابی سانان رضی اللہ عنہما

نام و نسب:

سانان نام سلسلہ نسب یہ ہے سانان بن ابی سانان بن محسن بن حرثان بن قیس بن لبید بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

اسلام و ہجرت:

زمانہ اسلام و ہجرت متعین نہیں، غالباً اپنے والد حضرت ابی سانان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے اور ان ہی کے ساتھ ہجرت کی ہوگی۔

غزوات:

بدر واحد و خندق وغیرہ تمام لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔ پھر ۱۷ھ میں غزوہ تبوک میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان میں جب آنحضرت ﷺ نے موت کی بیعت لینی شروع کی تو سانان رضی اللہ عنہ نے بھی ہاتھ بڑھایا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کس چیز پر بیعت کرتے ہو عرض کی کہ جو آپ کے دل میں ہے۔<sup>۲</sup>

وفات:

۳۲ھ میں وفات پائی۔

۱ اصابع ج ۳ ص ۳۵۱ و اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۷ ج ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۶۶

۲ ایضاً استیعاب جلد ۲ ص ۷۷، ۷۸ و ابن عبد البر نے یہ واقعہ حضرت ابی سانان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے جو صحیح نہیں ہے کیوں کہ ابی سانان رضی اللہ عنہ بیعت رضوان کے قتل بنو قریظہ میں وفات پا چکے تھے۔

## حضرت آنسہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

آنسہ نام ابو مسروح کنیت، سراقہ میں پیدا ہوئے، نسب کے لیے یہ شرف کافی ہے کہ سرور عالم ﷺ کی غلامی کا طوق ان کی گردن میں تھا۔  
اسلام و ہجرت:

اس شرف کی بنا پر آنسہ رضی اللہ عنہا دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کے زمانہ میں مدینہ گئے اور سعد بن خنیسہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔ اور جب تک زندہ رہے آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری محبوب مشغلہ رہا۔  
غزوات:

ہجرت کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جام شہادت پیا۔

وفات:

لیکن زیادہ روایتیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں وفات کی ہیں۔ ۳

## حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

طفیل نام والد کا نام حارث، نسب نامہ یہ ہے، طفیل بن حارث بن مطلب ابن عبد مناف قرشی مطلبی، ماں کا نام حیلہ تھا، یہ ثقفی قبیلہ سے تھیں۔  
اسلام و ہجرت:

بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے

ان میں اور سفیان بن نسر میں مواخاۃ کرا دی۔<sup>۱</sup>  
غزوات:

مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے بدزاد اور خندق وغیرہ کوئی غزوہ نہ چھوٹا۔<sup>۲</sup>  
وفات:

عمر کے ستر مر حطے طے کرنے کے بعد ۳۲ھ میں وفات پائی۔<sup>۳</sup>

اولاد:

اولاد میں صرف عامر بن طفیل کا پوتا چلا ہے۔<sup>۴</sup>

## حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہما

نام و نسب:

سائب نام باپ کا نام عثمان تھا، نسب نامہ یہ ہے سائب بن عثمان بن مظعون ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن حم بن عمرو بن بھصیح بن کعب بن لوی بن غالب قرشی الجمحی ماں کا نام خولہ تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارث بن اوقص۔  
ہجرت حبشہ اور واپسی:

دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے، اور ۵ھ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔ وہاں سے اہل مکہ کے اسلام کی افواہ سن کر مکہ واپس آئے، قریب پہنچے تو یہ خبر غلط نکلے اس وقت واپس جانا بھی دشوار تھا، سخت کنگش میں مبتلا ہوئے بالآخر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں مقیم ہو گئے۔  
ہجرت مدینہ:

بدر سے پہلے اپنے پورے کنبہ کے ساتھ مکہ کی سرزمین چھوڑ کر یرشہب کی غریب الوطنی

۱ ابن سعد ج ۳ ص ۳۵ ۲ استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۶ ۳ استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۶

۴ ابن سعد ج ۳ ص ۳۵ ۵ اسابہ جلد ۳ ص ۲۰ ۶ ابن سعد جز ۳ ص ۲۹۲



اختیار کی۔ مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہما میں مواخاۃ کرا دی۔  
 نیابت رسول (ﷺ):

بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ چھوٹے چھوٹے دستے قریش کے کاروان تجارت کا پتہ لگانے کے لیے بھیجتے تھے اور بعض میں بہ نفس نفیس شرکت فرماتے تھے اسی سلسلہ کے ایک سر یہ بواط میں جب نکلے تو سائب کو مدینہ میں اپنی قائم مقامی کا شرف عطا فرمایا۔  
 غزوات:

سائب رضی اللہ عنہ مشہور تیر انداز تھے اس لیے غزوات میں بڑے جوش و ولولہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے چنانچہ بدر احد خندق اور ان کے علاوہ تمام معرکوں میں داد شجاعت دی۔  
 وفات:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور جنگ میں ایسا کاری زخم کھایا کہ اس کے صدمہ سے کچھ دنوں بعد وفات پا گئے وفات کے وقت ۳۰ سال سے کچھ اوپر عمر تھی۔

## حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عامر نام والد کا نام ابی وقاص تھا سلسلہ نسب یہ ہے عامر بن ابی وقاص بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ماں کا نام حمزہ تھا نانہالی شجرہ یہ ہے حمزہ بنت سفیان بن امیہ بن عبد شمس امویہ عامر مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے حقیقی بھائی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔

۳ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۴۱

۱ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۸۸ ۲ ایضاً ص ۲۹۲

۳ استیعاب جلد ۲ ص ۵۸۸ ۴ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۹۲ ۵ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۹۱

## اسلام:

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے نانا ابوسفیان اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، لیکن حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اس ماحول میں اور اس وقت دعوت اسلام کو لبیک کہا، جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی چنانچہ اسلام لانے والوں میں ان کا دسواں نمبر ہے۔<sup>۱</sup>

اس وقت ان کی والدہ زندہ تھیں، ان کو لڑکے کی اس ”بے راہ روی“ کا سخت صدمہ ہوا، انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک عامر اسلام سے تائب نہ ہوں گے اس وقت تک وہ نہ سایہ میں بیٹھیں گی اور نہ کھانا کھائیں گی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی اس وقت دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، ماں کی اس بے جا ضد پر بولے، امان آپ عامر کے لیے عہد کیوں کرتی ہیں، میرے لیے کیجئے، انہوں نے کہا کیوں؟ کہا تا کہ اس وقت تک آپ نہ سایہ میں بیٹھ سکیں اور نہ کھا سکیں، جب تک اپنے جائے قیام دوزخ کو نہ دیکھ لیں، انہوں نے جواب دیا میں تیرے لیے کیوں عہد کروں، میں اپنے سعادت مند بیٹے کے لیے عہد کرتی ہوں، اس پر یہ آیت ”زلزلہ ہوئی“<sup>۲</sup>

﴿وَإِنْ جَاهِدَاكَ عَلَيَّ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطغَمَاهُمَا  
وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (لقمان)

”اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو کسی کو میرا شریک بنا جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر ہاں دنیا میں بھلائی کے ساتھ ان کی رفاقت کر۔“

ہجرت اور غزوات:

بالآخر ماں کی اس بے جا ضد سے تنگ آ کر ہجرت ثانیہ میں جوشہ چلے گئے اور وہاں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ آ کر احد میں شریک ہوئی۔<sup>۳</sup>

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شام میں وفات پائی۔<sup>۴</sup>

۱۔ استیعاب ج ۲ ص ۳۶۱ ج ۲ اسد الغابہ ج ۳ ص ۹۷ بعض ارباب سیر اس کا نزول حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق کرتے ہیں۔ ج ۳ اصابع ج ۶ ص ۱۶ ج ۲ ابن سعد ج ۲ ص ۳۰ ق ۹۱ ج ۵ اصابع ج ۲ ص ۱۶

## حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

وہب نام والد کا نام سعد تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن صیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔

اسلام و ہجرت:

زمانہ اسلام متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، لیکن سرزمین مکہ ہی میں اسلام لائے، اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان کو اور سوید بن عمرو رضی اللہ عنہ کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد احد، خندق اور حدیبیہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

شہادت:

غزوہ موتہ ۸ھ میں حق مذہب ادا کرتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے اسلامی بھائی سوید رضی اللہ عنہ جنہوں نے زندگی میں رفاقت کی تھی، موت میں بھی ساتھ دیا، چنانچہ یہ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔

## حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عبداللہ نام والد کا نام حارث تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی ماں کا نام عزیہ تھا، نانہالی شجرہ میں یہ عزیہ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزی بن عمیرہ بن وداعہ بن حارث بن فہر آبائی نام عبدشمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ

نے عبداللہ رکھا تھا۔<sup>۱</sup>

اسلام و ہجرت:

فتح مکہ کے پہلے اسلام قبول کر کے مدینہ آئے۔<sup>۲</sup>

غزوات:

گوان کی شرکت غزوات کی تصریح و تفصیل نہیں ملتی، لیکن اس قدر مسلم ہے کہ اس

شرف سے محروم نہ تھے۔

وفات:

چنانچہ کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنے پیراہن مبارک میں کفنا کر دفن کیا اور

فرمایا کہ ان کو سعادت مل گئی۔<sup>۳</sup>

## حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمرو نام والد کا نام سراقہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عمرو بن سراقہ بن معتمر بن انس ابن

اواہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی قرشی عدوی۔

اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بلاکشان اسلام کے

ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے یہاں مہمان ہوئے۔<sup>۴</sup>

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے بدر احد اور

خندق سب میں شرف جہاد حاصل کیا۔ بڑے معرکوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے لڑائیوں میں بھی

شریک ہوتے رہے، بعض بعض سریوں میں فاقہ پر فاقہ ہوتے، لیکن ابوہریرہؓ تک نہ پہنچے۔

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۳۳ ج ۱ ایضاً ج ۱ ص ۳۳ ج ۱ ص ۵۱ ابن سعد ج ۱ ص ۵۱

۲ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۸۱ ج ۱ ص ۲۸۱ ج ۱ ص ۲۸۱

عمر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سریہ میں عمرو بن سراقہ ہمارے ہمراہ تھے راستہ میں فاقہ کی نوبت آگئی، عمرو چھریوں سے بدن کے نازک اندام اور لمبے آدی تھے اس لیے ان کی حالت زیادہ نازک ہوگئی اور پتھر باندھ کر چلنے کے لائق ہوئے۔<sup>۱</sup>

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی اولاد کوئی نہ تھی۔<sup>۲</sup>

## حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عبداللہ نام، نسب نامہ یہ ہے، عبداللہ بن سراقہ بن معتمر بن انس بن اوادہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی قرشی عدوی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مذکور الصدر صحابی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت:

بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور مکہ سے براہ راست مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمذر رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے۔<sup>۳</sup>

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر، احد وغیرہ تمام معرکوں میں شریک ہوتے رہے۔<sup>۴</sup>

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی، وفات کے بعد ان کی نسل نہ چلی۔<sup>۵</sup>

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۸۱ ۲ ایضاً

۳ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۰۳

۴ ا تیغاب ج ۱ ص ۳۹۳ و اصا بہ ترجمہ عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

۵ تہذیب الکمال ص ۱۹۹

## حضرت اسود بن نوفل رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

اسود نام، والد کا نام نوفل، شجرہ نسب یہ ہے، اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی اسدی، ماں کا نام فریجہ تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، فریجہ بنت عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی، حضرت اسود رضی اللہ عنہ ام المؤمنین خدیجہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور ورقہ بن نوفل کے بھائی تھے، ان کے والد نوفل سخت کینہ پرور مشرک اور مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے۔<sup>۱</sup>

اسلام:

لیکن جس گھر میں خدا کا نام لینا سخت ترین جرم تھا، اسی میں اسود رضی اللہ عنہ نے توحید کی صدا بلند کی۔<sup>۲</sup>

ہجرت:

سبقت اسلام کے ساتھ اسود رضی اللہ عنہ نے ہجرت جشہ کا شرف بھی حاصل کیا اور وہاں سے آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد مدینہ گئے۔<sup>۳</sup>

## حضرت شمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

شمامہ نام، باپ کا نام عدی تھا، نسبی تعلق قریش سے تھا، لیکن اس کی تصریح نہیں ملتی کہ اس کی کس شاخ سے تعلق تھا۔<sup>۴</sup>

اسلام:

زمانہ اسلام کی تعیین بھی نہیں کی جاسکتی، مگر اتنا معلوم ہے کہ یہ شرف ابتدائی ایام میں حاصل ہوا، چنانچہ ارباب سیر نے آپ کو مہاجرین اولین کے زمرہ میں شامل کیا۔<sup>۵</sup>

۱۔ اسد الغابہ، اول ص ۸۸ ج ۱ ایضاً ج ۲، اسد الغابہ، اول ص ۵۴ ج ۱ اسد الغابہ، جلد ۱ ص ۲۴۸ ج ۱ اسد الغابہ، اول ص ۲۱۲

غزوات:

ہجرت کے بعد بدرِ عظمیٰ میں شریک ہو کر امتیاز خاص حاصل کیا۔  
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صنعاء کی مسند حکومت پر سرفراز ہوئے، آپ کی شہادت کے وقت یہیں تھے، یہ المناک خبر سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اسی حالت میں خطبہ دیا، ضبط گریہ گلو گیر تھا، بشکل چند جملے کہہ سکے کہ ”امت محمد ﷺ میں آج خلافت سلطنت سے بدل گئی، اب جو شخص جس چیز پر قابض ہوگا اس کو کھائے گا“۔<sup>۱</sup>

### حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سعد نام، والد کا نام خولہ تھا، یہ عجمی نژاد یمنی مسکن اور بنو عامر بن لوی کے حلیف تھے۔

اسلام و ہجرت:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سابقین اسلام میں تھے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی، وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔<sup>۲</sup>

غزوات:

بدر احد، خندق اور حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور بدر میں پچیس سال کی عمر تھی۔<sup>۳</sup>

وفات:

حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ گئے، یہیں بیمار پڑے اور وفات پا گئے۔<sup>۴</sup> مہاجرین کے لیے مکہ میں مرنا آنحضرت ﷺ پسند نہ فرماتے تھے، اس لیے سعد رضی اللہ عنہ کی وفات سے بہت محزون ہوئے۔<sup>۵</sup>

۱۔ اسد الغابہ جلد اول ص ۲۳۹ ۲۔ استیعاب ج اول ص ۷۹ ۳۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۹۷

۴۔ ایضاً ۵۔ مسلم جلد اول ص ۵۸۷ طبع مصر ۱۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۹۷

اولاد:

آپ کی وفات کے بعد دو ہی ایک دن بعد آپ کی بیوی سمیعہ بنت حارث کے بطن سے ایک اولاد ہوئی، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد فوت ہو گئی۔

## حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

معمر نام ابو سعید کنیت، نسب نامہ یہ ہے، محمّر بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری ماں کا نام زنبہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، زنبہ بنت ربیعہ بن ہلال بن ضباب بن جحیر بن عبد بن مہصیص بن عامر بن لوی۔

اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے، دوسری ہجرت میں حبشہ گئے وہاں سے مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔

غزوات:

بدر احد اور خندق تمام مشہور لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

ازواج و اولاد:

حضرت معمر رضی اللہ عنہ کے دو بیویاں تھیں، امامہ بنت عامر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی بہن، پہلی کے بطن سے عبد اللہ تھے اور دوسری سے عمیر۔

۱ ابن سعد جلد ۳ ص ۳۰۳ ح ایضاً

ح استیعاب جلد اول ص ۲۷۸

ح ابن سعد حوالہ مذکور



## حضرت محمدیہ بن جزء رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

محمدیہ نام والد کا نام جزء تھا، نسب نامہ یہ ہے محمدیہ بن جزء بن عبد یغوث ابن عوتج بن عمرو بن زبید الاصغر۔ بنو حجج کے حلیف تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے فضل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی صاحبزادی بیابنی تھیں۔

اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔<sup>۱</sup>

غزوات:

غزوہ مرسیع (بنو مصطلق) کے زمانہ میں مدینہ ہجرت کی اسی غزوہ سے شرکت کی ابتدا ہوئی۔<sup>۲</sup>

آنحضرت ﷺ نے ان کو کس کا عامل بنایا، غزوہ مرسیع میں بھی یہ خدمت ان ہی کے سپرد تھی۔<sup>۳</sup>

آنحضرت ﷺ ان سے بہت خوش رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ اظہارِ خوشنودی کے طور پر نہایت خوبصورت لونڈی عطا فرمائی تھی۔<sup>۴</sup>

## حضرت عدی بن نصلہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عدی نام والد کا نام نصلہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے عدی بن نصلہ بن عبد العزیٰ ابن حرقان بن عوف بن عوتج بن عدی بن کعب۔

۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۳۵ ۲ استیعاب ج ۱ ص ۲۹۵

۳ اصحاب ج ۶ ص ۶۸ و ابن سعد حوالہ مذکور ۴ اصحاب جلد ۶ ص ۶۸

## اسلام و ہجرت:

دعوتِ اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے۔

## وفات:

وقت پورا ہو چکا تھا اس لیے مدینہ جانے کی نوبت نہیں آئی اور اسی غربت کدہ میں بیوند خاک ہو گئے، مہاجرین میں عدی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ارض حبشہ کو آرام گاہ بنایا۔

## اولاد:

وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں، صاحبزادوں میں نعمان اور نعیم اور صاحبزادیوں میں آمنہ تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک زمانہ خلافت میں نعمان کو بیسان کا عامل بنایا تھا، یہ شاعر آدمی تھے، ایک غزل میں ایک عورت کی تسمیہ کر ڈالی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً معزول کر دیا، نعمان نے بڑی صفائی پیش کی کہ اس کا مقصد شاعری تھا واقعہ سے اس کو کوئی تعلق نہیں، لیکن آپ نے کوئی عذر مقبول نہ سمجھا اور فرمایا ان اشعار کے بعد تم میرے عامل نہیں رہ سکتے۔

## حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ:

## نام و نسب:

یزید نام والد کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب ابن اسد بن عبد العزیٰ قرشی اسدی ماں کا نام قریبہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، قریبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، یزید رضی اللہ عنہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے مشورہ کے عبد جلیل کا حامل چلا آتا تھا، اور ظہور اسلام کے وقت یہ اس پر فائز تھے۔

۱ ابن سعد، ج ۲، ص ۱۰۳ ج ایضاً، ص ۲۲۳ ج ابن سعد، ج ۲، ص ۱۰۳

ج ایضاً، ص ۶ ص ۳۴۰

اسلام و ہجرت:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرتِ ثانیہ میں حبشہ گئے۔  
غزوات و شہادت:

مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ برابر جہاد میں شریک ہوتے رہے  
غزوہ طائف میں بھی آپ کے ساتھ تھے اتفاق سے میدانِ جنگ میں ان کا گھوڑا بھڑک کر  
بھاگا انہوں نے پکڑ کر شہید کر دیا۔ کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہنام و نسب:

سکران نام والد کا نام عمرو تھا نسب نامہ یہ ہے سکران بن عمرو بن عبد شمس ابن عبدود  
بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی عامری ماں کا نام حبیبہ تھا نانہالی شجرہ یہ ہے  
حبیب بنت قیس بن حمیس بن ثعلبہ بن حبان بن غنم بن ملیح بن عمرو خزاعی۔

اسلام و ہجرت:

دعوتِ اسلام کے آغاز میں اسلام قبول کیا اور ہجرتِ ثانیہ میں مع اپنی اہلیہ سودہ  
رضی اللہ عنہا کے حبشہ گئے۔

وفات:

موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق حبشہ میں وفات پائی اور ابن اسحاق کی روایت  
کے رو سے حبشہ سے مکہ آئے اور مدینہ جانے کی نوبت نہ آسکی یہیں وفات پا گئے۔ ان کی  
وفات کے بعد ان کی بیوی سودہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔

۱ ابن سعد ج ۳ ق ۳ ص ۸۹

۲ ایضاً استیعاب ج ۲ ص ۲۶۶ و اتحد کی تفصیل ابن سعد میں ہے۔

۳ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۱۵۰

۴ استیعاب ج ۲ ص ۵۹۹ و ابن سعد حوالہ مذکور

## حضرت ابوسنان بن محسن رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

وہب نام، ابوسنان کنیت، والد کا نام محسن تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب ابن محسن بن حرمات بن قیس بن لبہ بن غنم میں دو دان بن اسد بن خزیمہ، وہب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ کے بھائی اور قبیلہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔

اسلام و ہجرت:

زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی، مگر اتنا مسلم ہے کہ اذن ہجرت کے پہلے اسلام لاپکے تھے اور بدر سے پہلے مدینہ آ گئے تھے۔

بدر:

مدینہ آنے کے بعد ہی بدر کا معرکہ پیش آیا، چنانچہ اول اول اسی میں شریک ہوئے پھر احد اور خندق میں جان بازیاں دکھائیں۔

وفات:

۵ھ میں بنو قریظہ کی مہم میں نکلے اور دوران محاصرہ میں انتقال کر گئے اور بنو قریظہ کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

بعض ارباب سیر کا بیان ہے کہ ابوسنان صلح حدیبیہ میں موجود تھے اور بیعت رضوان میں سب سے پہلے ان ہی نے بیعت کی تھی، لیکن یہ محض التباس ہے غزوہ بنو قریظہ میں ان کی وفات مسلم ہے، اور بیعت اس سے ایک سال بعد ۶ھ میں ہوئی، بیعت کرنے والے یہ نہیں بلکہ ان کے لڑکے سان بن ابوسنان رضی اللہ عنہ تھے۔

## حضرت فراس بن نصر رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

فراس نام والد کا نام نصر تھا، نسب نامہ یہ ہے، فراس ابن نصر بن حارث ابن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی، ماں کا نام زینب تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے زینب بنت یناش بن زراہ بن اسد بن عمرو تمیم تمیمی۔

اسلام و ہجرت:

مکہ میں ابتدا میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔<sup>۱</sup>

شہادت:

ان کی مدنی زندگی کے حالات کچھ نہیں معلوم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام کے لڑائیوں میں شریک ہوئے اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ یرموک میں جام شہادت پیا۔<sup>۲</sup>

## حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

حاطب نام والد کا نام حارث تھا، نسب نامہ یہ ہے، حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن جحج، ماں کا نام قہیلہ تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے، قہیلہ بنت مظعون ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جحج۔

اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اہل وعیال

حبشہ گئے۔<sup>۳</sup>

وفات:

پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ جانے کی نوبت نہ آسکی اور اسی سرزمین کو

۱ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۹۰ ۲ اصحاب و استیعاب ترجمہ فراس رضی اللہ عنہ ج ۱ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۳۷

آرام گاہ بنالیا۔<sup>۱</sup> کچھ میں آپ کے اہل و عیال مدینہ واپس ہوئے، بچوں میں محمد اور حارث یادگار تھے۔<sup>۲</sup>

## حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

معمر نام، والد کا نام حارث تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، معمر بن حارث بن معمر ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح، ماں کا نام قلیلہ تھا، حضرت معمر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن مظعون رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔

اسلام و ہجرت:

آنحضرت ﷺ کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرا دی۔<sup>۳</sup>

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر واحد و خندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔<sup>۴</sup>

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

## حضرت ابورہم اشعری رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

مجدی نام، ابورہم کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، مجدی بن قیس بن حضار بن جرب بن عامر بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن اشعر، حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ مشہور صحابی

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔  
اسلام و ہجرت:

بڑے بھائی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ آئے یہ جنگ خیبر کا زمانہ تھا مگر ابو رہم رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہ ہو سکے تھے تاہم آنحضرت ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا اور فرمایا تم لوگ دوہرے مہاجر ہو ایک مکہ سے حبشہ کی ہجرت دوسری حبشہ سے مدینہ کی۔  
مدینہ آنے کے بعد سے ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا پھر دور فتن میں نظر آتے ہیں یہ طبعاً ہنگامہ پسند تھے فتنہ کے زمانہ میں بھی بہت نکلتے تھے اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ان کو روکتے تھے۔ ۳

### حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عاصر نام ابو بردہ کنیت یہ بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

اسلام:

بھائی کے ساتھ اسلام لائے اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے پھر وہاں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ آئے۔  
مدینہ آنے کے بعد کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

### حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

حارث نام والد کا نام خالد تھا نسب نامہ یہ ہے حارث بن خالد بن صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔

اسلام و ہجرت:

دعوت کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اور دوسری ہجرت میں مع اپنی اہلیہ ریطہ

بہینہ کے حبشہ گئے۔<sup>۱</sup>

وفات:

حبشہ میں ان کے چار اولادیں ہوئیں 'موسیٰ' عائشہ زینب اور فاطمہ حبشہ سے مدینہ کی واپس میں ایک مقام پر پانی پیا اس میں سمیت تھی اس کے اثر سے گھر کا گھر صاف ہو گیا البتہ خود بچ گئے اور راہ خدا میں پورے گھر کو دفن کر یکہ و تنہا مدینہ آئے آنحضرت ﷺ نے دُجعی کے لیے یزید بن ہاشم کے غلامی کی لڑکی سے شادی کر دی۔<sup>۲</sup>

حضرت عیاش بن زہیر رضی اللہ عنہنام و نسب:

عیاش نام ابو سعید کنیت سلسلہ نسب یہ ہے عیاض بن زہیر بن ابی شداد ابن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضہ بن حارث بن فہر قرشی ماں کا نام سلمی تھا نانہالی شجرہ یہ ہے۔ سلمی بنت عامر بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضہ بن حارث۔<sup>۳</sup>

اسلام و ہجرت:

زمانہ اسلام کی تعیین نہیں کی جاسکتی ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے وہاں سے مدینہ آئے

۱ ابن سعد جزوق ۱ ص ۹۵ ج ۱ اصابہ جلد اول ص ۲۹۰

۲ ارباب سیر میں عیاض بن زہیر اور عیاض بن غنم فاتح جزیرہ کے بارہ میں سخت اختلاف ہے بعض ان دونوں کو دو شخص بتاتے ہیں اور عیاض بن غنم کو عیاض بن زہیر کا بھتیجا کہتے ہیں اور بعض دونوں کو ایک ہی شخص لکھتے ہیں اور نسبت کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ عیاض بن زہیر اپنے دادا زہیر کی طرف منسوب ہو گئے ورنہ دراصل وہ ان کے بیٹے نہیں بلکہ پوتے ہیں اور اصل سلسلہ اس طرح ہے عیاض بن غنم بن زہیر بہر حال جن لوگوں کے نزدیک یہ دو شخص ہیں انہوں نے ان دونوں کے حالات الگ الگ لکھے ہیں لیکن عیاض بن غنم مجتہد کا نام مہاجرین کے زمرہ میں نہیں ملتا اس لیے وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔



اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے۔<sup>۱</sup>  
غزوات:

بدرو احد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔<sup>۲</sup>

وفات:

۳۰ھ میں وفات پائی۔<sup>۳</sup>

## حضرت خباب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

خباب نام ابو یحییٰ کنیت خباب بن نوفل بن عبد مناف کے حلیف اور مشہور صحابی  
 حضرت عقبہ بن غزو ان کے غلام تھے۔

اسلام و ہجرت:

ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں، لیکن قیاس ہے کہ اپنے آقا حضرت عقبہ کے ساتھ  
 مشرف باسلام ہوئے ہوں گے، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے ان ہی کے ساتھ انہوں  
 نے ہجرت کی، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور تمیم کے غلام خراش ابن صمد میں مواخاۃ کرا دی۔<sup>۴</sup>  
غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے پھر احد اور خندق  
 وغیرہ میں دادِ شجاعت دی۔<sup>۵</sup>

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۱۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی، وفات کے وقت  
 پچاس سال کی عمر تھی۔<sup>۶</sup>

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۳۰۴ ۲ ایضاً ۳ اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۴

۴ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۳۸۳-۳۸۴ ۵ ایضاً ۶ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۵۶

## حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

مسعود نام ابو عمیر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مسعود بن ربیع بن عمرو بن سعد بن عبدالعزیٰ

اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، پھر ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے آنحضرت ﷺ نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور ابو عبیدہ بن تیہان میں مواخاۃ کرا دی۔<sup>۱</sup>

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر، احد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔<sup>۲</sup>

وفات:

۳۰ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت ساٹھ سال سے اوپر کی عمر تھی۔<sup>۳</sup>

## حضرت ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ربیعہ نام ابو زید کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ربیعہ بن اکثم بن سخرہ بن عمرو بن کبیر ابن عامر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی۔

اسلام و ہجرت:

بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔<sup>۱</sup>

شہادت:

اور سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شرکت کا امتیاز حاصل کیا، پھر اس کے بعد کی تمام مہموں

احد خندق اور حدیبیہ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے اور غزوہ خیبر میں حارث یہودی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا۔

## حضرت عمیر بن رباب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمیر نام والد کا نام رباب تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عمیر بن رباب بن حذیفہ بن جہشم ابن سعد بن سلمہ ماں کا نام ام وائل تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، ام وائل بنت معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن تمح۔

اسلام و ہجرت:

اذن ہجرت کے قبل اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں جہشہ گئے۔

شہادت:

عراق کی مہم میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور عین اتمر کے معرکہ میں شہید ہوئے۔

## حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمرو نام والد کا نام عثمان تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔

اسلام و ہجرت:

مکہ میں دعوتِ اسلام کے آغاز میں اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں جہشہ گئے۔

۱ ابن سعد جز ۳ ق اول ص ۶۷ ۲ ابن سعد جز ۳ ق اول ص ۱۳۵ ۳ ابن سعد جلد ۲ ص ۳۳۸

۴ ابن سعد جز ۳ ق اول ص ۹۲

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایران کی فوج کشی میں شریک ہوئے اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ قادسیہ میں شہادت پائی شہادت کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔

### حضرت خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

خطاب نام والد کا نام حارث تھا سلسلہ نسب یہ ہے خطاب بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن حح۔

اسلام:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنے بچوں کے حبشہ گئے۔

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

### عائل بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

حضرت عائل رضی اللہ عنہ چار بھائی تھے عائل ایاس خالد اور عامر ان کے والد کا نام ابی بکیر تھا ان سب کا نسب نامہ یہ ہے ایما ابی بکیر بن عبد یاسیل بن ناشب بن غیرہ ابن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناة بن کنانہ لیشی۔

اسلام و ہجرت:

ارقم کے گھر میں قبول اسلام کا آغاز ان ہی چاروں بھائیوں سے ہوا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے ہی چاروں مشرف

باسلام ہوئے اور سب نے مع بال بچوں کے ایک ساتھ مدینہ کی ہجرت کی اور مکہ میں گھر کا دروازہ بالکل بند ہو گیا، مدینہ آنے کے بعد چاروں رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہم کے یہاں اترے۔<sup>۱</sup> اور آنحضرت ﷺ نے ایاس اور حارث بن خزیمہ میں، خالد یزید بن دہنہ میں، عاقل اور مجذربن زیاد میں، اور عامر اور ثابت بن قیس بن شماس میں مواخاۃ کرا دی۔

### غزوات:

مدینہ آنے کے بعد چاروں غزوات میں شریک ہوتے رہے، عاقل رضی اللہ عنہ: ان سب میں زیادہ خوش نصیب تھے، انہوں نے بدر میں مالک بن زمیر کے ہاتھوں حیات جاوید حاصل کی۔<sup>۲</sup> اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے بدر اور احد کے معرکوں میں شرکت کے بعد سریہ رجیع میں ۴ ھ جام شہادت پیا۔<sup>۳</sup> عامر بدر، احد اور خندق میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہے اور ۱۳ ھ میں مرتدوں کی سرکوبی پر مامور ہوئے، اور اس سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں شہادت حاصل کی۔ سب سے آخر میں ایاس بدر، احد، خندق، خیبر اور دوس معرکہ آرائیوں میں شریک ہوتے رہے۔<sup>۴</sup> ۳۴ ھ میں راہی ملک بقاء ہوئے۔<sup>۵</sup>



۱ ابن سعد جزوق اص ۲۸۳ ۲ ابن سعد جزوق اص ۲۸۳

۳ استیعاب ج ۱ ص ۱۵۶ ۴ استیعاب ج ۲ ص ۲۶۱

۵ استیعاب جلد ۱ ص ۱۴۸ ۶ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۱۵۳

## حضرت عبداللہ الاصفغر رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عبداللہ نام والد کا نام شہاب تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن شہاب ابن عبداللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب، عبداللہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھانجے اور امام شعیبی کے نانا تھے۔

ہجرت:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام قبول کیا اور اذنِ ہجرت کے بعد حبشہ گئے۔

وفات:

پیانہ عمر لبریز ہو چکا تھا اس لیے مدینہ آنے کی نوبت نہ آسکی اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک ہوئے۔

## حضرت قیس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

قیس نام والد کا نام عبداللہ تھا، نسبی تعلق قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا، ان کی لڑکی آمنہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی دایہ تھیں اور یہ خود ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش کے خدمتگار تھے۔

اسلام و ہجرت:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اپنے آقا عبید اللہ بن

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۹۲ و اصابع ج ۳ ص ۱۸۵

۲ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۹۲ و اصابع ج ۳ ص ۱۸۵

۳ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۱ و اصابع جلد ۵ ص ۲۶

جیش کے ساتھ مع اپنی بیوی برکہ بنت یسار بنی سہیل کے جیش گئے، عبید اللہ نے یہاں مذہب عیسوی قبول کر لیا، لیکن قیس بنی شیبہ نے اس میں آقا کی پیروی نہ کی اور اپنے مذہب پر قائم رہے۔

## حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

مالک نام، والد کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے مالک بن زمعہ بن قیس ابن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی، مالک ام المومنین حضرت سودہ بنی سہیل کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی عمیرہ بنی سہیل کے جیش گئے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں۔

## حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

حاطب نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن خسل بن عامر بن لوی، ماں کا نام اسماء تھا۔

اسلام و ہجرت:

آنحضرت ﷺ کے ارقم بنی سہیل کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد جیش کی ہجرت کی، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا۔ پھر وہاں سے مدینہ گئے اور رفاعہ بن عبد المنذر بنی سہیل کے مہمان ہوئے۔

۱۔ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۷۷ ج ۱ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۱۵۰

۲۔ ایضاً ج ۱ استیعاب ج ۱ ص ۱۳۳۔ ۳۔ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۲۹۳

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدرِ عظمیٰ میں شریک ہوئے۔ بدر کے بعد احد میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس کے بعد کے حالات معلوم نہیں۔

حضرت اربد بن حمیر رضی اللہ عنہنام و نسب:

اربد نامی ابو حنی کینت تبا قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھے۔

اسلام و ہجرت:

مکہ میں مشرف باسلام ہوئے پھر ہجرت کر کے حبشہ گئے وہاں سے ہجرت کر کے زمانہ میں مدینہ آئے۔<sup>۳</sup>

غزوات:

اور بدرِ عظمیٰ میں شریک ہوئے بدر کے بعد کے حالات کا پتہ چلتا۔<sup>۴</sup>

حضرت جہم بن قیس رضی اللہ عنہنام و نسب:

جہم نام ابو خزیمہ کینت نسب نامہ یہ ہے جہم بن قیس بن عبداللہ ابن شریحیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی ماں کا نام رہیمہ تھا۔<sup>۵</sup>

۱ اسما جلد اول ص ۳۱۵ - ۲ ابن سعد حوالہ مذکور

۳ اسد الغابہ جلد اول ص ۵۸ - ۴ ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۶۸

۵ ابن سعد اسد الغابہ ترجمہ جہم



## اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع یوی بچوں کے حبشہ گئے، یہیں ان کی یوی حریمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ ان کی وفات کے حالات نہیں معلوم۔

## حضرت ہاشم بن ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ

### نام و نسب:

ہاشم نام والد کا نام ابو حذیفہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، ہاشم بن ابو حذیفہ ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔

### ہجرت:

حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ، قدیم الاسلام تھے، ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔

### وفات:

وفات کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہے کہ اس وقت کوئی اولاد نہ تھی۔



۱۔ ابن سعد واسد الغابہ ترجمہ جمہ بنی شیبہ

۲۔ ابن سعد جز ۳، قسم اول ص ۹۹